لبیک اے عشق



ثمر فیاض ماہی

پیش لفظ

''یارب العالمین! تیرا لاتعداد شکر ہے کہ میں آج اپنا گیارہواں ناول مکمل کر کے اس کا پیش لفظ تحریر کرنے کے قابل ہوا ہوں۔ ایک رِیت اور رسم چل پڑی ہے کہ پیش لفظ لازمی ہونا چاہیے۔ تاکہ قارئین کرام کو تحریر پڑھنے میں آسانی اور رہنمائی بھی مل سکے......

''لبیک اے عشق'' ایک ایسا موضوع ہے کہ جس نے میرے سابقہ ناولوں کی طرح میرے احساسات و جذبات سے نہ صرف کھیلا ہے بلکہ میرے اعصاب کو بھی شل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ راز کی بات تحریر کرنے لگا ہوں کہ میں نے جب جب عشقِ حقیقی کے موضوع کو چھیڑا ہے تو نادیدہ قوتوں نے مجھے اس موضوع پر لکھنے سے منع کرنے کے لیے مجھے بہت سے خطرات سے گزارا ہے۔ اس کہانی کے ہر ایک لفظ نے میری ہر اک سانس کے ساتھ بے دردی اور بے رحمی سے کھیلا ہے۔

محترم برادر جناب عبدالغفار صاحب اس بات کے گواہ ہیں کہ میں گزشتہ ڈیڑھ سال سے اس ناول کا مسودہ لکھنے کے لیے ان سے وعدوں پر وعدے کرتا رہا لیکن ہر بار وعدہ ٹوٹ جاتا رہا کیونکہ کوئی نہ کوئی آفت چہرہ بدل کر میرے گھر، رشتہ داروں، دوستوں اور میرے وجود پر حاوی ہوتی رہتی تھی۔

لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ عبدالغفار صاحب طویل انتظار کے باوجود ثابت قدم رہے اور انہوں نے اس ناول کی اشاعت کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کے نام، ٹائٹل، کمپوزنگ اور پھر کتاب کی خوبصورتی میں جس طرح دلچسپی لی ہے وہ سب معاملات قابلِ تعریف اور قابلِ قدر ہیں۔ میری کتاب کو اتنی محبت دینے پر میں ان کا دل سے مشکور ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مستقبل میں بھی اپنی محبت بھری رہنمائی فرما کر میری تحریروں کی نوک پلک سنوارتے رہیں گے۔

''لبیک اے عشق'' جتنا نازک اور حساس موضوع ہے اس کہانی کے کردار بھی انگوٹھی میں جڑے ہوئے ان نگینوں کی مانند ہیں جو ایک دوسرے کی خوبصورتی اور دلکشی کو بڑھانے کے لیے ہمیشہ ہمیشہ ساتھ ہی رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن پھر کسی ایک کو انگوٹھی سے کسی ناگہانی اتفاقی سانحے یا حادثے کا شکار ہو کر نکلنا یا گرنا پڑتا ہے تو باقی نگینے اپنے ساتھی کی جدائی پر کیا ردِعمل ظاہر کرتے ہیں۔ اس ردِعمل کو میں نے اپنے حقیر سے الفاظ میں بیان کرنے کی جسارت کی ہے۔

بیٹی کو زحمت سمجھ کر ایک باپ نے بیٹی سے منہ پھیرا تو تقدیر اس سے اتنی ناراض ہوگئی کہ اس کا سب کچھ ہی ڈرامائی انداز میں چھن گیا حتیٰ کہ اس کی بینائی بھی چھن گئی اور جب بیٹی اس کے سامنے آئی تو وہ تڑپ اُٹھا اور کاتبِ تقدیر کے قلم کا ایسا اسیر ہوا کہ کاسہ پکڑ کر بیٹی کے دَر کا سوالی بن گیا۔

تیسری دنیا کا نام پانے والے ہیجڑوں کا کردار آپ کو چونکنے پر مجبور کر دے گا کیونکہ اگر کہانی میں یہ لوگ نہ

ہوتے تو میں کبھی بھی اس کہانی کو مکمل نہ کر سکتا تھا۔ ان لوگوں نے بتایا ہے کہ یہ معاشرے کا حصہ ہیں اور محبت بانٹتے نکلے ہیں لیکن خود ان کو بھی پُرخلوص محبت کی تلاش ہے۔ حیرت انگیز کردار لیکن پوری کہانی پر چھائے رہنے کا فن جانتے ہوئے میرے قلم اور میرے الفاظ کو خراج پیش کرنے کے لیے جس طرح ان ہیجڑوں نے اپنے کردار نبھائے ہیں میں خود بھی انگشت بدنداں رہ گیا۔

دولت اور جائیداد کی چمک نے کئی بار سچی محبت کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہے لیکن ہمیشہ سے جیت سچی محبت کی ہوتی آئی ہے اور ہوتی رہے گی۔ دو ایسے کردار جو انجان اور اجنبی تھے لیکن ان میں سے ایک کی محبت سچی تھی۔ وہ سدا کے لیے جیون ساتھی بن گئے لیکن معاشرہ اور سماج اپنے رسم و رواج کی دیواریں ان کی راہوں میں کھڑی کرنے سے باز نہ آیا تھا۔

آج تک عشق نے ہی ہر کسی کو للکارا تھا لیکن اس کہانی کا مرکزی کردار جس نے عشق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عشق کا کلیجہ بھی دہلا دیا۔ عشق نے اس کی راہ میں کانٹے بچھاتے ہوئے منزل اس سے کوسوں دور کر دی کٹھن اور پُرخار راہوں کو عبور کرنے کے لیے اس نے عشق کے چیلنج کو لبیک کہہ کر قبول کیا اور پھر اس طرح عشق کو سُرخرو کیا کہ خود قدرت، شریعت، عبادت اور عشق بھی حیران رہ گیا۔

اس سے پہلے میرا ناول ''شیشے کا گھر پتھر کے لوگ'' آپ لوگوں کے ہاتھوں کی زینت بنا ہے۔ اس ناول کی پسندیدگی پر میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ کے محبتوں بھرے پیغامات مجھ میں مزید لکھنے کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔ آپ کی اصلاحی تنقید مجھے بار بار آپ کے علم اور تجربہ کی عدالت کے کٹہرے میں طلب کر لیتی ہے اور میں قلم کا سہارا لے کر الفاظ کو اپنا وکیل بنا کر سر جھکائے آن کھڑا ہوتا ہوں۔ اب بھی اس ناول میں بہت سی خامیاں، جھول اور لچک ہو گی جو امید ہے آپ نظر انداز کرتے ہوئے کہانی سے لطف اندوز ہوں گے۔

گھنگرو اور کشکول سے گیلے پتھر اور پھر کاغذ کی کشتی، کانچ کا مسیحا، تاوان عشق، عین شین قاف، موم کا کھلونا، ٹھہرے پانی، میرا عشق فرشتوں جیسا، شیشے کا گھر اور پتھر کے لوگ لکھنے تک کا جو سفر ہے وہ الحمدللہ جاری ہے یہی تو وجہ ہے کہ اب لبیک اے عشق تحریر کر سکا ہوں۔

آخر میں برادر شیخ محمد اعجاز، کپتان محمد سعید، عبدالجبار اور چاچا ناظر حسین کا بے حد ممنون ہوں جو مجھ سے اپنی محبتوں کا سلسلہ جوڑے ہوئے ہیں۔ میاں محمد ندیم شیخ محمد عرفان صاحب ہوزری فیبرکس والے اپنی جن محبتوں سے مجھے نوازتے ہیں میں ان کا مشکور و ممنون ہوں اور آپ سب کی محبتوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے میں فیس بک پر بھی اکثر الفاظ ادا کرتا رہتا ہوں۔

دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

منتظر و مخلص

محمد فیاض ماہی

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَاشَرِیْکَ لَکَ

حاجیوں کے دل سے ہوتی ہوئی پھیپھڑوں کو تقویت بخشتی ہوئی آواز جو کہ حلق سے پیدا ہو کر ایسا سوز پیدا کر رہی تھی کہ بیت اللہ کی پُرنور فضائیں ان مقدس صداؤں پر قربان ہو رہی تھیں۔ نورانی روشنی میں نہایا ہوا بیت اللہ سیاہ غلاف اوڑھے اپنی ہیبت اور شان کے ساتھ بڑی ہی شوکت سے وسیع و عریض صحن میں کھڑا حاجیوں کے دل و نگاہ کا مرکز و محور بنا ہوا تھا۔

حجاج کرام آقائے دو جہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنے کے لیے طوافِ کعبہ کر رہے تھے۔ نمازیوں نے صحن حرم میں سجدے کر کے اپنی جبینوں پر سیاہ محراب بنا لیے تھے۔ ابابیلوں کی قطاریں اللہ رب العزت کی وحدانیت بیان کرتی ہوئی بیت اللہ کے طواف سے لطف اندوز ہو کر ایک طرف کو نکل جاتی تھیں اور پھر دوسری آنے والی ابابیلوں کو طواف کے لیے فضا میسر کرتی تھیں۔

پُرنور اور مقدس و معطر فضا میں باادب نورانی ہوائیں بیت اللہ کا طواف کر کے سہمے ہوئے انداز میں اس طرح واپس جا رہی تھیں کہ نا معلوم وہ اب دوبارہ کب اس نورانی گھر کو بوسہ دینے کے لیے اس پُرنور فضا میں طلب کی جائیں گی۔ چاند بھی اپنی سفید چاندنی کے ہالے میں عین کعبہ کے اوپر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور اپنی اس خوش نصیبی پر رب کریم کا انتہائی مشکور ہو رہا تھا کہ آج چودھویں کی رات میں اللہ تعالیٰ نے اس کے آگے بادلوں کی کوئی بدلی تان کر اس کے حُسن کو بھی نہیں چھپایا تھا اور اس کے مقدر کو بھی عروج بخشا تھا کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کرتا ہوا اپنا سفر طے کر سکتا ہے۔

آبِ زم زم کے کنویں اور ٹونٹیوں کے گرد حجاج کرام اپنے احرام کو تر کرنے اور وضو کرنے کے ساتھ ساتھ چوری چھپے ارد گرد کسی بھی شُرطے (پولیس والے) کو نہ پا کر گلاس بھر کر اپنے وجود کو بھی زم زم سے تر کر لیتے تھے۔ گناہوں سے تائب ہونے اور اپنی خطاؤں اور لغزشوں سے پاک ہونے کا ان کے ہاتھ سنہری موقع آ گیا تھا اور وہ اس موقع سے خوب فائدہ بھی اٹھا رہے تھے۔

معذور حجاج کرام بھی اپنی قسمت پر نازاں ہو رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خاص نوازش اور مہربانی فرماتے ہوئے ان کو اپنے گھر میں مہمان بننے کی سعادت سے نوازا ہے۔ ان کے ساتھ آنے والے محرم اور انتظامیہ کے لوگ ان کو وہیل چیئر پر بٹھا کر اپنے ہاتھوں سے سہارا دے کر طواف کعبہ کروا بھی رہے تھے اور کر بھی رہے تھے اور اجر د

Pakistanipoint
Waqar Azeem

ثواب کی منازل طے کرتے ہوئے بیت اللہ کی زیارت سے فیض یابی بھی حاصل کر رہے تھے۔

صفا و مروہ کے برآمدوں میں بھی عجیب سی پُرنور کیفیت طاری تھی حاجی صاحبان اور خواتین حاجی صفاء مروۃ کے چکر لگا لگا کر بی بی حاجرہ کی سنت کو پورا کرنے میں مصروف تھیں۔ ایئر کنڈیشنر کی ٹھنڈی ہوائیں اور پوری رفتار سے چلنے والے پنکھے بھی اپنی آواز پیدا کیے بغیر حجاج کرام کو فرحت اور ٹھنڈک بخشنے میں اہم کردار ادا کرنے میں اس طرح مصروف تھے کہ ان کا ذکر بھی عبادت گزاروں میں ہوگا۔ کائنات کی سب سے اعلیٰ ملازمت کرنے والے خوش نصیب ملازمین اپنی اپنی ڈیوٹی میں مصروف تھے کوئی وائپر سے تو کوئی مشین سے صحن حرم پاک میں صفائی ستھرائی میں مصروف بھی تھا مگر دل و نگاہ کا مرکز سیاہ غلاف اوڑھے ''چون فٹ نو انچ'' اونچا بیت اللہ بڑے ٹھاٹھ سے کھڑا تھا کیونکہ اس گھر کو ایک نبی نے اپنے بیٹے کے ساتھ تعمیر کیا تھا اور آج وہ اللہ کا گھر دنیا بھر کے مسلمانوں کی عبادت کا قبلہ اور مرکز ہے۔

رب واحد کو سجدہ کرنے والے پوری دنیا میں کہیں بھی رہتے ہوں وقتِ نماز ان کی جبینیں تو اللہ کے حضور ہی جھکتی تھیں لیکن مرکز اور سمت یہی بیت اللہ ہے مسجد قبلتین میں دورانِ نماز اللہ کے مقرب فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آقائے دو جہاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا حکم سنایا کہ آج اور ابھی سے تمام تر مسلمانوں کا قبلہ مسجد اقصیٰ نہیں بلکہ خانہ کعبہ ہوگا۔

حجاج کرام کی آوازوں میں سوز نمایاں تھا۔ التجائیں، صدائیں، آرزوئیں، خواہشیں اور حسرتیں آنسو بن بن کر آنکھوں سے اُن جھرنوں کی مانند بہہ رہی تھیں جو جھرنے بلندی سے گرنے کے باوجود بھی اپنا وجود کھونے کی بجائے دریا کی روانی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ بالکل ان جھرنوں کی مانند یہ آنسو بھی حجاج کرام کے احرام میں جذب ہو کر رحمتِ خداوندی کے جوش کو اور بڑھا رہے تھے۔ غلافِ کعبہ سے لپٹ کر رونے والوں میں مرد اور عورتیں بھی شامل تھیں دنیا بھر سے آنے والے مرد و زن اپنی اپنی زبانوں میں التجائیں کر رہے تھے۔

اسی ہجوم میں ایک موسیٰ بھی تھا جو غلافِ کعبہ سے چمٹا ہوا اپنے دل کے دُکھڑے اس گھر کے مالک کو سنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ مدتوں سے اپنی پیاسی آنکھوں کو غلاف پر جمانے کی کوشش کرتا تو رش زیادہ ہونے کی بنا پر دھکا لگنے سے وہ لڑکھڑا جاتا تھا۔ اس کے آنسوؤں نے اس کے گالوں پر لکیریں بنا دی تھیں۔ وہ اپنی زبان سے کچھ بھی نہ بول رہا تھا بس اپنے آنسوؤں کی زبان میں اپنی حسرتوں کی داستان کو بیان کرنے کی جستجو میں مگن تھا۔

رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی اور بادِ صبا کی ٹھنڈک حاجیوں کے آنسوؤں کو چومتی ہوئی جھوم جھوم کر خراجِ عقیدت پیش کر رہی تھی۔ موسیٰ نے غلافِ کعبہ کو بوسہ دیا تو ایک زوردار دھکے نے اس کو لڑکھڑا کر گرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ اذیت ناک نظروں سے سوگواری کی کیفیت سے اپنے گھر کی دیواروں کو دیکھنے لگا اس نے اپنی چارپائی پر نظر ڈالی اور پاس پڑے ہوئے پانی کے جگ نے اس کو یاد دلایا کہ اس کا حلق شدتِ پیاس سے خشک ہو گیا ہے۔ اس نے پانی کا جگ اُٹھا کر منہ سے لگایا اور غٹا غٹ پینے لگا تو بہت سا پانی اس کے کپڑوں پر بھی گرنے لگا تھا۔ اس کے گریبان کو تر کرنے والے پانی نے اس کو کچھ راحت بخشی تو اس نے لمبی لمبی سانسیں لے کر اپنے لرزیدہ وجود کو

اعتدال پر لانا شروع کر دیا۔ اس کی نظر گھر کی دیوار پر پڑی جہاں خانہ کعبہ کی تصویر لگی ہوئی تھی جس پر بہت سے حاجی طواف کر رہے تھے۔ وہ دیوار کے پاس پہنچ گیا اور اپنی نظریں تصویر پر گاڑتا ہوا بولا۔

''میرے پروردگار! یا رحمٰن و یا رحیم! کب تک میری تڑپ کو اور بڑھاؤ گے؟''

آنسوؤں کا ایک گولہ آ کر حلق میں پھنس گیا تھا۔ وہ آنسوؤں کے نذرانے پیش کرتا ہوا بول رہا تھا۔

''میرے مولا! میری پیاس کو اور نہ بڑھا۔ مجھے اور نہ تڑپا۔

میرے مالک! میں گناہگار ہوں۔ خطا کار ہوں۔ سیاہ کار ہوں۔ میرے اللہ مجھ پر رحم فرما دے۔''

اس کی ہچکی بندھ رہی تھی۔

''میرے مالک! مجھے حقیقت میں بھی اپنے مقدس گھر کی زیارت کرا دے۔

میرے اللہ! مجھ پر رحم فرما۔ تجھے رحمٰن و رحیم ہونے کا واسطہ مجھ پر رحم فرما۔''

اس کی گریہ زاری بڑھ گئی تھی۔ آہیں اور سسکیاں دم توڑ کر نالے اور فریادیں بنی تو وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ وہ زمین پر سجدے میں گر گیا تھا۔ اس کا وجود بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا تھا۔ وہ سجدہ کی حالت میں بھی اللہ کے حضور اپنی بے بسی بیان کر رہا تھا۔

اس کی گریہ زاری اس کے کمرے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ساتھ والے کمرے میں سوئی ہوئی اس کی والدہ ''شمع بی بی'' بھی تڑپ کر جاگ گئی تھیں۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ ان کے بیٹے موسیٰ نے آج پھر وہی خواب دیکھا ہے جو وہ گزشتہ چھ ماہ سے دیکھتا آ رہا ہے۔

موسیٰ کی گریہ زاری بڑھتی جا رہی تھی اس کا انداز ایسا تھا کہ جیسے کسی بچے سے اس کا من پسند کھلونا چھین لیا گیا ہو اور وہ زمین پر لیٹ لیٹ کر اپنے کپڑوں کے ساتھ ساتھ اپنا بدن بھی خراب کر لیتا ہے۔ وہ اپنا خواب ٹوٹ جانے پر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو چکا تھا۔ وہ اپنے کانپتے اور لرزتے بدن کو قابو کرنے میں مصروف تھا۔

''میری تڑپ کو اور نہ بڑھا میرے مالک!

میرے اللہ! مجھ پر رحم فرما دے۔ کرم فرما دے۔

میں بھی جاگتی آنکھوں سے تیرے مقدس گھر کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

اپنے ہاتھوں سے غلافِ کعبہ کو چھونا چاہتا ہوں۔

اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے بوسے دینا چاہتا ہوں۔

صحنِ حرم میں سجدے کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ بول رہا تھا کہ شمع بی بی اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر دھیرے سے اندر داخل ہوئیں۔ انہوں نے بیٹے کو اللہ کے حضور سجدہ ریز دیکھ کر خاموشی سے ایک طرف کھڑے ہو جانا ہی بہتر سمجھا تھا۔ وہ پھر بولا۔

''میرے لیے مشکل اور ناممکن ہوگا لیکن تُو رحمٰن ہے۔ رحیم ہے۔ زمین و آسمان کا نور ہے۔ کرم فرما دے، رحم فرما دے، رحم فرما دے۔'' وہ سجدے میں ہی پڑا تھا۔ شمع بی بی بیٹے کی طرف مترحم نظروں سے دیکھتی رہیں۔ وہ چند لمحے اس بات کی منتظر رہیں کہ موسیٰ اپنی درخواست عجز و انکساری سے مالک دو جہاں کے حضور پیش کر دے۔ موسیٰ

کے خاموش ہو جانے پر انہوں نے تھوڑا سا جھک کر موسیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولیں۔

''موسیٰ! موسیٰ بیٹا کیا بات ہے؟''

موسیٰ نے اپنے کندھے پر مہربان ہاتھ کا لمس محسوس کیا تو ایک ٹھنڈی آہ بھرتا ہوا سجدہ سے اٹھا اور ماں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔''ماں جی! میں گزشتہ چھ ماہ سے خواب دیکھتا ہوں کہ میں حج کر رہا ہوں۔ غلافِ کعبہ کو بوسے دے رہا ہوں۔لبیک اللھم لبیک کی صدائیں بلند کرتا ہوں۔لیکن جب میری آنکھ کھلتی ہے تو میں بدنصیب...... میں بدنصیب اپنی اس چارپائی پر اپنے ہی گھر میں پڑا ہوتا ہوں...... ایسا کیوں ہے ماں جی؟ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے ماں جی! کیوں ہوتا ہے؟''

ایک بار پھر اس کے صبر کا دامن چھوٹ گیا تھا۔ وہ بلک بلک کر رونے لگا تھا۔شمع بی بی نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ موسیٰ کو ممتا کا مہربان اور محبت بھرا احساس اس انداز میں ہوا تھا کہ وہ دنیا بھر کی جھلسا دینے والی دھوپ سے نکل کر یک دم ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں میں آ گیا ہو۔

''اللہ بڑا کارساز ہے۔ وہ مہربان اور رحمٰن ہے۔ اس کے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔''شمع بی بی موسیٰ کو دلاسہ دے رہی تھیں تو اس کی ہچکیاں بندھ رہی تھیں۔''وہ اپنے خاص بندوں پر اسی طرح انعامات فرماتا ہے۔ تم دیکھنا وہ تمہیں ایک دن ضرور اپنے گھر بلائے گا۔''

موسیٰ نے تڑپ کر ماں جی کی طرف دیکھا اور سرخ آنکھوں کو فوراً ہی احترام میں جھکا کر بولا۔

''آپ تو ماں ہیں اور ماں تو خدا کا دوسرا روپ ہوتا ہے۔ آپ میرے لیے دعا کریں ماں جی!'' وہ یہ کہہ کر شمع بی بی کے قدموں میں گر گیا۔''صرف ایک بار وہ مجھے اپنے گھر بلا لے۔ آپ میرے لیے دعا کریں ماں جی۔'' ایک بار پھر آنسوؤں کی قطاریں اس کے گالوں پر اپنے نشان بنانے لگی تھیں۔

شمع بی بی نے نیچے جھک کر اس کو اٹھایا اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر اس پر درود شریف پڑھ پڑھ کر اس کے چہرے پر پھونکیں مارتی ہوئی بولیں۔

''اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے گھر ضرور بلائے گا۔ تم اٹھ کر وضو کر لو کیونکہ نمازِ فجر کا وقت بھی ہو رہا ہے۔ میں تو ماں ہوں تمہارے لیے ضرور دعا کروں گی۔'' ان کی آنکھیں بھی بھرا گئی تھیں۔

شمع بی بی نے موسیٰ کے چہرے پر پھونک ماری تو اس کو عجیب سی پُرسکون راحت محسوس ہوئی اور ایک ٹھنڈک کا بھی احساس ہوا۔ موسیٰ نے اپنی آنکھوں کو پونچھا اور اثبات میں سر ہلاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

شمع بی بی نے روئی ہوئی آنکھوں سے کمرے کی چھت کی جانب دیکھا گویا وہ رب تعالیٰ کے حضور بیٹے کی التجائیں اور خواہشیں مقبول ہونے کی درخواست آنکھوں ہی آنکھوں میں کر رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے اور رب تعالیٰ سے التجائیں کرنے لگیں۔

''میرے پاک پروردگار میرے بیٹے کی فریادیں اور التجائیں سن لے۔

میرے مالک! تُو تو بہتر جانتا ہے کہ ہمارے دامن میں التجاؤں اور صداؤں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

میرے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو کشکول مان لے میرے مولا!

اے اللہ میرے ہاتھوں کے اس کشکول میں میرے بیٹے کی آرزوؤں کی تکمیل ڈال دے۔ یہ تجھ سے ایک ماں کی التجا ہے۔

میرے مالک! رحم اور فضل و کرم کی انتہا فرما دے۔''

شمع بی بی کے آنسوؤں نے عرشِ الٰہی پر رحمت خداوندی میں ضرور ہلچل مچائی ہو گی۔ کیونکہ وہ بڑا رحمٰن و رحیم ہے اگر کوئی سیاہ کار اور خطا کار بھی اپنا دامن اس کے سامنے پھیلا کر اس سے رحم کی بھیک مانگے تو وہ اپنے کرم اور فضل سے اس کی جھولی بھر دیتا ہے۔ وہ بڑی محبت سے اپنے بندوں کی فریادوں کو سنتا ہے اور دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

اور اب تو اس کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے والی اس کی ایک بندی تھی جو ایک ماں بھی تھی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں جتنا پیار کرتا ہے اور شمع بی بی جیسی نیک اور برگزیدہ خاتون نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد اپنے دونوں بیٹوں شرجیل اور موسیٰ کو اچھی تعلیم بھی دلوانے کی کوشش کی تھی اور ان کی پرورش میں بھی کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔

لیکن موسیٰ کی نسبت بڑے بیٹے شرجیل کی پرورش میں ضرور کوئی کمی یا خامی رہ گئی تھی وہ موسیٰ کی نسبت محنتی بھی نہ تھا اور فرمانبردار بھی نہ تھا۔

سارا دن جوا کھیلتا تھا اور اس کام کو ہی کاروبار سمجھتا تھا۔ جبکہ موسیٰ محنتی اور فرمانبردار نوجوان تھا اس نے باپ کی وفات کے بعد گھر کی ذمہ داری اچھی طرح محسوس بھی کی تھی اور اس کو نبھانے میں اہم کردار بھی ادا کر رہا تھا یہی وجہ تھی کہ گھر کا نظام موسیٰ کی محنت کی بدولت ہی عزت اور آبرو سے اپنا بھرم بنائے ہوئے تھا۔

شمع بی بی نے ہمیشہ ہی اپنے دونوں بیٹوں کے لیے دعائیں کی تھیں موسیٰ کے حج کرنے کی لگن نے ان کو تڑپا دیا تھا۔ ان کے اٹھے ہوئے ہاتھوں اور ممتا کے تڑپتے ہوئے لہجے نے مشیت ایزدی میں ہلچل مچا دی تھی۔ رحمت الٰہی جوش میں آ کر تقدیر کو وسیلے بنا کر امتحانوں اور لغزشوں کے درمیان بہترین فیصلہ کروانے کے لیے اپنے امتحان تیار کرنے لگی تھی جس میں موسیٰ نے عشقِ خدا کو سُرخرو کرنے کے لیے کیا انداز اپنانا تھا یہ موسیٰ کو بھی علم نہ تھا۔



''بیٹی رحمت ہے۔ بیٹی زحمت نہیں...... خدا کے نام پر میری مدد کرو۔ میں دو دن سے بھوکا ہوں۔''

نام تو اس کا بادشاہ تھا لیکن وہ ایک نابینا فقیر تھا اس کی صدا میں جو درد تھا وہ لوگوں کے لیے سبق بھی تھا اور نصیحت بھی تھی لیکن وہ یہ صدا کیوں لگاتا تھا یہ راز آج تک نہ کھل سکا تھا۔ وہ ان گلیوں اور محلوں میں گزشتہ دو برسوں سے یہی صدا لگا رہا تھا۔ کسی نے بھی آج کے مصروف دور میں اس سے انوکھی اور منفرد صدا لگانے کی وجہ نہ پوچھی تھی اور نہ ہی کسی نے اس بات کی ضرورت محسوس کی تھی کہ ایک نابینا فقیر سے گہرائی میں جا کر اس کی صدا کے بارے میں جاننا۔

وہ ایک چھڑی کے سہارے چلتا ہوا کبھی کسی چیز سے ٹکرا جاتا تو لوگ آواز دے دیتے۔''حافظ جی دائیں ہاتھ'' یا پھر'' حافظ جی بائیں ہاتھ ہو جائیں آگے سائیکل یا کوئی چیز ہے۔'' وہ ان صداؤں کو سن کر اپنا راستہ چھڑی کے

سہارے ہی بنالیتا تھا۔

اس کی صدا میں سوز اور غم کے ساتھ ساتھ اُداسی نمایاں تھی اور کبھی کبھار تو اس کی آواز میں نمی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔

''بیٹی رحمت ہے۔ بیٹی زحمت نہیں...... مجھے کچھ کھانے کو دو۔ میرا اللہ کے سوا کوئی آسرا نہیں ہے۔ میں دو روز سے بھوکا ہوں۔'' اس بار بادشاہ کی آواز بھیگ گئی تو ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک عورت نے اس کو کچھ پیسے دیئے اور پوچھا۔

''دو دن سے کیا کسی نے بھی تمہیں خیرات نہیں دی؟''

وہ عورت کی آواز سن کر آسمان کی جانب آنکھوں کو اٹھاتا ہوا بولا۔

''دو دنوں کی بھوک نے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ اس دنیا میں میرے علاوہ بھی بہت سے بھوکے بستے ہیں جو آنکھوں والے بھی ہیں اور مال والے بھی۔''

عورت کی سمجھ میں شاید اس کی یہ بات نہ آئی تھی وہ دوبارہ اپنے گھر کے اندر چلی گئی اور دروازہ بند کرلیا۔ بادشاہ نے عورت کے دیئے ہوئے پیسوں کو قمیص کی سائیڈ والی جیب میں ڈال لیا اور پھر چھڑی کے سہارے آگے بڑھتا ہوا صدا لگانے لگا۔ ''بیٹی رحمت ہے......''

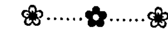
وہ ابھی چند قدم ہی چلا ہوگا کہ کوئی اس سے آکر زور سے ٹکرا گیا تو وہ لڑکھڑا کر گر گیا اور شاید ٹکرانے والا بھی گر گیا تھا تبھی تو لوگ ان کی طرف دوڑے اور ان کو اُٹھانے لگے۔

''اندھے ہو کیا؟'' ایک گونجدار آواز نے اس کی سماعتوں کو زخمی کیا تو وہ بڑے کرب سے بولا۔

''یہ الفاظ تو مجھے ادا کرنا چاہیے تھے۔'' یہ بات سن کر گونجدار آواز والا شرمندگی سے بولا۔

''مجھے ہی نظر نہیں آیا تھا۔'' اتنی دیر میں گلی میں شور بلند ہوگیا۔

''پکڑو پکڑو۔ آج جانے نہ پائے'' اور پھر بہت سے لوگوں کے دوڑنے کی آوازیں سن کر بادشاہ اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا تھا مبادا کہ زیادہ لوگوں کی بھاگ دوڑ میں وہ نیچے گر کر پاؤں تلے ہی نہ روندا جائے۔



شرجیل نے خالی میز کو دیکھا اور بُرا سا منہ بنائے گردن اکڑاتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ اس کا معمول تھا کہ وہ ہر صبح ناشتہ گھر سے ہی کر کے نکلتا تھا اور شمع بی بی کو بھی یہ علم تھا کہ ہر روز چائے اور رس کا ناشتہ دیکھ کر وہ اونچی آواز میں شور مچانے لگتا ہے آج اس نے میز پر چائے کا مگ نہ رکھا تھا کیونکہ ابھی وہ کچن میں چائے بنا رہی تھیں۔

دروازے پر دستک سن کر شمع بی بی نے شرجیل کو آواز دی کہ وہ دیکھے دروازے پر کون ہے تو وہ ناگواری سے بولا۔ ''کون ہوگا ماں جی! وہی سجن ہوگا۔ آپ کے چہیتے موسیٰ کا اکلوتا دوست۔''

اس کی ناگواری اور رعونت اس کی باتوں سے ہی ظاہر ہو رہی تھی۔ ''آ جاؤ پاء جی! ہمیشہ کی طرح...... منہ اُٹھا کر سیدھے ہی لنگھ آؤ۔'' شرجیل کا لب ولہجہ ان لوگوں جیسا تھا جو گلیوں میں آوارہ گھومتے رہتے تھے یا پھر بُری صحبت میں بیٹھ کر ان کی ہی زبان سیکھ لیتے ہیں اور پھر وہی زبان ان کی عادت اور پہچان بن جاتی ہے۔ شرجیل کی طرف سے

اجازت ملنے پر ایک نوجوان مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا وہ موسیٰ کا ہم عمر ہی تھا۔

''السلام علیکم! شرجیل بھائی!''

''نہ...... ایک بات تو بتاؤ......'' شرجیل کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''تم اکیلے فیکٹری نہیں جاسکتے۔''

شرجیل کا پارہ ہائی ہو رہا تھا کیونکہ اس کو ناشتہ نہ ملا تھا اور اس کو بھی یہ بھی معلوم تھا کہ ہمیشہ کی طرح چائے رس ہی ہونے ہیں۔ غصہ تو اس بات پر آرہا تھا کہ اگر چائے رس ہی ہونے ہیں تو پھر دیر کی کیا تُک بنتی ہے۔

اس نے سجن کے سلام کا جواب دینے کے بجائے اس پر غصہ نکالنا شروع کیا تو وہ حسبِ عادت مسکراتا ہوا بولا۔

''شرجیل بھائی! میں اور موسیٰ ایک ہی فیکٹری میں کام کرتے ہیں۔ اس لیے ماں جی کو سلام کرنے آجاتا ہوں۔''

''اتنا شریف نہ بن۔ ماں جی کو سلام کر اور چلتا بن۔'' شرجیل کے ماتھے پر ہنوز بل پڑے ہوئے تھے۔

''شرجیل بھائی آپ تو خوامخواہ ہی مجھ سے ناراض رہتے ہیں۔'' سجن ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا تو شرجیل کو اور بھی بُرا لگا لیکن وہ اس بار بولنے کی بجائے کرسی پر بیٹھتا ہوا اس کو گھورنے پر ہی اکتفا کر گیا۔ سجن نے امن کی آشا کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''شرجیل بھائی! آج تو آپ نے نئے کام پر جانا تھا؟'' یہ سن کر اس کے ماتھے کے بل مزید گہرے ہو گئے۔

''اس کا مطلب ہے کہ موسیٰ تمہیں میرے بارے میں رپورٹ دیتا رہتا ہے؟''

''نہیں شرجیل بھائی! بلکہ ہم تو آپ کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں کہ کسی بھی کام پر آپ پندرہ یا بیس دن سے زیادہ ٹک نہیں پاتے۔'' سجن کی سادگی نے شرجیل کا دماغ اور بھی گرما دیا تھا۔

''نا تمہیں کیوں پریشانی ہوتی ہے۔ وہیلا میں پھرتا ہوں اور پریشان تم ہوتے رہتے ہو۔'' اس نے سجن کا کالر پکڑتے ہوئے کہا۔ ''نا باؤ سجن! میرا ہمدرد نہ بن۔''

سجن حسبِ عادت مسکراتا ہی رہا اور بولا۔ ''میں اور موسیٰ اس وجہ سے پریشان سے رہتے ہیں کہ ماں جی آپ کی شادی کی وجہ سے پریشان ہیں۔'' شادی کا سن کر شرجیل کے چہرے پر تھوڑی سی سرخی چھائی تو وہ مسکرانے کی کوشش میں پہلا کام چھوڑنے کی وجہ بتانے لگا۔

''وہ پہلا ٹھیکیدار مجھے چور سمجھتا تھا۔'' حسبِ روایت اس نے اپنی کاہلی اور نااہلی چھپانے کے لیے پُرانے کام میں کیڑے نکالنے کا بے ڈھنگا سا جواز بنایا تو سجن ہنسنے لگا۔

''سمجھتا تھا؟'' سجن نے لفظ تھا پر زور دیا تو شرجیل چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا تو سجن گڑبڑا گیا۔

''میرا مطلب ہے بھائی کہ وہ ایسا کیوں سمجھتا تھا؟'' سجن نے بات بناتے ہوئے اپنی جان بچانا ہی غنیمت سمجھا کیونکہ اس کا دو حرفی فقرہ شرجیل کے دماغ کو گرما گیا تھا۔ چونکہ اس کی شادی کا تذکرہ ہو رہا تھا اس لیے وہ بھی کچھ تحمل کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا۔

''وہ ٹھیکیدار سمجھتا تھا کہ میں سریا چراتا ہوں۔''

''حالانکہ اس کا دھیان سیمنٹ کی ان بوریوں کی طرف نہ گیا ہوگا جو دن بہ دن کم ہوتی جا رہی ہوں گی۔''

اس بار تو سجن کے ترکی بہ ترکی جواب دینے کی عادت نے شرجیل کی تیوریوں میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔

''اپنی لمبی زبان کو بتی دندوں تلے دبا کر رکھو۔ ورنہ کاٹ کر کتوں کو کھلا دوں گا۔'' سجن سمجھ گیا کہ اس کے سچ بولنے کی عادت اب اس کو مار ضرور پڑوائے گی اس لیے وہ خاموش ہی رہا اور اسی اثناء میں شمع بی بی بھی اندر سے آ گئیں۔ ان کے ہاتھ میں پلیٹ تھی جس میں رس رکھے ہوئے تھے اور دوسرے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا۔ انہوں نے دونوں چیزوں کو میز پر رکھا تو سجن نے ان کو سلام کیا۔

شمع بی بی نے سلام کا جواب دے کر سجن کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ ''کیسی طبیعت ہے ماں جی؟''

''ٹھیک ہوں بیٹا!'' شمع بی بی بڑی محبت سے مسکرا کر بولیں۔ ''تم سناؤ خیریت ہے نا؟''

''آپ کی دعا ہے سب ٹھیک ہے۔'' اتنی دیر میں شرجیل چائے کے مگ میں رس بھگو چکا تھا وہ سجن کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''نہ...... تم فیکٹری جانے کے لیے اپنے گھر سے گھنٹہ پہلے ہی ہمارے گھر کی 'سو' لینے کے لیے نکلتے ہو۔'' سجن نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو اتنی دیر میں چائے سے بھیگا ہوا رس مگ میں گر گیا۔

''بُری نظر والے۔'' شرجیل بڑبڑایا تو سجن ماں جی سے پوچھنے لگا۔

''ماں جی موسیٰ کہاں ہے۔'' شمع بی بی کے بولنے سے پہلے ہی موسیٰ اندر سے آ گیا۔

''ہاں بھئی سجن آ گئے ہو۔ چلیں۔'' موسیٰ نے سجن سے ہاتھ ملایا اور پھر بولا۔ ''چلو بھئی دیر نہ ہو جائے۔''

دونوں ہی جانے لگے تو شمع بی بی کی آواز پر رُک گئے۔ وہ کچن میں گئیں اور ایک ٹفن لا کر موسیٰ کو پکڑا دیا اور بولیں۔

''اس میں پراٹھے ہیں دوپہر کے وقت دونوں دوست کھا لینا۔''

موسیٰ نے مسکراتے ہوئے ماں جی کی طرف دیکھا تو سجن نے ٹفن پکڑتے ہوئے کہا۔

''ماں جی آپ تو خوامخواہ ہی تکلف کرتی ہیں۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔''

شمع بی بی سجن کی عادت سے اچھی طرح واقف ہو گئی تھیں۔ ''تکلف کیسا بیٹا! تم بھی تو میرے موسیٰ اور شرجیل جیسے ہی ہو۔''

''اچھا ماں جی! شرجیل بھائی السلام علیکم۔'' موسیٰ نے شمع بی بی اور شرجیل کو سلام کیا اور سجن کے ساتھ باہر نکل گیا۔ شمع بی بی شرجیل کی بے ادبی اور بدتمیزی سے بخوبی آگاہ تھیں وہ ابھی کچن میں گھسی ہی تھیں کہ سیسہ انڈیلتی ہوئی شرجیل کی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''موسیٰ کو چائے رس اور پراٹھے بھی۔ اور مجھے صرف چاء پاپے...... واہ جی واہ جی...... ماں کا انصاف ہو تو ایسا ہو۔'' اس کے الفاظ میں جو زہر بھرا ہوا تھا وہ شمع بی بی اپنے شوہر کے داغِ مفارقت دے جانے کے بعد اپنی سماعتوں کے ذریعے قطرہ قطرہ اپنے بدن میں اُتار رہی تھیں لیکن ماں تھیں اس لیے تحمل اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا۔ اب بھی واپس مڑتی ہوئی تحمل سے بولیں۔

''اس کو پراٹھے دوپہر کے کھانے کے لیے دیئے ہیں۔ وہ دوپہر کو فیکٹری میں ہی کھانا کھاتا ہے۔ تم بھی کوئی

کام دھندہ کرو اور کھا لو پراٹھے۔''

''کام دھندہ؟'' وہ ہتھے سے ہی اُکھڑتا ہوا بولا۔ ''کرتا تو ہوں کام دھندہ۔ پر ہمارے نصیب میں تو کبھی پراٹھے نہیں ہوئے۔'' شمع بی بی ہنوز تحمل اور ضبط کا مظاہرہ کرتی ہوئی اس کی بات سن کر بولیں۔

''یہ گھر موسیٰ کی محنت اور حق حلال کی کمائی سے ہی چلتا ہے شرجیل! کبھی کبھی تو مجھے خوف آنے لگتا ہے کہ اگر میرا موسیٰ بیٹا نہ ہوتا تو شاید...... مجھے بھی روٹی بھیک میں ہی مانگ کر کھانا پڑتی۔'' شمع بی بی کی آواز بھرا گئی تھی اور وہ آنکھوں میں آنے والی نمی کو چھپاتی ہوئی رس اور خالی مگ کے ساتھ پلیٹ کو اُٹھائی ہوئی کچن میں چلی گئیں۔ وہ شرجیل کی حرکات سے کافی دُکھی لگ رہی تھیں۔

''نہ...... مجھے تمہاری ایک بات کی سمجھ نہیں آتی۔'' وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی جوتی کو کپڑے سے صاف کرتا ہوا بولا۔ ''کیا میں تمہارا سوتیلا بیٹا ہوں جو میرے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہو؟''

شرجیل کی بدتمیزی محلہ بھر میں مشہور تھی لیکن وہ کتنا بڑا گستاخ اور بے ادب بھی تھا اس بات کا صرف اس کی ماں کو ہی پتہ تھا لیکن شمع بی بی اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور تھیں وہ اس بیٹے کو کوئی بھی بددعا نہ دے سکتی تھیں کیونکہ اولاد کی غلطیوں اور نافرمانیوں پر پردہ ڈال کر اولاد کو سدھارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو دل ماں کے سینے میں رکھا ہے وہ کسی اور شے میں نہیں یہی وجہ ہے کہ جو احساس اور ممتا کی محبت اللہ نے ماں کے رشتے کو بخشی ہے وہ باپ کے جذبات میں بھی نہیں ہے۔

''تمہارے ابا کے مرنے کے بعد تو تمہیں خود گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنا چاہیے تھیں۔'' اپنے ساتھی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''لیکن تم نے تو مجھے تنگ کر دیا شرجیل! میں تو تمہیں بددعا بھی نہیں دے سکتی۔ ماں جو ہوں۔'' اس بار تو شمع بی بی باقاعدہ رونے لگیں تو وہ ان سے نظریں چراتا ہوا بولا۔ ''کام پر جا رہا ہوں۔ اک نیا کام ہے۔''

شرجیل شمع بی بی کو روتا ہوا چھوڑ کر باہر نکل گیا تو ماں جی نے دروازے کو کنڈی لگائی اور اللہ کے حضور ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے لگیں۔

''اے پروردگار! میرے اس بیٹے کو ہدایت نصیب فرما اور اس کو عزت اور برکت والا روزگار نصیب فرما۔'' ماں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا اپنی فریاد بارگاہِ الٰہی میں پہنچا دی تھی اور ان کو یقین تھا کہ ماں کی التجائیں اللہ تعالیٰ کبھی بھی رد نہیں کرتا۔

رحیم بخش کی وفات کے بعد شمع بی بی نے بیوگی کا کفن اوڑھا تو شرجیل کی لگا میں کھل گئی تھیں۔ وہ باپ کی زندگی میں اچھا بھلا کام کرتا تھا وہ موٹر سائیکلوں کا بہترین کاریگر تھا اس کے کئی شاگرد تھے اور شاگرد بھی ایسے جو آج کامیاب استاد بنے ہوئے تھے اور شہر میں بہترین آٹو ورکشاپ اور سپیئر پارٹس کی دکانیں بنا کر اچھا خاصا نفع کما رہے تھے۔

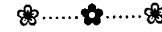
لیکن ان کی نسبت شرجیل نے بُری صحبت میں بیٹھ کر اپنا وقت اور پیسہ ضائع کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کو جوئے کی لت پڑ چکی تھی بلکہ وہ جوئے میں اپنی دکان کے تمام اوزار اور دیگر سامان بھی ہار چکا تھا بلکہ ہیرا بدمعاش کی بیٹھک میں وہ جوا کھیلنے کے دوران اس کا مقروض بھی ہو چکا تھا۔

جبکہ اس کی نسبت موسیٰ ایک سمجھدار اور باشعور نوجوان تھا اس نے باپ کی زندگی میں ہی بی اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ رحیم بخش کی ناگہانی موت نے اس کو مزید سمجھدار اور باشعور بنا دیا تھا۔ موسیٰ نے ایک فیکٹری میں ایک معمولی سے اکاؤنٹینٹ کے طور پر نوکری کر لی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ گھر کا خرچہ نہیں رُکنا چاہیے۔ اس کی تنخواہ سے گھر کا نظام تو چل رہا تھا لیکن مہینے بھر کا راشن بلز اور دیگر ضروریات کی وجہ سے پیسوں کی بچت خاصی مشکل ہو جاتی تھی۔

اگر اس ذمہ داری کو شرجیل سمجھتا اور گھر کا کچھ بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھاتا تو ایک بیٹے کی کمائی سے بچت کر کے باری باری دونوں بیٹوں کی شادی بھی ہو سکتی تھی اور اس طرح گھر میں بہوئیں لانے کا شمع بی بی کا خواب بھی پورا ہو سکتا تھا۔

لیکن موسیٰ کی کمائی مہینہ بھر ہی بہ مشکل چلتی تھی تین سالوں میں شرجیل نے اس گھر کو اپنا گھر نہ سمجھا تھا بلکہ اس کا یہ ذہن تھا کہ اس کو صرف رات ہی اس گھر میں گزارنی پڑے۔ وہ صبح ناشتہ کر کے نکلتا تھا اور رات گئے تک ہی واپس لوٹتا تھا۔ شمع بی بی کے پوچھنے پر وہ بتاتا کہ سارا دن کام ڈھونڈتا رہا ہے حالانکہ پورا محلّہ جانتا تھا کہ وہ ہیرا بدمعاش کی بیٹھک میں جوا کھیلتا رہتا اور سگریٹ پھونکتا رہتا ہے۔

ہیرا اس کو قرض دے دے کر اپنا مقروض بناتا تھا اور کوئی نہ کوئی بڑا داؤ لگنے پر وہ سب سے پہلے شرجیل سے اپنی ادھار کی رقم کاٹتا تھا اور باقی پیسوں کا شرجیل پھر جوا کھیلتا تھا اور اسی طرح ہار جیت اسی بیٹھک میں ہوتی رہتی تھی۔ آج تک کوئی دن ایسا نہ تھا کہ شرجیل جیب بھر کر نوٹ گھر لایا ہو اور شمع بی بی کی ہتھیلی پر اپنی حرام یا حلال کمائی کی پھوٹی کوڑی بھی رکھی ہو۔ کیونکہ سیانوں کی کہاوت ہے کہ کنویں کی مٹی ہمیشہ کنویں کو ہی لگتی ہے۔



گرو نے تسبیح پر پھونک مار کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ پروردگار کی بارگاہ میں دعا کرنے کے بعد اس نے پُرسکون انداز میں اپنے گھر میں نظر ڈالی جس کے صحن میں ایک چھوٹی سی کیاری تھی جس میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے اور اینٹوں سے سجا صحن ایک طرف برآمدہ اور برآمدے کے ساتھ تین کمروں پر مشتمل اس گھر کی دوسری منزل پر بھی دو کمرے تھے جن میں سے ایک کی بالکونی صحن کی جانب تھی۔

''نیناں...... نیناں......'' گرو نے اپنی پھٹی ہوئی آواز میں نیناں کو آوازیں دینا شروع کیں۔ ''پتہ نہیں ان کی صبح کب ہوتی ہے۔ نیناں...... نیناں۔''

''آئی گرو۔'' اندر سے نیناں کی آواز آئی تو گرو نے پُرسکون سانس خارج کی اور اپنے تکیے کے نیچے سے ایک پان نکال کر اس کو منہ میں رکھا اور چبانے لگا۔

''سلام گرو۔'' نیناں نے آتے ہی گرو کے گھٹنوں کو چھو کر سلام کیا اور پھر پونی میں اپنے کھلے ہوئے بالوں کو سمیٹتے ہوئے بولا۔ ''گرو چاندنی کالج چلی گئی کیا؟''

''ہاں بھئی وہ کہہ رہی تھی کہ آج اس کے کالج میں سالانہ فکشن ہے۔'' نیناں کھلکھلا کر ہنسا اور گرو کی تصحیح کرتا ہوا بولا۔ ''گرو فکشن نہیں ہوگا کوئی فنکشن ہوگا۔'' گرو نے گویا اس کی بات کا بُرا منایا اور اُلٹا ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''میں اتنا بھی پاگل نہیں ہوں کہ مجھے فنکشن نہ کہنا آتا ہو۔'' نیناں نے اس کی ٹانگیں دبانا شروع کر دیں تو وہ پھر بولا۔ ''میں نے اپنی جوانی میں ساری عمر فنکشن ہی تو اٹینڈ کیے ہیں۔'' نیناں کا قہقہہ سن کر گرو سمجھ گیا کہ لفظ غلط بولا گیا ہے۔ نیناں اپنا قہقہہ کنٹرول کرتا ہوا کہنے لگا۔

''گرو چاندنی کے آنے سے پہلے ہم ایسی ہی ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولا کرتے تھے...... ہے نا؟ گرو۔''

گرو تو گھر میں ہی رہتا تھا جبکہ اس کی نسبت چنبیلی اور الائچی میک اپ کر کے گھر سے نکل جاتے تھے اور کہیں نہ کہیں سے اپنا دال دلیہ کر ہی لیتے تھے اور نیناں کو صرف اور صرف چاندنی کی ہی فکر ہوتی تھی وہ چاندنی کا بہت ہی خیال رکھتا تھا اس نے چاندنی کو اس طرح پالا پوسا تھا کہ اس کی تکلیف میں رات رات بھر نہ سو پایا تھا۔ چاندنی کی ہر خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نیناں نے سر بازار گھنگرو باندھ کر بہت سے نوٹ (روپے) اکٹھے کیے تھے۔ اب بھی چاندنی کی خواہش پر اس کو وہ اعلیٰ تعلیم دلا رہا تھا۔

وہ گھر میں بیٹھا بیٹھا اُکتا جاتا تو ساتھ والے گھر میں شمع بی بی کے ہاں چلا جاتا تھا اور پھر دن بھر کی باتیں مہینوں اور سالوں کے قصے جو شروع کرتا تو شمع بی بی کو بھی اس کے سامنے ہاتھ جوڑنے پڑتے تھے۔ اس کو اپنے گھر میں دیکھ کر موسیٰ ہمیشہ ہی فراخدلی کا مظاہرہ کرتا تھا کیونکہ وہ انسانیت کی معراج کو بلند رکھنے کا قائل تھا جبکہ کبھی کبھار شرجیل کی موجودگی میں نیناں آ جاتا تو شرجیل کے ماتھے پر تیوری پڑ جاتی تھی۔ کیونکہ نیناں کو معلوم تھا کہ شرجیل سارا سارا دن کیا گل کھلاتا رہتا ہے۔

اب بھی اس نے ناشتہ کیا اور چنبیلی اور الائچی کو ''کام'' پر بھیج کر گرو سے اجازت لے کر شمع بی بی کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا دیا تھا۔

شمع بی بی بازار سے سبزی لینے کے لیے جانے ہی لگی تھیں کہ دروازے پر دستک سن کر وہ بولیں۔

''کون ہے؟'' جواب میں نیناں کی آواز سن کر وہ مسکرانے لگیں۔

''میں ہوں شمع باجی...... نیناں!'' نیناں کی آواز شمع بی بی کے لیے کوئی نئی نہ تھی انہوں نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا تو سامنے نیناں کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر بولیں۔ ''آؤ نیناں اندر آ جاؤ۔''

''السلام علیکم! شمع باجی۔'' نیناں نے شمع کو سلام کیا اور اندر داخل ہو گیا۔ ''طبیعت کیسی ہے آپ کی؟'' شمع بی بی نے اس کو صحن میں بچھے ہوئے تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ ''لگتا ہے شرجیل کام پر چلا گیا ہے تبھی تو گھر میں خاموشی ہے۔'' وہ اپنے ہاتھوں سے تالی بجانا نہ بھولا تھا حالانکہ اس کی عمر اب پینتالیس چھیالیس کے قریب ہو گئی تھی اور کنپٹیوں پر بال بھی سفید آ گئے تھے اور سر کے بالوں میں بھی چاندی نظر آنے لگی تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو بالکل فٹ رکھا ہوا تھا۔ وہ بالوں کو کلر کے ذریعے رنگین کر لیتا تھا اور میک اپ کے ذریعے چہرہ بھی فریش رکھتا تھا۔

''کام دھندہ اس نے کیا کرنا ہے نیناں!'' شمع بی بی خاصی دُکھی لگ رہی تھیں۔ ''ہر روز نئے کام کا کہہ کر گھر سے نکل جاتا ہے اور شام کو خالی ہاتھ آ کر کوئی نہ کوئی بہانہ لگا دیتا ہے۔''

نیناں ان کے دُکھ کو سمجھتا تھا کیونکہ وہ گزشتہ پچیس سالوں سے شمع بی بی کے گھر سے ہی زیادہ قریب ہوا تھا۔ رحیم

بخش کی وفات اور شمع بی بی کا بیوہ ہونا اس کے سامنے ہی کی باتیں تھیں۔ وہ اور شمع بی بی ایک دوسرے کے گھریلو حالات سے بخوبی واقف تھے۔ تبھی تو نیناں نے ایک بار پھر ہاتھ سے تالی اس انداز میں بجائی کہ شمع بی بی مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"میں تو کہتی ہوں کہ اس موئے ہیرے کو گولی ہی لگ جائے۔" شمع بی بی کی حیرت بجا تھی کہ اب یہ ہیرا کون ہے اور نیناں نے اس کا ذکر کیوں کیا ہے۔ "لوگوں کے گھر اُجاڑنے کا ٹھیکہ اس کمینے نے لے رکھا ہے۔ سارا سارا دن جوا کرواتا ہے اور شرجیل کو بھی اس نے اپنی چاٹ پر لگا رکھا ہے۔"

شمع بی بی کو یہ تو علم تھا کہ شرجیل کام دھندہ کوئی نہیں کرتا لیکن کپڑے اور نئی جوتی کے کئی جوڑے اس کے کمرے میں موجود ہوتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ شرجیل جوا کھیلتا ہے۔ شمع بی بی خوف سے ہی کانپ کر رہ گئیں۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں نیناں کی طرف دیکھنے لگیں جو ہیرے کی جوئے کی بیٹھک سے کافی خائف لگتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو عورت کہتا تھا لیکن پورے محلے کو معلوم تھا کہ وہ ہیجڑا ہے۔

اس کی بات میں دم اس طرح محسوس ہوتا تھا کہ وہ گلی گلی گھوم پھر کر سب گھروں کو جانتا تھا اس کو یہ بھی علم تھا کہ کس گھر کا فرد کیا کاروبار یا ملازمت کرتا ہے۔

"شمع باجی آپ فکر نہ کریں۔ بس دعا کریں کہ اللہ، شرجیل کو ہدایت دے۔" نیناں ان سے دُکھ درد پھولنے آ جایا کرتا تھا وہ اس بات کو بخوبی سمجھتا تھا کہ شمع بی بی شرجیل کی وجہ سے کافی پریشان رہتی ہیں۔ وہ ان کی حوصلہ افزائی اور تسلی کے لیے کافی باتیں کیا کرتا تھا۔

"لوگ اولاد مانگتے ہیں کہ بڑھاپے میں سکھ دیکھیں گے۔" شمع بی بی کو شرجیل کی بابت سن کر کافی دُکھ ہوا تھا وہ نیناں کی بات کا جواب دیتی ہوئی کہنے لگیں۔ "لیکن نیناں تم تو جانتے ہی کہ شرجیل نے تو مجھے اس بڑھاپے میں ذلیل کر دیا ہے۔" ان کی نم آواز نے نیناں کے دل کو بھی جھنجھوڑا تھا۔ اسی لیے وہ بات بدلنے کی کوشش میں بولا۔

"آپ فکر نہ کیا کریں باجی!" نیناں نے ان کے چہرے پر اُداسی دیکھتے ہوئے اوپر آسمان کی طرف دیکھا اور بولا۔ "ہم تو "اونترے نکھترے" لوگ ہیں۔ مگر قربان جاؤں اس سوہنی پاک ذات کے جس نے اپنے خزانوں سے مجھے چاندنی جیسی بیٹی عطا کر دی ہے۔" وہ چاندنی کا تذکرہ کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا تھا۔ "اللہ خوش رکھے اس بختاں والی کو اس کے دم سے ہی میرے گھر میں چانن ہے۔"

شمع بی بی اس کی باتیں سن کر مسکرا رہی تھیں۔ "ہاں بھئی نیناں! یہ تو ہے کہ چاندنی نے جب سے تمہاری گود سنبھالی ہے تمہارے تو وارے نیارے ہو گئے ہیں۔" شمع بی بی بھی جانتی تھیں کہ چاندنی کے آنے سے ہی گرو اور نیناں کے گھر کی حالت کافی بدل گئی ہے۔ "اور ہاں چاندنی بیٹی ہے بھی تو ایسی کہ ہاتھ لگائے میلی ہوتی ہے۔"

"ماشاءاللہ اب چودھویں میں پڑھتی ہے اور ذہین بہت ہے۔" نیناں کے خوبصورت انداز پر شمع بی بی کھلکھلا کر ہنس پڑیں تو وہ کھسیانا ہونے کی بجائے ہاتھ بجاتا ہوا بولا۔ "شمع باجی آپ بتاؤ کہ آپ کی بہن مانی کہ نہیں رشتہ دینے کے لیے؟" نیناں نے عورتوں کی طرح ٹوہ لگانے کی کوشش کی تو شمع بی بی کی پیشانی پر ایک بار پھر فکر اور اُداسی کی

لکیروں نے اپنی داستان رقم کرنا شروع کر دی۔

"مجھے ڈر لگتا ہے نیناں۔"

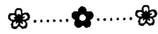
"نا...... باجی ڈر کس بات کا ہے؟"

شمع بی بی ایک ٹھنڈی آہ بھرتی ہوئی بولیں۔ "شرجیل آوارہ نکما اور نکھٹو ہے۔ میں اپنی بھانجی کی شادی اس سے کر کے اپنی چھوٹی بہن فائزہ کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی۔"

شمع بی بی نے اپنی بہن کی بیٹی سے شادی یا رشتہ نہ کرنے کا جواز پیش کیا تو نیناں بات کو سمجھتا ہوا تائیدی انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ "آپ کی بات تو ٹھیک ہے باجی لیکن مناہل اچھی لڑکی ہے۔ دیکھی بھالی ہے۔ گھر کی دھی ہے۔ وہ شرجیل کو سمجھا کر اس کی زندگی تبدیل کر سکتی ہے۔"

"اگر وہ ایسا نہ کر پائی تو...... پھر کیا ہوگا نیناں؟" شاید نیناں کے پاس شمع بی بی کے اس خدشے کا کوئی بھی جواب نہ تھا جبھی تو وہ خاموش ہو کر ان کے منہ کی طرف دیکھتے رہ گیا۔

"بس نیناں! اسی بات کا تو ڈر لگتا ہے مجھے کسی کی بیٹی کو کیوں روگ لگاؤں۔" نیناں ان کا درد سمجھتا ہوا ان کی طرف دیکھنے لگا اور ان کی بات کو مان کر تائیدی انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔



"اگر تم اجازت دو!

محبت میں بھی کر لیتا ہوں

پھولوں سے دامن بھر لیتا ہوں

تیرے لب ورخسار کے مصلے پر

اپنی آنکھوں سے سجدے کر لیتا ہوں

اگر تم اجازت دو!

تیری خوابیدہ آنکھوں کو چوم کر

مسحور ہو کر ذرا جھوم کر!

فدا ہو جاؤں پروانہ بن کر

شمع حُسن تیرے گرد گھوم کر!

اگر تم اجازت دو!

کانٹوں کو چوم کر گلاب کر دوں گا

ٹھہرے ہوئے پانی کو شراب کر دوں گا

اپنے سب حروف باوضو کر کے

تیرے ہی نام سب انتساب کر دوں گا

اگر تم اجازت دو

تم پر نچھاور جان کردوں گا
اپنا نام تجھے دان کردوں گا
تم پر لکھی شاعری کو اک دن
عشق کی قسم اذان کردوں گا
اگر تم اجازت دو!
صرف تم اجازت دو!''

عبید رضا کے خاموش ہونے پر چاندنی نے اپنے پیارے اور گورے ہاتھوں سے تالی بجائی تو عبید رضا باقاعدہ طور پر اپنی کرسی سے اُٹھ کر کارنش بجانے والے انداز میں اس کے سامنے جھکا تو چاندنی بے اختیار ہنس پڑی۔ اس کے موتیوں جیسے دانت کلیوں کی طرح کھلے تو عبید رضا کے دل پر چھریاں سی چل گئیں۔

''واہ جی واہ عبید رضا تم شاعر بھی ہو۔ اس بات کا اندازہ مجھے نہیں تھا۔'' چاندنی نے خاموشی سے اس کی نظم سنی تھی وہ پہلی بار بولی تو عبید رضا لبوں پر مسکان سجاتا ہوا بولا۔

''جب سے تمہیں دیکھا ہے بس دل پر اختیار نہیں ہے۔'' عبید رضا ہمیشہ کی طرح چاندنی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو وہ سٹپٹا گئی لیکن بات کو سنبھالنا بھی ضروری تھا۔

''یہ بات اب تک کتنی لڑکیوں سے کہہ چکے ہو؟''

وہ اس کی بات سن کر قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔ ''کئی لڑکیوں سے کہہ چکا ہوں۔ لیکن اجازت صرف تم سے ہی مانگی ہے۔'' اظہار بھی انکار بھی اور اقرار بھی اس کے الفاظ میں چھپا ہوا تھا چاندنی نے اس کے اس انداز کو نظر انداز کر دیا اور کتابیں اُٹھاتی ہوئی بولی۔

''الفاظ اظہار کے محتاج نہیں ہوتے......اور نہ ہی اجازت مانگتے ہیں۔''

''کم آن یار! چاندنی آخر تم کب میرے اظہارِ محبت کو سنجیدگی سے لوگی۔'' وہ اس کی بات سن کر ہنس پڑا تھا۔

''کبھی بھی نہیں۔'' اس نے اپنا بیگ اُٹھایا اور کندھے پر لٹکاتی ہوئی کالج کی وسیع گراؤنڈ میں آگئی۔ عبید رضا بھی اس کے پیچھے ہی آگیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کے قدموں سے قدم ملاتا ہوا بولا۔

''کیا تم جا رہی ہو؟'' چاندنی اس کی بات سن کر رُک گئی اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''فی الحال تو کلاس اٹینڈ کرنی ہے مجھے۔ کیونکہ تم تو جانتے ہی ہو کہ میں نادر جاجوی صاحب کا کوئی بھی لیکچر مس کرنا افورڈ نہیں کر سکتی۔'' وہ پھر چلنے لگی لیکن اس بار چاندنی کی رفتار کم تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ چلتا ہوا بولا ''اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت بڑے استاد ہیں اور کافی علم بھی رکھتے ہیں۔'' اس بار وہ چاندنی کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ ''لیکن چاندنی ذرا دیکھو کہ موسم کتنا حسین اور خوشگوار ہو گیا ہے۔'' اس نے چاندنی کا دھیان موسم کی طرف کرانا چاہا تو وہ ہنستی ہوئی آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

''مسٹر عبید رضا! کیا تمہیں نہیں لگتا کہ موسم انسان کے اندر ہوتے ہیں۔''

''لیکن کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ اندر کے موسم پر باہر کا موسم حاوی کر لیا جائے۔'' وہ فوراً بولا تھا گویا کہ اس کو

موسم پر بات کرنے کے لیے کسی جواب کی ضرورت تھی۔ ''اور آسمانی موسم کی چادر اوڑھ کر خود کو اس میں چھپایا جائے۔'' وہ عبید رضا کی باتیں سنتی ہوئی کلاس روم تک پہنچ گئی تھی۔

''اب خاموش رہو اور اپنا فلسفہ اپنے پاس ہی رکھو۔'' چاندنی اور عبید رضا کلاس روم میں داخل ہو کر اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو چند ہی منٹ بعد نادر جاجوی صاحب کلاس روم میں داخل ہوئے تو پوری کلاس ہی ان کے احترام میں کھڑی ہو گئی۔

نادر جاجوی صاحب بہت اچھے استاد اور شاعر بھی تھے۔ اردو ادب میں ان کو ایک اعلیٰ اور منفرد مقام حاصل تھا۔ ادبی اور سنجیدہ حلقوں میں ان کا نام عزت اور احترام سے لیا جاتا تھا۔ نئے اور پرانے شاعر ان کو اپنا استاد سمجھتے اور مانتے تھے۔ اس عزت اور اعتماد کو برقرار اور بحال رکھنے کے لیے انہوں نے کافی کتب لکھی تھیں جن میں سے کافی اسباق ایسے تھے جو سلیبس میں موجود تھے اور اردو یونیورسٹیز میں پڑھائے جاتے تھے۔

انہوں نے پڑھانا شروع کیا تو سٹوڈنٹس کی سمجھ نے کام کرنا شروع کر دیا تھا کیونکہ ان کا سمجھانے اور سکھانے کا انداز ہی اتنا مشفقانہ اور پُرخلوص تھا کہ سٹوڈنٹس ان کے لیکچرز کو اپنی نوٹ بکس میں لیکچر ختم ہونے کے بعد بھی پورا پورا ٹھیک طرح نوٹ کر سکتے تھے۔ وہ اپنے لیکچر کے دوران کسی شعر کا استعمال بھی کر لیتے اور پھر اس شعر کا مطلب سٹوڈنٹس سے پوچھتے اور پھر اس شعر کی تشریح اس طرح بتاتے کہ لفظوں سے پیار کرنے کو جی چاہنے لگتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سٹوڈنٹس ان کے لیکچرز مس نہ کیا کرتے تھے بلکہ شوق اور ذوق سے کلاسز اٹینڈ کیا کرتے تھے اور ان کی پڑھائی ہوئی شاعری۔ نثر اور دیگر اسباق اکثر امتحانوں میں آکر سٹوڈنٹس کا امتحان لینے کی کوشش کرتے تھے لیکن سٹوڈنٹس ہر اس امتحان میں اچھی طرح سرخرو ہوتے تھے جو اسباق انہوں نے نادر جاجوی صاحب سے پڑھے ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی کلاسز کا رزلٹ سب سے اچھا اور منفرد ہوتا تھا۔

لیکچر ختم ہو گیا تو سبھی سٹوڈنٹس کلاس روم سے باہر آگئے۔ چاندنی کے دیوانوں میں اس کے بہت سے کلاس فیلوز اور پھر اسی یونیورسٹی (کالج) کے ہیروز بھی شامل تھے لیکن وہ چاندنی تھی اس کو اپنے نام اور مقام کا علم تھا۔ اس نے کبھی بھی کوئی بھی اوچھی حرکت نہ کی تھی کہ لڑکے اس سے بے تکلف ہو کر بات کر سکتے۔ اس نے اپنی عزت کو قائم رکھنے کے لیے خود کو سنجیدہ رکھا ہوا تھا۔ بس یہ عبید رضا ہی تھا جو اس کو بھی اچھا لگتا تھا کیونکہ عبید رضا نے بھی کبھی اس سے کوئی ایسی غیر اخلاقی اور غیر سنجیدہ حرکت نہ کی تھی۔

چاندنی بھی اس کو دل سے پسند کرتی تھی لیکن اس نے اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کا کبھی بھی اظہار عبید رضا سے نہ کیا تھا جبکہ اس کی نسبت عبید رضا کئی بار اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ چکا تھا۔

چاندنی اپنی ہی دنیا میں مگن رہنے والی لڑکی تھی لانبا سرو جیسا قد، صراحی دار گردن، گورا چٹا رنگ ستواں ناک اور پھر ہنسنے پر اس کے دائیں گال میں پڑنے والا گڑھا کئی لڑکوں کی تو جان ہی لے لیتا تھا لیکن یہ سب چیزیں خوبیاں اور خصوصیات چاندنی کو باقی لڑکیوں سے منفرد کرتی تھیں۔ اور اس کے چہرے پر گرنے والی بالوں کی لٹ کو لڑکے اپنے لیے وہ ننگی تلوار سمجھتے تھے جس سے ان کے دل کٹ جاتے تھے۔

عبید رضا کے علاوہ کسی میں بھی اتنی جرأت نہ تھی کہ اس سے پوچھ سکتا کہ وہ کینٹین پر آئی ہے تو کیا کھائے گی۔

وہ کینٹین کی جانب بڑھ رہی تھی۔ وہ ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی تو عبید رضا اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''کیا کھاؤ گی چاندنی؟'' اس کے پوچھنے پر چاندنی نے آسمان پر اٹھکیلیاں کرتے ہوئے سیاہ بادلوں کو دیکھا اور بولی۔ ''سینڈوچ اور کافی'' ابر آلود موسم میں اس نے ان دونوں چیزوں سے لطف اندوز ہونے کا سوچا تھا۔ عبید رضا نے ویٹر کو سینڈوچ اور دو کافی کا آرڈر دیا سینڈوچ اور کافی آنے پر چاندنی بولی۔ ''کیوں تم سینڈوچ نہیں کھاؤ گے؟''

''کھاؤں گا نا یار! تم سے آدھا لے لیتا ہوں۔'' اس نے سینڈوچ لینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو چاندنی نے اپنا وہ ہاتھ پیچھے کر لیا جس میں سینڈوچ پکڑا ہوا تھا وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''اس حسین موسم میں مَیں اپنا سینڈوچ کسی سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہوں گی۔''

عبید رضا کھسیانا سا ہو کر رہ گیا اور بولا۔ ''چلو ٹھیک ہے ہم خالی کافی پر ہی گزارہ کر لیتے ہیں۔'' دونوں ہی ہنسنے لگے تو چاندنی نے آدھا سینڈوچ اس کو دے دیا وہ ''تھینک یو'' کہتا ہوا کھانے لگا اور پھر کافی بھی آ گئی۔

عبید رضا نے کئی بار اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا تھا لیکن چاندنی نے اس کو کبھی بھی کوئی بھی ایسا گرین سگنل نہ دیا تھا کہ وہ یقین سے کہہ سکتا کہ چاندنی بھی اس کے جذبات کی قدر کرتی ہے اور اس سے محبت کرتی ہے۔ چاندنی اس کی آنکھوں کی زبان سمجھتی تھی۔ اس کی حرکات و سکنات اور الفاظ پھر ان الفاظ کی ادائیگی اور چاہت سے بھرپور لہجہ چاندنی کو بہت کچھ سمجھاتا تھا۔ وہ سمجھتی بھی تھی لیکن اس کے اور عبید رضا کے سٹیٹس میں زمین اور آسمان کا فرق نمایاں تھا۔

عبید رضا کئی بار اشاروں کنایوں میں اور کئی بار تو کھل کر بھی چاندنی سے محبت کا اظہار کر چکا تھا لیکن چاندنی اپنی اوقات اور سٹیٹس کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کو کبھی بھی اس بات کا اشارہ نہ دے پائی تھی کہ وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ چاندنی کو سینڈوچ مزیدار لگا تھا اس نے ایک اور سینڈوچ کا آرڈر دیا تو عبید رضا نے بل ادا کر دیا۔ چاندنی نے تکلفاً بھی منع نہ کیا تھا کیونکہ وہ دوست تھے اور دوستی میں اتنی سی بے تکلفی تو چلتی رہتی ہے۔ عبید رضا قیمتی گاڑی میں کالج آتا تھا اس کی پاکٹ میں موجود والٹ میں ہزاروں روپے اور کریڈٹ کارڈز بھرے ہوتے تھے لیکن کبھی بھی اس نے اپنی امارت کا رعب نہ ڈالا تھا بلکہ سادگی سے ہی اپنی پڑھائی مکمل کر رہا تھا۔

''موسم تو آج کسی کی جان لے کر ہی چھوڑے گا۔'' عبید رضا کی سوئی ابھی تک موسم پر ہی اٹکی ہوئی تھی۔

''کیا ایسا موسم تم نے پہلی بار دیکھا ہے؟'' چاندنی نے سینڈوچ کا پیس منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنسنے لگا۔

''ایسا موسم تو میں کمرے کی کھڑکی سے کئی بار دیکھ چکا ہوں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تو اس کے الفاظ محبت کی رم جھم میں بھیگنے لگے تھے۔ ''پتہ نہیں آج سے پہلے کیوں ایسا موسم مجھے اپنے سحر میں جکڑ نہیں سکا۔'' اس نے محبت سے چاندنی کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ گڑبڑا گئی اور اس سے نظریں چراتے ہوئے کافی کا مگ ہونٹوں سے لگا لیا۔ کیونکہ عبید رضا تو اس کے دل کو گھائل ہی کر گیا تھا۔

''تو پھر آج کیا خاص بات ہو گئی کہ تم اس موسم کا شکار ہو گئے ہو؟'' سوال بہت ہی پیارا تھا اور خاصی گہرائی سے

پوچھا گیا تھا۔

''کسی حسین ساتھی کا ساتھ ہو تو ہر موسم ہی حسین لگنے لگتا ہے۔'' عبید رضا ایک شاعر لگنے لگا تھا لیکن شاید وہ اپنے ایک ہی فقرے سے چاندنی کو قائل نہ کر سکا تھا۔

''عبید رضا! حسین موسم اور حسین ساتھی اس وقت کی طرح ہوتے ہیں جو کبھی بھی تمہارا نہیں ہوتا۔'' چاندنی بڑی مہارت سے اس کی بات کو ٹال کر اپنی بات کا جواب بھی مانگ رہی تھی کیونکہ اس کے الفاظ میں جو سوال تھا وہ براہِ راست عبید رضا کے مستقبل پر سوالیہ نشان تھا۔

''میرا نام عبید رضا ہے چاندنی۔'' وہ مصمم اور ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''اگر اس حسین موسم میں خوبصورت ساتھی میرا ساتھ دے تو میں وقت کو اپنی مٹھی میں قید کر سکتا ہوں۔''

چاندنی کافی ختم کر چکی تھی لیکن عبید رضا کی باتیں لمبی ہی ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ ایک لمبی سانس لیتی ہوئی بولی۔

''وقت کو کوئی بھی طاقتور انسان اپنی مرضی سے نہیں چلا سکتا۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔''

''جذبوں میں صداقت اور ارادہ اٹل ہو تو وقت انسان کا غلام بن سکتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے جذبے سچے اور ارادے بھی نیک ہیں۔'' عبید رضا پر موسم حاوی ہو گیا تھا کیونکہ موسم بے ایمان ہو رہا تھا۔ چاندنی بات کو اختتام کی جانب موڑتی ہوئی بولی۔ ''عبید رضا کوئی بادشاہ نہیں ہے جو اپنے محل کے باہر ایک گھڑیال لگا کر اس گھڑیال کی سوئیوں کو اپنی دہشت کا غلام بنا لے گا۔'' وہ اُٹھتی ہوئی پھر بولی۔ ''اور وقت کو مٹھی میں قید کرنے والوں کو یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وقت اس خشک ریت کی طرح ہوتا ہے جس طرح مریض کی زندگی آہستہ آہستہ اس کے بدن سے اپنا رشتہ توڑتی جاتی ہے بالکل اسی طرح ریت بھی آہستہ آہستہ انسان کی مٹھی سے کھسکنا شروع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وقت کبھی بھی رُکتا نہیں۔'' وہ بیگ اُٹھا کر دوبارہ کلاس روم میں جانے کے لیے گراؤنڈ کو عبور کرنے لگی تو عبید رضا اس کے ساتھ چلتا ہوا بولا۔

''میرا اجل پر تو کوئی اختیار نہیں ہے چاندنی! لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر میں اپنی محبت اور عشق کے جائے نماز پر کھڑا ہو جاؤں تو میرے اٹھے ہوئے ہاتھ اور میری التجائیں کاتبِ تقدیر کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔''

چاندنی اس کی اس بات سے قائل ہو گئی تھی اس نے ٹھہر کر نظریں اُٹھا کر عبید رضا کی آنکھوں میں دیکھا تو دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو کر اپنی زبان میں کچھ کہنے لگی تھیں۔

چاندنی نے نظریں جھکا لیں اور صرف اتنا ہی کہہ سکی۔ ''ارادے نیک اور محبت سچی ہو تو اچھے ساتھی مل ہی جایا کرتے ہیں۔'' وہ عبید رضا کے دل کے تاروں کو چھیڑ گئی تھی وہ اس کو وہیں کھڑا جاتا ہوا دیکھنے لگا۔ اس نے ایک بار نظریں اُٹھا کر حسرت سے آسمان پر کالے بادلوں کو دیکھا اور پھر دور جاتی ہوئی چاندنی کو دیکھنے لگا جو ایک کلاس روم میں داخل ہو رہی تھی۔



ہیرا بدمعاش نے دیکھا کہ شرجیل پھر بازی ہار گیا ہے تو وہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور پیار سے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''فکر کیوں کرتا ہے شہزادے! تُو مجھ سے اُدھار لے لے۔ بازی جیت کر لوٹا دینا۔'' ہیرا نے بیٹھک پر

نگاہ ڈالی جو اس ٹائم عروج پر تھی اس نے باقی جواریوں کو بھی مقروض کر رکھا تھا۔ شرجیل بھی اس کے شکنجے میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا۔

اس نے شرجیل کے بولنے سے پہلے ہی اس کو ہزار ہزار کے نوٹ گن کر پکڑائے تو شرجیل دس نوٹ دیکھ کر حیران رہ گیا اور پھر مسکراتے ہوئے ہیرا کی طرف دیکھنے لگا جس نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور بولا۔

''تُو تو میرا جگر ہے۔ جا دل کھول کر گیم کر۔'' اس کا لہجہ خالصتاً کاروباری تھا اور اس کی آشیر باد کا مقصد بھی یہی تھا کہ شرجیل یہ گیم سمجھ سے کھیلے اور لمبی رقم جیت کر اس کا تمام حساب کتاب صاف کر دے کیونکہ وہ اس سے زیادہ رقم افورڈ نہیں کر سکتا تھا کہ شرجیل اس کی رقم ہی مار کر نکل جائے کیونکہ شرجیل کی کوئی بھی ضمانت نہ تھی وہ آج تک اپنے ہی نام پر بازیاں کھیلتا آیا تھا اس نے اپنا اعتماد بنا لیا تھا کہ ہیرا نے اس کو اچھی خاصی رقم اُدھار میں دی ہوئی تھی۔

''ٹینشن نہ لو شرجیل باؤ! اور لگ جاؤ کام پر۔'' ہیرا نے شرجیل کو مزید بانس پر چڑھایا اور بولا۔ ''مجھے یقین ہے کہ تم اس بار ضرور جیتو گے۔''

''لیکن ہیرا پہلوان! میں نے تو پہلے ہی آپ کی کافی رقم دینی ہے۔'' شرجیل نے شادیٔ مرگ کی کیفیت میں مبتلا ہو کر کہا تھا کیونکہ دس ہزار کے نوٹ اس کے ہاتھوں میں تھے۔

''فکر نہ کر بس اپنی توجہ گیم پر رکھو اور پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔'' شرجیل اس کا پُرانا گاہک تھا اور ہیرا ایسی ہی چکنی چپڑی باتوں سے گاہکوں کو اپنا مقروض بنا لیا کرتا تھا۔ ''چل اُٹھ اور داؤ لگا کر مال بناؤ۔'' اس نے شرجیل کو تھپکی دی اور خود آگے بڑھ کر دوسرے جواریوں پر نظر رکھنے لگا اور کچھ دیر بعد وہ مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بیٹھک سے باہر نکل گیا۔

ہیرا پہلوان کے محکمہ پولیس میں کافی تعلقات تھے اور کافی پولیس والے بھیس بدل کر اس بیٹھک میں آتے اور لمبی دیہاڑی لگایا کرتے تھے۔ متعلقہ تھانے کی پوری ٹیم کو نیچے سے اوپر تک مکمل پروٹوکول کے ساتھ ہر ماہ باقاعدگی سے مال پہنچا دیا جاتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ بار بار محلّہ داروں کے کہنے اور شکایات کرنے پر بھی کوئی پولیس آفیسر ایمانداری سے کام کرنے سے کتراتا تھا بلکہ یہ بیٹھک ہی پولیس والوں کی نظروں سے ایسے اوجھل تھی جیسے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔

اگر کوئی ایمانداری دکھانے کے بخار میں مبتلا انسپکٹر اپنا قد بڑھانے کی کوشش کرتا تو ''اوپر'' سے ایک ہی کال اس کا رُعب اور دبدبہ ٹھنڈا کر دیتی تھی۔ وہ بے چارہ جس طرح جواریوں کو پکڑ پکڑ کر گاڑی میں ڈالتا تھا پھر کال سننے کے بعد وہ شرمندگی سے کہتا کہ ان سب کو چھوڑ دو۔ اب تو محلّہ والے صرف اللہ کی طرف سے ہی کسی معجزے کے منتظر تھے۔ کیونکہ غیر قانونی کام کو قانون ہی تحفظ دے رہا تھا تو پھر کس کی مجال تھی کہ اس بیٹھک کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنے کی جرأت کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس بیٹھک میں موجود تمام کھلاڑی کسی بھی چھاپہ کے خوف سے آزاد ہو کر اپنے کھیل میں مصروف ہوتے تھے۔

ان میں سے تو کوئی اپنی ماں بہن بیوی تک کا زیور اس بیٹھک کی نذر کر چکا تھا اور بہت سے جاہل تو اپنی جائیداد کے کاغذات ہیرا کی بھینٹ چڑھا چکے تھے اور ان کے کیسز شہر کی مختلف عدالتوں میں پڑے ہوئے تھے۔

شرجیل کی آج قسمت اچھی ہی لگ رہی تھی اس نے پانچ ہزار کا پہلا داؤ جیتا تو پھر جیتتا ہی گیا۔ اس کی جیبیں

نوٹوں سے بھر گئی تھیں۔ اس نے آج لاکھوں روپوں کی رقم جیتی تھی۔ اس نے سب سے پہلے ہیرا کا قرض اُتارا تو ہیرا بھی حیرت واستعجاب کی ملی جلی کیفیت میں مبتلا ہو کر اس کو دیکھنے لگا تھا۔

اب شرجیل کے پاس تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے بچے تھے اور یہ بہت بڑی رقم ہیرا اور اس کے حواریوں کو بُری طرح کھٹک رہی تھی کیونکہ شرجیل کا جیت جانا بالکل ایسا ہی تھا کہ اب یہ چڑیا اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

❀......✿......❀

بادشاہ نے ایک ہوٹل پر لکڑی کی کرسی پر بیٹھ کر چائے پی اور دل کو خوش کیا کہ وہ ایک ہوٹل پر بیٹھ کر چائے پی کر آیا ہے۔ بادشاہ نابینا فقیر تھا اس نے ایک ٹی سٹال کو ہوٹل ہی سمجھا اور دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اس کو من ہی من میں ہوٹل کا نام دے کر دل کو تسلی دینے کی جھوٹی کوشش کی تھی۔

''کیوں بھئی بادشاہ! آج کل اس علاقہ میں بہت نظر آ رہے ہو؟'' دوسرے فقیر نے اس سے پوچھا تو وہ دُکھ اور کرب سے مسکراتا ہوا بولا۔ ''منزل تو آنکھ والوں کو نظر آتی ہے یار! بادشاہ تو اندھا ہے۔ اس کو کیا معلوم کہ وہ کہاں اور کدھر جا رہا ہے۔'' اس نے اپنی چھڑی پکڑی اور انتظار کرنے لگا کہ دوسرا فقیر مزید کچھ بولے۔

''تمہیں معلوم ہونا چاہیے بادشاہ کہ علاقے مول بکتے ہیں۔''

وہ دوسرے فقیر کی بات سن کر پھر ہنسا اور کہنے لگا۔ ''میں کون سا کسی مخصوص اڈے پر کھڑا ہو کر بھیک مانگتا ہوں بس تو اس لاٹھی کے سہارے گلی گلی گھوم کر خود کو سزا دینے کے لیے صدائیں لگاتا ہوں تو لوگ میری حالت پر رحم کھا کر مجھے کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں۔''

''پر پھر بھی احتیاط ہی کرنا۔ ٹھیکیدار بھی گلیوں میں ہی گھومتا رہتا ہے۔'' دوسرے فقیر نے اس کو راز کی بات بتا کر احسان کیا تھا۔ ''اچھا بھئی تمہاری خوشی اسی میں ہے کہ تم مجھے ڈرا کر ہی راضی ہو تو ٹھیک ہے۔'' بادشاہ نے ہنستے ہوئے لاٹھی کے سہارے پر وہاں سے اُٹھ کر دائیں طرف جانا برکت سمجھا تھا۔ وہ ایک گلی میں داخل ہوا اور اپنی صدائیں لگانے لگا۔

''بیٹی رحمت ہے۔ بیٹی زحمت نہیں ہے۔ بیٹی رحمت ہے۔ بیٹی زحمت نہیں ہے۔'' وہ صدا لگانا شروع ہوا تو خود بخود ہی اس کی صدا میں سوز اور درد عود آیا تھا۔ وہ خود بھی رونے لگتا تھا اور کمزور دل عورتیں بھی اس کی صدا سے مرعوب ہو کر اس کو خیرات دینے لگتی تھیں۔

''بابا جی! آگے نالی ہے۔ دھیان سے۔'' وہ ایک رہنمائی والی آواز سن کر دُکھ سے بولا۔

''دھیان ہوتا تو آپ کو آواز نہ دینا پڑتی بھائی۔'' اور پھر کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو نالی پار کرنے میں مدد کی اور اس کو ایک نئی گلی کی جانب روانہ کر دیا۔

''بیٹی رحمت ہے...... خدا کا واسطہ ہے بیٹیوں کو زحمت نہ سمجھو...... بابل کی آنکھ کا تارا بیٹی ہوتی ہے۔'' اس نے آج اپنی صدا میں کچھ الفاظ کا اضافہ کیا لیکن یہ الفاظ اس کی زبان سے نہیں بلکہ دل سے ادا ہو رہے تھے۔ وہ اونچی آواز میں صدائیں دینے لگا۔

''باپ کے صحن کا چانن بیٹی ہوتی ہے...... باپ کے گھر کی روشنی بیٹی ہوتی ہے۔ بیٹی کو زحمت سمجھ کر مت دھتکارو

بیٹی رحمت ہے۔ بیٹی زحمت نہیں ہے۔'' اس کی تڑپتی ہوئی آواز نے بہت سی عورتوں کو رُلا دیا تھا۔ گرو بھی اس کی صدا سن کر گھر سے باہر آگیا تھا۔

''بابا جی! پہلے تو آپ کو کبھی بھی اِدھر نہیں دیکھا۔'' گرو اپنے گھر کی تھڑی پر بیٹھ گیا تھا اس نے بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو اس کو روک لیا۔ ''کیا اس علاقے میں نئے آئے ہو؟'' بادشاہ اس کی آواز سن کر رُک گیا تھا۔ اس نے اپنی چھڑی سے اس بات کی تصدیق کی کہ گرو کہاں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بھی ٹٹولتا ہوا تھڑی کے نچلے والے حصے پر بیٹھ گیا اور اپنے کاندھے پر لٹکتے ہوئے میلے سے صافے سے آنسو صاف کرتا ہوا بولا۔

''نیا اور پُرانا علاقہ تو آنکھوں والوں کے لیے ہوتا ہے۔ اندھوں کے لیے تو سب علاقے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔'' اس کی آواز میں درد نمایاں تھا۔ ''آپ میری کچھ مدد کریں گے جناب؟'' بادشاہ نے التجائیہ لہجے میں کہا تو گرو ہنستے ہوئے بولا۔

''جناب...... نہ بابا نہ ہم جناب کہاں ہیں۔ ہم تو ناچ گا کر گلیوں سے اپنا رزق اکٹھا کرتے ہیں۔''

''میری طرح آپ کو مانگنا تو نہیں پڑتا نا؟'' بادشاہ سمجھ گیا کہ گرو ہیجڑہ ہے اور وہ اس وقت کسی گرو ٹائپ کے شخص سے مخاطب ہے۔

گرو ایک ٹھنڈی آہ بھرتا ہوا بولا۔ ''ہاں بابا جی! ہمیں ہاتھ نہیں پھیلانا پڑتا۔ بس صدا ضرور لگانا پڑتی ہے اور پھر پاؤں میں گھنگرو باندھ کر ناچنا پڑتا ہے۔ پھر جا کر روزی ملتی ہے۔''

''تم تو مجھ سے بھی زیادہ دُکھی لگتے ہو بھائی۔'' بادشاہ ہنسنے کی کوشش میں بولا۔

''بابا جی آپ مجھے گرو کہہ سکتے ہو۔'' گرو کو شاید لفظ یا رشتہ بھائی پر اعتراض تھا۔

بادشاہ اس کی بات سن کر ہنسا اور بولا۔ ''اچھا تو گرو جی! آپ کیوں دُکھی ہیں۔ آپ تو آنکھوں والے بھی ہو اور آپ کے پاس تو فن بھی ہے۔''

گرو نے تالی بجائی تو تالی کی مخصوص آواز سن کر بادشاہ بھی مسکرا دیا۔ ''ہائے ہائے بابا جی! اب اس فن کے قدر دان کہاں۔ ہم تو مغل شہنشاہ کے درباروں میں اپنا فن پیش کیا کرتے تھے تو ہمیں بادشاہ سونے چاندی میں لاد دیا کرتے تھے۔'' گرو بھی ''ویہلا'' ہی لگتا تھا اپنی پُرانی نسلوں کی باتیں چھیڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

''آپ اتنے پرانے ہو گرو جی۔'' بادشاہ نے مذاقاً پوچھا تو گرو مسکراتے ہوئے بولا۔

''میں صدقے جاواں! تم بھی مجھے اپنے ہی ''جی'' لگتے ہو بابا جی۔'' بادشاہ کی بات کا جواب تو ضرور ملنا تھا کیونکہ گرو بھی زمانہ شناس تھا اور وہ پھر جس نسل سے تعلق رکھتا تھا بات سے بات نکالنا ہی ان کا فن تھا۔

''اچھا مجھے تمہاری صدا کی سمجھ نہیں آئی بابا جی۔'' بادشاہ کے کچھ بولنے سے پہلے ہی گرو نے اپنا سوال کر دیا تو بادشاہ کے چہرے پر اُداسی اور پریشانی جھلکنے لگی تھی۔ وہ سوگواری کا لبادہ اوڑھتے ہوئے بولا۔

''تم میرا درد کیا جانو گرو! مجھ جیسا بدبخت شخص شاید ہی کوئی اس دنیا میں ہو۔'' اس سے پہلے کہ بادشاہ مزید کچھ بتاتا اندر سے نیناں نے آواز لگائی کہ الائچی اور چنبیلی اس سے لڑ رہی ہیں۔ وہ اندر آ کر ان کو مار پیٹ کرے۔

''ستیاناس ہو ان کا کلموہی نیناں سے ہی لڑتی رہتی ہیں۔ حالانکہ اسی کے سر پر یہ گھر چل رہا ہے۔'' وہ اُٹھتا ہوا

بولا۔

''اچھا بابا جی! پھر کبھی بات ہو گی۔ یہ لیں کچھ خیرات رکھ لیں۔'' گرو نے کچھ پیسے بادشاہ کے ہاتھ میں پکڑائے اور اُٹھ کر اندر چلا گیا۔ بادشاہ نے وہ پیسے اپنی قمیص کی جیب میں ڈالے اور لاٹھی کے سہارے اُٹھتا ہوا گلی کے دوسرے سرے کی جانب چل پڑا اور اس کی صدا سے گلی گونجنے لگی تھی۔

''بیٹی رحمت ہے...... بیٹی زحمت نہیں...... بیٹی رحمت ہے......''



موسیٰ اور سجن اس وقت محلہ کی مسجد کے امام فیض رسول صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ قاری صاحب موسیٰ سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ ان سے قرآن کریم پڑھا ہوا تھا اور محلے کے دوسرے بھی بہت سے بچے اور بچیاں قاری صاحب کے شاگرد تھے۔ قاری صاحب اس محلّہ کے ہر گھر میں چلے جایا کرتے تھے۔ محلّہ کے لوگ بھی ان کا احترام اور عزت کرتے تھے۔

موسیٰ نے اپنے خواب کا قاری صاحب سے بھی ذکر کیا تھا انہوں نے بتایا کہ اللہ تم پر مہربان ہے اور تم بھی اس کی عبادت پر توجہ مرکوز رکھو وہ ایک نہ ایک دن موسیٰ کو اپنے گھر ضرور بلائے گا۔

موسیٰ اور سجن قاری صاحب کے پاس کافی وقت گزار کر گھر پہنچے تو شمع بی بی ایک تھال میں ڈالی ہوئی دال چننے میں مصروف تھیں ان دونوں کو دیکھ کر وہ مسکراتی ہوئی بولیں۔

''مل آئے قاری صاحب سے؟''

موسیٰ ان کے قدموں میں بیٹھ کر ان کے پاؤں دبانے لگا تو شمع بی بی نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ تو موسیٰ بولا۔

''ماں جی! قاری صاحب تھے کہ اللہ جن پر مہربان ہوتا ہے ان کو اپنے مقدس گھر کی زیارت اور حاضری کے لیے ایک نہ ایک دن ضرور طلب کرتا ہے۔''

''اس میں تو کوئی شک نہیں ہے موسیٰ! وہ بڑا کارساز ہے اور مہربان ہے۔'' شمع بی بی کو ڈر تھا کہ موسیٰ پر وہی کیفیت نہ طاری ہو جائے جو خواب دیکھنے کے بعد ہوتی ہے۔

''ماں جی! قاری صاحب بتا رہے تھے کہ ماں کو ایک بار پیار سے دیکھنے کا ثواب ایک مقبول حج جتنا ہوتا ہے۔'' اس بار سجن اُداس لہجے میں بولا تو شمع بی بی اس کی سوگواری کو سمجھتی ہوئی بولیں۔

''ایک بار کیا بیٹا بلکہ ماں کو جتنی بار بھی پیار سے دیکھو گے اللہ تعالیٰ اتنی بار ہی اتنے ہی مقبول حج کا ثواب عطا کرتا ہے۔'' سجن ان کی بات سن کر اُداس ہو گیا اور آنکھوں میں آنے والی نمی کو چھپاتا ہوا بولا۔

''اور جس کی ماں ہی نہ ہو...... وہ کیا کرے ماں جی!'' موسیٰ بھی اس کے سوگوار ہونے کی وجہ سمجھتا تھا کیونکہ سجن کا اس دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔ بس ایک باپ ہی تھا جس نے امیر کبیر عورت سے شادی کر کے اسی کے ہاں رہائش کر لی تھی اور اپنی نئی بیوی کی ٹیکسٹائل ملز میں بطور منیجر جاب بھی کر لی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا تھا کہ اس کا اکلوتا بیٹا سالار عرف سجن بالکل اکیلا رہ گیا ہے۔

""تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔ میری ماں جی کو ماں بھی کہتے ہو اور بیگانے بھی بن رہے ہو؟" اس بار موسیٰ نے اس کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا تو وہ رونے لگا۔ شمع بی بی نے بھی نم دیدہ ہو کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور اس کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولیں۔

"میں ہوں نا تمہاری اور موسیٰ کی ماں! کیوں فکر کرتے ہو۔ چلو اب آنسو پونچھو اور اِدھر بیٹھو۔" ماں جی نے اس کو حوصلہ دیا تو وہ مسکراتا ہوا تخت پوش پر بیٹھ گیا۔

"تم بیٹھو میں چائے بناتی ہوں۔" شمع بی بی یہ کہہ کر کچن میں چلی گئیں تو شرجیل اندر داخل ہوا۔ وہ خلافِ توقع آج جلدی آ گیا تھا۔ اس نے سجن کو دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا تو سجن نے حسبِ عادت ہنستے ہوئے کہا۔

"خیریت ہے شرجیل بھائی! شہر میں کرفیو تو نہیں لگ گیا جو آپ وقت سے پہلے گھر آ گئے ہو؟" موسیٰ اس کی بات سن کر سمجھ گیا کہ اب سجن اور شرجیل کی چونچیں لڑی ہی لڑی۔

"کرفیو تو نہیں لگا۔ پر تم کیوں میجر بن کر اس تخت پوش پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہو۔" شرجیل کا آج موڈ کچھ خوشگوار لگ رہا تھا۔ وہ سجن کے ساتھ ہی تخت پوش پر بیٹھ گیا اور کچن کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

"والدہ محترمہ! اگر برا نہ لگے تو اک پیالی شرجیل صاحب کے لیے بھی بنا دینا۔"

موسیٰ کو ہمیشہ ہی شرجیل کا انداز لب و لہجہ اور الفاظ اچھے نہ لگے تھے لیکن وہ اس کا بڑا بھائی تھا اور موسیٰ اس کی نسبت سمجھدار اور پڑھا لکھا بھی تھا اس لیے وہ اس بات کی احتیاط ہی کیا کرتا تھا کہ شرجیل کی باتوں میں کسی بھی قسم کی دخل اندازی نہ ہی کیا کرے۔ اس بار بھی وہ خاموش ہی رہا تھا۔

"سجن صاحب! جس طرح منہ اٹھا کر اس گھر میں آ جاتے ہو۔ کبھی اپنے اس یار کو بھی اپنے گھر بلایا ہے تم نے؟" شرجیل سجن پر طنز کیا کرتا تھا لیکن سجن اس کے جواب میں ہمیشہ ہی ہنسا کرتا اور مسکرا کر اس کی باتوں کا جواب طنزیہ انداز میں دیا کرتا تھا۔

"میں بھی آپ کی طرح سخت مٹی کا بنا ہوا ہوں شرجیل بھائی۔" شرجیل کا غصیلا انداز استفہامیہ تھا۔ "آپ بھی ہر روز نئے کام پر جانا بند نہیں کرتے اور میں بھی ماں جی کو سلام کرنے کے بہانے یہاں آنا نہیں بھولتا۔"

"لیکن ایک بات یاد رکھو!" اس بار شرجیل کی انگلی سجن کو تنبیہ کر رہی تھی۔ "جب شرجیل صاحب کی شادی ہو گئی تو پھر اس گھر میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرنا۔ سمجھے۔" شمع بی بی چائے لے کر آئیں اور ایک ایک کپ ان کے سامنے رکھ دیا شمع بی بی شرجیل کی زبانی اس کی ہی شادی کا تذکرہ سن کر خوشگوار حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگیں تو کچھ ایسی ہی کیفیت موسیٰ کی بھی تھی لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سجن اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر زوردار قہقہے سے ہنسا اور بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ میں کئی سالوں تک اس گھر میں آ سکتا ہوں۔ نہ آپ کی شادی ہو گی اور نہ ہی آپ مجھے اس گھر میں آنے سے روک سکتے ہیں۔"

"کالی زبان والے تمہاری تو نیت ہی خراب ہے۔" شرجیل نے بُرا سا منہ بنایا۔ "ماں جی! کتنے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے شادی کے لیے؟" وہ براہِ راست آخری الفاظ شمع بی بی کی طرف دیکھ کر ادا کرتا ہوا سنجیدگی سے بولا تو اس بار موسیٰ نے دخل دینا ضروری سمجھا۔

"شرجیل بھائی! اگر آپ سنجیدہ ہیں تو پیسوں سے پہلے شادی کے لیے لڑکی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے شادی ہونا ہوتی ہے۔" سجن نے مسکراتے ہوئے شرجیل کی طرف دیکھا تو اس نے ایک کہنی سجن کی پسلی میں رسید کی تو وہ اُوئی کی آواز نکال کر رہ گیا۔

"تمہارے پاس کوئی پیسے جمع ہیں تو بتاؤ بیٹا!" شمع بی بی کی حیرت بجا تھی وہ شرجیل سے بولیں تو وہ نظریں چراتا ہوا بولا۔ "کچھ خاص نہیں...... بس آپ یہ بتائیں کہ شادی میں کتنا خرچہ ہوتا ہے۔"

"دو تین لاکھ تو لگ ہی جاتے ہیں شرجیل بھائی!" موسیٰ بھی دلچسپی سے اس کی گفتگو میں حصہ لے رہا تھا۔

"میرے پاس دو لاکھ روپے ہیں موسیٰ!" شرجیل کی طرف سے یہ بہت بڑا انکشاف تھا تبھی تو ان تینوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ سجن چونکہ شرجیل کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اس لیے شرجیل نے اپنے ہاتھ سے اس کا کھلا ہوا منہ بند کیا اور بولا۔

"آپ کوئی لڑکی دیکھ لیں ماں جی! میں شادی کے لیے تیار ہوں۔" وہ شرماتا ہوا بولا اور اُٹھ کر جانے لگا تو سجن نے گرہ لگائی۔ "لیکن پیسے شرجیل صاحب!"

وہ غصے سے واپس مڑا اور سجن کو کھا جانے والے انداز میں بولا "وہی لینے جا رہا ہوں۔ ماڑی نیت والے۔" وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تو وہ تینوں ہی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ان کو یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہو گیا ہے کہ شرجیل سے کسی نے شادی کی بات بھی نہیں کی تھی اور وہ شادی پر تیار بھی ہو گیا تھا اور اس کے پاس دو لاکھ روپے بھی جمع تھے۔ شرجیل نے اندر سے دو لاکھ روپے لا کر تخت پوش پر رکھے تو سب ہی حیران رہ گئے۔

"ویسے یہ بھی کوئی آٹھواں عجوبہ ہے شرجیل بھائی!" سجن خاموش نہ رہ سکا اس نے پیسے اُٹھا کر ماں جی کو پکڑا دیئے تو وہ بھی شادیٔ مرگ کی کیفیت میں مبتلا تھیں ان کو ابھی تک یقین نہ آ رہا تھا کہ یہ پیسے شرجیل نے ہی ان کو دیئے ہیں اور وہ بھی اپنی شادی کے لیے۔

"شرجیل بھائی! کہیں ہم کوئی خواب ہے نا؟" موسیٰ نے دو لاکھ روپوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے پوچھا تو وہ غصیلے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ "اتنے سارے پیسے......؟" شمع بی بی نے سوال پوچھا تو وہ بولا۔ "آپ کوئی لڑکی پسند کر لیں ماں جی۔" وہ شرما رہا تھا یا ماں جی سے جوئے کی رقم کا راز چھپانا چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے شرجیل بھائی! کچھ وقت تو دیں کہ ہم بھابی کو پسند کر لیں۔" موسیٰ خاصا پُرجوش ہو رہا تھا وہ بولا تو شرجیل اثبات میں سر ہلاتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔

"ماں جی! یہ کیا ماجرا ہو گیا کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا۔" موسیٰ نے شمع بی بی کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ حیرانگی اور خوشی کی حالت میں کبھی نوٹوں کی طرف اور کبھی موسیٰ اور سجن کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے موسیٰ کہ ہم کل ہی تمہاری خالہ فائزہ کے گھر چلیں۔ مناہل کے لیے بات کریں؟" شمع بی بی نے موسیٰ سے پوچھا تو وہ خوش ہوتا ہوا بولا۔

"ارے واہ ماں جی واہ! کیا بات ہے۔ آپ نے تو میرا سب سے بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ لڑکی کہاں سے ڈھونڈیں گے۔" سجن ان کی خوشی میں شریک ہوتا ہوا بولا۔

"کیا خالہ کی لڑکی مان جائے گی ماں جی!" سوال تو شمع بی بی سے کیا گیا تھا لیکن موسیٰ نے جواب دیا۔
"تم بھی کمال کرتے ہو یار! مناہل اچھی لڑکی بھی ہے اور سادگی پسند بھی ہے۔"
"تو پھر کرو بسم اللہ! اور شرجیل بھائی کو ڈال دو پٹہ شادی کا۔" تجن نے ہاتھ سے اپنی ہی گردن کے گرد پھندا بناتے ہوئے کہا تو شمع بی بی اور موسیٰ بھی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔



عبید رضا نے کسلمندی سے موبائل کی طرف دیکھا تو اس پر کسی دوست کا نمبر دیکھ کر اس نے موبائل کو بجنے دیا۔
کیونکہ وہ چھٹی کے دن صرف سونا ہی چاہتا تھا۔ بار بار گھنٹی بجنے پر اس نے کال ریسیو کر لی۔ دوسری طرف سے اس کا دوست فہد تھا جو کہ کروڑ پتی رئیس باپ کا بگڑا ہوا اکلوتا فرزند تھا۔
"ہائے ڈیشنگ!" فہد کی شوخی بھری آواز سن کر عبید رضا بوریت محسوس کرنے لگا تھا لیکن اب چونکہ وہ کال ریسیو کر چکا تھا اور بات کرنا بھی ضروری تھا۔
"ہاں بھئی بکو؟" دوسری طرف سے فہد کا قہقہہ بلند ہوا تو عبید کو موبائل کان سے دور کر کے کان میں انگلی پھیرنا پڑی۔
"لگتا ہے میں نے تمہیں نیند سے بیدار کر دیا ہے؟"
"یہ کہو کہ آج پھر...... تم نے مجھے نیند سے بیدار کر کے اپنی آواز سنا کر بیزار کر دیا ہے۔" اس بار پھر فہد کا قہقہہ گونجا تھا۔ "اچھا بکو...... کیا پروگرام ہے؟" عبید نے بات ختم کرنا چاہی تھی۔
"آج شام کو تم اسٹیڈیم آ جانا۔" فہد نے کہا تو وہ حیرت سے بولا۔
"وہ کیوں؟"
"یار اپنا میچ ہے نا۔" فہد کی بات سن کر وہ بیزاری سے بولا۔
"میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ میرے ساتھ کرکٹ کی باتیں مت کیا کرو۔ مجھے اس گیم سے ہی نفرت ہے۔"
"یار! تم نے کون سا کھیلنا ہے۔ بس ذرا انجوائے کریں گے۔" فہد نے کہا تو عبید رضا نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔ "اچھا یار! آ جاؤں گا۔ جان چھوڑو۔"
دوسری طرف سے فہد کا قہقہہ گونجا تھا اور رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔
عبید رضا اس کو کوسنے لگا تھا کیونکہ اس نے ابھی دیر تک سونا تھا لیکن فہد کی کال نے اس کی نیند خراب کر دی تھی۔
اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر منہ پر اپنے ہاتھ پھیرے اور پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کھڑکیوں پر دبیز پردے، فرش پر کارپٹ کی جگہ غالیچہ بچھا ہوا تھا۔ بیڈ کے سامنے ہی بڑی سی ایل سی ڈی دیوار کے ساتھ نصب تھی۔ ایک سائیڈ پر کمپیوٹر ٹرالی اور جدید ساؤنڈ سسٹم اور دیگر ایسی اشیاء بھی تھیں جو الیکٹرونکس مصنوعات میں شامل تھیں۔
وہ ان چیزوں کو صرف اتوار کے دن ہی دیکھتا تھا ورنہ وہ صرف بیڈ پر لیٹ کر ایل سی ڈی پر سیاستدانوں کی جھوٹی باتیں اور میزبانوں کے چٹ پٹے رٹے رٹائے سوال سنا کرتا اور ملکی حالات پر ہنسا کرتا تھا کیونکہ ہر حکومتی

سیاستدان کام کروانے کے دعوے کرتا تھا اور اپوزیشن کا رکن اس کے دعوؤں کو نفی کر کے اپنی ہی پلاننگ بتاتا تھا اور اسی طرح ٹائم پورا ہونے پر دونوں ہی ایک دوسرے کے گلے ملتے اور دل سے کہتے کہ "لو آج پھر ہم نے عوام کو بیوقوف بنا دیا۔"
موبائل پر دوبارہ گھنٹی بجنے لگی تو اس نے دیکھا کہ پاپا کا نمبر تھا اس نے جلدی سے کال ریسیو کی کیونکہ اگر دیر ہو جاتی تو وہاب میر خود اس کے کمرے میں آ جاتے اور پھر اس کو کان سے پکڑ کر اپنے ساتھ ناشتے کی میز پر لے جاتے۔ کیونکہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے عبید رضا سے بہت پیار کرتے تھے اور عبید رضا بھی ان کی عزت اور احترام کو برقرار رکھنے کے لیے اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ وہاب میر کو اس کی طرف سے کوئی بھی شکایت نہ ہو۔
"جی بابا!" اس نے کال ریسیو کی اور مسکراتا ہوا بولا۔
"بابا کے بچے! کچھ تو شرم کریں...... ذرا ٹائم تو دیکھو۔" وہاب میر غصے سے گرجے لیکن عبید رضا جانتا تھا کہ وہ مصنوعی غصے میں ہیں۔ "بابا بس...... دس منٹ میں...... میں آپ کے پاس۔" یہ کہہ کر اس نے فون ڈس کنکٹ کیا اور واش روم میں گھس گیا۔
ٹھیک بیس منٹ بعد وہ سیٹھ وہاب میر، حنا بیگم اور بڑی بہن آئت کے ساتھ ناشتے کی میز پر تھا۔
"تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں چھٹی والے دن ناشتہ تمہارے ساتھ ہی کرتا ہوں۔" وہاب میر اس کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے بولے تو وہ ان کی گردن میں اپنے بازو ڈال کر بولا۔
"بابا! آئی ایم سوری...... ایکچوئیلی میں لیٹ سویا تھا۔ اس لیے آنکھ ہی نہیں کھلی۔" اس نے وہاب میر کی گردن پر بوسہ دیا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اب مکھن مجھ پر لگانے کی بجائے بریڈ پر لگاؤ اور ناشتہ کرو۔"
عبید رضا ہنستا ہوا اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور ناشتہ کرنے لگا تو ستارہ بولی۔
"بابا جان! مجھے بتائیں نا پلیز!" عبید رضا اور حنا بیگم حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔
"کیا بات ہے وہاب؟" حنا بیگم کا رُعب اور دبدبہ وہاب میر پر اس طرح تھا کہ گھر میں حنا بیگم کی ہی حکومت تھی۔
"بھئی بیگم! تم خود ہی فیصلہ کرو......" ح[illegible]نا کی طرف دیکھا تو وہ گلا کھنکار کر بولے۔ "میرا مطلب ہے کہ آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا ستارہ کو آفس جوائن کرنا چاہیے؟"
"وہاٹ؟" حنا بیگم حیرت سے چلائیں تو عبید رضا ہاتھ کھڑے کرتا ہوا بولا۔
"ری لیکس ری لیکس...... پلیز......" وہ حنا کی طرف دیکھتا ہوا پھر ستارہ کی جانب متوجہ ہوا۔ "آپی! آپ کو کیا پڑی ہے کہ آپ موٹی موٹی فائلوں میں سر کھپائیں۔"
"کم آن عبید!" ستارہ سرسری انداز میں بولی۔ "تم کس دور کی بات کر رہے ہو۔ فائلیں؟ اب کمپیوٹر کا دور ہے۔ حساب کتاب میں جدت آ گئی ہے۔" اس کی دلیل مضبوط تھی۔ عبید رضا سر ہلا کر رہ گیا۔
"لیکن میں اس بات کی اجازت نہیں دوں گی کہ ستارہ آفس جوائن کرے بس؟" یہ فیصلہ سنا کر حنا بیگم نے ناشتہ کرنا شروع کر دیا اس کا مطلب تھا کہ اب اس موضوع پر بات نہیں ہوگی۔

ستارہ نے بے بسی سے وہاب میر کی طرف دیکھا تو وہ کندھے اُچکا کر رہ گئے اور عبید تو اس کا چھوٹا بھائی تھا وہ اپنی ہی دنیا میں مگن رہنے والا بندہ تھا اس کو ویسے بھی اربوں کھربوں کے کاروبار سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس کو تو عیش کرنے کے لیے کھلا پیسہ چاہیے تھا جو اس کو ہر ماہ باقاعدگی سے مل جاتا تھا۔

لیکن ستارہ یونیورسٹی سے فارغ ہو چکی تھی اور وہ اپنے آپ کو گھر میں بور محسوس کرتے ہوئے مل کا کام خود اپنی نگرانی میں کروانا چاہتی تھی۔ یا پھر اس نے وہاب میر کو بتایا تھا کہ سارے حساب کتاب وہ خود کیا کرے گی۔ یا پھر تمام کے تمام اکاؤنٹینٹ اس کے نیچے کام کریں گے۔

وہاب میر تو چاہتے تھے کہ ان کے دونوں بچے ہی ٹیکسٹائل ملز کا کام سنبھالیں لیکن حنا بیگم ان کے کندھوں سے اس بوجھ کو ہٹتا ہوا نہ دیکھنا چاہتی تھیں اور یہ بھی چاہتی تھیں کہ ان کے دونوں ہی بچے عیش کریں اور وہاب میر اتنا بڑا بزنس خود اکیلے ہی سنبھالیں۔

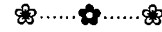
''تم ایسا کرو کہ بوتیک سنبھال لو۔'' حنا بیگم نے کہا تو ستارہ ان کی طرف خوشگوار حیرت سے دیکھنے لگی۔

''مما! سچ؟'' وہ حیرت سے بولی تو حنا بیگم خفگی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ ''میرا مطلب تھا کہ...... بوتیک تو آپ چلا رہی ہیں نا؟''

''میں اب تھک گئی ہوں۔ آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' حنا بیگم نے بے نیازی سے کہا تو ستارہ ''ہُرے'' کا نعرہ لگاتی ہوئی گردن اکڑا کر بولی۔

''ٹھیک ہے مما! آپ دیکھنا کہ اب ستارہ وہاب کس طرح آپ کے بزنس کو عروج دیتی ہے۔''

''ویری گڈ بیٹا!'' وہاب میر بھی حنا بیگم کے اس فیصلے سے خوش نظر آ رہے تھے یا پھر خوش نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔



''نی اُٹھ وی جاؤ...... روز ای تہاڈے سیاپے کرنے پیندے نیں۔'' گرو کی گونجدار مگر کچھ کچھ میٹھی آواز نے چنبیلی اور الائچی کی نیند اُڑا دی تھی۔ وہ دونوں ہڑبڑا کر اُٹھے اور اپنی چارپائیوں سے گرتے گرتے بچے تھے۔ جبکہ نیناں کافی دیر پہلے ہی اُٹھ کر ان کے لیے ناشتہ بنا چکا تھا۔ اب وہ گرو کی ٹانگیں دبا رہا تھا اور گرو نے صبح صبح ہی پان منہ میں ڈال لیا تھا۔

''نیناں!'' گرو نے نیناں کو پکارا تو نیناں ہمیشہ کی طرح ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''جی گرو حکم کریں۔'' نیناں کی فرمانبرداری اور تابعداری سے گرو ہمیشہ ہی خوش ہوا تھا۔ اب بھی وہ نیناں کی بلائیں لیتا ہوا بولا۔ ''آج تو چاندنی بٹی کو چھٹی تھی اس کو کہتے کہ ناشتہ ہمارے ساتھ ہی کر لیتی۔''

نیناں خوش ہوتا ہوا کہنے لگا۔ ''گرو! چاندنی تو کافی دیر سے جاگ رہی ہے اور اپنا سبق بھی لکھ لکھ کر اس نے تو کافی سارے کاغذ کالے کر دیئے ہیں۔'' گرو اس کی بات سن کر ہنستا ہوا بولا۔

''وہ پرچے کی تیاری کر رہی ہوگی۔''

''ہائے میں مرگئی گرو! کس پر پرچہ کٹوانے کی تیاری کر رہی ہے چاندنی؟'' نیناں کی آواز میں خاصی تشویش تھی

گرو کا قہقہہ سن کر نیناں اس کی طرف دیکھ کر حیرت میں ہی کچھ نہ بول سکا تو گرو بولا۔

''میں نے بھی یہی سوال چاندنی سے پوچھا تھا۔ لیکن اس نے مجھے سمجھایا تھا کہ کالج میں اس کے پرچے ہونے والے ہیں ان کی تیاری کرنی ہے۔'' نیناں کی جان میں جان آ گئی تھی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ پُرسکون ہوتا ہوا بولا۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ...... وہ وکیل بن گئی ہے اور کوئی کیس تیار کر رہی ہے۔''

گرو اس کی بات سن کر پھر ہنسنے لگا۔

''نیناں! ویسے ایک بات ہے۔'' گرو نے پان کی پچکاری کچے گملے میں پھینکی جہاں پر کوئی پودا نہ تھا بلکہ صرف تھوڑی سی مٹی ڈال کر اس کو ہی پیک دان بنایا ہوا تھا۔ ''جب سے چاندنی نے اس گھر میں قلقاریاں مارنا شروع کی ہیں اللہ کا بڑا ہی کرم ہم پر ہوا ہے۔''

نیناں نے اب گرو کے ہاتھ دبانے شروع کر دیئے تھے۔ ''ہاں گرو! چاندنی تو میری بڑے ہی نصیبوں والی ہے۔'' نیناں خوش تھا اس نے چنبیلی اور الائچی کو اندر سے صحن میں آتے دیکھا تو گرو کو اشارہ کر کے بولا۔ ''لو...... آ گئے آپ کے...... ہونہار شاگرد۔''

''کدی آپ وی اُٹھ جایا کرو۔ تہاڈا ککھ نہ رہوے۔ روز روز مینوں ای تاہراں مارنیاں پیندیاں نیں۔'' گرو کا پارہ چنبیلی اور الائچی کے میک اپ دیکھ کر ہائی ہو گیا تھا۔ وہ چنبیلی اور الائچی سے پنجابی میں ہی بات کرتا تھا جبکہ چاندنی اور نیناں کے ساتھ وہ اردو بولنے کی کوشش میں کافی حد تک کامیاب رہتا تھا۔

''نی مرجاؤ کچھ شرم کریا کرو۔ اپنی شکلاں دیکھو۔'' گرو نے چنبیلی اور الائچی سے کہا تو چنبیلی جو کہ سیاہ رنگت ہونے کے باوجود بھی خود کو لیڈی ڈیانا سمجھتی تھی اک خاص ادا سے تالی بجا کر بولا۔ ''امی! یہ تو میری خوبصورتی سے جلتی ہے۔'' اس کا اشارہ الائچی کی طرف تھا جو کہ اپنے بال سنوارنے میں مصروف تھا۔

''مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں تمہاری اس کالی کلوٹی خوبصورتی سے جیلس ہوں۔'' وہ اپنے بالوں کو ایک ہاتھ سے جھٹک کر بولا۔

''اونہہ...... میری جلتی ہے جوتی۔''

گرو ان دونوں کی لڑائی سن سن کر اُکتا کر اپے۔ ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

''نی مرجاؤ...... جاؤ دفع ہو جاؤ...... کوئی کم دھندہ کر لو۔''

''پہلے اس بات کا فیصلہ تو ہو جائے کہ اس نے میری کریم چوری کر کے خود کیوں لگائی ہے۔'' چنبیلی شاید آج اپنا کیس تیار کر کے ہی لایا تھا۔ اس نے الائچی پر الزام لگایا تو نیناں نے الائچی کی طرف اس طرح دیکھا کہ اب وہ بھی کوئی نہ کوئی طنز والی بات لازمی کرے گا۔

''امی! میں نے اس کی کوئی کریم چوری نہیں کی اور نہ ہی مجھے آیوڈیکس لگانے کا کوئی شوق ہے۔'' وہی ہوا تھا الائچی نے بھرپور جواب دے کر چنبیلی کا پارہ ہائی کیا تو وہ بھی خاموش نہ رہ سکا۔

''باتیں تمہیں بہت آتی ہیں...... گرو...... اس کو تو دو پیر نہیں مارنے آتے کمینہ۔'' اتنا سننا تھا کہ الائچی نے دو

زوردار ٹھڈے چنبیلی کو دے مارے۔''مارنے آتے ہیں کہ نہیں...... دو پیر نہیں مارنے آتے۔''

''امی! آپ کی نگرانی میں میری انسلٹ ہو رہی ہے۔ بس آج کے بعد یہ الگ اور میں الگ ناشتہ کروں گی۔''

''دُر فٹے منہ تہاڈا۔'' گرو اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا تو چاندنی کی آواز نے ان سب کو اپنی جانب متوجہ کرلیا۔

''السلام علیکم بابا جانی!'' چاندنی ان کے پاس پہنچی تو نیناں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی بلائیں لیں اور اس کا منہ چومتے ہوئے کہا۔''ماشاء اللہ! میری بیٹی پڑھتی جا رہی ہے اور روز بروز سوہنی ہوتی جا رہی ہے۔''

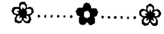
چاندنی شرما کر گرو کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گئی تو گرو نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔''پرچے کی تیاری کرلی میری بچی نے؟''

''جی بابا! بس کوشش کر رہی ہوں۔'' چاندنی سادگی سے بولی۔

''میں تمہارے لیے ناشتہ بناتی ہوں۔'' نیناں یہ کہہ کر کچن کی جانب بڑھا تو چنبیلی نے آواز لگائی۔

''نیناں میرے لیے بھی دو انڈوں کا آملیٹ بنا دینا۔'' نیناں یہ سن کر مسکراتا ہوا واپس مڑ کر اس کو دیکھنے لگا۔

''اپنی شکل دیکھی ہے۔ صبح صبح ملوکاں دی یخنی پیا کر۔ رنگ ہور نکھر آئے گا۔'' یہ سن کر الاچی کا قہقہہ گونج اُٹھا لیکن گرو کی غصیلی نظروں کو دیکھ کر وہ منہ پر ہاتھ رکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔



''لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ''

وہی صدائیں دلوں کو منور کر رہی تھیں جبکہ آنکھیں نور کی زیادتی سے خیرہ ہو رہی تھیں۔ حاجیوں کی ٹولیاں قطار در قطار اور گروپوں کی صورت میں بیت اللہ کا طواف کرنے میں مشغول تھیں اور حاجی اپنا ایک چکر پورا کرنے کے بعد خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر استلام کرتے اور پھر اپنا دوسرا اور تیسرا چکر لگانے میں مصروف ہو جاتے اور اس طرح سات چکر لگانے پر ایک حاجی کا ایک طواف پورا ہو جاتا تھا۔

موسیٰ نے بھی غلافِ کعبہ کو پکڑ رکھا تھا اور آنسوؤں کی زبان میں اپنی داستان سنا رہا تھا۔ اس کے آنسو بہہ بہہ کر اس کی آستین کو بھگو رہے تھے۔ وہ آنکھوں سے اور کبھی ہونٹوں سے بیت اللہ پر لپٹے ہوئے سیاہ غلاف کو بوسے دیتا تو اس کی تڑپ اور بڑھ جاتی وہ اور زیادہ شدت سے رونے لگتا تھا۔

وہ کافی دیر وہاں بیٹھا رہا اور پھر اُٹھ کر بیت اللہ کے دائیں طرف بابِ سعی کی طرف چل دیا۔ اس نے دیکھا کہ حاجیوں کی فوج ظفر موج صفا کی جانب سے مروۃ کی جانب جا رہی ہے اور اسی طرح بہت سے حاجی مروۃ کی جانب سے صفا کی جانب آ رہے تھے۔ یہاں بھی حاجیوں نے سات چکر لگانے تھے اور وہ اپنی اس مشقت طلب عبادت میں دل کی خوشی اور عقیدت کی گہرائیوں سے مصروف تھے کیونکہ یہ بی بی حاجرہ کی سنت تھی اور اس سنت کے بغیر حج یا عمرہ مکمل نہ ہوتا تھا۔

موسیٰ کافی دیر ان خوش نصیبوں کو دیکھتا رہا اور پھر خود بھی ان میں شامل ہو گیا۔ ایئر کنڈیشنز اور بے آواز پنکھے اور پھر روشنیوں کا سیلاب بھی اللہ کی عبادت اور وحدانیت بیان کرنے میں شامل تھے۔ وہاں کی ایک ایک اینٹ اور ایک ایک ذرہ اللہ کا ذکر کرنے میں فخر محسوس کر رہا تھا اور ان باتوں کو محسوس کر کے موسیٰ کو بھی خود پر فخر ہونے لگا تھا کہ وہ بھی

آج اس جگہ پر موجود ہے اور حج کے فرائض اور انبیاء کرام کی سنتوں کو پورا کر کے اللہ کے حضور سرخرو ہو رہا ہے لیکن پھر وہی ہوا جو اکثر ہوتا ہے کسی نے اس کو پیچھے سے دھکا دے کر صفا و مروۃ کے برآمدے میں گرا دیا تو وہ زوردار دھکا کھا کر گرنے کے بعد ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

اب وہی گھر کا کمرہ تھا۔ اس کی چارپائی تھی گھر کی بے رونق دیواریں اور زیرو واٹ کا بلب اندھیرے کو مٹانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اس کا گلا خشک ہونے لگا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ کئی میلوں سے بھاگتا ہوا آیا ہے۔ اس نے تڑپ کر اپنی چارپائی چھوڑی اور زمین پر پڑے ہوئے جگ کو منہ لگا لیا تھا۔ بہت سا پانی اس کے منہ سے گر کر اس کی قمیص کے گریبان کو گیلا کر گیا تھا۔ وہ غٹا غٹ پانی پینے لگا تھا۔ اس نے تقریباً پانی کا جگ ختم کر لیا تو اس کو احساس ہوا کہ اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی ہیں۔

اس نے دیوار پر لگی ہوئی خانہ کعبہ کی بڑی سی فلیکس فوٹو کو دیکھا اور آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو بہنے دیا۔ وہ جانتا تھا کہ جس کی بارگاہ میں یہ آنسو نذرانہ بن کر پیش ہو رہے ہیں۔ وہ رحمٰن و رحیم ان آنسوؤں کی قدر جانتا ہے۔

''رحمٰن و رحیم مولا! میرے انتظار کو اور نہ بڑھا...... میں مانتا ہوں کہ میں گناہگار ہوں۔ حقیر ہوں۔ پُرتقصیر ہوں لیکن میرے مالک! تُو غفور و رحیم ہے۔ رحم کرنا تیری شان اور اوصاف میں شامل ہے۔ مجھ پر رحم کر دے اللہ!'' اس کی گریہ زاری بڑھی تو وہ سجدے میں گر گیا اور اس کا بدن لرزنے لگا تھا۔

''میرے دامن میں کچھ بھی نہیں ہے مالک! لیکن تیرے پیارے محبوب کا اُمتی ہوں۔ تجھے اس نسبت اور ہستی کا واسطہ! میرے اللہ مجھ پر رحم کر دے۔ میرے دامن میں خوشیاں بھر دے۔ مجھے اپنے گھر کی زیارت نصیب فرما دے میرے مالک!'' اس کے رونے کی آواز نے شمع بی بی کو بھی رُلا دیا کیونکہ وہ اس کی گریہ زاری سن کر دروازے میں آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں اپنے دوپٹے کو جھولی بنا کر بلند کیا اور منہ ہی منہ میں ربِ کائنات سے دعا مانگنے لگیں۔



ناشتے کی میز پر رس اور چائے کو دیکھ کر آج نہ جانے شرجیل کا موڈ آف کیوں نہ ہوا تھا۔ اس نے ابھی رس چائے کے مگ میں بھگویا ہی تھا کہ شمع بی بی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

شرجیل نے رس منہ میں ڈالا تو شمع بی بی کو اپنی ح دیکھتا ہوا ششدر رہ گیا۔ بلکہ گرم گرم رس اس کے حلق میں گیا تو اس کو اُگلنے اور نگلنے میں اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے کیونکہ گرم چائے نے اس کے حلق کو جلا دیا تھا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' شرجیل کی بات سن کر شمع بی بی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پوچھا۔

''میرا پتر! مجھ سے وعدہ کر کہ...... میں جو بھی پوچھوں گی سچ سچ بتاؤ گے۔''

''نہ تُو نے کوئی عدالت لگائی ہوئی ہے؟'' شرجیل نے چائے کا گھونٹ بھرا تو شمع بی بی ہونٹوں پر زبردستی کی

مسکان سجا کر اس کی طرف دیکھنے لگیں تو وہ پھر بولا۔ ''چل خیر...... کیا پچھنا چاہتی ہو۔''

''سچ بولو گے نا؟'' شمع بی بی کے الفاظ میں ڈر کو محسوس کرتے ہوئے شرجیل بھی سنجیدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''سچ کی توقع ہے۔ تو پچھ لے۔ اگر ڈر ہے تو رہن دے۔'' اس نے چائے کے مگ میں رس بھگو کر کھانا شروع کر دیا تو شمع بی بی بولیں۔

''تم نے مجھے جو دو لاکھ روپے دیئے ہیں......'' شمع بی بی پھر رُک گئیں تو وہ اچنبھے سے ان کی جانب دیکھنے لگا۔

وہ پھر ایک لمحہ رُک کر بولیں۔ ''میرا مطلب ہے کہ اتنی بڑی رقم...... کہاں سے آئی ہے تمہارے پاس؟''

شرجیل کا ہاتھ رُک گیا وہ غور سے ماں کی طرف دیکھنے لگا اور نظریں چراتا ہوا بولا۔

''میں نے کوئی چوری نہیں کی......''

''لیکن یہ میرے سوال کا جواب نہیں شرجیل؟'' شرجیل بھی سمجھ گیا تھا کہ ماں اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی ہے۔ وہ دوبارہ بولا۔ ''ماں! یہ پیسے میں نے...... جوئے میں جیتے ہیں۔'' شمع بی بی کے ذہن میں جو خدشہ تھا وہ صحیح ثابت ہوا کیونکہ اسے نیناں نے بتایا تھا کہ شرجیل ہیرا بدمعاش کی بیٹھک میں سارا سارا دن گزار دیتا ہے اور جوا بھی کھیلتا ہے۔

''تم کیا سمجھتے ہو۔ یہ کمائی جائز ہے؟'' شمع بی بی نے اس بار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا تو وہ نظریں چراتا ہوا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی پشت ماں کی طرف کر لی اور ایک ٹھنڈی سانس بھرتا ہوا بولا۔

''اگر امیر آدمی اسمگلنگ اور منشیات سے لاکھوں کروڑوں کمائے تو یہ معاشرہ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لیکن اگر غریب آدمی اپنی حق حلال کی روزی کما کر شام کو گھر آئے تو اس کے امیر رشتہ دار اور دنیا والے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔'' شرجیل کی یہ عجیب منطق اور دلیل شمع بی بی کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

''تمہاری اس دلیل کا کوئی سر پیر نہیں ہے شرجیل!''

''میں نے یہ پیسہ بہت محنت اور کافی ذلت کے بعد کمایا ہے ماں جی!'' شرجیل کے پاس کوئی بھی جواب نہ تھا کہ وہ شمع بی بی کو مطمئن کر دیتا۔ ''آپ نے لڑکی دیکھی ہے کوئی؟'' اس نے گویا بات کو پلٹنا ہی اپنے لیے نجات سمجھا تھا۔

''کیا ایسے پیسوں سے شادی کامیاب ہو گی؟'' شرجیل گھوم کر ماں کی طرف دیکھنے لگا کیونکہ یہ بہت ہی تلخ اور سچا سوال تھا جس نے شرجیل کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ غور سے شمع بی بی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''میں شادی کے بعد یہ کام چھوڑ دوں گا۔'' یہ فقرہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بن کر شمع بی بی کے گرم اور جھلستے ہوئے رویئے کو سکون بخش گیا تھا۔ ان کی آنکھیں مسکرانے لگیں تو وہ آگے بڑھ کر شرجیل کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولیں۔ ''سچ شرجیل!''

''ہاں ماں! سچ کہہ رہا ہوں۔'' شرجیل کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔

''میں آج ہی تمہاری خالہ سے بات کرتی ہوں۔ مناہل اچھی لڑکی ہے۔ تم دیکھنا وہ اس گھر کو جنت بنا دے گی

جنت۔'' شمع بی بی کی خوشی دیدنی تھی۔ شرجیل کے چہرے پر بھی مناہل کا نام سن کر سکون کے سائے پھیل گئے تھے۔ کیونکہ وہ مناہل سے کئی بار مل چکا تھا بلکہ ان کا بچپن اکٹھے ہی گزرا تھا وہ شمع بی بی کی چھوٹی بہن فائزہ کی بڑی بیٹی تھی اور شرجیل کی ہم عمر بھی تھی۔

شرجیل باہر جانے ہی لگا تھا کہ سجن نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ''موسیٰ بھائی!''

''چلو...... آ گیا کلینا! کل کلیان شروع۔'' شرجیل نے برا سا منہ بنایا تو شمع بی بی مسکراتی ہوئی بولیں۔

''اندر آ جاؤ بیٹا!'' سجن نے پردہ اُٹھا کر ''اسلام علیکم ماں جی!'' کہا تو شرجیل کو دیکھ کر ٹھٹک گیا کیونکہ وہ مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

شمع بی بی نے ہمیشہ کی طرح سجن کو مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا تو وہ شرجیل کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''آج تو موڈ کافی فریش لگ رہا ہے ماں جی! لگتا ہے کوئی لڑکی پسند کر لی گئی ہے۔'' شرجیل نے اس کی طرف چبھتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا اور بولا۔

''تمہاری زبان بتیس دندوں کے اندر نہیں رہ سکدی؟'' سجن کھل کھلا کر ہنس پڑا تو شمع بی بی ہنستی ہوئی کچن میں چلی گئیں۔ کیونکہ موسیٰ کے نہا کر آنے تک سجن نہ جا سکتا تھا اور وہ نہ ہی شرجیل کو جانے دیتا۔

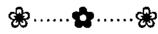
''شرجیل بھائی! ویسے ایک بات پوچھوں؟'' سجن نے پاس پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی تھی کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ کہیں شرجیل اس پر ہاتھ ہی نہ اُٹھا دے۔

''کوئی نویں چول نہ ماریں...... پچھ لے پچھ لے...... آج شرجیل صاحب...... سوالوں کے جواب ہی دے رہے ہیں۔'' وہ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا تھا۔

''شرجیل بھائی! اگر آپ نے کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے تو مجھے بتا دیں۔'' سجن نے اپنی دائیں آنکھ مارتے ہوئے کہا تو وہ غصے سے اس کی طرف دیکھنے لگا لیکن سجن بات کو بگڑتا دیکھ کر کرسی سے اُٹھا اور شرجیل کے پاس اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''میں ماں جی سے بات کر لوں گا بھائی! اگر آپ کو کوئی پسند ہے تو......؟''

شرجیل نے اس کے سر پر ایک چپت لگائی اور بولا۔ ''ماں جی! جو بھی کریں گی۔ ٹھیک ہی ہو گا۔ تُو میرا اتنا ہمدرد نہ بن۔'' موسیٰ بھی آ گیا تھا وہ بھی شرجیل اور سجن کو اس طرح ایک دوسرے کے پاس کھڑے دیکھ کر مسکرا کر رہ گیا۔



''اللہ کے نام پر...... سب کا بھلا سب کی خیر......'' بادشاہ فقہ گائی اور بازار سے ہوتا ہوا گلی میں داخل ہو گیا۔

''بیٹی رحمت ہے...... بیٹی زحمت نہیں ہے...... اللہ کے نام پر میری مدد کرو...... میں نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ بیٹی رحمت ہے۔'' وہ اپنی صدا لگا رہا تھا کہ گرو نے نیناں کی طرف دیکھا اور بولا۔

''روٹی اور سالن تو پڑا ہے نیناں! اس بیچارے کو دے دو کھالے گا۔''

''اچھا گرو۔'' نیناں نے روٹی اور سالن برتن میں ڈالا اور باہر جانے والا تھا کہ چاندنی نے اس کے ہاتھ سے

ٹرے پکڑلی اور بولی۔ ''لائیں بابا جانی! میں دے کر آتی ہوں فقیر کو کھانا۔''

''دھیان سے چاندنی! گرا نہ دینا۔'' چاندنی نے نیناں کی بات سنی اَن سنی کر دی اور کھانا لے کر باہر والے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ کھول کر فقیر کو پکارا۔

''بابا کھانا لے لیں۔'' فقیر نے صدا سن کر اپنے کان کھڑے کیے اور چاندنی کی صدا پر ان کے دروازے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگا اس کے ہاتھ میں جو لاٹھی تھی وہ اس لاٹھی کو ٹیکتا ہوا گھر کی تھڑی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھ آگے کر دیئے تو چاندنی نے کھانے والی ٹرے اس کے ہاتھ میں پکڑا دی اور بولی۔

''بابا! آپ نے کب سے کھانا نہیں کھایا ہے؟'' فقیر کی سب حسیات جاگ گئی تھیں۔ وہ آواز کی سمت اپنی آنکھیں کرتا ہوا بولا۔ ''کل سے کھانا نہیں کھایا میں نے بیٹی۔''

''کل سے......؟'' چاندنی حیرت میں ڈوبی ہوئی بولی تھی۔

''فقیر ہوں نا۔ کوئی دے دے تو کھا لیتا ہوں۔ نہ دے تو مانگتا رہتا ہوں۔ کوئی نہ کوئی تم جیسا مہربان کھلا ہی دیتا ہے۔'' بادشاہ نے کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔ نیناں نے پانی کا گلاس لا کر اس کے پاس رکھا اور چاندنی سے بولا۔ ''تم اندر آ جاؤ چاندنی! بابا جی کو کھانا کھانے دو۔''

''کیا یہ گرو کا گھر ہے بیٹا!'' بادشاہ نے پوچھا تو چاندنی حیرت سے بولی۔

''آپ کو کیسے پتہ کہ یہ گرو کا گھر ہے؟'' اتنی دیر میں نیناں بھی آ گیا تھا۔ اس نے گلا کھنکھارا تو بادشاہ ہنستا ہوا کہنے لگا۔ ''پچھلے ہفتے میں اس گلی میں آیا تھا تو میں نے گرو کے ساتھ باتیں کی تھیں لیکن آج بیٹی تم نے آواز دی تو مجھے لگا کہ گرو کا گھر اس گھر کے آگے کے یا پیچھے والا ہوگا۔'' بادشاہ نے پانی کا گلاس پی کر نیناں سے پوچھا۔

''تم کون ہو؟'' کیونکہ نیناں کے گلا کھنکھارنے پر بادشاہ سمجھ گیا کہ چاندنی کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔

''میں نیناں ہوں بابا جی!'' نیناں نے جواب دیا تو بادشاہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''اچھا......اچھا......تو یہ گھر تم لوگوں کا ہے۔ گرو...... نیناں...... چاندنی......'' وہ اُٹھتا ہوا کہنے لگا۔ ''اللہ بہت سا رزق دے۔ تمہارے گھر میں برکت ڈال دے۔'' یہ کہہ کر اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور گلی میں آگے کی جانب بڑھ گیا اور اس کی صدا آہستہ آہستہ مدھم ہوتی جا رہی تھی۔

''بیٹی رحمت ہے...... بیٹی زحمت نہیں......''

چاندنی اور نیناں اندر آ گئے تو نیناں نے چاندنی کے ہاتھ سے برتن لیے اور ان کو دھونے کے لیے صحن میں لگی ہوئی ٹونٹی کی جانب بڑھ گیا۔ گرو نے چاندنی کو پکارا۔

''اِدھر آ جا میری بیٹی! میرے پاس بیٹھ جا۔''

چاندنی مسکراتی ہوئی گرو کے پاس تخت پوش پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

''بابا! یہ فقیر مجھے کچھ عجیب سا لگا ہے۔'' گرو اس کی پریشانی پر ہنستا ہوا بولا۔

''عجیب سا کیوں؟ عجیب و غریب کیوں نہیں؟''

چاندنی بھی ہنستے ہوئے بولی۔ ''غریب تو بیچارہ ہے ہی۔ عجیب اس لیے کہ کل سے بھوکا تھا۔ جو پیسے اس کو ملتے

ہیں ان کا کھانا کھا لیا کرے۔'' چاندنی کی بات بھی ٹھیک تھی۔ گرو نے نیناں کو دیکھا جو برتن دھو کر اندر کچن کی جانب بڑھ رہا تھا۔

''یہ لوگ روپیہ پیسہ جمع کرتے رہتے ہیں۔ ان کی بڑی جائیدادیں ہیں۔ یہ اپنی جیب سے کچھ بھی نہیں کھاتے بس ان کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ پیسہ جمع کرتے جاؤ اور کھانا اسی طرح مانگ تانگ کر کھا لو۔'' گرو نے چاندنی کو سمجھایا تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔

''جس طرح ہمارے حکمران کرتے ہیں بابا!'' گرو قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔



شکیل احمد اور فائزہ شمع بی بی کو اپنے گھر کے دروازے پر دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ فائزہ نے مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے بڑی بہن کو کھلے دل سے خوش آمدید کہا تھا۔ شمع بی بی اور موسیٰ کافی عرصہ بعد فائزہ اور شکیل کے گھر میں آئے تھے۔ شکیل بھی آج چھٹی پر تھا اس لیے یہ بہترین موقع تھا کہ شرجیل اور مناہل کے رشتہ کی بات کر لی جاتی۔ مناہل نے آ کر شمع بی بی کو سلام کیا اور بولی۔

''خالہ جی! آپ کیسے راستہ بھول گئیں ہمارے گھر کا؟'' شمع نے اس کو سر پر ہاتھوں سے پیار دیا اور مسکراتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ موسیٰ بھی ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ بھی گھر کی اچھی حالت سے اندازہ لگا رہا تھا کہ شکیل احمد کی جاب اچھی ہے اور تنخواہ میں سے اچھی خاصی بچت بھی ہو جاتی ہوگی جو گھر کی اچھی حالت کی آئینہ دار تھی۔ اگر شرجیل کی بات بن جائے تو یقیناً مناہل ایک اچھی بیوی ثابت ہو سکتی تھی۔

''کیسے ہو موسیٰ! اور شمع آپا آپ کیسی ہیں؟'' شکیل کو انجانی سی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں خالو جی!'' موسیٰ نے جواب دیا۔ ''آپ کیسے ہیں؟''

''فٹ فاٹ! دیکھو تمہارے سامنے ہوں۔'' شکیل زندہ دل آدمی تھے۔ ''اس عمر میں بھی اپنے آپ کو فٹ رکھنا کمال ہی تو ہے۔'' موسیٰ ہنس پڑا تو شمع بی بی بول پڑیں۔

''تم لوگوں نے یہ بھی تو کمال کیا ہے نا کہ کافی عرصہ ہو گیا ہمارے گھر کا چکر ہی نہیں لگایا۔''

فائزہ ہونٹوں پر مسکان سجاتی ہوئی بولی۔ ''بس آپا! کیا کریں ٹائم ہی نہیں لگتا۔ آپ سنائیں طبیعت کیسی رہتی ہے آپ کی؟'' موسیٰ نے مناہل کی طرف دیکھا اور بولا تو شمع بی بی کی بات کا جواب درمیان میں ہی رہ گیا۔

''آپ کیسی ہو مناہل؟'' مناہل مسکراتی ہوئی بولی۔

''موسیٰ بھائی! ویسے آپ کو ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ چلو سگی بہن نہ سہی خالہ کی بیٹی بہن سمجھ کر ہی کبھی کبھار ون کر لیا کرو۔'' شکیل احمد اور فائزہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ کچھ کھانے پینے کے لیے تو لاؤ خالہ

''جی ابو جی! ابھی لاتی ہوں۔'' مناہل مسکراتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تو شمع بی بی نے فائزہ کی طرف دیکھا ور پوچھا۔ ''تحریم نظر نہیں آ رہی۔ کالج گئی ہے کیا؟''

''نہیں آپا! کالج کہاں؟ وہ آج کل تو پیپرز کی وجہ سے فری ہے۔'' شکیل احمد نے جواب دیا تو فائزہ بھی ہنستے

ہوئے بولی۔ ''ہاں آپا! وہ اندر کمرے میں ہے۔ پڑھ رہی ہوگی۔''

''خالہ! میں دیکھتا ہوں ذرا اس پڑھا کو کو۔'' موسیٰ ہنستا ہوا کرسی سے اُٹھا تو تینوں کا ہی قہقہہ بلند ہو گیا۔ موسیٰ اندر کی جانب بڑھ گیا تو کچن میں مناہل نے اس کو دیکھ کر پکارا۔

''موسیٰ بھائی!'' موسیٰ کچن کی جانب بڑھ گیا اور اپنے ہاتھ سینے پر باندھتا ہوا دروازے میں ہی کھڑا ہو گیا اور مناہل کی طرف مسکراتا ہوا دیکھنے لگا۔ ''جی بھابی!'' بھابی کا لفظ سن کر مناہل چونکتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی اور اچنبھے سے بولی۔ ''بھابی؟'' موسیٰ مسکرانے لگا اور بولا۔

''آپ کیا سمجھتی ہیں کہ میں اور امی یونہی آئے ہیں۔''

مناہل شرم سے سرخ ہو رہی تھی۔ وہ موسیٰ سے نظریں چراتی ہوئی بولی۔

''لیکن.....'' موسیٰ نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی اور کہنے لگا۔

''دیکھو مناہل آپی! مانا کہ میرا بھائی کچھ زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔ لیکن وہ دل کا بُرا نہیں ہے۔''

مناہل مسکرا کر بولی۔ ''بات بھی تو دل کی ہی ہوتی ہے نا؟'' موسیٰ حیرت اور خوشی سے مسکراتا ہوا بولا۔

''اچھا.....اچھا.....تو پھر ٹھیک ہے۔ آج سے آپ میری بھابی ہو.....بس۔''

''اِدھر کہاں جا رہے تھے؟'' مناہل کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ موسیٰ مزید بھی کچھ کہے۔

''پڑھا کو لڑکی کو دیکھنے جا رہا ہوں۔'' موسیٰ نے کہا اور مناہل کو مزید تنگ کرتا ہوا بولا۔ ''چلیں اس کو بعد میں مل لوں گا۔ پہلے یہ تو دیکھ لوں کہ میری بھابی کو چائے بھی بنانا آتی ہے کہ نہیں۔''

''اب تم چلے ہی جاؤ تو تمہاری بہتری ہے۔ ورنہ یہی چمچہ تمہیں میرے ہاتھ کا ٹیسٹ بتا دے گا۔'' مناہل نے مسکراتے ہوئے چائے کا چمچہ لہرا کر موسیٰ کو ڈرایا تو وہ ہنستا ہوا تحریم کے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور مناہل شرجیل کے تصور میں کھو گئی۔

اس نے بچپن سے ہی شرجیل کو پسند کیا تھا اس کے ساتھ ہی کھیل کود کر بڑی ہوئی تھی اور جوانی میں بھی اسی کے سپنے آنکھوں میں سجائے تھے اور تقدیر کو اس کی پسند بھی پسند آ گئی تھی جو شمع بی بی اس کا رشتہ مانگنے آئی تھیں۔ موسیٰ اور تحریم ہم عمر تو تھے ہی اور بہت اچھے دوست بھی تھے ان دونوں کی بے تکلفی تو خاندان میں کافی لوگوں کو تکلیف بھی دیتی تھی لیکن ان دونوں کی دوستی اور بے تکلفانہ انداز اخلاقی اقدار کے منافی نہ تھا بلکہ ان دونوں کی گفتگو پُر مغز اور بامعنی ہوتی تھی۔

اب بھی موسیٰ نے دروازے میں کھڑے ہو کر دیکھا تو تحریم اپنی پڑھائی میں مگن تھی وہ ایک کتاب پر جھکی ہوئی تھی اور اس کی بند ہوتی اور کھلتی آنکھیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ سبق یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ موسیٰ اس کو پیار سے دیکھتا رہا کیونکہ وہ آج بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کی دو چوٹیاں جو کہ ربڑ بینڈ سے باندھ کر اس نے لمبے بالوں کو اپنے کندھوں سے آگے اپنے سینے پر پھینکا ہوا تھا اس کی دل کشی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ اس کی ستواں ناک اور یاقوتی ہونٹ اس کے سیب جیسے گالوں اور جھیل جیسی گہری آنکھوں سمیت اس کا سراپا کسی کتابی

ہیروئن جیسا لگ رہا تھا۔

اس نے ہلکے پیازی رنگ کی قمیص اور سیاہ رنگ کی شلوار زیب تن کی ہوئی تھی جبکہ اس کا دوپٹہ اس کے پاس ہی بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ موسیٰ کو معلوم تھا کہ تحریم کافی حساس اور محنتی لڑکی ہے وہ تعلیم کو ہی سب کچھ سمجھتی تھی اور اگزام ہی نہیں بلکہ پورے سال کے تعلیمی دنوں میں بھی خوب محنت اور لگن سے پڑھائی کرتی تھی۔

موسیٰ نے دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے دھیرے سے گلا کھنکھارا تو تحریم نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو موسیٰ کو ہونٹوں پر مسکان سجائے کھڑے دیکھ کر پہلے تو وہ آنکھیں جھپکنا بھول گئی لیکن پھر اس کو احساس ہوا کہ وہ کس حالت میں بیٹھی ہے تو اس نے لجاتے ہوئے دوپٹہ اُٹھا کر اپنے گلے میں ڈال لیا اور ہنسنے لگی۔

''زہے نصیب.....زہے نصیب وہ آئیں ہمارے گھر میں۔''

''کبھی ہم ان کو اور کبھی..... پھر دوسری بار بھی ان کو ہی دیکھتے ہیں۔'' موسیٰ نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی تھی اور اپنی ہی بات اپنے انداز میں کہی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اور بولی۔

''کب سے مجھے اس طرح چوری چوری دیکھ رہے ہو؟'' وہ بیڈ سے اُتر کر اپنی چپل پہن کر بولی۔ اس کا انداز لڑاکو عورتوں جیسا تھا لیکن اس وقت وہ موسیٰ کو بہت اچھی لگی تھی۔

''میں کوئی چور تھوڑی ہوں اور ویسے بھی تم کون سا مور یا پری ہو جس کو مجھ جیسا نوجوان چوری چوری دیکھے گا۔''

''بہت خوش فہمی ہے تمہیں اپنے بارے میں۔'' وہ بھی اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھتی ہوئی بولی۔ ''اچھا یہ بتاؤ آج کیسے رستہ بھول گئے ہو۔'' اس کا مطلب موسیٰ کو کافی عرصہ بعد اس طرح اپنے گھر میں دیکھنے کا تھا۔

''رشتہ مانگنے آیا ہوں۔'' موسیٰ نے الفاظ کو معانی کے پیرہن میں لپیٹ کر تحریم کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ حیرت سے آنکھیں نکال کر رہ گئی اور تھوک نگل کر بولی۔

''مم.....مطلب؟'' موسیٰ اس کی اس حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''مطلب یہ کہ رشتہ مانگنے آیا ہوں اور ساتھ اپنی امی جی کو بھی لایا ہوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا تو اس بار تو تحریم کا اوپر والا سانس اوپر ہی رہ گیا تھا۔

''یعنی خالہ بھی آئی ہیں؟''

''ہاں! وہ بھی اس رشتہ سے بہت خوش ہیں اور میرے کہنے پر میرے ساتھ ہی آئی ہیں۔'' موسیٰ نے اس کو مزید تنگ کیا تو وہ حلق میں پھنسے ہوئے الفاظ کو ادا کرتی ہوئی بولی۔

''موسیٰ! میں اپنی پڑھائی نہیں چھوڑ سکتی۔'' اس بار تو موسیٰ کا قہقہہ نکلتے نکلتے رہ گیا۔ وہ خود پر قابو پاتا ہوا بولا۔

''تمہاری پڑھائی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میرا یقین کرو تحریم!''

موسیٰ کا پُر یقین لہجہ اور الفاظ سن کر تحریم اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ کسی ظالم شہنشاہ سے رحم طلب کر رہی ہو۔

''موسیٰ.....'' وہ اپنی آواز کو کنوئیں سے آتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ ''لیکن میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

موسیٰ کا قہقہہ نکل ہی گیا۔ ''کون کہہ رہا ہے کہ تم ابھی شادی کرو۔'' تحریم سمجھ گئی کہ وہ اس کے ساتھ کوئی سنجیدہ مذاق کر رہا ہے۔ وہ اس کے چہرے پر نظریں گاڑھتی ہوئی بولی۔

''موسیٰ! یاد رکھو اگر تم کوئی بکواس قسم کا مذاق میرے ساتھ کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو خدا کی قسم تم سے کبھی بھی نہیں بولوں گی۔'' اس نے منہ دوسری طرف کر لیا تو وہ سخت غصے میں لگ رہی تھی۔

موسیٰ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا تو تحریم نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

''تحریم! تمہیں معلوم ہی ہے کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں اور امی جان مناہل آپی کا شرجیل بھائی کے لیے رشتہ مانگنے آئے ہیں۔'' بلی تھیلے سے باہر آئی تو تحریم غصے میں گھومی تو موسیٰ کو ہنستے ہوئے دیکھ کر اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کوئی چیز اُٹھا کر موسیٰ کے سر پر دے مارے۔

موسیٰ اس کے ارادے بھانپتا ہوا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور تحریم اس کے پیچھے کتاب لے کر اس کو مارنے کے لیے لپکی تھی۔ موسیٰ باہر آ گیا تھا اور بڑوں کی گفتگو خاموشی سے سننے لگا۔

''آپا! مناہل آپ ہی کی بیٹی ہے۔ آپ حکم کریں۔ مناہل کے بارے میں کیا بات کرنے آئی ہیں۔'' شکیل احمد نے شمع بی بی کی بات کا جواب ان کی منشا کے مطابق دیا تو وہ حوصلہ پا کر بولیں۔

''میں تم لوگوں سے شرجیل کے لیے مناہل کا رشتہ مانگنے آئی ہوں۔'' شکیل احمد اور فائزہ ایک دوسرے کی طرف خوشگوار حیرت سے دیکھنے لگے تو شمع بی بی پھر بولیں۔ ''میں اس کو اپنی بیٹی بنا کر رکھوں گی اور اس کے ساتھ میرے دو نہیں تین تین رشتے ہوں گے۔'' فائزہ نے حیرت سے پوچھا۔

''تین تین......؟''

''ہاں فائزہ! بہو، بیٹی اور بھانجی......'' شمع بی بی نے کہا تو شکیل احمد اور فائزہ کھلکھلا کر ہنس پڑے اور موسیٰ بھی اپنی ماں کی ذہانت کی داد دیتا ہوا ہنسنے لگا۔ اسی اثناء میں مناہل اور تحریم چائے لے کر آ گئیں۔

''السلام علیکم خالہ جان!'' تحریم نے سلام کیا تو شمع بی بی نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھوں سے پیار دیا اور دعائیں دیں۔ مناہل نے چائے اور دیگر لوازمات ٹرے سے نکال نکال کر پلاسٹک کے میز پر سجائے اور فائزہ کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی جبکہ تحریم آرام سے کرسی پر براجمان تھی۔

''خالہ جان! آپ کی طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے نا؟'' تحریم نے یہ سوال نہ جانے کیوں پوچھا تھا۔ موسیٰ نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔ ''خالہ جان! اب اس مولوی کی شادی کر دیں اور گھر میں ایک بہو لے آئیں۔ جو آپ کو اس عمر میں آرام دے سکے۔'' لفظ ''مولوی'' پر موسیٰ حیران جبکہ باقی سب مسکرانے لگے کیونکہ موسیٰ نے اپنی ٹھوڑی کو اس انداز میں مٹھی میں پکڑ لیا تھا جیسے کہ اس کی راتوں رات ہی ڈاڑھی نکل آئی ہو۔ ''پہلے تو شرجیل کی شادی کروں گی۔ پھر اپنے اس بیٹے کے لیے کوئی تمہارے جیسی پیاری سی لڑکی دیکھوں گی۔''

شمع بی بی نے تحریم کی بولتی بند کی تو موسیٰ ہنستے ہوئے بولا۔

''امی آپ مناہل آپی کی بات کریں نا؟''

''موسیٰ! آپا نے بات کی تو ہے۔ بھئی دیکھو۔ آپا ہماری بڑی ہیں۔ جو بھی فیصلہ کریں گی ہمیں معلوم ہے کہ وہ

ہمارے حق میں بہتر ہی ہو گا۔'' شکیل احمد بولے۔ ''بس آپا! ہمیں صرف دو تین دن کا وقت دیں۔ میں اپنے گھر میں صلاح مشورہ کر لوں۔''

مناہل یہ سن کر شرماتی ہوئی اندر کی جانب بھاگ گئی تو تحریم حیرت سے بولی۔

''شرما گئی؟ کیا آج کے دور میں بھی لڑکیاں اس طرح شرماتی ہیں؟''

''جب تمہاری باری آئے گی تو پھر دیکھیں گے کہ تم کیا کرتی ہو؟'' موسیٰ نے لقمہ دینا ضروری سمجھا تھا۔

''اوئے اوئے...... ذرا تمیز سے رہنا۔ ورنہ ابھی لڑائی شروع ہو جائے گی۔'' تحریم کا انداز جنگجوؤں جیسا تھا۔

شمع بی بی ہنسنے لگیں کیونکہ موسیٰ کی آنکھوں میں خوف چھلکنے لگا تھا۔

''تحریم بیٹا بُری بات ہے۔ ایسا نہیں کہتے بیٹا! اب تم لوگ بڑے ہو گئے ہو۔ بدتمیزی نہیں کیا کرتے۔''

شکیل احمد نے اس کو پیار بھرے انداز میں ڈانٹا تو وہ منہ بسور کر بیٹھ گئی۔

''آپ لوگ مشورہ کر کے مجھے بتا دینا۔ شرجیل اور مناہل کی جوڑی اچھی رہے گی۔'' شمع بی بی نے چائے پینا شروع کی اور ان کی بات سن کر شکیل احمد اور فائزہ نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ جبکہ تحریم نے فائزہ کے پیچھے کھڑے ہو کر ہاتھ کا مکا بنا کر موسیٰ کو دکھایا تو وہ ہنسنے لگا۔



''دیکھ بھئی شرجیل بادشاہ! قسمت کی دیوی ہر روز مہربان نہیں ہوا کرتی۔'' ہیرا نے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔ ''اگر تم آج گیم پر گیم جیت رہے ہو تو کھیلتے جاؤ اور روپیہ بناتے جاؤ۔'' اس نے ایک قہقہہ لگایا تو شرجیل اس کی ہلا شیری سے اور بھی شیر ہو گیا۔ وہ اب تک کافی رقم جیت چکا تھا اور اس نے ہیرا کا کوئی بھی قرض نہ دینا تھا بس یہی بات ہیرا کو کھٹک رہی تھی کہ شرجیل اس بیٹھک سے روپیہ لے کر نہ جائے کیونکہ وہ پہلے ہی دو لاکھ روپے کی بڑی رقم ''نکرے'' لگا چکا تھا اور وہ دو لاکھ بھی ہیرا کی آنکھ میں شہتیر بن کر کھٹک رہے تھے۔

''دیکھ بھئی ہیرا پلوان! شرجیل اپنی مرضی کا بندہ ہے وہ کسی کی مان کر نہ کھیلتا ہے اور نہ ہی منع ہوتا ہے۔'' شرجیل نے بھی اس کی زبان اور لب و لہجہ اپنایا تو ہیرا کے ماتھے پر بل پڑنے لگے لیکن دوسرے ہی لمحہ شرجیل نے بات کو سنبھالا اور بولا۔ ''لیکن شرجیل تمہاری بات تو نہیں ٹال سکتا نا؟''

دونوں کے ہی قہقہے بلند ہوئے تو شرجیل نے ایک بڑی بازی لگا دی۔ بازی چلنے لگی تو جواریوں کی سانسیں اٹکنے لگی تھیں کیونکہ اگر وہ بازی شرجیل جیت جاتا تو پھر اس بیٹھک کے اُجڑنے میں کوئی بھی کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اگر شرجیل بازی ہار جاتا تو پھر ہیرا جواری کی تو لاٹری نکل ہی پڑتی۔ بازی شرجیل کے حق میں ہی جا رہی تھی اور وہ بڑی مہارت سے بازی کھیل رہا تھا کیونکہ اب وہ خاصا تجربہ کار جواری بن چکا تھا اور بالآخر شرجیل نے تین لاکھ روپے کے عوض دوگنی رقم جیت لی تو ہیرا بدمعاش کا رنگ فق ہونے لگا اس نے اپنی شکست اور ہاتھوں سے اتنی بڑی رقم جاتے دیکھ کر پُرانا حربہ آزمانے کا فی الفور فیصلہ کر لیا اور اپنے کارندے نوشیرواں کو آنکھ ماری تو وہ سوچی سمجھی ... ت باہر کی جانب کھسک گیا اور اس سے پہلے کہ شرجیل جیتی ہوئی رقم وصول کرتا نوشیرواں نے باہر سے آ کر ... ع کر دیا۔

"استاد جی! پلوان جی! پلس پے گئی ہے۔ نٹھوایتھوں۔" بس پھر جو تھرتھلی بیٹھک میں مچی تو سب سے پہلے ہیرا اور ہارنے والے جواریوں نے چھلانگیں لگا کر باہر کی جانب نکلنا شروع کر دیا۔ شرجیل کو بھی اپنی ہی پڑ گئی تھی وہ بھی اپنی بچائی ہوئی تین لاکھ کی رقم کو سمیٹتا ہوا باہر کی جانب بھاگ نکلا تھا۔

❀……✿……❀

موسیٰ نے فائلیں اکٹھی کیں اور وہاب میر کے آفس کو ہاتھ سے بجاتا ہوا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہاب میر آفس میں اکیلے تھے اور شاید وہ موسیٰ کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ موسیٰ نے سلام دعا کے بعد ان کے سامنے شیشے کی بڑی سی میز کے دوسری جانب ریوالونگ چیئر پر بیٹھے ہوئے وہاب میر کے سامنے ایک فائل کو کھولتے ہوئے اس کے دو تین صفحات پلٹتے ہوئے ایک صفحہ پر ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

"سر! میرے خیال میں اس جگہ کچھ گڑبڑ ہے۔" وہاب میر نے غور سے اس کی انگلی والی جگہ کو دیکھا اور پھر ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے موسیٰ کی طرف دیکھا اور ایک لمبا سانس بھرتے ہوئے بولے۔

"بیٹھو!" موسیٰ "شکریہ" کہہ کر کرسی پر بیٹھ گیا لیکن وہ اپنے آپ کو ری لیکس محسوس نہ کر رہا تھا۔ اس کو اندازہ تھا کہ وہاب میر کچھ خاص خوش نہیں ہوا ہے۔

"کتنی دیر سے اس مل میں کام کر رہے ہو؟"

"سر! گزشتہ چھ سال سے۔" موسیٰ نے سعادت مندی سے جواب دیا تو وہاب میر نے سگار کے ڈبہ سے ایک سگار نکال کر اس کو قیمتی لائٹر سے سلگایا اور دھواں اندر کھینچتے ہوئے موسیٰ کی جانب دیکھ کر بولے۔

"کس ڈیپارٹمنٹ میں ہو تم؟" موسیٰ کے لیے یہ سوال اچنبھے سے کم نہ تھا کیونکہ وہاب میر نے خود ہی اس کا ایک بھر پور انٹرویو کر کے اس کو یہ نوکری دی تھی اور وہ ان چھ سالوں میں کئی بار وہاب میر کے اس آفس میں آ چکا تھا لیکن ان کی بات کا جواب دینا ضروری تھا۔

"سر! گرے کلاتھ ڈیپارٹمنٹ میں۔"

"اور تم جس حساب کتاب کی نشان دہی کر رہے ہو۔ یعنی کہ تمہاری نظر میں جو گھپلا ہے۔ وہ مل کے مین اکاؤنٹ میں ہے؟" وہاب میر ایک کاروباری شخص تھے ان کی ہر ورکر پر نظر رہتی تھی اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ کون کیا کر رہا ہے۔

"سر! میرے پاس جب یہ فائل آئی تو مجھے لگا کہ اس جگہ پر خاصا گھپلا ہے۔ میں نے اسی لیے آپ سے ٹائم لیا تھا کہ آپ کو بتا سکوں۔" موسیٰ کا انداز مؤدبانہ تھا کیونکہ وہ اس وقت ملک کے معروف بزنس مین کے سامنے بیٹھا تھا اور وہ بزنس مین بھی ایسا تھا کہ جس کا کروڑوں روپیہ دوسرے ملکوں اور اپنے ملک کے بنکوں میں پڑا ہوا تھا اور سینکڑوں ملازم اس کے کاروبار کو چلا رہے تھے اور اپنی روزی روٹی کما رہے تھے۔

"آپ کو معلوم ہے کہ ان فائلوں کو کون دیکھتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ یہ تمام حساب کتاب جب تم تک پہنچتا ہے تو یہ فائنل ہو کر ہی آتا ہے۔" وہاب میر کا لہجہ کچھ تلخ ہوا تو موسیٰ سہمتا ہوا بولا۔

"جی سر!"

"تو پھر تمہیں اپنی مرضی کرنے کی بجائے ان فائلوں کو دستخط کر کے آگے بھجوانا ہی مقصود ہونا چاہیے نا کہ تم ان میں کیڑے نکالنا شروع کر دو۔" وہاب میر غصے میں بولے اور اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تو موسیٰ بھی اپنی کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"لیکن سر! مجھے لگا کہ اس جگہ بے ایمانی ہو رہی ہے۔" اس نے فائل کی جانب اشارہ کیا تو وہاب میر نے سگار کا کش لگا کر تحمل سے اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

"تو تمہیں ایمانداری کا بخار چڑھا ہے اگر ابھی کے ابھی کھڑے کھڑے ہی نوکری سے نکال دوں تو جانتے ہو اپنی ایمانداری کی اس جنس کو گلیوں بازاروں میں بیچنے پر مجبور ہو جاؤ گے لیکن کوئی بھی ایسا نہ ہو گا جو تم سے تمہاری ایمانداری خرید لے۔"

وہاب میر کا غصیلہ لہجہ موسیٰ کے لیے حیران کن ہی تھا لیکن وہ ہمت کر کے بولا۔

"آئی ایم سوری سر! مجھ سے بے ایمانی برداشت نہیں ہوتی اور نہ ہی میں بے ایمانی کرتا ہوں۔" اب وہ گھوم کر وہاب میر کے سامنے آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہوا بولا۔ "سر! میں خود ہی ایسی جگہ نوکری نہیں کرنا چاہتا جہاں بے ایمانی کے لقموں سے پیٹ کا دوزخ بھرا جاتا ہو۔"

اس نے تمام فائلیں میز پر رکھیں اور بولا۔ "میں نے پندرہ دن کا کام کیا ہے۔ آپ مجھے پندرہ دنوں کی تنخواہ بھی نہ دینا۔ کیونکہ آج سے پہلے مجھے علم نہ تھا کہ میں بے ایمانی کے روپوں سے تنخواہ لے جاتا رہا ہوں۔ خدا حافظ سر!"

وہ یہ کہہ کر آفس سے باہر نکلنے لگا تو وہاب میر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ہونٹوں پر مسکان سجاتے ہوئے بولے۔ "بیٹھو!" موسیٰ ان کی طرف دیکھنے لگا تو وہ پھر کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولے۔ "تشریف رکھو۔"

موسیٰ کرسی پر بیٹھ گیا تو وہاب میر بھی چلتے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگے تو وہ نروس ہوتا ہوا بولا۔ "کیا دیکھ رہے ہیں سر؟" وہ بھی ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا۔

"دیکھ رہا ہوں کہ بے ایمان اور ایمان دار آدمی کی آنکھیں تو ایک جیسی ہی ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں کون سی ایسی خاصیت ہوتی ہے کہ پتہ چل سکے صحیح اور غلط کون سی آنکھیں ہیں۔"

"بے ایمان کی آنکھیں جھکی ہوتی ہیں سر!" یہ فقرہ ادا کرتے ہوئے موسیٰ کی آنکھیں وہاب میر کی آنکھوں میں گڑ گئیں تھیں۔ وہاب میر کو مسکرا کر اپنی آنکھیں جھکانا پڑیں اور وہ تالی بجاتا ہوا بولا۔

"ویل ڈن موسیٰ! ویل ڈن! مجھے تمہاری ایمانداری اور کام کرنے کا انداز بہت پسند آیا ہے۔ تم نے جس جگہ گھپلے اور بے ایمانی کی نشاندہی کی ہے مجھے کافی دنوں سے اس اکاؤنٹینٹ پر شک تھا۔ میں نے اس کو فارغ کر کے یہ فائلیں تمہیں بھجوائی تھیں تا کہ دیکھ سکوں کہ تم اپنے کام سے کتنے مخلص ہو۔" موسیٰ ان کی بات سن کر حیران رہ گیا۔

"بہر حال تمہاری ایمانداری اور کھاتوں کی سوجھ بوجھ نے مجھے خاصا متاثر کیا ہے۔ اب اس اکاؤنٹینٹ کی جگہ تم بیٹھو گے اور تمہاری تنخواہ بھی بڑھ گئی ہے۔" وہاب میر نے اس کو خوشخبری سنائی تو وہ شادی مرگ کی کیفیت ہو کر باس کو دیکھنے لگا اور بے اختیار اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا ہوا بولا۔

"تھینک یو سر! تھینک یو ویری مچ!"

''تم اس کے قابل ہو موسیٰ! اب جاؤ اور نئی سیٹ پر جا کر کام کرو۔'' وہاب میر نے گویا بات ختم کر کے اس کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔ موسیٰ فائلیں اُٹھا کر خوشی خوشی آفس سے باہر نکلا ہی تھا کہ کسی سے ٹکرا کر اس کے ہاتھ سے فائلیں گر گئیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان لڑکی نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور غالباً موسیٰ سے ٹکرانے کے باعث لگ جانے والی چوٹ کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

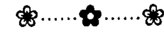
موسیٰ کو احساس ہوا کہ اس کی غلطی ہے۔ اس نے شرمندگی سے کہا۔ ''آئی ایم سوری! ایکچوئیلی میری غلطی ہے۔'' لڑکی نے اپنی آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ ہینڈسم موسیٰ کے تصور میں کھوئی ہوئی تھی کہ موسیٰ نے نیچے جھک کر فائلیں اُٹھائیں اور وہاں سے جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

کیونکہ اس کو نہیں معلوم تھا کہ یہ لڑکی کون ہے اور وہ وہاب میر کے آفس میں گھسنے والی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ یا تو ان کی کوئی عزیز تھی یا پھر کسی پارٹی نے اپنی منیجر یا سیکرٹری کو بزنس ڈیل کے لیے بھیجا ہو گا۔ کیونکہ اس نے پہلے کبھی بھی اس لڑکی کو نہ دیکھا تھا۔

لڑکی اس کو جاتا دیکھ رہی تھی اور وہ جب تک آنکھوں سے اوجھل ہو کر اپنے کمرے میں نہ گھس گیا تھا اس کی نگاہیں واپس نہ پلٹی تھیں۔ وہ جیسے ہی واپس گھومی تو وہاب میر کو سامنے کھڑا دیکھ کر چونکتی ہوئی بولی۔

''بابا جانی!'' وہاب میر ستارہ کو اپنے سامنے پا کر مسکراتے ہوئے بولے۔

''اتنی دیر...... بہت سست ہو تم بھی...... کم آن۔'' وہ اپنی بیٹی کو لے کر آفس میں چلے گئے۔



چاندنی کو آج عبید رضا نظر نہ آیا تھا تو دل کی بے چینی بڑھ گئی تھی ایسا کبھی بھی نہ ہوا تھا عبید رضا ہمیشہ اس سے پہلے ہی کالج آیا ہوتا تھا اور گیٹ سے ذرا ہٹ کر گراؤنڈ میں اس کا انتظار کرتا ہوتا تھا۔ آج موسم بھی خراب تھا لیکن بارش نہ ہو رہی تھی کہ جس کی وجہ عبید رضا کی چھٹی بن جاتی اور پھر عبید رضا نے کون سا پیدل یا پبلک ٹرانسپورٹ پر آنا ہوتا تھا جو وہ بارش کی وجہ سے چھٹی کر لیتا۔ وہ تو اپنی قیمتی بی ایم ڈبلیو میں آیا کرتا ہے۔

چاندنی کو اس کی غیر موجودگی کا احساس آج نہ جانے کیوں بُری طرح ہونے لگا تھا حالانکہ وہ چاندنی کے آگے پیچھے گھوما کرتا تو چاندنی اس کو نظر انداز کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر اس کو نخرے دکھایا کرتی تھی یا پھر یہ تھا کہ وہ اپنے آپ میں ہی ریزرو رہا کرتی تھی اور اس کو یہ بھی احساس تھا کہ وہ کس طبقے سے تعلق رکھتی ہے اور عبید رضا ایک مل آنر کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ انہی وجوہات کی بنا پر عبید رضا سے دور رہا کرتی تھی۔

لیکن آج عبید رضا دور ہوا تھا تو اس کو اس کی دوری بُری طرح کھٹکنے لگی تھی۔ اس کو خوبصورت اور سہانا موسم بھی بھا نہ رہا تھا وہ کیاریوں میں کھلے ہوئے پھولوں کو بھی نوچ دینا چاہتی تھی۔ اس کا فری پیریڈ بور ترین گزرنے لگا تو اس کو اپنے آپ پر ہی غصہ آنے لگا تھا کہ وہ کیوں اتنی بے چینی اور شدت سے اس کی منتظر ہے؟

''محبت محبت محبت محبت......'' دل کی ہر دھڑکن نے محبت محبت کی صدا لگانا شروع کی تو وہ خوفزدہ ہونے کے ساتھ ساتھ شرم سے سرخ بھی ہو گئی تھی۔ ''محبت؟'' اس نے اپنے آپ سے ہی سوال کیا تو اندر سے دل بولا۔

''ہاں...... چاندنی تم کو عبید رضا سے محبت ہو گئی ہے۔''

''لیکن...... میں اس سے محبت کیوں کروں گی؟'' وہ خود ہی بڑبڑائی تو پہلو سے ہی دل بولا۔

''بے چینی...... بے قراری...... انتظار میں شدت...... بار بار گیٹ کی جانب نگاہوں کا بیتابی سے اُٹھ جانا۔ دل کی دھڑکنیں بیوقوف نہیں ہوتیں۔ دھک دھک کی بجائے محبت محبت پکاریں تو اسی کو محبت کہتے ہیں چاندنی؟''

''چل ہٹ...... مجھے بیوقوف مت بناؤ۔ وہ کروڑ پتی اور میں...... میں محض ہیجڑوں کے گھر میں پیدا ہو کر ان کی گود میں پلنے والی ایک غریب لڑکی...... کیا اب بھی تم محبت محبت کی گردان کرو گے؟''

چاندنی نے اپنے تئیں دل کو الفاظ کے قفس میں قید کرنے کی کوشش کی تو دل قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔

''محبت اس معاشرے کے دو طبقوں کے درمیان ہی ہوتی ہے چاندنی! ایک اس معاشرے کا پسا ہوا طبقہ اور دوسرا وہ طبقہ جس کی وجہ سے پہلا طبقہ پس کر رہ جاتا ہے۔''

''لیکن یہ برابری والوں میں کیوں نہیں ہوتی دلِ نادان؟'' چاندنی مسکراتی ہوئی بڑبڑائی تو دل بول اُٹھا۔

''نادان تو تم ہو چاندنی! اگر دونوں ہی امیر اور دونوں ہی غریبوں کے درمیان محبت ہو جائے تو پھر قربانی کون دے گا۔ محبت تو قربانی مانگتی ہے۔ قربانی۔''

''لیکن دل نادان! ہر بار قربانی غریب اور پسا ہوا طبقہ ہی کیوں دے گا؟'' چاندنی کو اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے مزہ آنے لگا تھا۔ اس کی بات سن کر دل نادان نے ایک اور قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

''پسا ہوا طبقہ چاندنی! جو محبت میں غلط ہوتا ہے۔ جس کی نیت میں کھوٹ ہوتا ہے اور جو بے ایمان ہوتا ہے۔ وہی ہارتا ہے اور شکست بھی اس کی ہوتی ہے قربانی بھی اسی کو دینا پڑتی ہے۔''

''اور اگر وہ قربانی نہ دے تو؟''

''تو پھر ہارا ہوا طبقہ یا شکست خوردہ فریق ایک ایسا تاوان ادا کرتا ہے جو اس کی نسلوں کو بھی معاف نہیں ہوتا۔ نسل در نسل تاوان محبت ادا کرتے ہوئے ان کی نسلیں بھی ختم ہو جاتی ہیں لیکن محبت ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

''کیا محبت اتنی ظالم ہے دلِ ناداں؟'' چاندنی کانپ کر بولی تو وہ ہولے سے مسکراتا ہوا بولا۔

''نہیں محبت کرنے والوں نے محبت کو ظالم اور خود کو مظلوم بنا کر محبت کا امیج تباہ کر دیا ہے۔'' بہت ہی بڑی بات تھی۔

''محبت تو بظاہر چار حرفی لفظ ہے لیکن اگر میں تشریح کرنے لگوں تو چاندنی تم بوڑھی ہو جاؤ گی لیکن لفظ محبت کے پہلے حرف ''میم'' کی تشریح بھی پوری نہ ہو گی۔ یہ باتیں پھر کسی وقت پر اُٹھا رکھو۔'' دل یہ کہہ کر خاموش ہوا تو چاندنی کو اپنے گالوں پر پانی کے قطرے کا احساس ہوا تو اس نے آنکھیں اُٹھا کر اوپر آسمان کی جانب دیکھا تو وہاں پر گھنگور گھٹائیں برسنے کو بے چین ہو رہی تھیں۔

چاندنی نے کینٹین کی جانب قدم اُٹھائے تو اس کو سامنے سے عبید رضا آتا ہوا دکھائی دیا تو وہ وہیں ٹھہر گئی کیونکہ وہ آج بلیک رنگ کی جینز اور سکن رنگ کی شرٹ میں شہزادہ لگ رہا تھا۔ چاندنی اس کے سراپا میں کھو گئی تھی اور بارش نے برسنا بھی شروع کر دیا تھا اس کو اپنے بھیگنے کا احساس ہوا تو وہ کینٹین کی جانب بڑھنے لگی۔

''بھیگنے کا ارادہ ہے کیا اس موسم میں؟'' عبید رضا نے اس کو بھیگے ہوئے دیکھا تو بولا۔

''بارش مجھے اچھی لگتی ہے۔'' اس نے عبید رضا کی آنکھوں میں دیکھا تو پانی کے ننھے منے قطرے اس کے بالوں

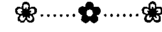
سے نکل کر اس کے گالوں پر اٹھکیلیاں کرتے ہوئے اس کے گریبان میں جذب ہونے لگے تھے۔عبید رضا نے اس کے سراپا کا جائزہ لیا اور ہونٹوں پر مسکان سجاتا ہوا بولا۔

"آئی ایم سوری! میں آج تمہیں ویل کم نہیں کر سکا؟" عبید رضا کو نہ جانے کیوں لگا تھا کہ چاندنی شدت سے اس کی منتظر تھی۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا عبید!" چاندنی نے عبید کو حسب عادت نظر انداز کیا تو وہ بھی حسبِ معمول مسکراتا ہوا بولا۔"لیکن مجھے تو فرق پڑتا ہے نا چاندنی۔"

اس فقرے پر چاندنی نے اس کی طرف آہستگی سے نظریں اُٹھا کر دیکھا تو پانی کا ایک شرارتی قطرہ اس کے اوپر والے ہونٹ پر آ کر ٹھہر گیا۔عبید رضا نے بھی اس پانی کے قطرے کو دیکھا اور آہستگی سے بولا۔

"خوش قسمت!" چاندنی نے فوراً ہی اپنے ہونٹوں کو بھینچ کر پانی کے اس ننھے قطرے کے وجود کو اپنے اندر گلاب ہونٹوں میں جذب کر لیا۔



موسیٰ اور سجن قاری فیض رسول کے پاس بیٹھے تھے وہ ہفتہ وار چھٹی گزارنے کے لیے قاری صاحب سے اچھی اچھی باتیں سیکھنے کے لیے خصوصی طور پر وقت نکالتے تھے اور قاری فیض رسول بھی ان دونوں سے بڑی محبت کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ آج کے دور میں جب نئی نسل انٹرنیٹ اور موبائل کے غلط استعمال کی وجہ سے بُری صحبت میں پڑ کر اپنا ایمان خراب کر رہی ہے وہاں موسیٰ اور سجن جیسے نوجوان اسلام کی تعلیم کے لیے وقت نکال کر جہاد جیسا کام کر رہے ہیں۔

ان دونوں نے قاری صاحب سے اجازت لی اور گھر واپس آ گئے تو شمع بی بی پکانے کے لیے دال چننے میں مصروف تھیں ان دونوں نے شمع بی بی کو سلام کیا تو وہ خوش ہو کر بولیں۔

"مل آئے قاری صاحب سے؟"

موسیٰ ان کے دائیں طرف زمین پر قدموں میں بیٹھ گیا تو سجن بھی اس کی تقلید کرتے ہوئے بائیں طرف قدموں میں ہی بیٹھ گیا۔"کیا کہہ رہے تھے قاری صاحب؟" شمع بی بی کے دوبارہ سوال پر موسیٰ بولا۔

"ماں جی! قاری صاحب حج کی باتیں بتا رہے تھے۔"

"وہ کہہ رہے تھے کہ جو صاحبِ استطاعت ہے اس پر ایک حج کرنا واجب ہے۔" اس بار سجن نے بات کو آگے بڑھایا۔موسیٰ نے اثبات میں سر ہلا کر بات بتانا شروع کی۔"میں نے پوچھا قاری صاحب! جو حج کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ کیا کرے؟" شمع بی بی نے دال چننا بند کر دیا اور غور سے موسیٰ کی طرف دیکھنے لگی کیونکہ یہ سوال موسیٰ کی زندگی اور موجودہ مالی حالات کی دلی ترجمانی کرتا تھا۔"پھر کیا کہا انہوں نے؟" شمع بی بی نے بے چینی سے پوچھا تو موسیٰ ان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔"ماں جی! قاری صاحب نے بتایا کہ جو حج کرنے کی سکت نہیں رکھتا وہ ایک بار اپنی ماں کو پیار سے دیکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک مقبول حج کا ثواب عطا کرتے ہیں۔"

شمع بی بی سن کر مسکرائیں اور پیار سے موسیٰ کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ پھر بولا۔

"ماں جی! اگر اللہ تعالیٰ ماں کو پیار سے دیکھنے پر ایک مقبول حج کا ثواب عطا کرتا ہے تو کیا بار بار دیکھنے پر بھی بار بار حج کا ثواب ملتا ہے؟" یہ سوال دل کی گہرائی سے کیا گیا تھا تبھی تو الفاظ میں تڑپ اور لہجہ بھیگا ہوا تھا۔شمع بی بی ایک ٹھنڈی سانس بھرتی ہوئی بولیں۔

"ہاں میرے بچے! کوئی جتنی بار بھی پیار سے اپنی ماں کو دیکھے گا اللہ اس کو اتنی بار ہی مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔" یہ بات سن کر سجن کے آنسو نکل پڑے وہ ابھی تک تو خاموشی سے دونوں کی باتیں سن رہا تھا لیکن ماں جی کی بات سن کر اس سے رہا نہ گیا تو وہ بول ہی پڑا۔

"اور ماں جی! جس کی ماں ہی نہ ہو۔وہ کیا کرے؟" اس کے آنسو نکل کر گالوں پر بہنے لگے تو شمع بی بی کو احساس ہوا کہ موسیٰ تو بن ماں کا بیٹا ہے۔اس کی بات وزنی تھی لیکن شمع بی بی زمانہ شناس عورت تھیں وہ سجن کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتی ہوئی بولیں۔"مجھے ماں جی بھی کہتے ہو اور غیریت بھی برت رہے ہو سجن! تم بھی مجھے شرجیل اور موسیٰ کی طرح عزیز ہو۔تم کو بھی میں اپنا بیٹا ہی سمجھتی اور مانتی ہوں۔" اتنا سننا تھا کہ سجن کی آنکھیں ٹپ ٹپ برسنے لگیں اس نے شمع بی بی کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا اور ان کے قدموں کو بوسہ دیتا ہوا بولا۔"کاش کہ میں نے آپ کی کوکھ سے جنم لیا ہوتا ماں جی!"

موسیٰ اور شمع بی بی کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔شمع بی بی اُٹھتی ہوئی بولیں۔

"خون کے رشتوں کو نبھانے کے لیے مضبوط زنجیر کا قیدی بننا پڑتا ہے۔لیکن سجن! تم مجھے اور میں تمہیں ماں بیٹے کے رشتے کی زنجیر میں اس طرح باندھ رہی ہوں کہ تم اس زنجیر کے قیدی نہیں بلکہ مالک ہو گے تاکہ اس مضبوط رشتے کی حفاظت کر سکو۔"

اس بار تو سجن نے اُٹھ کر ان کے ہاتھوں کو چوم لیا اور بولا۔"کیا ہر ماں آپ جیسی ہوتی ہے؟"

"ہاں......" شمع بی بی بولیں۔"جو ماں ہوتی ہے۔وہ میرے جیسی ہی ہوتی ہے۔" انہوں نے سجن اور موسیٰ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اندر کچن کی جانب جاتی ہوئی بولیں۔"تم دونوں بھائی باتیں کرو۔میں تمہارے لیے چائے بناتی ہوں۔" موسیٰ نے آگے بڑھ کر سجن کو سینے سے لگایا اور کہنے لگا۔

"اپنے آپ کو کبھی بھی غیر نہ سمجھا کر......تیرا اپنا ہی گھر ہے۔"

دونوں تخت پوش پر بیٹھ گئے تو سجن اپنی آنکھیں صاف کرتا ہوا بولا۔

"وہ......تم لوگ خالہ فائزہ کے گھر گئے تھے۔کیا بات چیت ہوئی؟"

اس سے پہلے کہ موسیٰ کوئی جواب دیتا شرجیل گھر میں داخل ہوا۔وہ موسیٰ اور سجن کی طرف دیکھ کر مونچھوں کو تاؤ دینا بند کرتا ہوا کچن کی جانب نظر دوڑاتا ہوا اونچی آواز میں بولا۔

"والدہ محترمہ ہمیں بھی ایک کپ چائے کا نصیب ہو جائے تو چنگا ہی ہے۔" سجن اس کے انداز پر ہنس پڑا تو وہ ماتھے پر تیوری ڈال کر بولا۔"نہ تم کیوں دند نکال رہے ہو۔کلینا نہ ہو تو۔" اس بار تو موسیٰ بھی ہنس پڑا تو شرجیل نے اس کو گھورا تو وہ یک دم سنجیدہ ہو گیا اور بولا۔

"شرجیل بھائی! دراصل ہم آپ ہی کی شادی کی باتیں کر رہے تھے۔" اتنا سننا تھا کہ شرجیل کے ماتھے سے

تیوری غائب ہوگئی اور وہ مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا کچن کی طرف دیکھنے لگا جب اس کو اچھی طرح سے تسلی ہوگئی کہ شمع بی بی کے آنے میں ابھی دیر ہے تو وہ ایک ''موڑھا'' سیدھا کرتا ہوا موسیٰ کے پاس بیٹھ گیا اور رازداری سے بولا۔

''فائزہ خالہ نے کیا کہا پھر؟'' سجن کو ایک بار پھر اس کے انداز پر ہنسی آگئی تو شرجیل نے مکہ بنا کر اس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو وہ بمشکل اپنا قہقہہ روکتا ہوا خاموش ہوگیا تو شرجیل پھر موسیٰ کی طرف اس انداز میں دیکھنے لگا جیسے کہ کوئی بہت ہی اہم خبر موسیٰ کے منہ سے نکلنے والی ہے۔

''خالہ اور خالو نے ایک ہفتے کا وقت مانگا ہے۔''

''شادی کے لیے؟'' شرجیل بے خیالی میں اونچی آواز میں بول گیا تھا لیکن پھر جھینپتا ہوا موسیٰ کی طرف دیکھنے لگا جو نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''نہیں سوچنے کے لیے۔'' شرجیل کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ خالو شکیل احمد کا کھُنہ کھول دے۔ بھلا اس میں سوچنے کی کیا تُک تھی۔

''شرجیل بھائی!'' سجن اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ ''اگر خالہ نہ مانی تو......؟''

شرجیل نے اس کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور موڑھا اُٹھا کر اس کو مارنے کا ڈراوا دیتا ہوا بولا۔

''اوئے! تُو تو ہے ہی کلینا...... مانو سا......کوئی خیر دی گل وی منہ سے نکال لیا کر نیشا!''

موسیٰ اور سجن دونوں ہی کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

شمع بی بی چائے لے کر آ گئیں تو تینوں ہی پُرسکون ہو گئے۔ شمع بی بی اپنا کپ پکڑ کر تخت پوش پر بیٹھیں تو سجن فوراً موڑھے پر بیٹھ گیا۔

''میں گئی تھی فائزہ کے پاس؟'' شمع بی بی بے نیازی سے بولیں تو شرجیل کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ نگاہیں جھکاتا ہوا بولا۔ ''تو پھر مجھے کیوں سنا رہی ہو۔ وہ تیری بہن ہے۔ بھانویں روز ای جا اس کے گھر۔'' سجن سے رہا نہ گیا۔ اس نے کوئی بھی بات کرنے سے پہلے شرجیل کو چائے کا ایک کپ پکڑا دیا تاکہ وہ اس کو بات بُری لگنے پر مار نہ سکے۔ ''اتنا بنو نہ...... ماں جی تمہارے رشتے کے لیے ہی ترلا مار رہی ہیں شرجیل بھائی۔'' شرجیل کا بس چلتا تو وہ یقیناً سجن کو کچا ہی کھا جاتا لیکن شمع بی بی بولیں۔

''شکیل احمد نے کچھ دنوں کا وقت مانگا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سوچ سمجھ کر آپ کو یعنی مجھے بتا دے گا۔''

''وہ......'' شرجیل کچھ کہنے کے لیے پہلے شمع بی بی اور پھر سجن کی طرف دیکھنے لگا تو موسیٰ ہنستے ہوئے بولا۔ ''میں مناہل سے بھی ملا ہوں۔''

''کیا کہہ رہی تھی وہ؟'' شرجیل تیزی میں ہی پوچھ گیا تو شمع بی بی اور وہ دونوں بھی قہقہے لگا کر ہنسنے لگے تو وہ کھسیانا ہو کر اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر چائے کے گھونٹ پینے لگا۔

''ماشاءاللہ! تمہاری اور مناہل کی جوڑی بہت اچھی لگے گی۔''

''ہاں ماں جی!'' سجن نے بولنا ضروری سمجھتے ہوئے لقمہ دیا۔ ''پھر تو شرجیل بھائی کوئی کام بھی ٹک کر کر لیا کریں گے۔ ان شاءاللہ......''

''او...... کلینیا!'' شرجیل اتنا ہی کہہ سکا کیونکہ اس بار بھی تینوں ہی ہنس پڑے تھے۔



''فائزہ بیگم! پھر کیا سوچا آپ نے؟'' شکیل احمد اس وقت گھر کے صحن میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور فائزہ ان کے سامنے کرسی پر بیٹھی سبزی بنانے میں مصروف تھی۔ وہ خاوند کی بات سن کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''رشتہ گھر چل کر آیا ہے اور پھر مناہل اور شرجیل کا بچپن بھی تو اکٹھے ہی گزرا ہے۔''

''میں اب اور آج کے دور کی بات کر رہا ہوں۔'' شکیل احمد گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے بولے تو فائزہ نے سبزی ایک طرف رکھی اور شوہر کو مخاطب کرتی ہوئی بولی۔

''آج بھی وہی شرجیل ہے۔ دیکھا بھالا ہے۔ گھر کا بیٹا ہے۔ نہ شراب نہ سگریٹ پان۔ ایسا تو کوئی بھی اس میں عیب نہیں ہے جو آج کل کے لڑکوں میں ہوتا ہے۔''

شکیل احمد ایک لمبا سانس ہوا میں خارج کرتے ہوئے بولے۔

''لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ کاروبار...... میرا مطلب ہے کہ کام دھندہ تو کوئی کرتا نہیں ہے۔ آپ پھر بھی اس کی وکالت کر رہی ہیں۔'' یہ بات تو فائزہ کو بھی معلوم تھی کہ شرجیل نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد کام کرنا چھوڑ دیا تھا اور وہ موسیٰ کی کمائی سے ہی گزارہ کرتا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے بھانجے کے حق میں دلیل دیتی ہوئی بولی۔

''وہ کسی نہ کسی کام کی تلاش میں رہتا ہے۔'' اب فائزہ اپنی پلاسٹک کی کرسی کو گھسیٹ کر شکیل احمد کے برابر رکھتی ہوئی بولی۔ ''ویسے بھی ہماری مناہل بڑی مقدروں والی ہے۔ جب اس گھر میں جائے گی تو شرجیل کو بھی اچھا سا مستقل کام مل جائے گا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ اس رشتے سے خوش ہیں؟''

''اور کیا...... میں تو راضی بھی ہوں۔ کیونکہ اگر رشتہ آ کر مڑ جائے تو بدشگونی ہوتی ہے۔ اور ویسے بھی آج کل اچھے اور شریف لڑکوں کے رشتے تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہے۔ لڑکیاں گھروں میں بیٹھی بیٹھی ہی بوڑھی ہو رہی ہیں۔'' فائزہ نے آج کے دور کی مکمل عکاسی اپنے خوفزدہ الفاظ میں کی تو شکیل احمد لرز کر بولے۔

''خدا نہ کرے کہ میری بیٹیاں گھر میں بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہوں۔''

''تو پھر آپ کہیں تو میں آپا شمع کو ہاں کر دوں۔'' فائزہ نے شکیل کی نیم رضامندی کو مکمل ہی رضامندی سمجھتے ہوئے پوچھا تو شکیل احمد اس کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟'' شکیل احمد بیگم کی بات سن کر ہونٹوں پر مسکان سجا کر بولا۔

''شمع آپا! بہت اچھی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی کا خیال رکھیں گی۔'' یہ سن کر تو فائزہ کی باچھیں ہی کھل گئیں۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ میں آج ہی آپا کو کہتی ہوں کہ مٹھائی لے کر آ جائیں۔'' یہ کہہ کر فائزہ اندر کی جانب چلی گئی تو شکیل احمد آسمان کی جانب منہ کر کے بولے۔ ''اللہ! تیرے سپرد۔''



بادشاہ نے اذانِ فجر پُرسکون ہو کر سنی اور اُٹھ کر دیواروں کو ٹٹولتا ہوا صحن میں لگی ہوئی ٹونٹی کے پاس جا کر بیٹھ گیا

اس نے پانی چلا کر وضو کرنا شروع کر دیا تو اس کے ساتھی فقیر کی بھی آنکھ کھل گئی۔ وہ دیکھ سکتا تھا جبکہ بادشاہ بینائی سے محروم تھا۔ وہ دونوں ہی ایک کمرے کے ایک مکان میں رہتے تھے اور یہ جگہ بھی شہر کے ہنگاموں سے خاصی دور تھی۔ یہ گھر ساتھی فقیر کا تھا۔ وہ بادشاہ پر ترس کھا کر اس کو اپنے گھر لے آیا تھا۔ اب وہ اور بادشاہ اسی مکان میں رہتے تھے۔

وہ ہر روز نمازِ فجر کے بعد گھر سے نکلتے تھے بس سٹاپ تک ساتھی بادشاہ کی رہنمائی کرتا تھا اور پھر دونوں شہر جانے والی بس میں سوار ہو کر شہر جاتے اور مختلف گلیوں بازاروں میں سارا دن بھیک مانگتے اور شام کو اسی بس کے ذریعے واپس اپنے گھر پہنچ جاتے تھے۔

بادشاہ سارے دن کی کمائی ساتھی کے سامنے ڈھیر کر دیتا تھا وہ ایمانداری سے رقم گن کر اس کو بتا دیتا کہ اس کی کتنے روپوں کی دیہاڑی لگی ہے۔ پھر وہ سارے پیسے ایک جگہ سنبھال کر رکھ دیتا تھا۔ بادشاہ کو ساتھی پر اندھا اعتماد تھا کیونکہ وہ خود بھی اندھا تھا اور اس کی مجبوری بھی تھی کہ وہ ساتھی پر ہی اعتماد کر سکتا تھا۔

بادشاہ جائے نماز پر کھڑا ہوا تو قیام رکوع و سجود کے بعد جب اللہ کے حضور ہاتھ پھیلانے کی باری آئی تو اس نے حسبِ معمول اپنے کُرتے کی جھولی پھیلا دی اور رب کائنات کو مخاطب کر کے بولنے لگا۔

''اے خالق کائنات! تجھے تیری اعلیٰ وارفع ذاتِ مقدس کا واسطہ!

میرے اللہ! تجھے تیرے محبوب کے رحمتہ للعالمین ہونے کا واسطہ!

تجھے تیرے محبوب کی آل اولاد کا واسطہ!

تجھے پنجتن گھرانے کی عظمت کا واسطہ۔''

اب بادشاہ کی آواز پھٹنے لگی وہ رونے لگا تو روز کی طرح ساتھی کی آنکھیں بھی بھیگنے لگیں کیونکہ بادشاہ کی گریہ زاری اور آہ و بکا اس گھر کے در و دیوار کو بھی دہلا رہی تھیں۔

''کربلا کی تپتی ریت پر لگے ہوئے خیموں کا واسطہ!

''گنبدِ خضریٰ کی ٹھنڈی اور میٹھی چھاؤں کا واسطہ!

میرے مالک! تجھے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹیوں کا واسطہ!

میرے پاک پروردگار مجھے میری بیٹی سے ملا دے۔ مجھے وہ رحمت لوٹا دے جسے میں زحمت سمجھ کر کچرے میں پھینک آیا تھا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو رم جھم برسات کی مانند برسنے لگے تھے اور اس کی گریہ زاری ساتھی کے دل اور وجود کو لرزا رہی تھی۔

''میں تیرا مجرم اور گناہگار ہوں۔ میرے اللہ! مجھے بہت سزا مل گئی ہے۔ میں اب اس سزا کو مزید نہیں جھیل سکتا۔ مجھے معاف کر دے۔ اللہ! تُو غفور و رحیم ہے۔ میری خطا کو معاف کر دے مجھے میری بیٹی لوٹا دے۔''

بادشاہ سجدے میں گر گیا تو اس کا وجود ہولے ہولے کانپنے لگا۔

اتنی دیر میں ساتھی اس کے لیے اور اپنے لیے چائے بنا چکا تھا۔ اس نے رات کی بچی ہوئی روٹی اور رس ایک پلیٹ میں ڈال کر بادشاہ کے سامنے رکھے جو اب نماز اور دعا سے فارغ ہو چکا تھا۔

''اتنی گریہ زاری کرتے ہو۔ بادشاہ! کبھی کبھی تو تم مجھے ولی لگتے ہو یار!'' ساتھی بولا اور اس نے ایک رس

بادشاہ کو پکڑا کر چائے کی پیالی پر بادشاہ کا دوسرا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو بادشاہ کربناک مسکراہٹ سے مسکرایا اور کہنے لگا۔

''ولی تو خطائیں نہیں کرتے ساتھی! میں تو خطا کار اور گناہگار ہوں۔'' اس نے رس چائے میں بھگو کر منہ میں ڈالا اور ساتھی کی بات کا انتظار کرنے لگا۔ وہ بھی چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔

''بادشاہ! نبی، ولی، پیغمبر سب انسان ہیں اور انسان خطا کا پتلا ہے یار!''

''ایسا مت کہہ ساتھی! اللہ نے جن نبیوں، ولیوں اور پیغمبروں کو خطاؤں پر جن جن آزمائشوں سے گزارا ہے۔ اوئے جھلیا ہم تو ایک لمحہ بھی اس آزمائش میں نہیں گزار سکتے۔'' بادشاہ نے چائے کی پیالی ہونٹوں کو لگا کر ایک گھونٹ بھرا اور پھر سوکھا رس ہی کھانے لگا۔

''بادشاہ! تم جتنی گریہ زاری سے اللہ سے اپنی کھوئی ہوئی بیٹی مانگ رہے ہو اگر اپنی آنکھیں مانگ لو تو میں سمجھتا ہوں کہ بیٹی کو ڈھونڈنے میں بھی آسانی ہو گی۔'' ساتھی اپنی چائے ختم کر چکا تھا اس کی بات سن کر بادشاہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''تُو بھی بھولا بادشاہ ہی ہے۔ اوئے یار! جس بیٹی کو صرف میں نے ایک بار ہی دیکھا ہے وہ بھی تب جب وہ تین چار دنوں کی تھی۔ اب آنکھیں مل بھی جائیں تو اس کو کیسے پہچانوں گا۔'' بادشاہ کی بات بھی صحیح تھی تو ساتھی بولا۔

''تو پھر اس کے مل جانے کی دعائیں کرتے رہتے ہو۔ اگر وہ مل بھی گئی تو اس کو کیسے پہچانو گے۔'' یہ ساتھی کی وہ بھرپور دلیل تھی جو بادشاہ کو بھی معلوم تھی لیکن وہ پھر بھی ساتھی کو مطمئن کرتا ہوا بولا۔

''میں اس خالق کائنات سے دعا کرتا ہوں جو ''کن فیکون'' کہے تو کئی جہان تخلیق ہو جاتے ہیں اور میرا دُکھڑا تو کسی بھی کھاتے میں نہیں ہے۔'' بادشاہ نے چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگا کر اس کو خالی کیا اور اپنی قمیص کی آستین سے منہ صاف کرتا ہوا بھولا۔

''جب وہ مجھے میری بیٹی سے ملائے گا تو تم دیکھنا ہر چیز اور ہر بات کی پہچان بھی مجھے دے گا۔'' ساتھی اس کی بات سے مطمئن ہو کر اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔



گرو اور نیناں چاندنی کی طرف دیکھنے لگے کیونکہ اس نے بات ہی ایسی پوچھ لی تھی۔

''بابا جانی بتائیں نا پلیز۔'' چاندنی نے پھر اصرار کیا تو گرو مسکراتا ہوا بولا۔

''تو اور کیا۔ میں ایسے ہی تو گرو نہیں بن گیا۔ میں بھی جوانی میں ناچا کرتا تھا۔ اتنا ناچتا تھا کہ چنبیلی اور الائچی تو غش کھا کر ہی گر پڑیں۔'' چاندنی اس کی بات سن کر ہنس پڑی تو نیناں نے اس کے سر میں تیل لگا کر کنگھی کرنا شروع کر دیا تو چاندنی پھر بولی۔

''تو کیا لوگ آپ کو پیسے بھی دیا کرتے تھے بابا؟؟''

''پیسوں کے لیے تو ہم ناچا کرتے تھے۔ پھر ہم نے زمینیں خریدیں۔ ان پر فصلیں اُگائیں اور پھر ان کو ٹھیکے پر دے دیا اور اب ماشاءاللہ اچھی خاصی آمدنی آتی ہے۔'' اس بار نیناں نے جواب دیا تو گرو منہ میں پان رکھ کر اس کو

چباتا ہوا بولا۔ ''میں تو سچ کہوں نیناں! جب سے چاندنی اس گھر میں اپنا اُجالا پھیلانے آئی ہے۔ قسم گروؤں کی اپنے تو وارے نیارے ہو گئے ہیں۔''

''بابا جانی!'' چاندنی حیران ہو کر پوچھنے لگی۔ ''یہ جو ساتھ والی شمع خالہ کا موسیٰ ہے کیا اس کو رات کو دورے پڑتے ہیں؟'' یہ سوال چاندنی کے ذہن میں کافی دنوں سے کلبلا رہا تھا آج اس نے پوچھ ہی لیا۔

گرو اور نیناں اس کی سادگی پر ہنسنے لگی تو نیناں بولا۔

''نہ میری دھی! ایسا نہیں کہتے۔ وہ تو بڑا ہی نیک ہے۔ بیچارے نے کبھی بھی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا کہ گلی کے کس دروازے میں کون کھڑا ہے۔'' نیناں نے موسیٰ کو جیسا پایا تھا کہہ دیا تھا۔

''لیکن بابا! راتوں کو اس کی چیخیں اور گریہ زاری تو یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ یا تو پاگل ہے یا پھر اس کو دورے پڑتے ہیں۔'' چاندنی اپنی بات پر ہی اَڑی ہوئی تھی۔

نیناں نے اس کے سر کو پچھولتے ہوئے کہا۔ ''میں نے بات کی تھی شمع آپا سے وہ کہنے لگیں کہ موسیٰ کو خواب میں اس بات کی زیارت ہوتی ہے کہ وہ حج کر رہا ہے اور اللہ کے گھر میں نمازیں پڑھ رہا ہے لیکن جب آنکھ کھلتی ہے تو وہ اپنے آپ کو اپنے ہی گھر میں پا کر رونے لگتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے گریہ زاری کرتا ہے۔''

چاندنی حیرت و استعجاب سے مڑ کر نیناں کی طرف دیکھنے لگی تو گرو اور نیناں نے اثبات میں سر ہلایا تو گرو بول پڑا۔

''میرا پتر! ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی زیارتیں کرواتا ہے۔''

''لیکن بابا جانی! صرف موسیٰ ہی کیوں...... میں کیوں نہیں...... آپ یا پھر گرو کیوں نہیں یا شمع خالہ کیوں نہیں؟''

چاندنی کا سوال اچھا تھا لیکن پڑھی لکھی بات تھی اس لیے گرو خاموش ہو گیا اور نیناں نے اپنے علم کے مطابق چاندنی کو مطمئن کرنا چاہا۔

''اللہ کی نظر میں سب انسان برابر ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو عشق کے امتحانوں کے لیے چن لیتا ہے۔''

''عشق کے امتحان؟'' چاندنی حیران رہ گئی۔ نیناں نے اس کے کنگھی کر کے اس کو گویا فارغ کر دیا تھا کہ اس کے بالوں کو سنوار دیا گیا ہے لیکن اب پھر چاندنی نے ایک اور سوال کر دیا تھا۔

''ہاں میری دھی! عشق کے امتحان...... یہ بڑی لمبی چوڑی باتیں ہیں...... یہ تو وہی جانتے ہیں جو عشق کرتے ہیں۔'' چاندنی مسکراتی ہوئی نیناں کی طرف دیکھنے لگی اور پھر گرو کے پاس جا کر تخت پوش پر بیٹھ گئی۔

''بابا جانی! کیا آپ سے یا آپ نے کسی سے عشق کیا ہے؟''

نیناں اور گرو مسکرانے لگے۔ ''لے دس میری دھی! ہم تو اونترے نکھترے لوگ ہیں۔ ہم سے کون عشق کرے گا۔''

''اونترے نکھترے؟'' چاندنی حیرت سے بولی۔ ''یہ کیا ہوتے ہیں؟''

گرو اور نیناں اپنی غلطی پر یک دم خاموش ہو گئے تھے۔ اب وہ چاندنی کو کیا بتاتے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ نیناں بات کو پلٹتا ہوا بولا۔

''میری دھی! تُو تو پڑھی لکھی ہے۔ گرو تو اَن پڑھ ہے جو منہ میں آتا ہے وہی کہہ دیتا ہے۔ لے دس۔ اب گرو کو بھی علم نہیں ہو گا کہ یہ کون سے الفاظ تھے؟'' نیناں اور گرو دونوں ہی خفت مٹانے کے لیے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تو چاندنی کے چہرے پر بھی پُر سکون لہر دوڑ گئی۔

''اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ کالج میں کڑیاں اور منڈے اکٹھے پڑھتے ہیں۔ کیا تمہارے ساتھ بھی کوئی منڈا ونڈا پڑھتا ہے؟'' چاندنی گرو کے انداز اور سوال پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور گرو کے ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔

''بابا! میرے ساتھ تو کافی لڑکے پڑھتے ہیں۔ اور کافی لڑکیاں بھی ہیں۔''

''ہاؤ ہائے...... میری دھی! یہ آج کل کے منڈے کمپیوٹر اور ڈش انٹینا کی پیداوار ہیں۔ میری دھی ان کی لچھے دار باتوں میں نہ آنا۔'' گرو چاندنی کو سمجھا رہا تھا تو نیناں نے بھی بات کو آگے بڑھا دیا اور بولا۔ ''بس اپنی تعلیم پر توجہ دو۔ مجھے تمہاری بڑی فکر ہوتی ہے۔''

چاندنی اثبات میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ ''بابا جانی! اب میں بھی آپ کے ساتھ کسی فنکشن میں جاؤں گی۔''

نیناں نے تڑپ کر اس کو اپنے سینے سے لگا لیا تو چاندنی حیران رہ گئی۔ ''کیا ہوا بابا جانی؟''

''نہ میری دھی! بیٹیاں فنکشنوں میں جاتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں۔ اور ویسے بھی وہاں پر لفنگے اور آوارہ مرد ہوتے ہیں۔'' چاندنی نیناں کی بات سن کر گرو اور اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''کیا وہ آپ سے بدتمیزی کرتے ہیں بابا جانی؟''

''میری دھی جب دولت زیادہ ہوتی ہے تو وہ عیاشی اور فحاشی کی جانب انسان کو راغب کرتی ہے۔'' یہ بہت بڑی بات تھی جسے چاندنی نے سمجھتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔



فائزہ نے فون پر شمع بی بی کو اطلاع کر دی تھی کہ شکیل احمد مان گئے ہیں لہٰذا شمع بی بی نے دیر کرنا مناسب نہ سمجھا اور موسیٰ کو لے کر مٹھائی کے ساتھ فائزہ کے گھر پہنچ گئی تھیں۔ تحریم کالج سے آئی ہی تھی کہ شمع اور موسیٰ کو مٹھائی کے ساتھ دیکھ کر سمجھ گئی کہ رات کو ہونے والی صلاح کو صبح ہی فائزہ نے خالہ کو اطلاع دے دی ہو گی۔ وہ بھی خوش تھی کیونکہ شکیل احمد نے رات کو ان دونوں بہنوں سے بھی پوچھ لیا تھا۔

مناہل نے شکیل احمد اور فائزہ کو براہِ راست جواب دینے کی بجائے تحریم کے ذریعے اپنی ہاں سے ان کو آگاہ کیا تھا اور اس کی ہاں کا نتیجہ ہی تھا کہ آج اس کے گھر میں مناہل اور شرجیل کی ''ہاں'' ہو رہی تھی اور گھر میں خوشیاں رقصاں تھیں۔

شمع بی بی نے مٹھائی کا ٹکڑا مناہل کے منہ کو لگایا تو موسیٰ نے بھی شرارتی انداز میں اس رسم کو نبھایا تو قہقہوں کا پنڈورا بکس کھل گیا۔ شکیل احمد نے شمع بی بی کو خوش دیکھا تو بولے۔

''آپا! آپ کو مبارک ہو۔'' شمع بی بی نے اُٹھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں بھی مبارک ہو شکیل احمد اور فائزہ۔"

"آپا! میں امید کرتا ہوں کہ مناہل آپ کے گھر میں خوش رہے گی۔" شکیل احمد کے اندر ایک انجانا سا خوف چھپا ہوا تھا یا پھر اس نے خوف کو مار دیا تھا تبھی تو وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم کیوں فکر کرتے ہو شکیل احمد! مناہل میری بیٹی پہلے ہے بہو تو اب ہو گی لیکن میں اس کی خالہ یا ساس نہیں بلکہ ماں ہی ہوں۔" اس بار شمع بی بی نے مناہل کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

موسیٰ نے بھی فائزہ کو مبارک دی تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"اب مناہل تمہاری بھابی بن گئی ہے۔ اب تو خوب اچھا وقت گزرا کرے گا۔ دیور بھابی کا۔" لیکن موسیٰ ہنستا ہوا بولا۔

"نہیں خالہ! دیور بھابی نہیں بہن اور بھائی۔"

"یہ سب کہنے کی باتیں ہیں موسیٰ جی!" تحریم چمکتی ہوئی بولی تو شکیل احمد نے اس کو گھورا لیکن وہ خاموش نہ رہ سکی پھر بولی۔ "فلموں اور کتابوں میں ہی ایسا ہوتا ہے بہن بھائی۔"

"خالہ! یہ اب مجھ سے مار کھائے گی۔ اس کو بچالیں آپ۔" موسیٰ نے احتجاج کیا تو فائزہ ہنستی ہوئی بولی۔

"دیکھو بھئی موسیٰ! یہ تمہارا اور تحریم کا معاملہ ہے۔ وہ تم کو اپنی باتوں سے ستاتی رہتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تم اس کی باتوں سے چڑتے ہو۔" موسیٰ ہنسا تو تحریم بھی مسکرانے لگی۔

"میں تو اس کو ایک منٹ میں ہی ٹھیک کر دوں خالہ! بس آپ کا اور خالو کا لحاظ کر رہا ہوں۔" موسیٰ نے کہا تو شمع بی بی بول پڑیں۔

"کوئی کام کی بات بھی کر لینے دو مجھے یا یونہی شور ہی کرتے رہو گے۔" موسیٰ اور تحریم نے ہونٹوں پر انگلیاں رکھ کر ایک دوسرے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو شمع بی بی بولیں۔

"شکیل احمد اور فائزہ اب تم لوگ بھی شام کو ہی آ جاؤ تا کہ بات پکی ہو سکے۔"

شکیل احمد فائزہ کی طرف دیکھنے لگے اور پھر بولے۔ "آپ کیسی باتیں کرتی ہیں آپا! بات پکی ہونے میں اب کون سی کسر باقی رہ گئی ہے۔ ہماری طرف سے تو بات پکی ہے۔"

"پھر بھی شکیل احمد! جو دنیا کی رسمیں ہیں وہ تو نبھانا ہی پڑتی ہیں۔ تم لوگ شام کو آ جانا اور رات کا کھانا ہم سب مل کر ساتھ ہی کھائیں گے۔" شمع بی بی سیانی عورت تھیں وہ محلّہ بھر میں بتانا چاہتی تھیں کہ ان کے شرجیل کی منگنی ہو گئی ہے تا کہ سب کو علم ہو سکے کہ وہ شرجیل کو نکما اور جواری سمجھتے ہیں تو کسی نے اس نکمے کو اپنی بیٹی بھی دے دی ہے۔

"جیسے آپ کی مرضی آپا!" فائزہ شکیل احمد کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑیں۔ "ہم شام کو آ جائیں گے۔"

"اور اس چڑیل کو لازمی ساتھ لانا۔" موسیٰ نے تحریم کی طرف اشارہ کر کے کہا تو وہ آنکھیں نکال کر اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے نوچنے کا اشارہ دینے لگی تو شکیل احمد نے دیکھ لیا تو وہ کھسیانی سی ہو گئی۔

گھر آ کر شمع بی بی نے نیناں کو اپنے گھر بلوایا اور اس کو یہ خوشخبری سنائی کہ شرجیل کے لیے فائزہ نے اپنی بیٹی مناہل کا رشتہ پکا کر دیا ہے۔

"باجی! میں نہ کہتا تھا کہ تمہاری بہن اچھی ہے وہ یقیناً مان جائے گی۔" نیناں نے اپنے مخصوص انداز میں تالی بجائی تو شمع بی بی نے مسکراتے ہوئے اس کے سامنے پلیٹ میں ڈال کر مٹھائی رکھی تو وہ بولا۔

"نہ باجی نہ! تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں مٹھائی اکیلے نہیں کھا سکتا۔ میں اپنی چاندنی کو بھی ضرور کھلاؤں گا۔" شمع بی بی مسکرا کر بولیں۔

"میں نے چاندنی بیٹی اور گرو کے لیے الگ سے لفافے میں رکھی ہے۔ تم جتنی بھی کھانا چاہو اس میں سے کھا لو اور گھر جاتے وقت ان کے لیے بھی لے جانا۔" یہ سن کر نیناں تالی بجا کر بولا۔

"ہاں باجی! یہ ہوئی نہ دل والوں جیسی بات!" یہ کہہ کر اس نے پلیٹ میں سے اپنی پسند کی مٹھائی اُٹھا کر منہ میں ڈالی اور بولا۔ "شمع باجی مبارک ہو آپ کو؟" شمع بی بی مسکرا کر رہ گئیں۔ "آپ دیکھنا کہ میں شرجیل کی شادی پر کس طرح ناچتا ہوں۔" نیناں کافی پُرجوش لگ رہا تھا۔

"ہاں بھئی خوب دل کھول کر ناچ لینا آخر تمہارے اپنے ہی گھر کا تو کام ہے یہ۔"

"ویسے باجی! اب شرجیل کو بھی چاہیے کہ کوئی کام دھندہ کرنا شروع کر دے تا کہ مناہل دھی کو کوئی پریشانی نہ ہو۔" نیناں کی بات تو ٹھیک تھی لیکن شمع بی بی گہری سوچ میں پڑ کر اس کو دیکھنے لگیں۔

"تم ٹھیک کہتے ہو نیناں! میں آج ان لوگوں کے جانے کے بعد شرجیل سے بات کروں گی۔"



ستارہ نے اپنی ممی حنا بیگم کے بوتیک کا چارج سنبھال لیا تھا۔ یہ بوتیک کوئی عام نہ تھا بلکہ شہر کی سب سے بڑی عمارت میں قائم کیا گیا تھا اور پہلے فلور سے لے کر چوتھے فلور تک مختلف قسم کے ڈریسز ہینگروں میں رکھے گئے تھے۔ جن میں مختلف قسم کے ڈیزائن اور جدید فیشن کو اجاگر کرنے والے سوٹ، پینٹس، شرٹس، ٹائٹ اور وہ سب کچھ جو ایک لڑکی، عورت اور دلہن کو بھی چاہیے تھا۔ وہ ہر سوٹ اس بوتیک میں موجود تھا جو آج کی جدید نسل کی ضرورت تھی۔ حنا بیگم نے کافی محنت کر کے شہر میں ہی نہیں بلکہ ملک میں بھی اپنا نام بنایا تھا۔

یہ بوتیک بھی حنا بیگم کے نام پر ہی تھا۔ سب سے نیچے والے فلور پر آفس تھے جن میں ڈیزائنرز اور خود ستارہ نے اپنا ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ والا آفس خالی تھا اس کو اچنبھا ہوا تو اس نے ایک ورکر سے پوچھا جس نے بتایا کہ یہ اکاؤنٹینٹ کا آفس ہے جو کہ بے ایمانی کی وجہ سے حنا بیگم نے نکال دیا ہے۔ اب جب تک نیا اکاؤنٹینٹ نہیں آ جاتا یہ آفس خالی ہی رہے گا۔

ستارہ کے آفس میں سی سی ٹی وی کیمروں کے ذریعے ہر فلور کا منظر واضح نظر آتا تھا۔ وہ حنا بیگم کے چیلنج کو قبول کر کے اس فیلڈ میں آ گئی تھی اب اس کو یہ مشکلات درپیش تھیں کہ کوئی سیکرٹری ایسی ہو جو اس تمام کام کو سمجھتی ہو اور اس کو گائیڈ بھی کر سکے۔ ویسے تو وہ حنا بیگم سے بھی معلومات لیتی رہتی تھی اور وہ اس کو مخلص ہو کر گائیڈ بھی کر رہی تھیں لیکن ستارہ چاہتی تھی کہ وہ اب ماں کی چھتری تلے سے نکل آئے اور اپنا کام خود کرے اور اس بوتیک کو کافی اوپر تک لے جائے۔

اس نے فائلیں منگوا کر حساب کتاب چیک کیا تو اس کے سر سے ہی گزر گیا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس نے انٹر

کام پر ایک چائے کا کہا۔ وہ ٹی وی پر نظریں جمائے کام پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ آج بوتیک میں کافی رش تھا اور لوگوں آمد اس بات کا اشارہ تھی کہ لوگ خود اس بوتیک کے کپڑے پسند بھی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس بوتیک پر آنے کی دعوت دیتے ہیں۔

اچھے خاصے کسٹمرز نے ستارہ کا ڈھیروں خون بڑھا دیا تھا۔ اس نے کیشیئر والے ٹی وی پر نگاہ ڈالی تو کیشیئر دراز میں سے کسی کسٹمر کو بقایا رقم دے رہا تھا اور دراز میں اچھی خاصی رقم تھی اس کا مطلب تھا کہ سیل اچھی ہو رہی ہے۔ وہ دھیرے سے مسکرائی۔

چائے آنے پر وہ گرم گرم چائے کے گھونٹ بھرنے لگی تو ذہن میں یک دم جھماکے سے ہونے لگے۔ اس کو وہ منظر یاد آ گیا جب وہ اپنے پاپا سے ملنے ملز میں گئی تو پاپا کے آفس سے ایک لڑکا تیزی سے نکلا تھا جو اس سے ٹکرا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے فائلیں گر گئی تھیں۔ ''فائلیں! اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی اکاؤنٹینٹ تھا۔'' ستارہ نے خود ہی خود سے سوال کیا۔ ''ہینڈسم بھی ہے۔'' وہ بڑبڑائی اور پھر مسکرانے لگی۔

اس دن کا کام ختم ہوا تو اس نے اپنی نگرانی میں سب فلورز کو تالے لگوائے اور باہر آ کر دو الرٹ چوکیداروں کو آنکھیں کھلی رکھنے کی تلقین کر کے گاڑی میں بیٹھ کر گھر کی جانب روانہ ہو گئی۔



''یہ تو اچھا ہی ہوا کہ تم اس اکاؤنٹینٹ کی جگہ لینے میں کامیاب ہو گئے ہو۔'' سجن نے موسیٰ کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو وہ دونوں ہنسنے لگے۔ ''یار سجن! وہ بے ایمان تھا میں نے تو صرف سیٹھ صاحب کو نشان دہی کی تھی۔ لیکن وہ تو پہلے سے ہی میرا امتحان لینے پر تیار تھے۔'' موسیٰ نے ہنستے ہوئے کہا تو سجن بولا۔

''بس پھر کیا تھا تم اس امتحان میں کامیاب ہو گئے اور تنخواہ بھی بڑھ گئی۔'' دونوں ہی مسکرانے لگے۔ وہ اس وقت ملز میں ہی کینٹین پر موجود تھے اور شمع بی بی کے دیئے ہوئے پراٹھے کھانے میں مصروف تھے۔ ملز میں یہ لنچ ٹائم تھا اور دوسرے مزدور بھی اپنا اپنا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

''یار موسیٰ! یہ ماں جی کے ہاتھوں میں جو مزہ ہے وہ کہیں اور نہیں ہے۔'' سجن نے کہا تو موسیٰ اس کی طرف حیرانگی سے دیکھنے لگا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور بولا۔ ''میرا مطلب تھا کہ ماں جی کے ہاتھوں سے بنے ہوئے کھانے سے ہے۔''

''تم بھی ادھوری اور اُلٹی سیدھی باتیں کرتے ہی رہتے ہو۔'' موسیٰ نے کہا تو سجن رازداری سے بولا۔

''یار وہ اب شرجیل بھائی کی شادی کب ہو گی؟''

اس سوال پر موسیٰ اس کو شک بھری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیوں؟ خیریت تو ہے نا؟''

''ویسے ہی پوچھ رہا ہوں یار! زندگی بور بور لگنے لگی ہے۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ سجن کا اس دنیا میں تم لوگوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ شرجیل بھائی کی شادی پر اتنا ناچوں اتنا ناچوں کہ میرے پاؤں زخمی ہو جائیں۔''

موسیٰ ہنستا ہوا اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''ناچ لینا ناچ لینا تمہاری یہ خواہش بھی اگلے مہینے پوری ہونے والی ہے۔'' موسیٰ کی زبانی سن کر وہ ''ہرے'' کا نعرہ لگاتا ہوا بنچ پر کھڑا ہو کر ناچنے لگا تو باقی مزدور اس کی طرف

دیکھ کر تالیاں بجانے لگے وہ ہنس رہا تھا۔ موسیٰ نے اس کو قمیص سے پکڑ کر نیچے بٹھایا اور بولا۔

''ابھی اگلے مہینے اپنا شوق پورا کر لینا۔'' موسیٰ نے دو چائے کا آرڈر کر دیا اور پھر سجن سے مخاطب ہوا۔

''تم اپنے آپ کو اکیلے اکیلے کیوں کہتے رہتے ہو۔ یار تمہارا باپ بھی تو اسی شہر میں ہے۔ اس کو ڈھونڈو۔ اس سے بات چیت کرو۔ وہ تمہیں اپنے گھر لے جائے۔ تمہیں یہ چھوٹی موٹی نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

سجن یک دم خاموش ہو گیا اس کے چہرے سے ہنسی غائب ہو گئی وہ موسیٰ کی طرف دیکھ کر دکھ بھری نظریں چرا گیا تو موسیٰ نے اس کی ٹھوڑی سے پکڑ کر اس کا منہ اپنی جانب کیا تو تڑپ کر رہ گیا کیونکہ سجن کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

''سجن! یہ کیا یار! تم رو رہے ہو؟'' موسیٰ کو خود پر ہی افسوس ہونے لگا تھا کہ اس نے سجن کے باپ کا تذکرہ کیوں کیا؟ ''سوری یار! مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔''

''کوئی بات نہیں موسیٰ! مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ بس تقدیر لکھنے والے سے ناراض ہوں۔'' سجن ایک آہ بھر کر بولا تو اتنی دیر میں چائے آ گئی۔ موسیٰ نے ایک کپ اس کے سامنے رکھا اور بولا۔

''اس کاتب تقدیر سے ناراض نہیں ہوتے۔ وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور دلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔'' سجن نے اثبات میں سر ہلایا اور چائے کا کپ ہونٹوں کو لگاتا ہوا بولا۔

''بس تو پھر وہ خوب جانتا ہے کہ میں دل سے اس سے ناراض ہو ہی نہیں ہو سکتا۔'' اس نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا اور موسیٰ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''میں نے ایک ہفتہ پہلے ہی اپنے باپ کو دیکھا ہے موسیٰ۔'' یہ انکشاف سن کر موسیٰ اس کی طرف منہ کھولے دیکھنے لگا۔

''دیکھا ہے؟ مطلب کہ تمہیں پتہ ہے کہ وہ کس جگہ ہوتے ہیں اور کیا بزنس کرتے ہیں؟ اور کیا انہوں نے بھی تمہیں دیکھا اور کیا باتیں ہوئیں ان سے؟'' موسیٰ نے پُرجوش ہو کر سجن سے کئی سوال کر دیئے تو وہ ایک اور چسکی چائے کی بھرتا ہوا کہنے لگا۔

''وہ اسی شہر میں ہیں۔ میں نے بتایا تھا نا کہ انہوں نے اپنے باس کی بیٹی سے شادی کر لی اور ان کا تمام بزنس سنبھال لیا ہے۔'' موسیٰ نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ پھر بولا۔ ''میں نے ان کو سلام کرنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو انہوں نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ بھلا کیوں موسیٰ؟'' یہ الفاظ کہتے ہی سجن کی آنکھوں میں پھر نمی تیرنے لگی۔ حالانکہ وہ ہر وقت خوش رہنے کی کوشش کرتا تھا اور اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی خوش رکھتا تھا۔ ''موسیٰ! امیر آدمی اور مزدور کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا یار!'' آنسو نکل کر چائے کے کپ میں گر گئے۔

موسیٰ کو افسوس ہونے لگا تھا کہ اس نے سجن کو رُلا دیا ہے لیکن اب وہ چاہتا تھا کہ سجن بھی اپنا دل کھول لے اور جو بھی بات اس کے دل میں اپنے باپ کے لیے ہے وہ نکال لے تاکہ بار بار وہ اس کی باتیں سن کر اُداس اور غمگین نہ ہوا کرے۔

''کیا ان کو معلوم ہے کہ تم کسی مل میں مزدوری کرتے ہو؟''

''نہیں موسیٰ! اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ میں یہاں مزدوری کرتا ہوں تو وہ مجھے یہاں سے نکلوا دیں گے۔''

سجن نے کہا تو موسیٰ حیرت سے بولا۔ ''مگر کیوں نکلوا دیں گے یار!'' دونوں کی چائے ختم ہو چکی تھی۔ سجن اس کو اُٹھا کر کینٹین سے باہر لے آیا تو موسیٰ بولا۔ ''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا سجن۔''

''کون سی بات؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بنتا ہوا بولا۔

''تمہارا باپ تمہیں نوکری سے کیوں نکلوا دے گا اور پھر اس مل سے وہ تمہیں کیونکر نکلوا سکتا ہے؟'' اس سے پہلے کہ سجن کوئی جواب دیتا سامنے سے ہی وہاب میر آتے ہوئے نظر آئے تو سجن کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی موسیٰ اس کی کیفیت پر حیران ہو رہا تھا۔ اتنی دیر میں وہاب میر ان کے قریب پہنچ گئے تھے وہ پہلے موسیٰ اور پھر سجن کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ''تم...... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' یہ فقرہ اور الفاظ موسیٰ کے لیے حیران کن تھے لیکن سجن خاموش رہا تو موسیٰ کو ہی بولنا پڑا۔

''سر! یہ اس مل کا ورکر سجن ہے اور کافی عرصہ سے اس مل میں کام کر رہا ہے۔'' سیٹھ وہاب میر اس انکشاف کو سن کر سجن سے مخاطب ہوئے۔ ''تم میرے آفس میں آؤ۔'' یہ کہہ کر وہ چلے گئے تو سجن نے موسیٰ کی طرف روئی ہوئی آنکھوں سے دیکھا تو موسیٰ بولا۔

''کیا سیٹھ صاحب تمہیں جانتے ہیں سجن!''

سجن کے ہونٹ لرزنے لگے تھے وہ موسیٰ سے نظریں چراتا ہوا بولا۔

''ہاں...... کیونکہ یہ میرے ابو ہیں۔ اور میں ان کا بیٹا ہوں موسیٰ۔''

موسیٰ کے سر پر بم پھٹ پڑا تھا وہ کبھی سجن کو اور کبھی اس راستے کو دیکھنے لگا جو اس مل کے مالک سیٹھ وہاب میر کے آفس کی طرف جاتا تھا۔ ''سیٹھ وہاب میر! تمہارے ابو ہیں؟'' موسیٰ کی آواز میں حیرت نمایاں تھی۔

''تمہیں بہت شوق تھا نا میرے باپ سے ملنے کا لو مل لو۔ جی بھر کے۔''

سجن نے روئی ہوئی آواز میں کہا تو موسیٰ اپنا سر پکڑ کر رہ گیا اور سجن اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر اپنے باپ کے آفس کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

سجن کو اس مل میں کام کرتے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تھا۔ اس نے حتیٰ الوسع یہی کوشش کی تھی کہ اس کا کبھی بھی وہاب میر سے سامنا نہ ہو اور وہ اس کوشش میں کامیاب بھی رہا تھا لیکن آج اس کی تقدیر ماڑی تھی یا پھر اس کی تقدیر سنورنے والی تھی کہ اس کا پہلی بار ہی اپنے باپ سے سامنا ہوا تو موسیٰ بھی اس کے ساتھ تھا۔ جبکہ سجن کو علم تھا کہ یہ مل اس کے باپ کی ہے۔ اس کو بے روز گاری کے دنوں میں کوئی کام نہ ملا تو اس مل میں کسی جاننے والے نے اپنے یونٹ کے سپروائزر سے بات کر کے اس کو ملازمت دلوا دی تھی اس نے اپنی ملازمت کے چوتھے دن ہی اپنے باپ کو دیکھ لیا تھا اس کو کاری گروں کی زبانی علم ہو گیا تھا کہ اس کا باپ ہی اس مل کا مالک ہے تو اسی دن سے اس نے حتیٰ الامکان کوشش کی تھی کہ وہ وہاب میر کا سامنا نہ کرے۔

لیکن آج وہ پہلی بار اپنے باپ کی مل کے آفس میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کیونکہ اس کے قدموں تلے دبیز قالین تھا۔ کھڑکیوں پر قیمتی پردے اور کمرے کے وسط میں بڑی سی شیشے کی میز اور میز کے دوسری طرف رکھی گئی ریوالونگ چیئر پر اس کا باپ یا اس کا مالک براجمان تھا۔ سجن نے ہر ایک چیز کو

ت سے دیکھا تھا وہ دروازہ کھول کر کمرے کے وسط میں پہنچ گیا تھا۔

''کب سے نوکری کر رہے ہو؟'' وہاب میر کی گونجدار آواز کمرے میں گونجی تو سجن جواب دینے کی بجائے چلتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ بات وہاب میر کو یقیناً بُری لگی تھی لیکن وہ کچھ بھی کہنے کی بجائے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

''گزشتہ تین سال سے۔'' سجن نے مختصر جواب دیا تو وہاب میر کی بھنویں سکڑ گئیں۔

''اور تین سالوں میں تم نے مجھ سے ملنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی۔''

سجن ہولے سے مسکرایا اور بولا۔ ''مجھے پتہ چلا تھا کہ آپ اپنے ورکروں اور مزدوروں سے نہیں ملتے۔ کیونکہ آپ کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔'' یہ بہت بڑا طنز تھا جو وہاب میر کا سینہ چیر گیا تھا۔

''تمہیں نوکری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟'' وہاب میر کا لہجہ کچھ تلخ تھا۔ ''تم تو کہتے تھے کہ نواب بنو گے۔'' سجن قہقہہ لگا کر ہنسا اور شیشے کے میز پر پڑا ہوا شیشے کا ہی پیپر ویٹ گھماتا ہوا بولا۔

''کیا آپ کو نہیں لگتا کہ میں نواب بن گیا ہوں۔'' یہ کیسا جواب تھا جو وہاب میر کو اور بھی گرما گیا تھا۔

''مجھے بیوقوف لوگ اور گھٹیا باتیں پسند نہیں ہیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو سالار!'' سجن کو بہت عرصہ بعد باپ کے منہ سے اپنا سیدھا نام سن کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

''حلال روزی کمانے والے سے بڑا کوئی نواب نہیں ہوتا سیٹھ صاحب!'' یہ طنز نہ تھا بلکہ کیچڑ تھا جو براہِ راست وہاب میر کی ذات پر اچھالا گیا تھا۔ وہ تڑپ کر رہ گئے تو سجن پھر بولا۔ ''میں نواب ہی ہوں کیونکہ میں بیوی کا ملازم نہیں ہوں۔''

''سالار!'' وہاب میر غصے سے گرجے۔ ''میری شرافت اور خاموشی کو میری کمزوری نہ سمجھو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیا ہوں اور تم کیا ہو؟''

''ابھی جا کر باہر سب کو بتا دوں گا کہ آپ میرے باپ ہیں اور میں آپ کی پہلی بیوی کا بیٹا ہوں۔'' سجن بم پر بم وہاب میر کے سر پر پھوڑ رہا تھا اور یہ بم تو ان کے ذہن کی دھجیاں اُڑاتا ہوا ان کے دل و دماغ کو مفلوج کر گیا تھا۔ وہ ہونق بن کر سجن کی طرف دیکھنے لگے تو وہ اپنی کرسی سے پُرسکون انداز میں اُٹھا اور پھر بولا۔ ''صرف آج کی رات بارہ سالہ بچہ بن کر اپنے مرے ہوئے ماں باپ کو یاد کرنا اور سوچنا کہ ٹھٹھرتی ہوئی سرد اور کہر بھری اندھیری رات میں آپ کمرے میں اکیلے ہیں اور یہ بھی فرض کرنا سیٹھ صاحب کہ اگر بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک بھی تنہائی اور محتاجی ساتھ دے تو بارہ سالہ بچے کی حالت کیا ہوتی ہے؟''

سجن کی آواز بھرا گئی تو وہ اپنے لہجے پر قابو پاتا ہوا پھر کہنے لگا۔

''سخت بخار میں اور بیماری کی حالت میں جب مجھے میری ماں چھوڑ گئی تھی تو مجھے آپ کی ضرورت تھی ابو جی!''

اس نے وہاب میر کو پہلی بار ابو جی کہا تو انہوں نے ایک لمبی سانس بھرتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

''تب آپ کسی حسینہ کی زلفوں تلے اپنی راتوں کو رنگین کرنے میں مشغول تھے۔'' یہ ایک اور بم تھا جس نے وہاب میر کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''بلیک میل کر رہے ہو؟'' وہاب میر کا لہجہ گو کہ تلخ تھا لیکن الفاظ بتا رہے تھے کہ وہ پسپائی اختیار کرنے والے

نہیں ہیں۔ ''سیٹھ وہاب میر کو بلیک میل کر رہے ہو۔ تم اپنی حیثیت پہچانتے ہو نا؟''

''میں کسی سے بھی اپنا مقابلہ کیے بغیر اپنی زندگی بسر کرتا ہوں تبھی تو میری زندگی میں اطمینان ہے۔'' سجن کا لہجہ ہنوز پُرسکون تھا وہ مسکراتا ہوا باہر کی جانب بڑھنے لگا تو وہاب میر کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

''اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' وہ یہ الفاظ سن کر رُک گیا تھا۔ وہ اپنے پاؤں پر آہستگی سے ایڑیوں کے بل گھوما اور ان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''جو میں مانگوں گا وہ نہیں دے سکیں گے آپ۔''

اس کے لہجے کا یقین اور الفاظ کا چناؤ وہاب میر کو ایک چیلنج لگا تھا لیکن پھر بھی وہ بولے۔

''میں تمہیں دنیا کی ہر وہ چیز دلا سکتا ہوں جس پر تم ہاتھ رکھو گے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے آپ مجھے میرا باپ دلا دیں سیٹھ صاحب!'' سجن ان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تھا لیکن فقرہ سن کر وہاب میر کی نظریں جھک گئیں تو سجن ایک طویل سانس لیتا ہوا بولا۔ ''مظلوم کا صبر سب سے بڑی بہادری ہے۔ اور میں اب بھی صبر کروں گا اور آپ کا اُسی گھر میں انتظار کرتا رہوں گا۔''

یہ کہہ کر سجن، وہاب میر کے آفس سے باہر نکل آیا تو موسیٰ اس کا منتظر تھا وہ اس کی جانب لپکا تو سجن اس کے گلے لگ کر رونے لگا لیکن موسیٰ اس کی پشت سہلاتا ہوا بولا۔

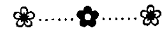
''چلو گھر چلتے ہیں۔''

''موسیٰ! ہم یہ بات ماں جی کو نہیں بتائیں گے۔ تم وعدہ کرو مجھ سے۔ کبھی بھی ہم ماں جی کو اس بات کا علم نہیں ہونے دیں گے کہ ہم جس ملز میں ملازم ہیں وہ میرے باپ کی ملکیت ہے۔''

سجن گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔ ''لیکن اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔'' موسیٰ نے کہا تو سجن اس سے الگ ہوتا ہوا بولا۔ ''نہیں موسیٰ! میں نے بہت کوشش اور محنت سے ماں جی کا پیار پایا ہے۔ وہ مجھے بالکل تمہاری طرح پیار کرتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے ایک ملز مالک کا بیٹا سمجھ کر مجھ سے زیادہ پیار کریں۔''

''آخر کب تک ہم اس بات کو چھپائیں گے؟'' موسیٰ اس کو لے کر ملز کے بیرونی گیٹ کی جانب بڑھتا ہوا بولا تو سجن نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔

''تم مجھ سے وعدہ کرو کہ جب تک ابو جی میرے گھر خود چل کر نہیں آتے تم ماں جی کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گے۔'' موسیٰ نے کچھ سوچ کر لمبی سانس خارج کی اور اس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ماں جی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔'' سجن مسکرانے لگا اور موسیٰ کو وہاب میر کے ساتھ ہونے والی گفتگو سنانے لگا۔



گھر بھر میں خوشیاں ہی خوشیاں رقصاں تھیں گھر کو عارضی قمقموں اور روشنیوں سے سجا دیا تھا۔ گرو نے ڈھولک بجانا شروع کی تو نیناں نے مہمانوں کی تالیوں پر ناچنا شروع کر دیا تھا۔ چاندنی بھی مہمانوں میں شریک تھی وہ اپنے بابا جان کو اس طرح ناچتے دیکھ کر خوش اور حیران بھی ہو رہی تھی۔

موسیٰ گھر کے ایک کونے میں کھڑا خوش ہو رہا تھا جبکہ شمع بی بی بھی مہمانوں کی خدمت میں لگی ہوئی تھیں۔ آج شرجیل کی مہندی کی رسم تھی۔ ناچ گانا ہو رہا تھا کہ چاندنی نے پہلی بار موسیٰ کو آنکھ بھر کر دیکھا تھا۔ وہ موسیٰ کی پرسنالٹی

پر قربان ہو گئی تھی۔ وہ واقعی ایک خوبرو نوجوان تھا لیکن چاندنی نے اس کو اس نظر سے نہ دیکھا تھا کہ اس کو زندگی بھر کے لیے اپنا ساتھی بنایا جاتا۔ پھر بھی وہ موسیٰ کی دلکش شخصیت پر فریفتہ ہوئے بنا نہ رہ سکی تھی۔

سجن گھر کے اندر داخل ہوا تو اس کی نظریں چاندنی سے دو چار ہو گئیں۔ سجن کی تو حالت غیر ہونے لگی تھی کیونکہ چاندنی کی جھیل جیسی آنکھوں میں وہ ڈوب گیا تھا اور چاندنی نے بھی اس کو جی بھر کے دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔

''موسیٰ! یہ کون ہے یار؟'' سجن نے چاندنی کی طرف اشارہ کیا تو عین اسی لمحہ چاندنی نے اس کی طرف دیکھا تو وہ کھسیانا سا ہو گیا۔ ''یہ چاندنی ہے۔''

موسیٰ کا جواب سن کر سجن اس کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔ ''میں نے اس کا نام پوچھا ہے۔ صفت نہیں۔'' موسیٰ اس کی بات سن کر ہنستے ہوئے بولا۔ ''یہی تو اس کی خوبی ہے کہ وہ نام کی ہی چاندنی نہیں ہے۔'' سجن اس کو کہنی مارتا ہوا چھیڑنے والے انداز میں بولا۔ ''کیا بات ہے؟ کیا ارادے ہیں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے سجن! وہ ہمارے ہمسایوں میں رہتی ہے اور ان ہیجڑوں کی بیٹی ہے لیکن اس کی صفت یہ ہے کہ کالج جانا اور آنا۔ بس اس کے بعد وہ کبھی بھی گھر سے باہر نہیں نکلی۔''

''ہیجڑوں کی بیٹی؟'' سجن موسیٰ کی بات سن کر حیران اور پریشان ہو گیا تھا۔ کیونکہ بات اس کے حلق سے نہ اُتری تھی۔ موسیٰ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہ جو نیناں ناچ رہا ہے نا؟ یہ اسی کی بیٹی ہے۔''

''عجیب سی منطق ہے تقدیر کی ہیجڑوں کی بیٹی؟'' سجن نے ایک بار پھر چاندنی کی طرف دیکھا تو وہ گانا گانے میں محو تھی اور اس کی ہنسی اور اس کے چہرے پر گری ہوئی بالوں کی لٹ سجن کا دل ہی چھین کر لے گئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ چاندنی کو دیکھتا ہی رہے۔

''واپس آ جاؤ بیٹا!'' موسیٰ کی آواز سن کر وہ کھسیانا سا ہو کر بولا۔

''پیاری ہے نا؟'' موسیٰ نے اس کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تو وہ اس کی پسلی میں ہلکا سا گھونسا مار کر بولا۔

''مجھے تو بہت اچھی لگی ہے۔'' موسیٰ بھی مسکرانے لگا۔

شرجیل کو لا کر ایک رنگیلے پیڑھے پر بٹھایا گیا اور اس کے ہاتھوں پر مہندی لگانے لگے۔ باری باری سب مہمان اس کے ہاتھ پر مہندی لگاتے اور سر پر ہلکا سا تیل لگا کر اس کے منہ کو مٹھائی لگاتے تھے۔ سجن نے تو پورا رس گلا ہی اس کے منہ میں ٹھونس دیا تھا۔ سبھی ہنسنے لگے تھے۔ مہمانوں کی ہنسی اور شور میں سجن چاندنی سے ٹکرا گیا تو آنکھیں بھی چار ہونے کے ساتھ ساتھ دل بھی دھڑکنے لگے۔ ''سوری!'' سجن نے کہا تو چاندنی نظریں چراتی ہوئی بولی۔

''اِٹس او کے!'' وہ سجن سے دور ہو کر بیٹھ گئی لیکن سجن کی بے ترتیب دھڑکنیں اس کو بار بار چاندنی کے دیدار کے لیے آنکھوں کو مجبور کر رہی تھیں۔

شرجیل کے بعد ان سب نے مناہل کو مہندی لگانے جانا تھا۔ پورے کے پورے مہمان جب شکیل احمد کے گھر پہنچے تو ان کے گھر کی رونق دوبالا ہو گئی۔ تحریم نے شمع بی بی کو سلام کیا تو فائزہ نے آگے بڑھ کر بڑی بہن کو گلے لگایا تو شمع بی بی نے شکیل احمد کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تو وہ بھی مسکرانے لگا۔

ڈھولک کی تھاپ پر گیت گائے گئے اور مناہل کو مہندی لگانے کی باری آئی تو اس کی آنکھوں میں جھلمل کرتے

آنسوؤں نے فائزہ اور شکیل احمد کو بھی غمگین کر دیا تھا۔ تحریم نے آگے بڑھ کر فائزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فائزہ کی آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو اپنی انگلی کی پور سے صاف کیا۔

شمع بی بی نے مناہل کی پیشانی پر بوسہ دیا تو موسیٰ آگے بڑھ کر مناہل کو چھیڑنے والے انداز میں بولا۔

''جھوٹ موٹ رو رہی ہو نا بھابی!'' موسیٰ کے انداز پر مناہل ہنسنے کی کوشش میں اور بھی رونے لگی تو تحریم نے موسیٰ کو ڈانٹ دیا۔ ''شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔''

''اب ذرا دھیان سے رہنا تم بھی۔ کیونکہ اب مناہل بھابی ہماری ہیں سمجھیں تم؟'' موسیٰ نے بھی تحریم کو ڈانٹ دیا تو سبھی مہمان ہنسنے لگے۔

مناہل کو بھی باری باری مہندی لگائی گئی اور نیناں نے ناچ ناچ کر سب کے دل موہ لیے تھے۔ چاندنی بھی اس شادی میں خوب انجوائے کر رہی تھی اور وہ سجن کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی اور شاید چاندنی اس کے احساسات سے بے نیاز تھی یا پھر سجن کو یوں لگ رہا تھا کہ وہ اس کو تڑپا رہی ہے۔

اگلے دن شرجیل کی بارات شکیل احمد کے در پر پہنچی تو انہوں نے مہمانوں کا دل کھول کر استقبال کیا اور بارات والوں کی اچھے اور لذیذ کھانوں سے تواضع کی۔ دودھ پلائی کی رسم پر خوب ہلا گلا ہوا تھا۔ تحریم نے کافی بحث کے بعد دس ہزار روپے قبول کیے تھے۔

مناہل کی رخصتی کے وقت شکیل احمد اور فائزہ نے روئی ہوئی آنکھوں اور سسکیوں کے ساتھ مناہل کو رخصت کیا تو تحریم نے بھی مناہل کو گلے لگا کر پیار کیا اور بولی۔ ''آپی! میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔ پلیز!'' مناہل کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ اس نے تحریم کا ہاتھ دبا کر اس کو حوصلہ دیا۔

گاڑی مناہل کو لے کر رخصت ہوئی تو شمع بی بی نے فائزہ اور شکیل احمد سے باری باری سلام لیا اور موسیٰ کے ساتھ گھر کی جانب روانہ ہو گئیں۔



عبید رضا نے دور سے آتی ہوئی چاندنی کو دیکھا اور کینٹین کی کرسی کو سیدھا کرتا ہوا اس پر اس انداز میں بیٹھا کہ اس کی ایک ٹانگ دائیں اور ایک بائیں طرف تھی اس نے کرسی کی ٹیک پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر ٹکٹکی باندھ کر چاندنی کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ سفید فراک اور چوڑی دار پاجامہ میں واقعی چاندنی لگ رہی تھی۔ لیکن عبید رضا آج اس کا حُسن دیکھ کر اپنے خیالات اور جذبات کے مطابق اس کا نام تبدیل کرنا چاہتا تھا لیکن اس کو ایسا کچھ بھی سجھائی نہ دے رہا تھا کہ وہ آج چاندنی کا کون سا نام رکھے۔

چاندنی کی طرح دوسری لڑکیاں بھی آج یونیفارم کی قید سے آزاد تھیں کیونکہ سالانہ فن فیئر اور فیسٹیول کے انعقاد نے سال بھر کی تھکن اُتارنے کے لیے تمام سٹوڈنٹس کے دل بہلانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔

چاندنی نے بھی دیکھ لیا تھا کہ عبید رضا اس کو آنکھ جھپکے بغیر ہی دیکھے جا رہا ہے۔ وہ نظریں جھکاتی ہوئی اس کے پاس پہنچی اور بولی۔ ''کیا آپ نے عبید رضا کو دیکھا ہے کہیں؟''

یہ انوکھا سوال سن کر وہ چونکتا ہوا اس کی طرف دیکھنے لگا اور مسکراتا ہوا بولا۔ ''بندہ آپ کے سامنے حاضر

ہے۔''

''لیکن تم تو کھوئے کھوئے لگ رہے ہو۔'' چاندنی مسکراتی ہوئی بولی تو اس نے چاندنی کو کرسی پیش کی اور بولا۔

''پلیز۔'' چاندنی ''تھینک یو'' کہتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''چاندنی! انسان کے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ وہ محفل میں ہونے کے باوجود بھی خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے؟'' عبید رضا نے اس سے سوال پوچھا تو چاندنی نے اپنے اردگرد لڑکوں اور لڑکیوں کو خوش گپیوں میں مصروف دیکھا تو اس کو خود پر فخر ہونے لگا تھا کہ نیناں اور گرو نے نامساعد حالات کے باوجود بھی اس کو بہترین کالج میں داخل کروایا تھا اور اس کو اچھے سے اچھا لباس پہننے کے لیے خرید کر دیا تھا اور اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھا تھا۔ وہ عبید رضا کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''یہ تو کوئی لاعلاج بیماری کی علامات ہوتی ہیں۔'' عبید رضا اس کی بات سن کر قہقہہ لگا کر ہنسا اور اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ مجھے اب آرام نہیں آ سکتا؟''

''اونہوں!'' چاندنی نے نفی میں سر ہلایا تو وہ اس کی ادا پر قربان ہوتا ہوا کہنے لگا۔

''لیکن مجھے معلوم ہے کہ میری دوا کون سی ہے؟''

''تو پھر کھاتے کیوں نہیں؟'' چاندنی نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اس کو گھائل کیا تو وہ دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتا ہوا بولا۔ ''اگر تم سے پوچھوں تو پرہیز تو نہیں بتا دوگی؟'' اس بات نے چاندنی کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا لیکن وہ الفاظ کو ذو معنی پیرہن میں لپٹا ہوا محسوس کر کے کچھ بھی نہ سمجھتی ہوئی بولی۔ ''میں کوئی ڈاکٹر تھوڑی ہوں۔''

''میری بیماری کا علاج صرف تمہارے پاس ہے چاندنی!'' عبید رضا یک دم سنجیدہ ہوتا ہوا بولا تو چاندنی کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ عبید رضا کی آنکھوں میں دیکھنا چاہتی تھی لیکن چاہتے ہوئے بھی نہ دیکھ پائی اور نگاہیں چراتی ہوئی بولی۔

''میرا خیال ہے کہ سٹالز پر چلتے ہیں۔'' چاندنی نے بات بدلنا چاہی تو عبید رضا ہولے سے بولا۔

''اس بیماری کی دوائی عام سٹالز پر دستیاب نہیں ہوتی چاندنی۔'' پھر بھی وہ اُٹھتا ہوا بولا۔ ''تم کہتی ہو تو چلے جاتے ہیں۔'' اس نے کارنش بجا کر چاندنی سے کہا تو وہ موتیوں جیسے دانت دکھاتی ہوئی جھرنوں جیسی ہنسی سے عبید رضا کے دل کو مزید گھائل کرتی ہوئی اُٹھ کر اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی تو عبید رضا کو بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ عبید رضا گنگنانے لگا تھا۔

چھو لیتے کبھی تیرے نازک سے گالوں کو
اے کاش کہ ہم بھی تیری زُلف ہوتے؟

چاندنی نے اپنے ماتھے پر آنے والی بالوں کی آوارہ لٹ کو انگلی کی پور سے ہٹایا اور اک خاص ادا سے عبید رضا کو دیکھنے لگی۔

چاندنی نے ایک سٹال سے کچھ کتب خریدیں اور ایک کھانے کے سٹال سے گول گپے کھائے۔ عبید رضا نے اس کو گول گپے کھاتے دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیا تھا۔ وہ شرمندہ نہ ہوئی بلکہ کھٹے کی پیالی بھی پی گئی۔ وہ دونوں کافی دیر تک

سٹالز پر گھومتے رہے۔ دوسرے سٹوڈنٹس بھی دوستوں اور سہیلیوں کے ساتھ اس فیسٹیول کو انجوائے کر رہے تھے۔ شام کا الارم بجانے کے لیے سورج نے مغرب کی جانب جھکنا شروع کیا تو چاندنی نے اپنے موبائل پر ٹائم دیکھا اور عبید رضا کی طرف دیکھ کر بولی۔

''اب مجھے چلنا چاہیے عبید!''

''ایک بات پوچھوں؟'' عبید رضا نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس سے ہی سوال کیا تو وہ مسکان ہونٹوں پر سجاتی ہوئی بولی۔ ''صرف ایک سوال؟'' یہ چاندنی کے دل کی وہ کیفیت تھی جس کو عبید رضا نے محسوس کر لیا تھا۔ چاندنی کو بھی لگتا تھا کہ عبید رضا اس سے باتیں کرتا رہے۔

''اگر ایک سوال کا جواب درست دو گی تو پھر میں سمجھوں گا کہ تم ذہین ہو۔'' عبید رضا نے بات آگے بڑھائی تو وہ دونوں چلتے چلتے عبید رضا کی گاڑی کے پاس آ گئے۔

''پوچھو! تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں کتنی ذہین ہوں۔'' چاندنی نے کتابیں اپنے سینے سے لگائیں تو نہ جانے کیوں عبید رضا نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''لیکن یاد رکھو اگر تم جواب نہ دے پائی تو تمہیں میرے ساتھ ابھی کھانے پر چلنا ہوگا۔''

''ارے یہ تو چیٹنگ ہے...... یہ کیسی شرط ہے؟'' چاندنی حیران ہوتی ہوئی بولی۔ تو وہ ہنستا ہوا کہنے لگا۔

''تو پھر اپنی شکست تسلیم کر کے میرے ساتھ اس گاڑی میں بیٹھو اور کہیں کھانا کھانے چلتے ہیں۔''

چاندنی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''چلو ٹھیک ہے۔ میں کوشش کروں گی۔'' عبید رضا اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ''جب تم کالج گیٹ سے انٹر ہوئی تو تمہیں دیکھ کر میرے ذہن میں فوراً ایک خیال آیا کہ تمہارا نام چاندنی نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' عبید رضا نے اس کی تعریف کی تھی وہ خوشگوار حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''تو پھر تمہارے خیال میں کیا نام ہونا چاہیے تھا؟'' چاندنی نے شرم سے نظریں جھکائیں۔

''بس یہ کنفیوژن تم نے حل کرنی ہے۔ اگر تمہارا نام چاندنی نہ ہوتا تو آج......'' عبید رضا اس کے سراپا کو بغور دیکھنے لگا تو چاندنی کے من مندر میں جلترنگ سا بجنے لگا۔ اس نے نظریں اُٹھا کر پوچھا۔ ''کیا آج......؟'' عبید رضا چونکتا ہوا بولا۔

''تو آج قدرت تمہیں نام دے تو کیا دے؟''

''یہی سوال ہے کیا؟'' چاندنی کی دھڑکنیں سنورنا اور بگڑنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس نے نظریں اُٹھا کر عبید رضا کی طرف دیکھ کر پوچھا تو وہ کندھے اُچکاتا ہوا اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''تمہارے لیے صرف یہی بات ہے۔ لیکن سچ پوچھو چاندنی! میں بہت کنفیوژ ہو رہا ہوں۔''

''مجھے کیا پتہ...... یہ تو تقدیر والے کو علم ہوگا۔'' چاندنی اس کی حالت سے محظوظ ہونے لگی تھی۔

''تو پھر میرے ساتھ اپنی شکست تسلیم کر لو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر چاندنی کو اس میں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو کر دیکھنے لگی تو وہ بولا۔

''تم نے وعدہ کیا ہے یا پھر اپنا وہ نام بتا دو چاندنی! جو تمہیں ان سب پھولوں اور کلیوں سے آج جدا اور منفرد کر

رہا ہے۔'' چاندنی اس کی آنکھوں کی گھائل ہو کر خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی اور اس نے پُرسکون انداز میں اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

عبید رضا نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر بیک مرر میں چاندنی کو دیکھا اور بولا۔

''تھینک یو چاندنی!'' یہ کہہ کر اس نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور کالج سے باہر مین روڈ پر لے آیا۔ چاندنی نے اپنی آنکھیں کھول کر عبید رضا کی پُرکشش شخصیت کا جائزہ لیا اور پھر اس نے قیمتی گاڑی کو دیکھا جو کہ لاکھوں روپوں کی تھی اور چاندنی زندگی میں پہلی بار اتنی قیمتی گاڑی میں بیٹھی تھی۔

وہ شیشے کے پار سڑکوں کو دیکھنے لگی تھی۔ اس نے کبھی بھی یہ نہ سوچا تھا کہ وہ عبید رضا کے اتنے قریب بھی ہو جائے گی کہ وہ اس کی دھڑکنوں کو بآسانی سن اور سمجھ بھی لے گا۔ وہ اس وقت اپنے کلاس فیلو عبید رضا کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے ایک بہترین ہوٹل کے پارکنگ میں گاڑی سے اُتری تو اس کو چنبیلی اور الائچی نے دیکھ لیا۔ لیکن چاندنی ان کو نہ دیکھ سکی تھی وہ عبید رضا کے ساتھ مسکراتی ہوئی ہوٹل کے اندر چلی گئی اور چنبیلی الائچی کی طرف دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں بولی۔ ''یہ کیا ہے؟''



شرجیل حسبِ معمول ناشتہ کرنے کے لیے آیا تو ناشتے پر مناہل اس کی منتظر تھی اور آج چائے رس کے ساتھ ساتھ اس کو ڈبل روٹی اور انڈے بھی نظر آ رہے تھے۔ وہ اس سلوک پر حیران بھی تھا اور خوش بھی تھا کیونکہ اس کو آج کہنا نہ پڑا تھا کہ شرجیل صاحب جاگ گئے ہیں ناشتہ دے دو۔

اس نے مناہل کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر رہ گئی۔ اس نے ایک پلاسٹک کی کرسی شرجیل کے لیے رکھی اور اس پر بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ ''آپ بیٹھیں۔ میں چائے بنا دیتی ہوں۔''

وہ اُٹھ کر جانے لگی تو شرجیل اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''تم نے...... میرا مطلب ہے کہ...... آپ نے ناشتہ کر لیا ہے؟'' مناہل اس کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''آپ کے بغیر کیسے کر سکتی ہوں؟'' اس نے شرجیل کو چونک کر مناہل کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''میرا مطلب تھا کہ ماں جی نظر نہیں آ رہیں۔'' شرجیل کافی کنفیوژ ہو گیا تھا اس نے شمع بی بی کو ہمیشہ ہی والدہ کہہ کر پکارا تھا لیکن آج اور ابھی وہ ان کو ماں جی کہہ گیا اور مناہل کے جواب میں اس کو اور کچھ نہ سوجھا تھا وہ شمع بی بی کا ہی پوچھ بیٹھا۔

''بھابی...... ایک کپ میرے لیے بھی۔'' یہ موسیٰ کی آواز تھی وہ بھی ملز جانے کے لیے تیار ہو کر باہر نکلا تھا اور اس نے مناہل کو آواز دی تو کچن سے شمع بی بی بولیں۔ ''تم سب سکون سے بیٹھو۔ میں چائے بنا چکی ہوں۔''

مناہل مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''کیوں شرجیل بھائی! کیا آپ نے کوئی تبدیلی محسوس کی ہے زندگی میں؟''

شرجیل اس کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھنے لگا تو موسیٰ مسکراتا ہوا بولا۔ ''کیوں اچھی نہیں ہیں؟''

''تیرا دماغ تو خراب نہیں ہے۔'' شرجیل ذرا اونچی آواز میں بولا لیکن پھر مناہل کا احساس کرتا ہوا ذرا دھیمے لہجے میں بولا۔ ''ابھی کچھ ہی تو دن ہوئے ہیں۔ ہولے ہولے سمجھ آ جائے گی۔''

''کس کو...... بھابی کو یا...... آپ کو؟'' موسیٰ اس کو پھر چھیڑتا ہوا بولا تو وہ اس کو گھوری ڈالتا ہوا بولا۔

''ذرا تمیز سے بات کیا کر میں تیرا بڑا بھائی ہوں۔'' شرجیل کو اور کچھ نہ سوجھا تو وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ باہر والے دروازے پر دستک ہوئی تو شرجیل بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

''لو آ گیا وہ...... کلینا...... نیش!'' موسیٰ قہقہہ لگا کر ہنسا اور کچن کی جانب منہ کر کے ذرا اونچی آواز میں بولا۔

''ماں جی آپ کا تیسرا بیٹا بھی آ گیا ہے۔ دودھ میں پانی اور ڈال لیں۔'' موسیٰ کی بات سن کر سجن مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا اور شرجیل کو حیرت ہوئی کیونکہ آج اس کے ہاتھ میں تازہ پھولوں کا گلدستہ تھا۔

''السلام علیکم!'' سجن نے کہا اور موسیٰ سے ہاتھ ملانے کے بعد شرجیل سے بھی ہاتھ ملایا تو وہ پھولوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ کیا ہے اوئے؟'' سجن نے اس کی بات سن کر حیران ہونے کی اداکاری کر کے گلدستے کی طرف دیکھا اور بولا۔

''پھول ہیں شرجیل بھائی! اور کیا ہے؟''

''اوئے میں اندھا نہیں ہوں۔ مجھے بھی پتہ ہے کہ پھول ہیں۔ پر کیوں اُٹھائے ہوئے گھوم رہے ہو؟'' شرجیل کا دماغ گرم ہونے لگا تھا۔ سجن حسبِ عادت مسکراتا ہوا بولا۔

''یہ میں...... اپنی بھابی کے لیے لایا ہوں۔'' سجن نے کہا تو اتنی دیر میں مناہل اور شمع بی بی کچن سے باہر آئیں تو مناہل کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھی جس میں چائے کے کپ بھرے ہوئے تھے۔ اس نے مسکرا کر سجن کی طرف دیکھا تو سجن نے اس کو سلام کیا اور مسکراتے ہوئے گلدستہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''بھابی یہ میری طرف سے آپ کے لیے۔''

مناہل نے ٹرے میز پر رکھ کر گلدستہ سجن کے ہاتھوں سے لے لیا۔ ''شکریہ بھائی!''

''بھائی ہی کہہ دیا ہے تو آج سے میں آپ کا بھائی اور آپ میری چھوٹی بہن ہیں۔'' سجن نے حیران اور پریشان شرجیل کے سامنے ہی اس نے مناہل کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور بولا۔ ''یہ ایک بھائی کا ہاتھ ہے مناہل! زندگی میں میری کبھی بھی ضرورت ہو تو صرف یہ سوچنا کہ تمہارا ایک بھائی ہے جس کا نام سالار ہے۔''

''سالار!'' شرجیل حیرت سے بولا تو سجن اور موسیٰ قہقہہ لگا کر ہنسے تو سجن بولا۔

''شرجیل بھائی آپ سالا ہی کہہ لیا کرنا کیونکہ اب مناہل میری بہن ہے اور آپ میرے بہنوئی ہیں۔''

''رہن دے رہن دے۔ اینہاں توں میرا رشتہ دار!'' شرجیل کے ماتھے پر تیوری ہنوز برقرار تھی۔ شمع بی بی نے اس کی طرف چائے کا کپ بڑھایا اور پھر ایک کپ سجن کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

''مجھے بھی اچھا لگا ہے کہ تمہارا نام سالار ہے۔ اور سالار بیٹا! تم نے تو آج ثابت کر دیا کہ تم بہت ہی اچھے ماں باپ کی اولاد ہو۔'' باپ کا نام سن کر سجن خاموش ہو کر موسیٰ کی طرف دیکھنے لگا تو موسیٰ نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو سجن بولا۔

''بس ماں جی! یہ سب تو آپ کی محبت کا اثر ہے۔''

''مسکے لگا کر...... چنگا بننے کی کوشش نہ کر۔'' شرجیل نے کہا تو سجن مسکرانے لگا لیکن مناہل پہلی بار ان کی گفتگو میں شریک ہوتی ہوئی بولی۔ ''آپ تو خوامخواہ ہی میرے بھائی کو ڈانٹ رہے ہیں۔'' مناہل کے منہ سے سجن کی حمایت میں الفاظ سن کر شرجیل حیران ہو کر مناہل کی طرف دیکھنے لگا تو موسیٰ بول پڑا۔

''ویسے شرجیل بھائی! بھابی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔'' شرجیل نے رس اُٹھانے کی بجائے ڈبل روٹی کا پیس اُٹھا کر چائے میں بھگو لیا تو وہ چائے میں ہی گر گیا تو شرجیل نے باری باری ان سب کی طرف گھور کر دیکھا لیکن وہ سب اپنی اپنی چائے پینے میں مگن تھے۔ شرجیل نے شکر منایا کہ اس کی طرف کسی نے نہیں دیکھا۔



''بیٹی رحمت ہے...... بیٹی زحمت نہیں۔'' بادشاہ نے اپنی صدا لگائی تو گرو نے نیناں سے کہا کہ گھر میں روٹی اور سالن پڑا ہوا ہے اس بادشاہ فقیر کو دے دو۔ نیناں نے روٹی پلیٹ میں رکھ کر سالن ایک علیحدہ پلیٹ میں ڈالا اور باہر جانے لگا تو گرو بولا۔ ''لاؤ میں دیتا ہوں۔ تم اتنی دیر میں چاندنی کے کپڑے استری کر دو۔'' گرو نے پان کی پچکاری صحن میں رکھے ہوئے خالی گملے میں پھینکی اور نیناں کے ہاتھ سے روٹی اور سالن والی پلیٹیں لے کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ گرو نے جب دروازہ کھولا تو بادشاہ ان کے دروازے کے سامنے پہنچ چکا تھا۔

''اللہ کے نام پر کھانا دے دو۔ میں بہت بھوکا ہوں۔'' بادشاہ کی صدا سن کر گرو نے اس کو پکارا۔

''لو بھئی بادشاہ!'' گرو کی آواز سن کر بادشاہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ اپنی چھڑی کے سہارے گرو کے گھر کی جانب بڑھتا ہوا چھڑی کے آسرے سے تھڑی تک پہنچا اور پھر گرو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو تھڑی پر بیٹھنے میں مدد کی۔ گرو نے روٹی اور سالن کی پلیٹیں بادشاہ کے آگے رکھتے ہوئے اس کا دایاں ہاتھ روٹی والی پلیٹ پر لگایا اور بولا۔

''لو بھئی بادشاہ! کھانا کھا لو۔''

''گرو؟'' بادشاہ نے پوچھا تو گرو پان کا تھوک گلی میں پھینکتے ہوئے بولا۔

''ہاں بادشاہ! میں گرو ہی ہوں۔'' بادشاہ نے ہاتھ سے ٹٹول کر سالن والی پلیٹ کا بھی اندازہ کر لیا کہ وہ کس جگہ پر پڑی ہے۔ وہ روٹی کا نوالا توڑتا ہوا بولا۔

''گرو! تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟'' اس کی بات سن کر گرو تالی بجاتا ہوا بولا۔

''ہائے ہائے...... بھول گئے ہو...... تم نے تو خود ہی مجھے بتایا تھا کہ تم بادشاہ فقیر ہو۔'' بادشاہ اتنی دیر میں روٹی کا نوالہ منہ میں ڈال چکا تھا۔ وہ روٹی کو چباتا ہوا بولا۔

''بڈھا ہو گیا ہوں نا...... بھول جاتا ہوں۔''

''لیکن تم اپنی صدا نہیں بھولتے۔'' گرو نے کہا۔ گلی میں آنے جانے والے لوگ ان کو دیکھ کر گزرتے جا رہے تھے۔

''صدا بھول گیا تو کھاؤں گا کیسے؟ کون مجھے پیسے دے گا اور کھانا کون دے گا؟'' بادشاہ بولا تو گرو پھر تالی بجاتا

ہوا کہنے لگا۔''ہاں تمہاری بات بھی ٹھیک ہے۔ آج کل تو صدا لگانے سے بھی نہیں ملتا۔ غریبوں اور فقیروں کی صدائیں کون سنتا ہے؟'' بادشاہ روٹی چباتا ہوا بولا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔ میری صدا سن کر تو لوگ مجھے کھانا بھی کھلا دیتے ہیں اور پیسے بھی دیتے ہیں۔'' بادشاہ نے گرو کی بات جھٹلاتے ہوئے کہا تو گرو بولا۔

''تم آنکھوں سے محروم ہو بادشاہ! اگر دیکھ سکتے تو دیکھتے کہ صدا لگانے والے کو لوگ کتنی نفرت اور حقارت سے دیکھتے ہیں۔''

''پھر تو اچھا ہی ہے کہ میری آنکھیں نہیں ہیں۔'' بادشاہ نے کہا۔ ''ایک بات بتاؤں گرو؟'' بادشاہ نے کہا تو گرو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوا بولا۔ ''کوئی اہم بات ہے جو اس طرح پوچھ رہے ہو؟'' بادشاہ اثبات میں سر ہلا کر بولا

''میں اندھا ہوں لیکن...... میں آج تک کسی بھی بینا انسان سے نہیں ٹکرایا۔ جب بھی مجھ سے ٹکرایا ہے دو آنکھوں کی روشنی والا ہی آ کر ٹکرایا ہے۔'' بادشاہ کھانا ختم کر کے اللہ کے حضور دعا کرنے لگا تھا اس نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے گرو کو پلیٹیں واپس کیں اور بولا۔ ''اللہ تمہارا رزق کشادہ کرے۔''

''آمین!'' گرو نے کہا اور پلیٹیں دروازے سے اندر رکھتے ہوئے بولا۔ ''اب میں بھی ایک بات پوچھوں۔''

''پوچھو گرو۔'' بادشاہ نے اپنے صافے سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے کہا تو گرو بولا۔

''تمہارے کتنے بچے ہیں؟''

''کوئی بھی نہیں۔'' ادشاہ کا جواب بھی مختصراً تھا۔

''پھر یہ پیسے کیوں جمع کرتے ہو۔ جو گلیوں اور بازاروں سے اکٹھے کرتے ہو؟'' گرو نے ایک اور سوال کر دیا تو بادشاہ کرب سے بولا۔ ''اپنی بیٹی کے لیے جمع کرتا ہوں۔'' یہ بات سن کر گرو حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا اس کو شک گزرا کہ بادشاہ کا دماغ کھسک گیا ہے۔

ابھی تو وہ کہہ رہا تھا کہ اس کے کوئی بھی بچے نہیں ہیں اور اب کہہ رہا ہے کہ وہ جتنی بھی بھیک مانگتا ہے اپنی بیٹی کے لیے مانگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ بادشاہ کچھ اور کہتا اور گرو کوئی اور سوال کرتا چاندنی ان کے پاس پہنچ گئی تھی۔

''اسلام علیکم بابا جان!'' چاندنی کی میٹھی آواز سن کر گرو نے مسکرا کر اس کو چوما اور بادشاہ نے بھی کان کھڑے کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کون ہے گرو؟''

''میری لاڈلی دھی ہے چاندنی!'' گرو نے کہا تو چاندنی مسکراتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تو بادشاہ بولا۔

''ماشاءاللہ! آواز بڑی پیاری ہے۔ لگتا ہے کہ نام کی طرح بیٹی بھی چاند کا ٹکڑا ہوگی۔''

''ہاں بادشاہ! یہ تو اللہ نے ہم پر بڑا ہی کرم کیا ہے۔ خیر...... اب میری دھی آ گئی ہے۔ میں اس کے ساتھ کچھ باتیں کر کے دن بھر کی تھکان دور کروں گا۔'' گرو نے کہا تو بادشاہ بولا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ مقدروں والے ہو بھئی۔ گھر میں بیٹی ہے۔'' بادشاہ یہ کہتے ہوئے اپنی چھڑی کو پکڑتا ہوا اُٹھا اور گرو کو سلام کرتا ہوا وہاں سے گلی کی دوسری جانب بڑھنے لگا اور اس کی وہی صدا اس کی کربناکی اور غم کو عیاں کر رہی تھی۔

''بیٹی رحمت ہے...... بیٹی زحمت نہیں...... بیٹی رحمت ہے۔'' بادشاہ کی دور ہوتی ہوئی صدا یہ بتا رہی تھی کہ وہ اب اس گلی کی نکڑ پر پہنچ گیا ہے۔ گرو بھی اندر آ گیا تو چاندنی کو تخت پوش پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر گرو اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا تو نیناں نے چاندنی کے آگے کھانا رکھا۔

''لو میرا بیٹا! کھانا کھا لو۔'' نیناں نے کہا تو چاندنی اس کی طرف دیکھ کر ہولے سے مسکرائی اور بولی۔

''آج کالج میں فنکشن تھا نا...... اس لیے دوستوں کے ساتھ وہیں سے کھا لیا تھا۔ سوری بابا جانی!'' چاندنی کے پیارے انداز پر نیناں کو اس پر بہت پیار آیا تھا۔

''وہ دوست سہیلی تھی یا کوئی......'' گرو نے پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''سہیلا'' تھا۔''

''بابا جان!'' چاندنی نے گرو کی طرف آنکھیں نکال کر مصنوعی غصے سے دیکھا تو ہونٹوں پر مسکان بھی پھیل گئی تھی۔

''گرو تم بھی نا......'' نیناں نے گرو سے شکایتی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''بھلا بچی سے ایسی باتیں بھی کوئی کرتا ہے۔'' نیناں نے روٹی اور سالن والی پلیٹیں اُٹھائیں تو گرو ہنستا ہوا بولا۔

''نیناں...... نیناں! تم بھی کمال کرتے ہو۔ ہماری بچی ہے ہم نے ایسی باتیں نہیں کرنی تو اور کس نے کرنی ہیں۔'' گرو نے تالی بجائی تو چاندنی نے بھی اس کی نقل اُتارتے ہوئے تالی بجانے کی کوشش کی تو گرو نے ڈانٹ دیا۔

''نہ کرو تم...... یہ کام لڑکیوں کے کرنے کا نہیں ہوتا۔ ہمیں ہی جچتا ہے۔'' گرو نے پھر تالی بجائی تو چاندنی اس کی گود میں سر رکھ کر نیم دراز ہو گئی۔ ''بابا جان!'' وہ اپنے دوپٹے سے کھیل رہی تھی۔ اتنی دیر میں نیناں بھی برتن وغیرہ سمیٹ کر ان کے پاس آ کر ایک پیڑھے پر بیٹھ گیا تھا۔ ''جی میری چندا؟'' گرو نے کہا تو چاندنی پہلے نیناں اور پھر گرو کی طرف دیکھ کر دوپٹے کو اپنی انگلی پر لپیٹتی ہوئی بولی۔

''میں آج آپ کو کیسی لگ رہی ہوں؟'' اتنا سننا ہی تھا کہ گرو اور نیناں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے بلکہ نیناں نے تو باقاعدہ اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بھی دیکھا کہ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟

''لو...... کیا بات ہوئی بھلا؟ آج ہی کا کیوں پوچھ رہی ہو؟ تم تو ہماری جان ہو جان!'' نیناں نے یہ کہہ کر اس کے ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا تو چاندنی اُٹھ کر تخت پوش سے نیچے اُتر آئی اور ان دونوں کے سامنے اپنا لباس سیدھا کر کے گھومی تو فراک بھی گھوم گیا۔ ''اب بتائیں کہ میں کیسی لگ رہی ہوں۔''

گرو اس کی بلائیں لیتے ہوئے بولا۔ ''شہزادی لگ رہی ہو۔'' یہ سن کر چاندنی نے نیناں کی طرف دیکھا تو نیناں اُٹھ کر اس کے اردگرد تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگا اور اس کے سامنے آ کر اس کی ٹھوڑی اوپر کرتا ہوا بولا۔

''پرستان کی پری۔''

چاندنی شرماتی ہوئی بولی۔ ''اچھا یہ بتائیں کہ جب میں پیدا ہوئی تھی تو میرا نام کس نے چاندنی رکھا تھا اور کیوں رکھا تھا؟''

چاندنی کے اس سوال پر گرو اور نیناں کے چہروں پر سراسیمگی پھیل گئی تھی لیکن گرو جہاندیدہ انسان تھا۔ وہ فوراً

بات کو سنبھالتا ہوا بولا۔ ''میں نے تمہارا نام چاندنی رکھا تھا۔ کیوں رکھا تھا؟'' وہ جان بوجھ کر ذہن پر زور دینے کے لیے اپنے ہاتھ کو سر پر مارتا ہوا بولا۔ ''ہاں یاد آیا۔'' اس نے ایک چٹکی بجائی اور بولا۔ ''تمہاری پیدائش پر بہت اندھیرا تھا۔ لائٹ بند تھی لیکن جب تم نے ہماری گود میں آنکھیں کھولیں تو یک دم اس گھر میں روشنی بکھر گئی اور چاند ہمارے صحن میں آ گیا اور گھر میں چاندنی بکھر گئی۔ اور تمہارا نام چاندنی رکھ دیا۔''

نیناں نے مطمئن ہو کر گرو کی طرف دیکھا اور پھر چاندنی کی طرف متوجہ ہو گیا کیونکہ اس نے ایک اور سوال کر دیا تھا۔

''فرض کریں میں آج ہی آپ کے گھر میں ابھی پیدا ہوئی ہوں۔ اتنی ہی بڑی اور اسی لباس میں تو پھر آپ میرا کیا نام رکھتے؟''

''یہ آج تم کیسے کیسے سوال کر رہی ہو بیٹی؟'' نیناں نے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''بابا جانی! پلیز...... مجھے کسی نے کہا ہے کہ تمہارا نام آج کے لحاظ سے ہوتا تو کیا ہوتا؟'' چاندنی کی بات سن کر نیناں اور یک زبان ہو کر بولے۔ ''اچھا؟'' انہوں نے چاندنی کو تنگ کرنے کے لیے لفظ ''اچھا'' کو لمبا کیا تو وہ شرماتی ہوئی بولی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ دراصل آج میری سہیلیاں مجھ سے جیلس ہو رہی تھیں۔''

''صفائی دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں تم پر اپنی جان سے بھی زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہے۔'' نیناں نے ایک بار پھر اُٹھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ''تو پھر بتایئے نا بابا جانی! اور بابا جان آپ بھی۔''

''ہوں۔'' گرو ہونٹوں پر انگلی مارتا ہوا بولا۔ ''میرے خیال سے آج تمہارا نام دُرِ شہوار ہونا چاہیے۔''

''اور بابا جانی آپ بتائیں۔'' چاندنی مسکراتی ہوئی نیناں کی طرف دیکھ کر بولی۔

''پریوں کی رانی۔'' چاندنی مسکراتی ہوئی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اتنا لمبا نام؟''

''مجھے کچھ اور سمجھ ہی نہیں آتا۔'' نیناں نے مسکرا کر کہا تو چاندنی شرما کر اندر کی جانب بھاگ گئی۔

''یہ آج کیسی باتیں کر رہی ہے نیناں؟'' گرو نے نیناں سے پوچھا تو نیناں کے بولنے سے پہلے ہی الائچی اور چنبیلی گھر میں داخل ہوئے وہ گرو اور نیناں کو خوشگوار موڈ میں دیکھ کر ان کے پاس آ گئے۔

''لو آ گئے آپ کے ہونہار بالکے۔'' نیناں نے کہا تو گرو ان دونوں کی شکلوں پر بارہ بجے دیکھ کر بولا۔

''کیا بات ہے منحوسوں جیسی شکلوں پر اور نحوست کیوں برس رہی ہے کم بختو۔'' گرو نے تالی بجا کر پوچھا تو چنبیلی نے الائچی کو کہنی مار کر ''تم بات کرو'' لیکن الائچی گرو اور نیناں سے نظریں چرا کر بولا۔

''تم خود ہی بات کر لو نا۔ تمہیں بھی تو سارا علم ہے۔''

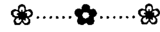
''نی...... وے لکھ دی لعنت...... کچھ بھونکو گے یا ایس طراں ای گدھا پاؤندے رہو گے؟'' گرو اپنی آئی پر آیا تو چنبیلی نے گرو کے پاس بیٹھ کر گرو کی ٹانگیں دبانا شروع کر دیں اور بولا۔

''وہ...... گرو بات اصل یہ ہے کہ......'' اس نے پھر الائچی کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''اس نے کہا تھا کہ گرو کو بتا دیں گے۔''

''اب اگر بات نہ کی تو...... لت مار کر تھلے پھینک دوں گی...... بکواب۔'' گرو کا غصہ عروج پر پہنچا دیکھ کر چنبیلی نے نیناں کی طرف دیکھا تو وہ بھی بھڑک کر ان پر برس پڑا۔

''میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو کالا مونہہ تے نیلے پیر۔''

''چاندنی کو ہم نے ایک بہت ہی مہنگے ہوٹل میں ایک خوبصورت اور امیر لڑکے کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔'' یہ کہہ کر چنبیلی اور الائچی اندر کی جانب بھاگ گئے۔ چنبیلی نے ایک ہی سانس میں جو بات کہی تھی اس بات نے گرو اور نیناں کے سانس روک دیئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف ہونق بن کر دیکھتے رہے۔



غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا موسیٰ آنسوؤں کی زبان میں ربِ واحد سے گلے شکوے کر رہا تھا۔ اس کے ارد گرد حاجیوں کی قطاریں جوق در جوق کعبہ شریف کا طواف کر رہی تھی۔ سفید احرام باندھے حاجی اپنے دلوں سے پکار رہے تھے اور ان کی زبانیں اس کلمہ کو بار بار دہرا رہی تھیں۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ

موسیٰ ان صداؤں کو سنتا اور بیت اللہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''میری التجائیں۔ میری صدائیں۔ میری دعائیں۔ میری آہیں سب کچھ تیرے در کا محتاج ہے۔ میرے اللہ! اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اس منگتے کی جھولی بھر دے۔ میرے مالک اس خالی اور چھید زدہ جھولی میں اپنا عشق ڈال دے۔ مجھے اپنا بندہ بنا لے مولا۔ میرے مالک! مجھے اپنا عشق دے دے۔ مجھے اپنا عشق دے دے۔''

اس نے اونچی آواز میں پکارا تو پاس ہی سے صدا آئی۔

''جانتے ہو کیا مانگ رہے ہو موسیٰ؟'' اس نے اپنے دائیں دیکھا تو کافی سارے حاجی اپنی اپنی بپتا سنانے میں مگن تھے اور اس کو کوئی بھی ایسا نہ لگا تھا کہ کسی نے اس کی بات کا جواب دیا ہو۔ وہ کوئی بھی اندازہ نہ لگا پایا تھا اور پھر اس نے گھبرا کر بائیں طرف دیکھا تو وہی کیفیت اور وہی ماحول تھا۔

''عشق؟'' ایک بار پھر آواز اُبھری تو اس نے غور سے بیت اللہ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ ''جانتے ہو کیا مانگ رہے ہو موسیٰ؟'' موسیٰ ہونق بنا ہوا اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''میں اللہ سے اس کا عشق مانگ رہا ہوں۔ تم...... تم کون ہو؟'' موسیٰ اب گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ اس محبت بھری آواز سے دہشت زدہ بھی لگ رہا تھا کیونکہ بولنے والا اس کو ابھی تک نظر ہی نہ آیا تھا۔

''عشق......'' پھر آواز اُبھری۔ ''میں عشق ہوں موسیٰ۔'' یہ سن کر موسیٰ پر کپکپی طاری ہو گئی وہ ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔ اس کی طبیعت خراب ہونے لگی تھی وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

''عشق...... عشق...... سامنے آؤ پھر۔''

ایک ہلکا سا قہقہہ اس کو سنائی دیا اور پھر آواز آئی۔ ''کیا کرو گے مجھے دیکھ کر۔''

موسیٰ حیرت و استعجاب میں مبتلا ہو کر ایک بار پھر غلاف کعبہ پر اپنی گرفت مضبوط کرتا ہوا اپنے دائیں بائیں

دیکھنے لگا کہ اس کے ساتھ کوئی مذاق تو نہیں کر رہا ہے لیکن دائیں بائیں والے بھی رو رو کر اپنی فریادیں اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچا رہے تھے اور اس کو ابھی تک اپنے دائیں بائیں غیر ملکی ہی نظر آئے تھے جن میں بڑے بڑے قد والے کالے حبشی تھے یا پھر کچھ ایرانی تھے جو کہ فارسی میں اپنا مدعا بیان کر رہے تھے جبکہ اس سے تو ''عشق'' اس کی زبان میں ہی بات کر رہا تھا۔

''میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔ اوڑھنا چاہتا ہوں۔ اپنا پیرہن بنانا چاہتا ہوں۔ آؤ سامنے میرے سامنے آؤ۔ ملو مجھ سے۔ مجھے گلے لگاؤ۔ میرے دل میں سما جاؤ۔ میری روح میں اُتر کر مجھے اپنا لو۔ مجھے اپنا بنا لو۔ آؤ...... آؤ آؤ۔''

''میں تمہیں ایک اور موقع دیتا ہوں۔ سوچ لو۔ سمجھ لو اور اچھی طرح جان لو کہ عشق کیا ہے؟'' وہ الفاظ ادا کرنے کے بعد آواز بند ہوگئی لیکن موسیٰ نے غلافِ کعبہ کو پکڑ کر جھنجھوڑنا شروع کر دیا تھا۔

''مجھے تھام لو...... مجھے اپنے اندر سمالو۔ میرے اللہ! مجھے اپنا عشق عطا کر دے۔'' لیکن کوئی بھی اس کی آہ و بکا نہ سن رہا تھا وہ رو رو کر ہلکان ہو رہا تھا یہاں تک کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ وہ بیہوش ہو کر دھڑام سے گر پڑا۔

حاجیوں کا شور بلند ہونے لگا۔ انتظامیہ کے لوگ اس کو اُٹھا کر بابِ سعی کی جانب بڑھے جہاں رش قدرے کم تھا وہاں پر اس کو لٹا کر اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے جانے لگے تو کسی سفید پوش نے اپنے چہرے کو چھپاتے ہوئے زم زم کے پانی کا گلاس اس کے منہ کو لگایا اور اس کے کان کے قریب منہ کر کے بولا۔

''میں عشق ہوں۔'' اتنا سننا تھا کہ موسیٰ کے جسم میں ہلچل ہوئی وہ ہڑبڑا کر جاگا تو پانی کا گلاس اس کے کپڑوں پر گر گیا وہ ہونق ہو کر آنکھیں مل مل کر اپنے گھر کی دیواروں کو دیکھنے لگا۔

اس نے اُٹھ کر دیوانوں کی طرح کمرے کی دیواروں کو ٹٹولنا شروع کر دیا اور اس کو اپنی حالت کا اندازہ ہوا تو اس نے اپنی قمیص کو دیکھا جو کہ گریبان سے گیلی ہو چکی تھی۔ اس نے تو آج اُٹھ کر پانی نہ پیا تھا۔ پھر یہ پانی کہاں سے آ گیا۔ اس کو خواب یاد آیا کہ کوئی اس کو پانی پلا کر کہہ رہا تھا کہ ''میں عشق ہوں۔''

موسیٰ کے ہڑبڑانے پر وہ پانی کا گلاس اس کے کپڑوں پر گر گیا تھا۔ خواب میں تو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت بن کر اس کے سامنے آ گیا ہو۔ لیکن یہ تو حقیقت تھی اس کی قمیص گیلی ہو چکی تھی۔

''میں عشق ہوں......'' اس کے کمرے سے آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ''میں عشق ہوں موسیٰ! میں عشق ہوں۔''

وہ پاگلوں کی طرح کانوں پر ہاتھ رکھ کر اس آواز سے چھٹکارہ پانا چاہتا تھا۔ وہ کمرے میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگا تھا۔ ''میں عشق ہوں موسیٰ!'' یہ سن کر موسیٰ دھاڑتا ہوا بولا۔

''عشق ہو تو آؤ سامنے۔''

''تم برداشت نہ کر پاؤ گے۔ مجھے دیکھ نہ پاؤ گے۔ مجھے اپنا نہ پاؤ گے۔'' دیواریں بولنے لگیں تھیں تو موسیٰ بھی چیخا۔

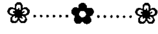
''ڈرتے ہو نا مجھ سے۔ ہار مان گئے ہو نا اپنی۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا نام موسیٰ ہے اور موسیٰ کسی بھی عشق اور امتحان سے نہیں ڈرتا سامنے آؤ۔'' موسیٰ دھاڑ رہا تھا لیکن دیواروں سے ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا۔

''تم ہار جاؤ گے موسیٰ!''

''آزما کر دیکھ لو۔'' موسیٰ پُرعزم لہجے میں بولا۔

''تو میں آ رہا ہوں۔'' یہ سننا تھا کہ کمرے میں خاموشی چھا گئی لیکن موسیٰ پُرجوش آواز میں بولنے لگا تھا۔

''لبیک اے عشق! لبیک اے عشق۔'' وہ دھاڑنے لگا تھا۔ ''دیکھتے ہیں کون ہارتا ہے۔ لبیک اے عشق......''



سالار کو ملز کے مالک سیٹھ وہاب میر نے اپنے آفس میں بلوایا تھا۔ وہاب میر کمرے میں بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ سجن نے ان کی گھنٹی بجا دی تھی کہ وہ ابھی باہر جا کر سب کو بتا دے گا کہ وہ وہاب میر کا بیٹا ہے۔ اگر یہ بات ملز کے ملازموں کو پتہ چل گئی تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہے گا۔ اور اگر اس رشتے کا عبید رضا کو پتہ چل گیا یا پھر ستارہ کو علم ہو گیا تو وہ اپنے ہی بچوں سے نظریں نہیں ملا سکے گا۔ جبکہ حنا بیگم کو معلوم تھا کہ وہاب میر کا ایک بیٹا بھی ہے لیکن اس کو یہ علم نہ تھا کہ وہ بیٹا اب کس حال میں ہے اور کتنا بڑا ہو گیا ہے یا پھر آج کل وہ کیا کر رہا ہے۔

کیونکہ حنا بیگم اور وہاب میر کے درمیان یہی معاہدہ ہوا تھا کہ وہاب میر کا بیٹا اس گھر میں کبھی بھی نہیں آئے گا اور نہ ہی وہاب میر اس سے کوئی رابطہ رکھے گا۔ اس معاہدہ کے تحت ہی وہاب میر اور حنا بیگم کی شادی ہوئی تھی اور ان کے اس معاہدے سے ستارہ اور عبید رضا بے خبر تھے بلکہ ان کو یہی علم تھا کہ وہاب میر اور حنا بیگم کی شادی پہلی ہی شادی ہے اور وہی دونوں بہن بھائی ان کے بچے ہیں۔

وہاب میر کو اپنی عزت کے لالے پڑ گئے تھے۔ سجن کی اچانک آمد نے ان کی پُرسکون زندگی میں ہلچل مچا کر ان کی پریشانی میں اضافہ کر دیا تھا۔ اب وہ اپنی عزت اور ساکھ بچانے کے لیے سالار سے کوئی معاہدہ کرنے والے تھے اور ان کو سالار کے خصوصی دوست موسیٰ کے ذریعے پیغام بھجوانا پڑا تھا کہ وہ سالار کو ان کے آفس میں بھیجے۔

خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں تو دروازے پر دستک سن کر وہ سنبھل کر کرسی پر بیٹھ کر بولے۔

''آ جاؤ۔'' ان کی آواز میں رُعب اور دبدبہ تھا لیکن اس بار ان کو اپنی آواز میں لرزش واضح طور پر محسوس ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو پُرسکون کرتے ہوئے بولے۔ ''آ جاؤ۔'' دروازہ کھلا تو سجن مزدوروں کے حلیے میں اندر داخل ہوا تھا لیکن اس کے اندر آنے کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ صرف مزدور ہی نہیں ہے بلکہ وہ اس ملز کا حصہ دار بھی ہے۔

''بیٹھو!'' وہاب میر نے کہا تو سجن بارُعب آواز میں بولا۔

''آپ بات کریں۔ کس لیے بلایا ہے۔'' وہاب میر اپنی کرسی سے اُٹھ کر چلتے ہوئے اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''یہ بہت ہی بُری اور عیب کی بات ہے کہ انسان اپنے ہی وطن میں اپنے ہی گھر میں محتاجوں جیسی زندگی گزارے۔''

''شریف آدمی کی پہلی شرافت اس کی شریفانہ گفتگو ہی ہوتی ہے سیٹھ صاحب!'' سجن بھی الفاظ کے ترکش میں

بہت سے الفاظ بھر کر لایا تھا۔ ''اس بات کا خیال رکھیے گا کہ آپ کے سامنے ایک مزدور اور شریف انسان کھڑا ہے۔''

''کتنا پیسہ چاہیے تمہیں؟'' سیٹھ وہاب میر نے سیدھی سیدھی بات کی تھی لیکن شاید بات ادھوری تھی اس لیے سجن بولا۔ ''پیسہ...... لیکن کس لیے؟''

''چلو ایسا کرتے ہیں کہ ہم ایک سودا کرلیں۔'' وہاب میر اس کے گرد چکر لگا کر اس کی پشت پر آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کا لہجہ خالصتاً کاروباری تھا۔ سجن مسکراتا ہوا بولا۔

''آپ بہت بڑے بزنس مین ہیں اور میں ایک مزدور ہوں۔ میرے ساتھ آپ کیا بزنس کریں گے؟''

''ایک کہاوت ہے کہ خود کو بدل لو۔ قسمت خود بخود بدل جائے گی۔'' سیٹھ وہاب میر کی فلسفیانہ باتیں سجن اچھی طرح سمجھ رہا تھا کیونکہ اس نے پچیس چھبیس سال جس عالم میں گزارے تھے اس نے ہر رنگ کے بندے سے مل کر زندگی گزارنے کا جو سبق سیکھا تھا وہ آج اس کے کام آنے والا تھا۔

''کوئی بھی چیز اپنی جگہ پر ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔'' سجن نے بھی بات کا جواب فلسفیانہ انداز میں دیتے ہوئے کہا۔ ''وقت سب سے بڑی تبدیلی لاتا ہے۔ کیونکہ وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔''

''یہ پہلا سودا یا پہلی ڈیل ہوگی جس میں مجھے سراسر نقصان نظر آ رہا ہے۔'' اب سیٹھ صاحب گھوم کر اس کے سامنے آ گئے۔ ''لیکن پھر بھی میں تم سے سودا کرنا چاہتا ہوں۔ بولو کتنی رقم اور کیا کیا چاہیے تمہیں؟''

''لیکن مجھے کرنا کیا ہوگا؟'' سجن ابھی تک لاعلم تھا کہ اس کا امیر باپ اس سے کس طرح کی ڈیل کرنا چاہتا ہے۔

''تم اس شہر کو چھوڑ کر کہیں دوسرے شہر چلے جاؤ۔ جہاں تم اور میں کبھی بھی نہ مل سکیں۔'' بلی تھیلے سے باہر آئی تو سجن نے ایک کرب اور دکھ سے باپ کی طرف دیکھا تو باپ کی آنکھوں میں بیگانگی اور لہجے میں اجنبیت محسوس کر کے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ حلق کو تر کرنے کے لیے تھوک نگلتا ہوا بولا۔

''آپ کتنے پیسے دے سکتے ہیں مجھے؟''

''گڈ'' سیٹھ وہاب میر خوش ہو کر اپنی میز کے پاس پہنچے اور دراز میں سے چیک بک نکال کر ایک چیک پر دستخط کرتے ہوئے سجن کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ ایک بلینک چیک ہے۔ اس میں جو بھی بھرو گے تمہیں مل جائے گا۔''

سجن چیک پکڑتا ہوا ان کی طرف نم دیدہ انداز میں دیکھنے لگا۔

''کیا میں اس بات کی تسلی کرلوں کہ میں جو بھی اس چیک پر لکھوں گا مجھے مل جائے گا۔''

''آف کورس! یہ سیٹھ وہاب میر کی زبان ہے۔'' وہاب میر گردن اکڑاتے ہوئے بولے تو سجن نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور ان کے ہاتھ سے پن لے کر چیک میز پر رکھ کر اس پر کچھ لکھنے لگا۔ وہاب میر غرور اور رعونت سے گردن اکڑائے کھڑے تھے کہ سجن نے چیک ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ ایک بزنس ڈیل ہے سیٹھ صاحب! اور مجھے لگتا ہے کہ میں نے اپنی اوقات سے بڑھ کر اس میں کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔''

سیٹھ وہاب میر نے چیک پکڑ کر دیکھا تو رقم کی جگہ پر ''آپ'' لکھا دیکھ کر ان کی روح ہی فنا ہو گئی تھی وہ کبھی سجن اور کبھی چیک کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ان کا پارہ ہوائی ہوا تو وہ گونجدار آواز میں بولے۔

''یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے سالا!''

''میں نے کہا تھا نا کہ آپ امیر آدمی ہیں اور میں ایک مزدور ہوں۔ آپ میرے ساتھ بزنس نہیں کر سکتے۔''

سیٹھ وہاب میر غصے میں لال پیلا ہو رہے تھے۔ وہ اپنے فشار خون پر قابو نہ رکھ سکے اور غصے سے پھنکارے۔ ''گیٹ آؤٹ۔''

''تھینک یو سوچ مسٹر وہاب میر۔'' (Thank You So Much Mr Wahab Mir) یہ کہہ کر سجن ان کے آفس سے باہر نکل گیا تھا لیکن وہاب میر کے لیے کئی سوال اور کئی پریشانیاں چھوڑ گیا تھا۔

اگر وہاب میر کے گھر میں معلوم ہو جائے کہ سجن ان کی ملز میں ملازمت کر رہا ہے اور ان کا ہی بیٹا ہے تو گھر کا نظام تو درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ حنا بیگم کو تو علم تھا کہ وہاب میر کا ایک بیٹا بھی ہے لیکن عبید رضا اور ستارہ کو بالکل بھی علم نہ تھا کہ وہاب میر کی دوسری شادی حنا بیگم سے ہوئی ہے۔

موسیٰ نے حیرانگی سے سجن کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''تم نے یہ حماقت کیوں کی سجن!''

''حماقت؟'' وہ موسیٰ سے بھی زیادہ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''تم اسے حماقت کہہ رہے ہو۔ ایک بچے سے اس کا باپ ایک امیر عورت چھین کر لے جائے اور وہ بارہ سالہ بچہ حسرت اور آہوں کی آواز میں اس سے فریاد کرے کہ اس سے اس کا باپ مت چھینو۔ مت چھینو۔'' سجن کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''لیکن...... لیکن بدلے میں اس عورت نے بارہ سالہ بچے کو نفرت سے دھتکارتے ہوئے کہا۔ تم جیسے کیڑوں مکوڑوں کے لیے ایسے ہی گندے گھر کافی ہوتے ہیں اور ابو سے کہا کہ وہ کبھی بھی مجھ سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں گے۔''

اب تو سجن باقاعدہ رونے لگا تھا۔ موسیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کو دلاسہ دینے کی کوشش کی تو وہ پھر بول پڑا۔ ''موسیٰ! میں نے زندگی کے وہ سال جو ماں کے مرنے کے بعد باپ کی زندگی میں بھی مسکینی اور یتیمی میں گزارے ہیں میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔ میں اس عورت کو سڑکوں پر لا کر بھیک مانگتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' سجن کی نفرت اس وقت انتہائی عروج پر تھی۔

''لیکن اس میں اکیلی وہ عورت ہی تو قصوروار نہ ہے۔ تمہارے باپ میرا مطلب ہے کہ سیٹھ وہاب میر کا بھی تو اتنا ہی قصور ہے۔ وہ بھی تمہاری یتیمی کے برابر کے ذمہ دار اور قصوروار ہیں۔'' موسیٰ نے کہا تو سجن اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور آنکھوں میں نفرت کے دیپ جلاتا ہوا بولا۔

''میں اپنے باپ سے بہت پیار کرتا ہوں موسیٰ! لیکن ان کو سزا ضرور دوں گا اور ایسی سزا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔'' موسیٰ بھی اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا اور مین شاہراہ پر بھاگنے والی گاڑیوں کا شور کم ہونے کا انتظار کرنے کے بعد بولا۔ ''بیوقوفی اور عقلمندی میں جیت ہمیشہ عقلمندی کی ہی ہوتی ہے۔''

سجن نے اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا اور بولا۔ ''مطلب؟''

''تمہاری پلاننگ کیا ہے کچھ مجھے بھی بتاؤ گے؟ کیونکہ تم نے بلینک چیک ٹھکرا کر بیوقوفی کی ہے۔'' موسیٰ نے

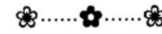
اس کو بتایا تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ''میں اس گھر کو خریدنا چاہتا ہوں جس میں حنا بیگم رہتی ہیں۔''

''اب یہ حنا بیگم کون ہے؟'' موسیٰ کو قطعی علم نہ تھا کہ وہ کس کی بات کر رہا ہے۔

''سیٹھ وہاب میر کی دوسری بیگم!'' سجن نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو موسیٰ کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے۔ ''یعنی کہ تمہاری سوتیلی امی؟''

سجن اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''ہاں...... وہی حنا بیگم۔''

''تو پھر کیا کرنا چاہتے ہو؟ اس گھر کو خریدنے کے لیے تو کروڑوں روپے درکار ہوں گے۔'' موسیٰ اس کی پلاننگ سن کر پریشان لگتا تھا۔ سجن نے مین شاہراہ کے کنارے بنے ہوئے ٹی سٹال کے ''چھوٹے'' کو آواز دی اور چائے لانے کا کہا اور سجن موسیٰ کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بتانے لگا کہ وہ سیٹھ وہاب میر کا گھر کس طرح خریدے گا۔ وہ موسیٰ کو بتاتا جا رہا تھا جبکہ موسیٰ ہونقوں کی طرح اس کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگتا تو سجن ہنسنے لگتا تھا۔



ناشتے کی میز پر پوری فیملی آج پھر موجود تھی۔ وہاب میر نے ستارہ کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''ہاں بھئی ستارہ! کیسا چل رہا ہے بوتیک؟'' ستارہ نے سلائس کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''بوتیک تو زبردست چل رہا ہے پاپا! لیکن ایک پرابلم ہے؟'' ستارہ نے پرابلم کا لفظ زور دے کر کہا تو حنا بیگم بھی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ کیونکہ انہوں نے تو ستارہ کو پرابلم فری بوتیک دے کر خود کو کافی حد تک ریلیکس کر لیا تھا۔

''پاپا! مجھے ایک اسسٹنٹ کی ضرورت ہے۔'' یہ سن کر حنا بیگم جھٹ سے بولیں۔

''اسسٹنٹ؟ وہ ماریا کہاں گئی؟'' ان کی بات سن کر ستارہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''مطلب کہ ایک منجھا ہوا اکاؤنٹینٹ ہو اور ہو بھی ایماندار'' یہ سن کر عبید رضا نے منہ سے ہنسی کی دبی دبی آواز نکالی تو وہاب میر نے اس کی طرف گھور کر دیکھا تو وہ بولا۔

''ڈیڈ! میرا مطلب ہے کہ اکاؤنٹینٹ اور وہ بھی ایماندار ہو۔ آج کے دور میں ناممکن سی بات ہے نا؟''

''تم اپنی چونچ بند ہی رکھا کرو۔ کیونکہ تمہیں کیا علم کے بزنس کیسے ہوتا ہے؟'' ستارہ نے عبید رضا کو ڈانٹا تو وہ تالی بجاتا ہوا بولا۔ ''آپی! جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں آپ کو بوتیک ہینڈ اوور ہوئی ہے اور آپ سمجھ گئیں کہ بزنس کیسے ہوتا ہے۔'' ستارہ نے چائے کا گھونٹ بھر کر حنا بیگم اور پھر وہاب میر کی طرف دیکھ کر خاموش احتجاج کیا تو وہاب میر گلا کھنکار کر بولے۔

''دیکھو بھئی عبید! ستارہ ٹھیک کہتی ہے کہ تمہیں واقعی بزنس کا علم نہیں ہے اور رہ گئی اکاؤنٹینٹ کی ایمانداری تو میرے پاس ایک اکاؤنٹینٹ ہے جو بہت ایماندار ہے۔ لیکن اگر وہ بوتیک میں آ گیا تو مجھے ملز کے لیے پرابلم ہو گی۔'' وہاب میر کو حنا بیگم نے چائے مگ میں ڈال کر دی تو وہ ''تھینک یو'' کہہ کر مگ ہونٹوں سے لگا کر چائے کی چسکیاں لینے لگے۔

''دیکھیں پاپا!'' ستارہ نے اپنا چائے کا کپ پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیٹی

اس میں آپ کا اور ماما کا نام روشن کرے تو آپ کو وہ اکاؤنٹینٹ مجھے دینا ہی ہو گا۔''

''لیکن جو پہلا اکاؤنٹینٹ تھا وہ کدھر ہے؟'' حنا بیگم کا لہجہ کچھ پریشان تھا۔

''وہ؟'' ستارہ چلا کر بولی۔ ''ایک نمبر کا چیٹر اور فراڈ تھا مما! میں نے اس کو خود رنگے ہاتھوں پکڑا ہے ہیر پھیر کرتے ہوئے۔'' وہاب میر نے حنا بیگم کی طرف دیکھا تو وہ کچھ پریشان دکھائی دیں۔

''آپ کیوں فکر مند ہو رہی ہیں بیگم! اب ستارہ کو اپنے طریقے سے ہی بوتیک چلانے دیں۔'' وہاب میر نے اب ستارہ کی طرف دیکھا اور بولے۔ ''بیٹا آپ مجھے ایک ہفتہ کا وقت دو میں اپنی ملز میں اکاؤنٹینٹ کا بندوبست کر کے آپ کو وہ اکاؤنٹینٹ بھجوا دوں گا۔''

''لیکن پاپا! وہ تو آپ کے ایک ہی یونٹ کا اکاؤنٹینٹ ہے نا۔'' ستارہ بولی۔ ''تو پھر ایک ہفتہ کیوں آپ اپنے مین سے میرا مطلب ہے منیجر سے کہہ کر اس یونٹ میں کسی اور کو رکھوا دیں اور کل صبح وہ اکاؤنٹینٹ میرے بوتیک آفس میں ہو بس۔''

Pakistanipoint
Waqar
Azeem

گویا ستارہ نے بات ہی ختم کر دی تھی۔

''او...... کے...... مائی ڈیئر۔'' سیٹھ وہاب میر ہونٹوں پر مسکان سجا کر بولے۔

''تھینک یو پاپا۔'' ستارہ نے بھی مسکرا کر ان کا شکریہ ادا کیا تو وہاب میر کی توپوں کا رُخ اب عبید رضا کی طرف ہو گیا۔

''ہاں بھئی! کب ختم ہونا ہے یہ سمیسٹر؟''

عبید رضا محتاط ہوتا ہوا بولا۔ ''بس پاپا یہ دو تین ماہ رہ گئے ہیں۔'' وہ چائے پی چکا تھا اور اب پڑھائی کے موضوع سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اُٹھ کر جاتا حنا بیگم بول پڑیں۔

''شام کو کہیں گھومنے نہ چلے جانا۔ مہمانوں نے آنا ہے۔'' وہ براہِ راست عبید رضا سے مخاطب ہوئی تھیں۔

''لیکن مما! مہمانوں سے میرا کیا تعلق؟'' وہ احتجاجاً بولا تو حنا بیگم ذرا ناراض ہوتی ہوئی بولیں۔

''وہ میری کلاس فیلو ہے اور اپنی پوری فیملی کے ساتھ پہلی بار میرے گھر آ رہی ہے۔''

''اور مما کی خواہش ہے کہ ہماری بھی پوری فیملی ان کے سامنے ہی موجود ہو۔'' یہ لقمہ ستارہ نے دیا تو عبید رضا کا دل چاہا تھا کہ اس کو کہا ہی جائے لیکن وہ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''جی اچھا۔'' اور کھا جانے والی نظروں سے ستارہ کو دیکھتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

''وہاب آپ بھی شام کو مجھے گھر ہی چاہئیں۔'' حنا بیگم نے حکم صادر فرمایا اور وہاب میر سرِ تسلیم خم ہے کی مثال میں رنگ بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے تو حنا بیگم بھی اُٹھ کر چلی گئیں۔

''پاپا پلیز...... آپ میرا کام نہ بھولنا۔'' ستارہ نے منت بھرے انداز میں کہا تو وہاب میر مصنوعی انداز میں ناراض ہوتے ہوئے بولے۔ ''بیٹا ایک پاپا ہے کہاں کہاں جائے لیکن مجھے تمہارا کام یاد ہے۔ ڈونٹ وری۔'' ستارہ یہ سن کر مسکرانے لگی تھی۔

❀......✿......❀

ساتھی فقیر نے آج کی کمائی گن کر بادشاہ کو بتائی تو وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوتا ہوا بولا۔

''یار ساتھی! کیا خیال ہے؟ یہ علاقہ ہمارے لیے فائدہ مند نہیں ہے؟'' ساتھی بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہوا بولا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ یار بادشاہ ویسے اس علاقے میں بہت تگڑی تگڑی ''آسامیاں'' ہیں۔''

''یہی تو بات ہے کہ آج کی دیہاڑی چنگی لگ گئی ہے۔'' بادشاہ نے کہا اور وہ اپنے دائیں بائیں ہاتھ سے کچھ ٹٹولنے لگا تو ساتھی ہنستا ہوا بولا۔ ''اندھے ہو گئے ہو کیا ابھی تو چائے بنانے والی ہے۔'' بادشاہ بھی اس کی بات سن کر قہقہہ لگا کر ہنسا اور بولا۔ ''اندھا تو تُو ہے جو ایک اندھے سے پوچھ رہا ہے کہ اندھا ہے کیا؟''

ساتھی اور بادشاہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ ''یار ساتھی! دنیا کتنی حسین ہے؟'' بادشاہ کی آواز میں حسرت نمایاں تھی۔

ساتھی نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے دیگچی چولہے پر چڑھائی اور اس میں پانی ڈالتا ہوا بولا۔

''اس دنیا کی رنگینی کو نہ ہی دیکھے تو چنگا ہے بادشاہ!''

''پر کیوں؟ تجھے کوئی خاص تکلیف ہے۔ خود تو موج کرتا پھرتا ہے اور مجھے کہتا ہے کہ اس دنیا کو نہ ہی دیکھو تو اچھا ہے۔'' اس کی بات سن کر ساتھی ہولے سے مسکرایا اور چولہے کی آگ جلاتا ہوا بولا۔

''بادشاہ! بھائی بھائی کا خون کر رہا ہے۔ بھائی بہنوں کا حق مارنے کے لیے بہنوں کو ہی مار رہے ہیں۔ جہیز نہ ہونے پر جوان بچیاں خودکشی کر رہی ہیں اور جو خودکشی نہیں کر پاتیں نا...... ان کے بالوں میں چاندی جھلکنے لگتی ہے تو رشتہ دار ہی ان کو طعنے مار مار کر مار دیتے ہیں۔''

بادشاہ کچھ ڈر سا گیا تھا وہ اپنی آنکھوں کو چھت کی جانب گھماتا ہوا بولا۔

''تو تم اتنا کچھ دیکھتے ہی کیوں ہو؟ آنکھیں بند رکھا کرو نا؟'' ساتھی ہنستا ہوا کہنے لگا۔

''بس اپنی بات کا تم نے تو خود ہی جواب دے دیا ہے تو میں کیا کہوں؟'' اس نے دودھ اور چینی کے ساتھ ساتھ پتی ڈال کر دیگچی کے اوپر ڈھکن دے دیا اور دو پیالیوں کو دھونے کے لیے صحن میں لگی ہوئی ٹونٹی کو کھولا اور پانی سے پیالیاں دھو کر ٹونٹی بند کر دی۔

''یہ دنیا بڑی ظالم ہے ساتھی! بیناؤں کو اندھا کہتی ہے اور اندھوں کو پوچھتی ہے کہ اندھے ہو نظر نہیں آتا کیا؟'' بادشاہ کچھ مغموم لگنے لگا تھا۔ ''یار ساتھی! ایک بات تو بتا؟'' ساتھی نے دیگچی سے ڈھکن اُٹھا کر دیکھا کہ چائے بن گئی تھی۔ اس نے چمچے کے ساتھ چائے کو پونی سے پیالی میں ڈالا اور بولا۔

''پچھ کیا پوچھنا ہے؟'' اس نے ایک پیالی بادشاہ کے آگے رکھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر چائے کی پیالی پر لگایا تو بادشاہ نے اثبات میں سر ہلا کر بتایا کہ اس کو پتہ چل گیا ہے کہ چائے بن گئی ہے۔

''ساتھی! یار میں نے سنا ہے کہ...... ایک بار پھر وہی وقت آ رہا ہے۔ جب...... جب لوگ اپنی بیٹی کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے یا پھر ان کا گلا دبا کر ان کو مار دیا کرتے تھے۔'' بادشاہ کی آواز بھرا گئی تو ساتھی اس کے پاس زمین پر چوکڑی مارتا ہوا بولا۔ ''پر یار! میں نے تو سنا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی توہمات اور ایسی

حرکات سے اپنی امت کو منع فرمایا ہے۔'' بادشاہ نے گرم گرم چائے کا گھونٹ بھرا اور بولا۔

''ہاں یار! لیکن یہ اُمت کام وہ کرتی ہے جو خلافِ شرع ہیں۔''

''یار بادشاہ! ویسے ایک سوچنے کی بات ہے یار!'' ساتھی بھی چائے پی رہا تھا وہ بادشاہ کی طرف دیکھنے لگا تو بادشاہ نے اس کی بات کے انتظار میں کچھ بھی کہنے کی بجائے اپنا ذہن اس کی طرف کیا تو ساتھی بولا۔

''ہم تو فقیر ہیں۔ گندے مندے لوگ۔ سارا سارا دن گندے رہتے ہیں۔ ہمیں تو اس بات کا ہوش ہی نہیں ہے کہ پاکیزگی اور طہارت کیا ہوتی ہے؟ یہ دین یہ مذہب اور شرع کیا ہوتی ہے؟ ہمیں تو علم ہی نہیں ہے لیکن...... یار بادشاہ!'' ساتھی یہ کہہ کر ایک گھونٹ چائے پی کر بولا۔

''جو باشعور اور سمجھدار لوگ ہیں۔ پڑھے لکھے اور دین اسلام کی سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ بھی دین اور شرع کے خلاف فیصلے کرتے ہیں۔ سنتوں اور احادیث کے خلاف جا کر کام کرتے ہیں۔ توہمات پر یقین رکھتے ہوئے قرآن کریم کو نہروں میں بہا دیتے ہیں۔ یار بادشاہ! ان کا انجام کیا ہو گا؟''

ساتھی کافی لمبی لمبی باتیں کیا کرتا تھا لیکن اب اس کے منہ سے شریعت اور دین کی باتیں سن کر بادشاہ بھی حیران تھا وہ اپنی چائے ختم کر چکا تھا۔ اس نے آسمان کی جانب منہ کر کے اللہ کا شکر ادا کیا اور ساتھی سے کہنے لگا۔

''تو بھی بھولا بادشاہ ہے۔ جب دولت آتی ہے نا تو عیاشی بھی بڑھ جاتی ہے اور اسلام سے دوری بھی بڑھتی جاتی ہے۔'' بادشاہ کے اندر کچھ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ دل گرفتہ لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو زمین پر ہی بیٹھے بیٹھے پیچھے کی جانب گھسیٹا اور زمین پر بچھے ہوئے گدے پر لیٹ گیا اور ساتھی سے مخاطب ہوا۔

''ساتھی! یار ایک ایسا ظلم میں نے بھی اپنی جان پر کیا ہے اور اس ظلم کے ازالے کے لیے میں گلیوں گلیوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔ لیکن مجھے کبھی بھی سکون کا وہ لمحہ میسر نہیں ہوتا جس لمحہ کو میں اللہ کی طرف سے یہ سمجھوں کہ اس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔''

ساتھی نے بھی اپنی چائے ختم کی تو دونوں پیالیوں کو اُٹھا کر دھویا اور پھر آ کر بادشاہ کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔

''بادشاہ! یار تُو اتنے پیسوں کا کیا کرے گا۔ تمہارے پاس تو کافی رقم جمع ہو گئی ہے۔'' بادشاہ کو تو ایک لمحہ کے لیے لگا کہ اس کا ساتھی اس کے پیسوں پر بے ایمان ہو گیا ہے لیکن اس نے اپنے خدشے کو زبان سے ہی ادا نہ کیا تھا بلکہ ساتھی کے جذبات اور تاثرات جاننے کے لیے بولا۔

''اگر تم سے مشورہ لوں تو تم کیا کہتے ہو؟'' ساتھی اس کی بات سن کر ایک لمبی سانس اندر کی جانب کھینچتا ہوا بولا۔

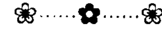
''میں تو کہتا ہوں کہ تم اپنی آنکھوں کا علاج کرا لو۔ آپریشن کرا لو۔'' ساتھی کے یہ الفاظ تو اس کو مخلص ہی ظاہر کر رہے تھے وہ پھر بولا۔ ''ساتھی یار! کیا میری آنکھیں ٹھیک ہو سکتی ہیں۔''

''اب سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے بادشاہ!'' ساتھی اپنی چارپائی پر لیٹتا ہوا کہنے لگا۔ ''ویسے بھی تم خود ہی تو کہتے ہو کہ تم کون سا پیدائشی نابینا ہو۔ ایسے اندھے پن کا علاج ضرور ہو گا۔'' ساتھی کی بات سن کر بادشاہ اس کی طرف دیکھنے کی کوشش میں اس کی مخالف سمت دیکھتا ہوا پوچھنے لگا۔ ''ساتھی! ساتھی کیا تم ٹھیک کہہ رہے ہو؟ کیا میں پھر سے

دیکھنے کے قابل ہو جاؤں گا؟'' ساتھی نے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

''ہاں تم ٹھیک ہو سکتے ہو اور یہ جو میری طرف دیکھنے کی بجائے دیواروں کو دیکھ کر باتیں کرتے رہتے ہو۔ یہ بھی عادت ہٹ جائے گی۔'' ساتھی نے کہا تو بادشاہ مسکراتا ہوا بولا۔ ''اُڑا لو میرا مذاق اُڑا لو بھئی۔ تم مذاق نہیں کرو گے تو کون کرے گا۔'' ساتھی اور بادشاہ دونوں ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''تو پھر کب چلیں ڈاکٹر کے پاس؟'' بادشاہ کا لہجہ پُر جوش تھا وہ ایک بار پھر دنیا کی رنگینیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا اور آج سے بیس سال پہلے جو گناہ کیا تھا وہ سمجھتا تھا کہ اب تک اس نے اس ظلم اور گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے جو اس کے ساتھی فقیر نے اس کی بینائی لوٹ آنے کی بات کی ہے۔



موسیٰ اور سجن قاری صاحب کے حجرے سے نکل کر مسجد سے باہر آئے تو سجن مسکراتا ہوا بولا۔

''یار موسیٰ! قاری صاحب سے مل کر تو دل و دماغ پر پڑا ہوا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور ذہن کو سکون مل جاتا ہے۔''

''ہاں یار! میں تو کہتا ہوں کہ قاری صاحب جیسے عظیم لوگوں کی وجہ سے ہی یہ نظام دنیا چل رہا ہے۔ اب تم دیکھو کہ تمہارا اور میرا اتنا ہی ساتھ تھا کہ ہم لوگ اکٹھے کام کرتے رہتے۔'' سجن ہنس کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا اس کو چلنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔

''موسیٰ! میں نے ماں جی کو اپنی ماں اور تمہیں اپنا بھائی کہنے کے ساتھ ساتھ اب تو مناہل کو اپنی بہن بھی سمجھتا ہوں۔'' وہ دونوں چلنے لگے ان کے قدم گھر کی جانب اُٹھ رہے تھے۔ ''میں صرف ملز کا کام چھوڑ کر اپنا ادھورا مشن پورا کرنا چاہتا ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تم سے دور ہو رہا ہوں یا تم لوگوں کو بھول رہا ہوں۔''

''ویسے سجن! تم اتنے امیر ہو گئے یار مجھے یقین نہیں آ رہا؟'' موسیٰ ہنس رہا تھا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میں جو بھی کر رہا ہوں وہ ڈرامہ ہے؟'' سجن نے مصنوعی غصے سے اس کی طرف دیکھا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور بولا۔ ''سجن! یار اب میں اکیلا ہی ملز جایا کروں گا؟'' موسیٰ کے لبوں پر ہنسی تو تھی لیکن اس کا لہجہ اور الفاظ خاصے اُداس اور غمگین تھے۔ سجن اس کو اپنی بانہوں میں بھر کر اوپر اُٹھاتا ہوا گھمانے لگا اور بولا۔

''تُو دیکھتا جا کہ اب سیٹھ وہاب میر تمہارے ساتھ بھی کیا کرتا ہے کیونکہ تم سجن کے اکلوتے دوست ہو اور اس کے راز دار بھی ہو اب وہاب میر اور سالار کے درمیان اعصاب کی جنگ ہوگی اور تم دیکھنا کہ فتح ہماری ہی ہوگی۔''

لوگ ان کو دیکھ رہے تھے کہ وہ کس طرح فری انداز میں گلیوں میں ہلا گلا کرتے ہوئے جا رہے ہیں۔

''مجھے تمہاری کسی بھی بات کی کوئی بھی سمجھ نہیں آ رہی۔'' موسیٰ نے کہا تو سجن اس کی طرف دیکھے بغیر ہی بولا۔

''پتہ کیا ہے؟ تم میں اب چائے کی کمی ہے۔ بھابی کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پیو گے تو تمہاری عقل کام کرنے لگے گی۔'' موسیٰ قہقہہ لگا کر ہنسا اور اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''یہ بھی ٹھیک ہے۔'' وہ ہنستے اور باتیں کرتے ہوئے گھر پہنچے تو شمع بی بی گھر میں نہ تھیں بلکہ مناہل اکیلی ہی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی مناہل نے بتا دیا کہ خالہ ساتھ والے گھر میلاد پر گئی ہیں۔

''بھابی! اچھی سی چائے کے دو کپ پلیز۔'' موسیٰ نے کہا تو وہ ہنستی ہوئی کچن کی جانب بڑھ گئی۔ سجن ایک

موڑھے پر آ کر بیٹھ گیا اور مناہل کو پکارتا ہوا بولا۔ ''بہنا! ذرا شکر تیز ہی رکھنا۔''

''کیوں خیریت ہے نا سالار بھائی!'' مناہل نے پوچھا تو وہ ہنستا ہوا بولا۔

''وہ کیا ہے کہ آج کل منہ کا ذائقہ کچھ کڑوا کڑوا رہنے لگا ہے۔ اسی لیے شکر تیز پیتا ہوں۔'' اتنی دیر میں شمع بی بی بھی گھر میں داخل ہوئیں موسیٰ نے عقلمندی کی تھی کہ باہر والا دروازہ کھلا ہی رکھا تھا۔

''السلام علیکم ماں جی!'' دونوں نے ہی شمع بی بی کو سلام کیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور تبرک کے طور پر ملنے والا ایک شاپر جس میں بادانہ اور بوندی تھی وہ ایک پلیٹ میں ڈالا اور میز پر رکھ دیا۔

''مناہل! میرے لیے بھی ایک کپ چائے بنا دینا بیٹی!'' شمع بی بی کا انداز تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ ''اب تو بوڑھی ہو گئی ہوں۔ اللہ مجھے اپنے پاس بلانے سے پہلے موسیٰ کا گھر بسانے کی مہلت دے دے بس۔'' یہ سن کر موسیٰ یک دم سنجیدہ ہوتا ہوا ان کے پاس آ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور ان کے قدموں پر اپنا سر رکھتا ہوا بولا۔

''ماں جی! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ..... آپ ہیں تو ہم ہیں۔ اللہ آپ کا سایہ ہمیشہ ہم پر قائم رکھے۔'' موسیٰ غمگین ہو گیا تھا اور یہی کیفیت سجن کی بھی تھی وہ بھی آگے بڑھ کر شمع بی بی کے دائیں ہاتھ کو پکڑتا ہوا اس کو بوسہ دے کر بولا۔

''آپ میری ماں ہیں۔ میں دوسری ماں کو اس طرح نہیں کھونے دوں گا۔'' شمع بی بی کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں۔

''آپ نے کئی ہفتوں سے چیک اپ نہیں کروایا۔ دوائی بھی نہیں لی۔ اسی وجہ سے تھکن محسوس کر رہی ہیں آپ۔'' موسیٰ نے ان کے پاؤں دبانا شروع کر دیئے تھے۔ وہ ہنستی ہوئی بولیں۔

''اب میں اتنی بھی بیمار نہیں ہوں کہ تم لوگ مجھے ڈاکٹر ہی لگنے لگے ہو۔'' دونوں ہی ہنس پڑے تو شرجیل بھی گھر میں داخل ہوا اس نے موسیٰ اور سجن کو ماں جی کے قدموں میں بیٹھے دیکھا تو سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

''آہا مسکے اور مکھن لگانے میں تو تیرا کوئی ریکارڈ ہی نہیں کلینے۔'' اس نے سجن سے مخاطب ہو کر کہا تو وہ ہنستا ہوا اس کی جانب دیکھنے لگا اور بولا۔ ''آیئے..... آپ کی کمی شدت سے ہی محسوس ہو رہی تھی۔'' شرجیل ماں جی کے پاس تخت پوش پر ہی بیٹھ گیا تو سجن بھی موہڑے پر جا کر بیٹھتا ہوا شرجیل سے مخاطب ہوا۔ ''کوئی کام ملا شرجیل بھائی؟'' شرجیل کو اس لفظ سے ہی نفرت تھی کہ کوئی اس سے ''کام'' کی بات کرے۔ وہ سجن کو گھورتا ہوا بولا۔

''ہو جائے گا ہو جائے گا۔ تیرے گھر سے کھانے نہیں جاتا ہوں۔ ٹینش!'' شرجیل کا انداز بہت پیارا تھا۔

سجن قہقہہ لگا کر ہنسا اتنی دیر میں مناہل چائے لے کر آ چکی تھی اس نے ٹرے میز پر رکھی اور خود ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔ ''بہنا! چائے کی خوشبو بتا رہی ہے کہ چائے لذیذ ہے۔'' سجن نے کہا تو شرجیل اس کو گھورتا ہوا بولا۔

''اوئے کلینیا! مسکہ نہ لگا میری بیگم کو اب تو چائے بن ہی چکی ہے۔ پی لے ڈپھ لے۔''

''آپ میرے بھائی کو اس طرح نہ ڈانٹا کریں۔'' مناہل پہلی بار ان کی گفتگو میں شریک ہوئی تو شرجیل نے اس کی طرف ایسے دیکھا کہ جیسے کسی گونگے نے پہلی بار بات کی ہو۔ ''بھائی؟'' شرجیل نے ذرا زور دے کر کہا تو مناہل ہنستی ہوئی بولی۔

''ہاں بھائی!'' شرجیل اُلٹا ہاتھ گھما کر بولا۔''اچھا وئی......'' پھر وہ سجن کی طرف متوجہ ہوا۔''اب تو میرا سالا ہے ذرا تمیز سے بات کیا کر میرے ساتھ۔''

سجن اور موسیٰ ہنسنے لگے جبکہ شمع بی بی بولیں۔''بس اس طرح ہنستے کھیلتے رہو۔'' وہ باری باری اپنے اپنے کپ اُٹھا کر چائے پینے لگے تو دروازے پر دستک سن کر موسیٰ نے پوچھا۔''کون ہے؟''

''اری آمنہ بہن یہ میں ہوں۔کونسلر علی حیدر!'' یہ نام سن کر شمع بی بی مسکرانے لگیں اور موسیٰ کو اشارہ کیا کہ اندر لے آؤ۔موسیٰ اُٹھ کر دروازے تک گیا اور'' آیئے آیئے چچا جان!'' کہتا ہوا کونسلر علی حیدر کو اندر لے آیا۔

''السلام علیکم آمنہ بہن!'' اس نے آتے ہی سلام کیا تو سجن نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ماں جی کی طرف دیکھ کر بولا۔

''ماں جی آپ کا سیدھا نام آمنہ ہے؟'' شمع بی بی ہنستی ہوئی بولیں۔

''یہ تو بھائی علی حیدر کی مہربانی ہے کہ ان کو کوئی نام یاد بھی ہے۔ورنہ یہ تو ہر بار ہی میرا نیا نام پکارتے ہیں۔''

''ارے بچو ناموں میں کیا رکھا ہے؟'' یہ کہہ کر علی حیدر نے سجن کی چائے کا کپ پکڑا اور گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔

''واہ......واہ نذیراں بہن! چائے تو آپ نے بہت اچھی بنائی ہے۔'' اب اس نے آمنہ کی بجائے نذیراں کہا تو سجن اس کی کیٹیگری سمجھتا ہوا خاموش ہو گیا۔اس کو اپنی چائے اس طرح ضائع ہونے کا بہت دُکھ تھا۔

''یہ چائے میں نے نہیں میری بیٹی نے بنائی ہے۔'' شمع بی بی نے مناہل کی طرف اشارہ کیا تو وہ خوش ہو کر مناہل کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔''واہ بیٹی واہ! چائے تو بہت لذیذ ہے۔''

''شکریہ چاچا جان!'' مناہل نے بھی مسکرا کر کہا تو وہ ہنستا ہوا بولا۔

''ہاں بھئی اکبر! تمہارا کاروبار کیسا چل رہا ہے۔'' اس نے موسیٰ کو مخاطب کر کے کہا تو موسیٰ نے مسکراتے ہوئے اپنا کپ سجن کی طرف بڑھا دیا اور کہا۔''اچھا ہے چاچا جان!'' اب شرجیل بھی ذہنی طور پر تیار تھا کہ اس سے بھی کوئی کام کی ہی بات کی جائے گی۔اور وہی ہوا علی حیدر نے اس کی طرف گردن گھما کر دیکھا اور چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔

''اس بار تم حاجی اشرف کی جگہ الیکشن لڑنے کی تیاری کر لو۔پیسہ میں لگاؤں گا سارا۔''

''کون حاجی اشرف چاچا جی!'' شرجیل نے ہاتھ گھما کر کہا تو وہ ہنستا ہوا بولا۔

''چلو......بھئی تمہارے ابا جان اور کون؟'' شرجیل سر پر ہاتھ مار کر اس کو گھورنے لگا لیکن وہ اس کی تیکھی نظروں سے بے نیاز چائے پینے میں مصروف تھا تو شمع بی بی بولیں۔''بھائی علی حیدر! میرے شوہر کا نام رحیم بخش تھا۔'' وہ کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا بولا۔''مجھے بھی تو پتہ ہے۔میں تو مذاق کر رہا تھا اور یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کو بھی اپنے شوہر کا نام معلوم ہے کہ نہیں۔'' موسیٰ بمشکل اپنی ہنسی روک پا رہا تھا جبکہ مناہل بڑی دلچسپی سے اس کردار کو دیکھ رہی تھی۔

''ویسے آپ نے اپنے آنے کا مقصد نہیں بتایا۔چاچا جی!'' شرجیل اس سے اُکتا گیا تھا وہ ذرا غصے میں بولا تو کونسلر علی حیدر نے اس کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھا اور بولا۔''میں ساتھ والے گھر بھائی رفیق کی عیادت کو جا رہا

تھا سوچا کہ چلتے چلتے بہن انوری کی طبیعت کا بھی پوچھ لوں۔''

اب شمع بی بی اپنا نیا نام سن کر ایک طویل سانس خارج کرتی ہوئی مناہل کی طرف دیکھنے لگیں تو وہ ہنس کر رہ گئی جبکہ سجن بولا۔

''کونسلر صاحب! ساتھ والا گھر تو آصف صاحب کا ہے بھائی رفیق کہاں سے آ گئے؟''

''بھئی تم کون ہو؟'' علی حیدر کا انداز ایسا تھا کہ اس نے پہلی ہی بار سجن کو دیکھا ہے۔سجن اس کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔''میں وہی ہوں جس کی ابھی ابھی آپ نے ساری چائے پی لی ہے۔سمجھے آپ؟''

کونسلر علی حیدر نے بات بگڑتے دیکھی تو فوراً اُٹھے اور غصے سے بولا۔''جا رہا ہوں جا رہا ہوں اگر بھائی سرمد زندہ ہوتے تو میری آج اتنی بے عزتی نہ ہوتی۔'' یہ کہہ کر وہ غصے سے ہی باہر نکل گیا۔

سجن اور مناہل اس نئے کردار کو حیرت سے دیکھتے ہوئے اب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تو شرجیل بولا۔

''اس کی یہ حالت تو ہونی ہی تھی۔جاہل کہیں کا۔اس کو کس نے کہا تھا کہ الیکشن جیت کر اپنے اثاثے شو کرو۔''

موسیٰ اور سجن اس کی بات سمجھ کر قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔



موسیٰ نے نماز فجر ادا کرنے کے بعد قرآن کریم کھولا اور اس کی تلاوت شروع کر دی وہ بڑی خوش الحانی سے تلاوتِ کلام مجید میں مگن تھا کہ اس کو ہلکی سی ٹھنڈی ہوا کا احساس ہوا اس نے دیکھا تو پاس ہی شمع بی بی کھڑی تھیں انہوں نے کچھ پڑھ کر موسیٰ کے چہرے پر پھونک ماری تھی۔

انہوں نے موسیٰ کو کلام مجید کی تلاوت میں مگن دیکھا اور پھر واپس چلی آئیں۔موسیٰ نے بھی قرآن کریم کی سورۃ رحمٰن مکمل کی اور قرآن کریم کو بند کر کے اپنی آنکھوں سے لگایا تو ایک مانوس آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''میں عشق ہوں......'' موسیٰ نے یک دم چونک کر اپنے اردگرد دیکھا تو اس کو کوئی بھی نظر نہ آیا تھا۔اس نے قرآن کریم کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر زور سے بھینچ لیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کہنے لگا۔

''اللہ! میں تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی اس کتاب کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ مجھے تیرے گھر کی زیارت ہر حال میں کرنی ہے۔مجھے اس طرح تڑپا تڑپا کر مت مار میرے مالک! جو بھی امتحان ہے ایک ہی بار مجھ پر ڈال دے۔میں ہر روز جینا اور مرنا نہیں چاہتا۔بس مجھے اپنا عشق عطا کر دے تجھے اس مقدس قرآن کا واسطہ؟''

''میں آ رہا ہوں موسیٰ!'' ایک بار پھر آواز نے اس کی سماعتوں میں رس گھولا تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔''لبیک اے عشق۔''

''میں بہت ظالم ہوں موسیٰ!'' موسیٰ نے قرآن کریم کو بوسہ دیا اور بولا۔

''مجھے اس کتاب کی حرمت اور تقدس کی قسم! میں اس کتاب کا آسرا پا کر کہتا ہوں کہ میں بہت بہادر ہوں۔''

''میں کان چھدوا دیتا ہوں۔میں آگ میں پھنکوا دیتا ہوں۔تپتی ریت پر لٹوا دیتا ہوں۔سیّدزادوں کے پاؤں

میں گھنگرو بندھوا دیتا ہوں۔ فقیر اور امیر میرے سامنے ناچتے پھرتے ہیں۔''

موسیٰ ہلکی سی مسکراہٹ سے بولا۔ ''تم اگر اتنے ہی بہادر اور ظالم ہو تو پھر اس موسیٰ سے کیوں ڈرتے ہو۔ سامنے آؤ۔''

ایک بہت ہی پیارا اور ہلکا مگر میٹھا قہقہہ موسیٰ کے کانوں میں اُبھرا۔

''ہار جاؤ گے موسیٰ!''

''یہ تم بھی جانتے ہو کہ میں اشرف المخلوقات ہوں اور ہارنا میری فطرت میں شامل نہیں ہے۔''

''میں نے انسانوں کو ہی آزمایا ہے۔ ان کو ہی تڑپایا ہے۔ بہت اوکھی اور مشکل منازل سے گزرنا پڑتا ہے موسیٰ۔''

عشق اس کو ڈرا رہا تھا یا پھر موسیٰ کے مصمم ارادوں سے خود ہی لرزاں تھا۔ موسیٰ ہنستا ہوا بولا۔

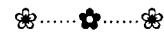
''ذرا اپنی تاریخ تو دیکھو تمہیں خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ شکست انسان نے نہیں بلکہ تم نے کھائی ہے۔ تم نے جس انسان پر بھی اپنا قبضہ جما کر اس کو آزمائشوں میں ڈالا ہے اسی انسان نے تمہیں سرخرو کیا ہے اور تمہاری ہر قسم کی آزمائشوں میں طوفانوں کو سینہ سپر ہو کر شکست دی ہے۔''

''لیکن تمہارا امتحان انوکھا ہو گا موسیٰ! میں تمہیں اتنا رُلاؤں گا کہ تمہاری آنکھوں کا پانی ختم ہو جائے گا۔ تمہارا امتحان بہت ہی انوکھا ہو گا۔'' عشق کی میٹھی آواز نے کڑواہٹ گھولنا شروع کی تو موسیٰ نے قرآن کریم کو ایک پیارا سا بوسہ دیا اور بولا۔ ''انوکھا امتحان؟ کیا بلال رضی اللہ عنہ سے بھی انوکھا امتحان لو گے؟ جنہوں نے تپتی جلتی ریت پر لیٹ کر سنگلوں میں بندھے ہونے پر بھی ''احد......احد!'' کا ورد جاری رکھا تھا۔''

''کیا ابراہیم علیہ السلام سے بھی زیادہ انوکھا امتحان لو گے جنہوں نے آتشِ نمرود میں چھلانگ لگا دی تھی۔ یا پھر اپنے بیٹے کو اللہ کے حکم پر ذبح کر دیا تھا تب بھی شکست تمہاری ہوئی تھی۔

کیا حسین علیہ السلام جیسا انوکھا کام مجھ سے کرواؤ گے؟ جانتے ہو کہ میں ان کے قدموں کی خاک کا اک ذرہ بننے پر بھی فخر اور عزت محسوس کرتا ہوں اور کیا خوب انجام دیا تھا حسین علیہ السلام نے تمہارے امتحان کو۔ نیزے پر اپنی گردن کو اس طرح سرخرو کیا کہ قرآن کریم کی تلاوت اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ تم ہار گئے ہو۔ ہار گئے ہو۔ کیا انوکھا امتحان لو گے نادان عشق۔ اگر تمہیں اپنے ہتھیاروں اور داؤ پیچ پر مان ہے تو آؤ۔ آزماؤ مجھے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ لبیک اے عشق لبیک اے عشق۔''

موسیٰ کی آنکھوں میں پانی اور آواز میں جوش تھا لیکن ہلکی سی آواز آئی تھی۔ ''میں آ رہا ہوں۔'' اس کے بعد کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔ لیکن موسیٰ نے دیکھا تھا کہ شمع بی بی کمرے کے دروازے میں کھڑی اس کو دیکھ رہی تھیں۔ موسیٰ نے ان کو آنسوؤں بھری آنکھوں سے دیکھا اور قرآن کریم کو بوسہ دیتا ہوا آنسوؤں کے نذرانے پیش کرنے لگا تھا۔



آج کافی دنوں بعد شرجیل ہیرا کی بیٹھک میں گیا تھا اس کو دیکھ کر ہیرا کی تو باچھیں ہی کھل گئی تھیں کیونکہ شرجیل

نے اس کو تقریباً سات آٹھ لاکھ روپے کی جو زک پہنچائی تھی وہ ہیرا کی چھاتی پر سانپ بن کر لوٹ رہی تھی اور وہ اس رقم کو واپس لانے کے لیے بے چین و بے قرار تھا اور زخمی شیر کی مانند شرجیل کے شکار کا ہر روز منتظر رہتا تھا اور آج شرجیل اس کی غار میں آ گیا تھا۔

''او خیر! میرے شرجیل بادشاہ دی۔'' ہیرا نے اُٹھ کر اس کا استقبال کیا اور گلے لگاتے ہوئے بولا۔ ''اوئے جا اوئے بوتل لے کے آ...... میرا جگر و یاہ کے بعد آج پہلی بار میرے ڈیرے پر آیا ہے۔''

شرجیل بھی جانتا تھا کہ یہ سب کاروباری مسکے ہیں اور ہیرا کو اپنی ہاری ہوئی رقم بھی تو واپس لینا تھی وہ شرجیل کو مسکہ نہ لگاتا تو کیا کرتا۔ ''کوئی گل نہیں پلوان! میں چائے پانی پی کر ہی آیا ہوں۔'' شرجیل نے بھی مروت برتتے ہوئے کہا تو ہیرا بدمعاش قہقہہ لگا کر بولا۔ ''اوئے رہن دے رہن دے۔ تو ہمیں نہ پلانا جب ہم تیرے گھر آئیں گے۔''

شرجیل اس کی بات سن کر ہنس پڑا اور بولا۔ ''واہ پہلوان! بیٹھک کی رونق تو خوب بڑھالی ہے تم نے۔'' شرجیل نے دیکھا کہ بہت سے نئے چہرے گیم کھیل رہے تھے۔ ہیرا اس کے کندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

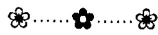
''شہزادے! تیرے بھائی کے بڑے تعلقات ہو گئے ہیں۔ نیا ایس ایچ او اپنے ماما دا پتر ہے۔ اوئے چل۔ جا کر بے فکر ہو کر کھیڈ۔'' شرجیل کو ہیرا کی آشیر بادہی چاہیے تھی۔ اس نے اپنی جیب ٹٹول کر پیسوں کا اندازہ لگایا اور گیم کھیلنے کے لیے ایک جگہ بیٹھ گیا۔

پہلے پہلے تو قسمت کا ہما شرجیل پر مہربان ہوتا گیا اور وہ ڈھائی تین لاکھ روپوں تک جیت گیا لیکن پھر قسمت کا اچھا لمحہ شاید گزر گیا وہ رفتہ رفتہ جیتی ہوئی رقم ہارنے لگا تھا۔ اس نے آدھی رقم ہار کر گیم چھوڑ دی تو ہیرا کو اس بات کا بہت دُکھ ہوا۔ اس نے شرجیل کے پاس آ کر پیار سے پوچھا۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے شہزادے؟''

شرجیل نے اس کی طرف دیکھا اور ماتھے پر آنے والے پسینے کو قمیص کی آستین سے صاف کرتا ہوا بولا۔

''ہاں ہیرا پہلوان طبیعت تو ٹھیک ہے۔ پر اب باقی کل کھیلوں گا۔ آج نہیں۔'' ہیرا کے لیے یہ بات خطرناک تھی کیونکہ ابھی بھی شرجیل کے پاس لاکھ روپے کے لگ بھگ رقم موجود تھی اور اتنی رقم ہیرا کو کھٹک رہی تھی کیونکہ آج بھی دیر بعد شرجیل آیا تھا تو اس کو نقصان ہی پہنچا کر جا رہا تھا لیکن وہ شرجیل سے زبردستی نہ کر سکتا تھا۔ ہونٹوں پر زبردستی کی مسکراہٹ سجاتا ہوا بولا۔ ''چل رہن دے رہن دے۔ نئیں دل کرتا تو کل آ جانا۔ ہمارے دل کی طرح اس بیٹھک کے بوہے ہر ویلے کھلے ہیں۔'' وہ شرجیل کو اُٹھا کر اپنے ساتھ بیٹھک سے باہر لے گیا۔



گرو نے ہمیشہ کی طرح چاندنی کو مسکرا کر رخصت کیا تو نیناں نے گرو کی طرف دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کیے اور نیناں برقع اوڑھ کر چاندنی کے پیچھے ہی گھر سے نکل گیا۔ وہ بھی اسی بازار اور گلی سے ہوتا ہوا چاندنی کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا جن جگہوں سے ہو کر چاندنی کالج جایا کرتی تھی۔ وہ ابھی چوک میں ہی پہنچے تھے کہ نیناں نے دیکھا کہ وہی فقیر جس کو گرو کھانا کھلایا کرتا ہے چوک میں کھڑا ہے اور چاندنی نے اپنے پرس میں سے کچھ پیسے

نکال کر بادشاہ کو دیئے۔ اتنی دیر میں نیناں بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گیا مگر چاندنی وہاں سے آگے کی جانب بڑھ گئی کیونکہ اس کو سڑک پار کر کے دوسری طرف بڑی سڑک پر جانا تھا اور کالج بھی اسی سڑک پر آگے جا کر تھا۔

نیناں بھی اس کے پیچھے ہی تھا کیونکہ چنبیلی اور الائچی نے ان دونوں کو ڈرا جو دیا تھا کہ چاندنی کے تعلقات لڑکوں سے ہیں اور گرو تو پریشان ہو گیا تھا جبکہ نیناں رات بھر نہ سویا تھا۔ اس نے چاندنی کی پرورش میں دن رات ایک کر دیئے تھے اور وہ اس کی تربیت بھی بالکل اس طرح کر رہے تھے جیسے کہ ذمہ دار والدین اپنی اولاد کی تربیت اور پرورش کرتے ہیں۔ اب ان کو اس بات کی فکر تھی کہ کہیں چاندنی اس معاشرے کی بھینٹ نہ چڑھ جائے کیونکہ یہ معاشرہ دن بہ دن بگڑتا ہی جا رہا ہے اور لڑکیوں اور لڑکوں کے اکٹھے تعلیم حاصل کرنے کے بخار نے جو بگاڑ پیدا کیا ہے وہ بھی عزتوں اور اسلامی اقدار کی پامالی کے لیے ایک ناسور بنتا جا رہا ہے۔

گرو سے مشورہ کرنے کے بعد ہی نیناں نے یہ بھیس بدل کر اس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ چاندنی گھر سے سیدھی کالج جاتی ہے یا کہیں اور جاتی ہے اور پھر کالج سے وہ سیدھی گھر آتی ہے یا کہیں اور جاتی ہے۔ اگر اس کی کسی کلاس فیلو سے دوستی بھی ہے تو وہ لڑکا کون ہے اور کس قماش کا ہے۔ اس بات کا پتہ نیناں نے اپنے تجربے کی بنا پر ہی کرنا تھا اور ویسے بھی اب چاندنی کی پڑھائی میں ایک ہی تو سال رہ گیا تھا۔ اس کے بعد کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر اس کی شادی کر دینا تھی مگر گرو اور نیناں کی راتوں کی نیندیں اُڑ چکی تھیں۔

نیناں نے دیکھا کہ چاندنی کالج کے مین گیٹ سے اندر داخل ہو رہی ہے۔ وہ بھی گیٹ کے ساتھ لگی ہوئی پھولوں کی باڑھ اور جنگلوں میں سے دیکھنے لگا کہ چاندنی کس لڑکے سے سب سے پہلے جا کر ملتی ہے۔ مگر کوئی بھی لڑکا چاندنی سے آ کر نہ ملا اور نہ ہی وہ کسی لڑکے سے ملی بلکہ وہ سیدھی ایک برآمدہ پار کرتی ہوئی ایک کمرے میں گھس گئی۔

نیناں نے فی الحال تو اطمینان کی ایک طویل سانس خارج کی کیونکہ چاندنی کلاس روم میں داخل ہو گئی تھی اور اس کا مطلب تھا کہ چاندنی اپنی پڑھائی پر توجہ دے رہی ہے چنبیلی اور الائچی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ لیکن ابھی اس بات کا حتمی فیصلہ نہ ہوا تھا کہ چاندنی واقعی کسی لڑکے کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھانے لگی تھی یا ان ہیجڑوں کی شریکا جوڑی نے ان کی پھول جیسی معصوم بیٹی پر الزام لگایا ہے۔

نیناں نے گھر آ کر گرو کو تمام بات بتائی تو گرو نے بھی فی الحال سکون کا سانس لیا مگر بولا۔

''الائچی اور چنبیلی کی نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔'' نیناں نے دُکھ سے گرو کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''کیا آپ بھی چاندنی کو غلط سمجھ رہے ہیں گرو؟'' گرو نے نفی میں سر ہلا کر پان کی پچکاری گملے میں پھینکی اور بولا۔

''نہیں...... اس کو غلط سمجھنے کا مطلب ہے کہ ہم اپنی تربیت اور پرورش کو ہی غلط کہہ رہے ہیں اور ہم سے ہی کوئی کوتاہی اور غفلت ہو گئی ہو گی۔'' نیناں گرو کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ''تو پھر؟''

اس کے جواب میں گرو بولا۔ ''نیناں! میں چاندنی سے بہت پیار کرتا ہوں بچے۔''

''مجھے معلوم ہے گرو۔'' نیناں نے گرو کی ٹانگیں دبانا شروع کر دیں تو گرو بولا۔

''میں چاہتا ہوں کہ جس طرح اس کا نام چاندنی ہے اس کی شادی بھی چاند جیسے لڑکے سے ہی ہو۔ کہیں ایسا نہ

ہو کہ وہ اپنے کسی کلاس فیلو کی باتوں میں آ کر اپنا آپ گنوا بیٹھے۔ وہ بہت معصوم اور بھولی ہے لیکن یہ زمانہ بہت چالاک ہے۔''

''میں چھٹی کے وقت بھی جاؤں گا اور پتہ کروں گا کہ چنبیلی اور الائچی سچی ہیں یا جھوٹی ہیں۔'' نیناں نے کہا اور پھر اُٹھ کر گرو سے اجازت لینے والے انداز میں بولا۔ ''کافی دن ہو گئے ہیں شمع باجی کی خیریت نہیں پوچھی۔''

گرو بھی ہنستا ہوا بولا۔ ''ہاں ہاں جاؤ اور میری طرف سے بھی پوچھ لینا۔'' گرو کی بات سن کر نیناں باہر نکل گیا اور ساتھ والے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا دیا تو مناہل نے دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم! شمع باجی ہے گھر میں؟'' نیناں نے دروازے میں ہی پوچھ لیا تو اندر صحن سے شمع بی بی کی آواز سن کر وہ اندر داخل ہو گیا۔ ''آ جاؤ نیناں میں گھر میں ہی ہوں۔'' شمع بی بی سبزی بنانے میں مصروف تھیں۔

''السلام علیکم شمع بی باجی کیسی ہو آپ؟'' نیناں نے موہڑہ گھسیٹ کر اس پر بیٹھنے میں جلدی کی تو شمع بی بی ہنستی ہوئی بولیں۔

''اِدھر میرے پاس آ جاؤ۔'' نیناں ان کی محبت کا قدردان تھا اور سمجھتا تھا کہ شمع بی بی ان کی عزت کرتی ہیں۔

''بس اِدھر ہی ٹھیک ہوں باجی! تم سناؤ۔ طبیعت کیسی ہے اور ماشاء اللہ اب تو مناہل بیٹی نے بھی گھر سنبھال لیا ہے۔'' نیناں نے مناہل کو تخت پوش پر شمع بی بی کے پاس بیٹھ کر سبزی بنانے میں مصروف دیکھا تو بولا تھا۔

''ہاں بھئی نیناں! مناہل کے اس گھر میں آنے سے مجھے تو بہت سکون اور آرام مل گیا ہے۔'' مناہل خالہ کے منہ سے اپنی تعریف سن کر ان کی طرف ہنس کر دیکھنے لگی۔ نیناں نے اپنے مخصوص انداز میں تالی بجائی اور بولا۔

''میں نا کہتا تھا کہ شرجیل کی شادی مناہل سے ہی کر دو۔ گھر کی دھی ہے۔ تمہیں بھی سکون دے گی اور شرجیل کو بھی راہِ راست پر لے آئے گی۔'' شمع بی بی کے چہرے پر خوف کی پرچھائیں دیکھ کر مناہل کچھ پریشان ہو گئی لیکن وہ نہ جانتی تھی کہ یہ خوف کی پرچھائیں اس بات کی علامت ہے کہ اگر نیناں نے شرجیل کی جوئے والی بات کر دی تو وہ مناہل کے سامنے شرمندہ ہو جائیں گی لیکن امن ہی رہا تھا نیناں اپنی ہی باتیں سنا سنا کر مناہل کو لوٹ پوٹ کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔



''کم آن چاندنی! آج تین دن بعد ہم مل رہے ہیں یار!'' عبید رضا اس کے پیچھے ہی گراؤنڈ میں چلا آیا تھا اور فری پیریڈ کا فائدہ چاندنی سے گفتگو کر کے اور اس کے دیدار سے دل کی پیاس بجھا کر اٹھانا چاہتا تھا۔ چاندنی چلتی ہوئی گھاس پر بیٹھ گئی تو وہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور چاندنی کو محبت سے دیکھنے لگا تو چاندنی سرخ گلابی گالوں پر چھانے والی حیاء کی دیوی بن کر بولی۔ ''کیا دیکھ رہے ہو؟''

''کوئی کمی دیکھ رہا ہوں۔ جو قدرت نے تمہارے حُسن میں رکھی ہو۔'' چاندنی اپنی تعریف سن کر چھوئی موئی ہوتی ہوئی بولی۔

''پھر کیا ڈھونڈا؟'' وہ اس کے چہرے کا طواف کرتا ہوا بولا۔

''تم ظالم ہو چاندنی!'' اس کے منہ سے یہ الفاظ سن کر چاندنی اک ادا سے بولی۔

''میں نے تو تم پر کوئی ظلم نہیں کیا عبید!'' عبید رضا ایک طویل سانس لیتا ہوا بولا۔

''چاندنی! میرا سکون اور چین تم نے مجھ سے چھین لیا ہے۔ میری نیندیں مجھ سے بغاوت کر دیتی ہیں۔ میری آنکھیں بند ہوتی ہیں تو تم سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہو۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔'' اس کا انداز سن کر چاندنی کھل کھل کرتی ہوئی ہنسی اور بولی۔ ''پھر میں کیا کہتی ہوں تم سے؟''

''پھر...... پھر یہ کہ جب میری آنکھ کھلتی ہے تو تمہارا تخیل ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ تم ہوا کے ساتھ ہی بادِ صبا بن کر میرے وجود کو مہکاتی ہو اور میری آنکھوں کو چوم کر کھڑکی کے راستے واپس چلی جاتی ہو۔''

''تو کھڑکی بند رکھا کرو نا۔'' چاندنی اس کے الفاظ کے سحر میں کھو گئی تھی۔ ''تم بھی تو ظالم ہو عبید۔'' وہ آنکھیں کھول کر چاندنی کو دیکھنے لگا جس کے یاقوتی ہونٹ ہولے ہولے لرز رہے تھے اور آنکھیں گہری جھیل کی مانند عبید رضا کو خود میں غوطہ لگانے کی دعوت دے رہی تھیں اور چاندنی کے گالوں پر سورج کی دھوپ بدتمیزی کرتی ہوئی اٹھکیلیاں کر رہی تھی اور اس کی سانسیں اس کے وجود کو اور بھی جادوئی کرنے میں مگن تھیں۔

''مجھ سے شادی کرو گی چاندنی!'' اتنی بڑی بات اور اتنا بڑا فیصلہ اور اتنا پُراعتماد لہجہ چاندنی چونک کر عبید رضا کی طرف دیکھنے لگی اس کی آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت کو پڑھتا ہوا عبید رضا پھر بولا۔ ''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

چاندنی نے یک دم گھبرا کر اپنے آس پاس دیکھا کہ عبید رضا کی بات کس کس نے سنی ہے۔ لیکن سبھی اپنی اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھے ان کی طرف کوئی بھی متوجہ نہ تھا۔

''چاندنی!'' عبید رضا کے دھیرے سے پکارنے پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی اور استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگی تو وہ پھر بولا۔

''مجھے سوچ کر بتانا چاندنی! کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔ تمہارا دل بھی میرا نام سن کر بالکل اسی طرح دھڑکتا ہے جس طرح میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی ہیں۔'' عبید رضا اس کے چہرے پر ایک میٹھی سی پھونک مار کر اس کو آنکھیں بند کرنے پر مجبور کرتا ہوا اُٹھ کر چلا گیا۔

چاندنی نے بے ترتیب دھڑکنوں کو اعتدال پر لانے کے لیے آہستگی سے آنکھیں کھولیں تو عبید رضا کو سامنے نہ پا کر وہ بے اختیار ہو کر گیٹ کی جانب دیکھنے لگی جہاں سے عبید رضا کی گاڑی باہر کو جا رہی تھی۔

چاندنی نے تھوک نگل کر اپنا حلق تر کرنے کی کوشش کی تو احساس ہوا کہ یاقوتی ہونٹ بھی خشک ہو گئے ہیں اور پلکیں بھی بوجھل ہو رہی ہیں کیونکہ وہ پلکیں جھپکنا بھی بھول گئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے عبید رضا کا سراپا ذہن میں لایا تو وہ اس کے منہ پر پھونک مار رہا تھا۔ چاندنی نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو اس کے سامنے کوئی نہ تھا وہ خود ہی اپنی نادانی پر شرم سے پانی پانی ہو کر مسکرانے لگی۔

وہ اُٹھی اور اپنی کتابیں سمیٹ کر وہ ہولے ہولے سے بیرونی گیٹ کی جانب جانے لگی تھی۔ وہ گھر کی جانب جانے والی سڑک پر ہولے ہولے چلنے لگی۔ اس کو دنیا ہی بدلی بدلی لگنے لگی تھی۔ بلکہ جس دنیا کو وہ بے رنگ اور پھیکا تصور کرتی تھی وہی دنیا اس کو رنگین اور قوسِ قزاح کے رنگوں سے مزین نظر آنے لگی تھی۔

وہ گھر کی جانب جا رہی تھی اس کو اپنے ارد گرد کا بھی ہوش نہ تھا۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر تھی کہ نیناں اس کے پیچھے پیچھے برقع اوڑھے آ رہا ہے۔



موسیٰ اپنی سروس کے دوران آج تیسری بار سیٹھ وہاب میر کے آفس میں آیا تھا۔ وہ ریوالونگ چیئر پر بیٹھے ہوئے وہاب میر کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔ ''جی سر! آپ نے مجھے بلایا تھا۔''

''موسیٰ!'' وہاب میر کرسی کی ٹیک چھوڑ کر آگے کی جانب جھکے اور اپنے دونوں بازو شیشے کی بڑی سی میز پر رکھتے ہوئے موسیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ''اس ملز میں بہت سے لوگ ہیں اور بہت سے یونٹ بھی ہیں اور ہر یونٹ میں کوئی نہ کوئی ایماندار آدمی بھی بیٹھا ہوا ہے۔'' موسیٰ ان کی بات نہ سمجھتا ہوا بولا۔

''میں سمجھا نہیں سر!'' وہاب میر مسکراتے ہوئے بولے۔

''ابھی میں نے اپنی بات پوری ہی نہیں کی تو تم کیسے سمجھو گے؟'' موسیٰ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ سر جھکا کر رہ گیا۔

''یہ ملز ہر سال ایک ملازم کو حج پر بھیجتی ہے۔ قرعہ اندازی کے ذریعے جس کا بھی نام نکل آئے وہ فرض حج ضرور کرتا ہے۔ بیماری، دوا اور دوسری سہولیات بھی ہر سال ہر دن سب ملازموں کو ملتی ہیں۔ تنخواہ بھی کبھی لیٹ نہیں ہوئی اور کسی بھی فسیلٹی میں کوئی بھی کوتاہی نہیں ہوئی۔''

''سر!'' موسیٰ نے ڈرتے ڈرتے کہا تو اس بار بھی وہاب میر مسکرا کر بولے۔ ''اب پوچھو؟''

''لیکن سر! ان سب باتوں کا مجھے علم ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''تمہیں یہ سب سہولیات ویسے ہی ملیں گی جیسے کہ اب تک ملتی رہی ہیں۔ تم کو تنخواہ ملز کے اکاؤنٹ سے ہی ملا کرے گی لیکن۔''

یہ کہہ کر وہاب میر نے موسیٰ کے چہرے کی طرف دیکھا جس پر کسی انجانے سے خوف کی پرچھائیاں رقصاں تھیں۔

''لیکن کیا سر!'' وہ ڈوبی ہوئی آواز میں بولا تھا۔ اس کو کہیں سجن کا دوست ہونے کی سزا تو نہیں ملنے لگی تھی۔ یہ اس کی سوچ تھی۔

''تم آج کے بعد اس ملز میں کام نہیں کرو گے۔'' موسیٰ کے سر پر وہ بم پھوٹ گیا تھا جو کبھی اس کی طرف آتا اور کبھی سیٹھ وہاب کی طرف جا کر مزید بارود سے بھر جاتا تھا۔ موسیٰ کو سجن کی بات یاد آنے لگی کہ اب تم دیکھنا کہ ابو جی تمہیں سجن کا راز دار ہونے کی بنا پر ملز سے فارغ کر دیں گے۔ اور وہی ہوا تھا۔ موسیٰ کی آنکھیں بھر آئی تھیں لیکن اس کو آج صبح عشق کی دھمکی بھی یاد آنے لگی تھی کہ اس نے کہا تھا کہ میں آنے لگا ہوں اور دیکھتے ہیں کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔

''لیکن میرا قصور کیا ہے سر!'' موسیٰ دھیرے سے نم آواز میں بولا۔ ''آپ مجھے اس ملز سے نکال بھی رہے ہیں اور تمام سہولیات بھی ویسے ہی دے رہے ہیں جیسے ایک ملازم کو ملتی ہیں۔'' موسیٰ نے عشق سے نپٹنے کی ٹھان لی تھی۔

''پرابلم یہ ہے کہ مجھے تم پر اعتماد ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اور بھی ایسا ہو جس کو میں اپنی جوان بیٹی کے انتہائی قریب کردوں۔'' سیٹھ وہاب میر کی زبانی الجھی ہوئی بات سن کر موسیٰ اور بھی الجھ گیا تھا۔ وہ کچھ نہ بولا تو وہاب میر ہم بولے۔

''میری بیٹی اس شہر کا سب سے بڑا اور فینسی بوتیک چلا رہی ہے۔ اس کو حساب کتاب میں کچھ گڑ بڑ لگی تو اس نے پرانے اکاؤنٹینٹ کو فارغ کر دیا ہے۔'' وہاب میر کی کچھ کچھ بات موسیٰ کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ ''پہلے یہی بوتیک میری مسز چلاتی تھیں لیکن بیٹی چونکہ تعلیم سے فارغ ہو چکی ہے اور اس نے ٹیکسٹائل ڈیزائننگ کا کورس بھی کیا ہے۔ اب اس نے وہ بوتیک اپنی ممی سے چھین لیا ہے اور اس کی ممی اب گھر میں فارغ ہے۔''

وہاب میر تفصیل سنا کر موسیٰ پر احسان کر رہے تھے کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ موسیٰ ان کی پہیلی نما باتوں سے کافی اُلجھ گیا ہے۔

''آپ کا مطلب ہے سر! کہ اب مجھے بطور اکاؤنٹینٹ اس بوتیک میں جاب کرنی ہے اور تنخواہ مجھے ملز ہی دے گی؟'' موسیٰ نے بات کنفرم کر کے اپنی تسلی چاہی تھی۔ سیٹھ وہاب میر اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے بولے۔

''بالکل ٹھیک سمجھے ہو تم۔'' انہوں نے موبائل دراز سے نکال کر ایک نمبر ملایا اور چند لمحات بعد بولے۔ ''ہاں بیٹا! میں موسیٰ کو بھیج رہا ہوں۔'' دوسری طرف کی بات سن کر انہوں نے موسیٰ کی طرف غور سے دیکھا اور بولے۔

''آف کورس میری جان! تمہیں کوئی پرابلم نہیں ہوگی وہ ملز کے یونٹ کا ماہر اکاؤنٹینٹ ہے اور پھر تمہارا تو صرف بوتیک کا ہی حساب کتاب ہے نا؟''

دوسری طرف کی بات سن کر ''اوکے بیسٹ آف لک'' کہہ کر وہاب میر نے موبائل سے کال ڈس کنکٹ کر دی اور موسیٰ سے مخاطب ہو کر بولے۔ ''تم نے دیکھا ہے نا۔ جو شہر کی مین شاہراہ تمہارے گھر کی جانب جاتی ہے اسی پر وہ مشہور بوتیک ہے ''حناز'' کے نام سے۔''

موسیٰ نے یہ نام پڑھا ہوا تھا اس کو معلوم تھا کہ یہ بوتیک کہاں ہے اور اس نے حنا بیگم کا نام بھی سجن کی زبان سے سنا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''یس سر! میں پہنچ جاتا ہوں۔''

''اوکے موسیٰ وش یو بیسٹ آف لک۔'' وہاب میر نے موسیٰ سے اُٹھ کر ہاتھ ملایا۔ ''تم نے اس ملز میں ایمانداری اور محنت سے بہت اچھا کام کیا ہے۔ میں تمہارے کام سے بہت خوش ہوں۔'' گویا وہاب میر نے اس کو الفاظ میں ہی الوداعی پارٹی دے دی تھی۔



سجن نے چاندنی کو مناہل اور شرجیل کی شادی کے بعد آج دوسری بار دیکھا تھا وہ شمع بی بی کے گھر مناہل کے ں پہلی بار آئی تھی۔ شمع بی بی اور مناہل نے بار بار اصرار کیا تھا کہ نیناں اپنی بیٹی کو ان کے گھر بھیجا کرے۔ اس طرح ع بی بی کی بات کو مانتے ہوئے نیناں نے چاندنی کو ان کے گھر بھیجا تھا۔

وہ مناہل کی سہیلی بن گئی تھی کیونکہ مناہل کی کوئی بھی نند یا دیورانی جیٹھانی نہ تھی اور نہ ہی کوئی سہیلی تھی اور ایسا ہی یہ چاندنی کے ساتھ بھی تھا اس کی بھی کوئی سہیلی نہ تھی وہ بھی کالج سے آنے کے بعد بوریت محسوس کرتی رہتی تھی۔ نیلی اور الایچی ڈانس کی ریہرسل کرتی تو چاندنی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتی تھی کیونکہ چنبیلی اور الایچی آپس میں باتیں کرتی تھیں یا کرتے تھے وہ ایک دوسرے کے چہرے کے متعلق ہوتی تھیں۔

''بہنا! چائے ملے گی؟'' سجن نے مناہل سے پوچھا تو چاندنی کی نگاہیں بے اختیار اُٹھ گئیں لیکن سجن ان اُٹھی ہوئی نگاہوں سے گھائل ہو گیا تھا۔ اس نے شمع بی بی سے جان بوجھ کر پوچھا۔

''ماں جی! آپ نے اپنے مہمان کا تعارف تو کروایا ہی نہیں۔'' چاندنی یہ سن کر مسکرا کر مناہل کے ساتھ کچن ں چلی گئی جبکہ شمع بی بی ہنستی ہوئی بولیں۔ ''یہ مہمان نہیں ہے میری بیٹی ہے۔ جس طرح تم میرے بیٹے ہو۔''

''ماں جی! ویسے یہ ہے کون؟'' سجن کو موسیٰ نے بتایا بھی تھا کہ چاندنی ان کی ہمسائی ہے لیکن وہ بات کو جان بوجھ کر بڑھا رہا تھا۔ ''پیاری ہے ماں جی!'' سجن بے ساختہ ہی کہہ گیا تو شمع بی بی نے گھور کر اس کو دیکھا اور ایک کہنی ماری تو وہ ہنستا ہوا بولا۔

''میرا مطلب تھا ماں جی کہ آپ پیاری ہیں۔'' شمع بی بی ہنستی ہوئی بولیں۔ ''ذرا جا کر دیکھو موسیٰ کیوں نہیں آیا ابھی تک؟''

سجن اُٹھ کر کچن کی جانب بڑھا تو شمع بی بی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ ''باہر کا دروازہ اُدھر ہے۔'' سجن لڑاتا ہوا ماتھے پر ہاتھ مارنے لگا تو اسی لمحہ چاندنی کچن سے باہر آئی اور سجن کی اس حالت سے محظوظ ہوتی ہوئی ولی۔

''ماں جی! مناہل بھابی تو بہت اچھی ہیں۔ آج سے میری دوست ہیں۔''

سجن نے یہ سن کر اپنا ہاتھ آگے کر دیا اور بولا۔ ''سجن!'' چاندنی نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا اور پھر سجن سے ہاتھ ملاتی ہوئی بولی۔ ''چاندنی!'' شمع بی بی اور مناہل ہونق بنی ہوئی تھیں۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے سالار؟ ائی؟'' مناہل

کی آواز سن کر سجن چونکتا ہوا بولا۔ ''دوستی......دوستی'' شمع بی بی ہنستی ہوئی بولیں۔

''چاندنی بیٹی! یہ میرا بیٹا ایسا ہی ہے۔ بس ہنس مکھ اور دوسروں کے دل میں اُتر جانے والا۔ سیدھا اور کھرا بندہ۔''

''جی ماں جی! ایسے لوگ دنیا میں کم ہی ملتے ہیں۔'' چاندنی نے کہا تو سجن بتیسی نکالتا ہوا ''جی جی......درست کہا آپ نے۔'' موسیٰ بسکٹ وغیرہ لے کر آیا تھا۔ اس نے ابھی واپس بھی جانا تھا اس کی آج سے ابھی سے بوتیک پر نوکری کا آغاز تھا وہ سیدھا گھر آیا تو چاندنی اور سجن کو دیکھ کر ماں جی نے اس کو بسکٹ لینے کے لیے بھیج دیا تھا۔

پُرسکون ماحول میں چائے پی گئی لیکن سجن بار بار اپنے اس ہاتھ کو بہانے بہانے سے چوم لیتا تھا جو چاندنی نے تھاما تھا۔

موسیٰ ہشاش بشاش ہو کر گھر سے نکلا تھا اس نے حناز بوتیک کو کئی بار دیکھا تھا لیکن کبھی بھی اس کے اندر جانے کا اتفاق نہ ہوا تھا کیونکہ حناز بوتیک صرف خواتین کے لیے ہی تھا اور ویسے بھی موسیٰ کی کون سا بہن یا بیوی تھی وہ جن کے ساتھ اس بوتیک میں آتا۔ لیکن اب وہ اس بوتیک میں ایک سینئر اکاؤنٹینٹ بن کر آیا تھا۔

وہ جیسے ہی شیشے کا بڑا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو باوردی سیکیورٹی گارڈ نے اس کو روک لیا تو موسیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں اس بوتیک کا نیا اکاؤنٹینٹ ہوں اور آئندہ تمہیں تنخواہ میں ہی دیا کروں گا۔'' یہ سن کر گارڈ بھی مسکرانے لگا اور موسیٰ کو وسیع جگہ پر رکھے گئے ایک صوفہ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جہاں پہلے بھی تین چار مرد حضرات فیشن کے میگزین کو اچٹتی نظروں سے دیکھ رہے تھے کیونکہ ہر ماڈل نے جو سوٹ پہنا ہوا تھا اس کے ساتھ اس سوٹ کی قیمت بھی لکھی ہوئی تھی۔ اس لیے ان مرد حضرات کا خیال تھا کہ یہ سوٹ ان کی جیب پر بھاری بھی ہے اور ایک قسم کی فضول خرچی بھی ہے۔

''سر! آپ کا اسم گرامی۔'' سیکیورٹی گارڈ نے پوچھا۔

''محمد موسیٰ!'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا اور پھر بوتیک میں کھڑی خواتین اور ملبوسات کو دیکھنے لگا۔ یہ سب کی سب ماڈرن اور امیر گھرانوں سے تعلق رکھنے والی خواتین تھیں اور سوٹ بھی ہزاروں روپوں کی قیمت کے تھے لیکن موسیٰ نے دیکھا کہ مختلف کیٹیگری ہونے کی وجہ سے یہ پورشن سیل کے زمرے میں آتا تھا اور پھر فرسٹ فلور اور سیکنڈ فلور پر جو ملبوسات تھے وہ یقیناً نیچے والے ملبوسات سے کافی قیمتی تھے وہاں پر ابھی رش کم تھا یا پھر ابھی ٹائم نہ ہوا تھا کہ خواتین گھروں سے نہ نکلی تھیں۔

''سر آپ تھرڈ فلور پر تشریف لے جائیں۔ میڈم ستارہ اپنے آفس میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔'' گارڈ نے موسیٰ کی محویت توڑی تو وہ مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا اُٹھ کر دائیں ہاتھ پر بنی ہوئی زرق برق سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

مسز وہاب میر نے کافی محنت کی ہوئی تھی ہر سیڑھی پر بھی سٹینڈ رکھ کر اس میں بھی ہینگر کے ساتھ فینسی پارچات لٹکاتے گئے تھے۔ ''میڈم ستارہ'' اچھا نام ہے۔ موسیٰ نے خود ہی سوچا اور اپنے دائیں بائیں دیکھتا ہوا تیسرے فلور پر پہنچ گیا۔ بڑی ہی مہارت اور بہترین قرینے سے تمام ملبوسات سجائے گئے تھے جو کہ خریداروں کو اپنی جانب راغب

کرتے تھے۔ موسیٰ نے تیسرے فلور پر پہنچ کر ایک سیلز گرل سے پوچھا تو اس نے ایک جانب اشارہ کر کے بتایا کہ میڈم کا آفس اُدھر ہے۔

موسیٰ ایک راہداری میں چلتا ہوا ایک کمرے کے سامنے جا کر رُک گیا۔ جس پر ''ستارہ'' لکھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی قمیص کے کالر کو ٹھیک کیا اور گلا کھنکارتا ہوا دروازے کو ہاتھ سے بجایا تو اس کے منہ کے بالکل سامنے سے ہی ایک سریلی اور نسوانی آواز اُبھری۔ ''کم آن'' موسیٰ حیرانگی سے ان انتظامات کو سراہتا ہوا دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو پرفیوم کی بھینی بھینی خوشبو نے اس کا شاندار استقبال کیا تو وہ مسحور ہو کر آنکھیں بند کر لیتا لیکن سامنے ہی کرسی پر ایک دھان پان سی لڑکی کو بیٹھے دیکھ کر اس کے ذہن میں یک دم جھماکا ہوا کہ وہ تو ملز میں باس کے آفس کے باہر اسی لڑکی سے ٹکرایا تھا۔

اگر ستارہ اس کے سامنے نہ بیٹھی ہوتی تو وہ یقیناً اپنا سر پکڑ لیتا لیکن یہ موقع سوچنے کا نہ تھا اس نے سامنے بیٹھی ہوئی ستارہ کو ''السلام علیکم'' کہا تو وہ ہونٹوں پر مسکان سجا کر جواب دینے کی بجائے اس کی شخصیت میں ہی کھو کر رہ گئی تھی۔ موسیٰ نے نروس ہو کر ایک بار پھر گلا کھنکار کر سلام کیا تو ستارہ نے چونک کر اپنی نظریں جھکا لیں اور بولی۔ ''جی وعلیکم السلام! آیئے موسیٰ تشریف رکھیں۔'' موسیٰ آگے بڑھ کر میز کے ایک طرف رکھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''موسیٰ!'' ستارہ نے بات آگے بڑھانے کے لیے آغاز کیا تو موسیٰ نے اپنا ذہن حاضر کر لیا۔ ''جی میڈم!'' موسیٰ نے سلام کے بعد پہلی بار اس کی بات کا جواب دیا تو وہ ہلکا سا مسکرائی اور بولی۔ ''میڈم کا لفظ مجھ پر کچھ سوٹ نہیں کرتا۔''

''جی میڈم!'' موسیٰ نے ایک بار پھر میڈم کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

''خیر موسیٰ! میں نے پاپا سے کہا تھا کہ وہ کسی بہترین اور اپنے کام کے ماہر کو میرے پاس بھیجیں۔ انہوں نے آپ کو بھیجا ہے تو یقیناً آپ کو اپنے کام کا علم ہی ہوگا۔'' موسیٰ کو بھی بہترین الفاظ کا سہارا لے کر بات کرنا تھی۔

''میرے کام کی آپ کو کوئی شکایت نہیں ملے گی۔''

''اور آپ کی؟'' ستارہ نے فی البدیہہ کہا تو وہ منہ کھولے ''جی'' ہی کہہ پایا تو ستارہ ہنسنے لگی اور بولی۔

''موسیٰ! یہ بوتیک میرے لیے ایک چیلنج بزنس ہے لیکن میں ہمیشہ سے خودسر اور ضدی ہوں جو کام کرنے سے منع کیا جائے میں وہ لازمی کرتی ہوں۔ آپ یہ تو سن ہی چکے ہوں گے کہ پہلا اکاؤنٹینٹ حساب کتاب میں گڑبڑ کرتا تھا۔ اس لیے میں نے اس کو فارغ کر دیا ہے۔''

''ایسی کوئی نوبت نہیں آئے گی میڈم!'' موسیٰ نے پُراعتماد لہجے میں کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''آپ پہلی بار میرے آفس میں آئے ہیں اس لیے پہلی بار ہی چائے میری طرف سے ہے۔'' اس نے یہ کہہ کر کارڈلیس فون پر چائے لانے کا کہا اور موسیٰ سے مخاطب ہوئی۔ ''آپ کو کیسا لگا ہمارا بوتیک۔''

''سچ کہوں تو لگتا ہی نہیں کہ ہم اپنے ہی ملک میں ہیں۔ بہت ہی زبردست اور سلیقے سے ہوتا ہوا کام مجھے بہت پسند آیا۔''

"آپ کو میرے آفس کے ساتھ ہی جو کمرہ ہے وہ آفس دیا جائے گا۔ اس میں سی سی ٹی وی کیمرے بھی لگے ہوئے ہیں اور تمام بوتیک کا نظام آپ بھی وہاں سے دیکھ سکتے ہیں اور ادھر سے میں بھی۔" ستارہ نے موسیٰ کی گردن کے پیچھے اشارہ کیا تو ٹی وی سکرینوں کی ایک قطار اس کو حیران کر گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ موسیٰ کے بوتیک میں اندر داخل ہونے سے یہاں آنے تک وہ ستارہ کی نظروں میں ہی تھا۔

"گڈ میڈم!" موسیٰ نے کہا تو حیرانگی سے بولی۔

"میں تو گڈ ہی ہوں۔ میں کام کا پوچھ رہی ہوں۔" موسیٰ قہقہہ لگا کر مسکرانا چاہتا تھا لیکن اس کا سٹیٹس اجازت نہ دیتا تھا وہ اس وقت ملازم کی کرسی پر تھا اور اس کے سامنے اس کی باس براجمان تھی۔

ملازم نے چائے لا کر رکھی تو ستارہ نے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر موسیٰ کے سامنے کپ پیش کیا تو وہ شرمسار ہوتا ہوا بولا۔

"تھینک یو میڈم!" ستارہ نے مسکرا کر کہا۔ "میرا نام ستارہ وہاب ہے۔ آپ مجھے صرف ستارہ بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"یہ کچھ مناسب نہیں لگتا مجھے۔" موسیٰ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"احتیاط سے گفتگو کرنا فصاحت سے بہتر ضرور ہے کیونکہ عقلمند لوگ کم غلطیاں کرتے ہیں۔" ستارہ نے نئی گفتگو چھیڑ دی تھی۔

"میں تو اس حق میں ہوں میڈم! کہ شکستہ اور ٹوٹی ہوئی کشتیوں کو ساحل کے قریب ہی رہنا چاہیے۔ احتیاط کا یہی تقاضا ہے۔" موسیٰ کی طرف سے بھی سیر کا جواب سوا سیر ملا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ "ایسی باتیں تو وہ کرتا ہے جس نے دوسروں کی بدقسمتی سے احتیاط کا سبق سیکھا ہو۔" ستارہ بھی گھونٹ گھونٹ چائے پینے لگی تو موسیٰ اپنی چائے ختم کر چکا تھا۔ لیکن اخلاقیات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اب ستارہ کے چائے پینے کا انتظار کرتا۔

"آپ کو اس ماحول میں شروع شروع میں پرابلمز تو ہوں گی لیکن آئی ہوپ کہ آپ اس جگہ کام کر کے مزہ محسوس کریں گے۔" ستارہ نے بھی اپنی چائے ختم کر کے کپ ٹرے میں رکھا اور اپنی کرسی سے اُٹھتی ہوئی بولی۔

"آیئے میں آپ کو آپ کا آفس دکھا دیتی ہوں۔" موسیٰ بھی احتراماً اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تو وہ موسیٰ کے پاس سے گزرتی ہوئی آفس کا دروازہ کھولتی ہوئی باہر نکل گئی۔

موسیٰ بھی اس کے پیچھے ہو لیا تو وہ ساتھ والے کمرے میں داخل ہو گئے۔ وہ آفس بھی بہت اچھا ڈیکوریٹ کیا گیا تھا لیکن ستارہ کا آفس بہت بہتر تھا۔ ملازم اور مالک کے سٹیٹس کا فرق تو واضح تھا لیکن موسیٰ کو سکون محسوس ہوا تھا کیونکہ ملز میں جو سر کھپائی تھی وہ کم از کم یہاں نہ تھی۔ کمپیوٹر اور جدید سسٹم کے ساتھ ساتھ ٹی وی سکرینوں نے آفس کی شان بڑھا دی تھی۔

بڑی سی میز کے گرد کچھ کرسیاں تھیں اور میز کے دوسری جانب ایک ریوالونگ کرسی تھی۔ جو کہ یقیناً موسیٰ کے لیے تھی۔ کھڑکیوں پر پردے لٹک رہے تھے۔ ستارہ نے ریوالونگ کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر موسیٰ! یہ آپ کی سیٹ ہے۔"

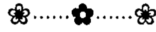
"تھینک یو میڈم ستارہ!" وہ مسکراتا ہوا بولا تو ستارہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اس سسٹم میں تمام فائلیں اور حساب کتاب موجود ہے۔ آپ آج کا دن ان کو اچھی طرح دیکھ لیں۔ ٹیک لیئر۔" وہ یہ کہتی ہوئی اس کے آفس سے باہر نکل گئی تو موسیٰ نے ایک طویل سانس کمرے میں چھوڑی۔

"اُس باس اور اِس باس سے کم از کم آفس اور باس تو اچھا ہے۔" وہ دل میں سوچنے لگا۔ "اچھی ہے۔" وہ اپنی بات پر خود ہی مسکرایا اور آفس کا جائزہ لینے لگا۔ ضرورت کی ہر چیز اس کے آفس میں موجود تھی۔ میز پر پڑا ہوا کارڈلیس بول پڑا تو وہ حیران ہو کر دیکھنے لگا۔ یہ یقیناً باس کا ہوگا۔ اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھایا اور بولا۔ "جی"

"مسٹر موسیٰ! اس بات سے بے فکر رہیے کہ آپ کے آفس میں بھی کوئی کیمرہ لگا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔" یہ کہہ کر ستارہ نے بٹن دبا کر بات منقطع کر دی تھی۔ موسیٰ نے اس بات پر بھی ایک پُرسکون سانس خارج کی۔

وہ کمپیوٹر کو آن کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا اور اس بات سے بے خبر تھا کہ ستارہ اس کو اپنے آفس میں بیٹھی بڑی محبت سے دیکھ رہی ہے اور مسحور ہو کر اس کی شخصیت میں کھو گئی ہے۔



بادشاہ نے گرو کے گھر کے سامنے آ کر صدا لگائی تو آج پھر چاندنی نے دروازہ کھول کر اس کو پکارا۔

"بابا جی کھانا لے لیں۔" بادشاہ رُک گیا اور اپنی لاٹھی کے سہارے گرو اور نیناں کی تھڑی پر بیٹھ گیا اور آنکھوں کو گھماتا ہوا دروازے کی جانب منہ کر کے بولا۔

"بیٹی! گرو کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" بادشاہ نے چاندنی کی آواز سے محسوس کیا تھا کہ وہ کہیں غلط گھر کے سامنے تو نہیں بیٹھ گیا وہ اپنی بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ "جی بابا جی! بابا جان ٹھیک ہیں وہ رات کو دیر سے سوئے تھے اب آرام کر رہے ہیں۔" چاندنی نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر روٹی کی پلیٹ میں رکھا تو بادشاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو چاندنی کو اچنبھا ہوا وہ گھبراتی ہوئی بولی۔

"بابا جی! بابا جی! میرا ہاتھ تو چھوڑیں۔" بادشاہ نے اس کا ہاتھ چھوڑنے کی بجائے دُکھ سے کہا۔

"بیٹی! مجھے غلط نہ سمجھو۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں تمہیں اپنی بیٹی سمجھ کر تمہارے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ سکتا ہوں۔"

بادشاہ کا سوالیہ انداز اور کرب میں بھرے الفاظ چاندنی کو پُرسکون کر گئے۔ اس نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا اور بولی۔ "جی بابا جی! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ مجھے اپنی بیٹی سمجھ کر میرے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ سکتے ہیں۔"

بادشاہ کے لرزتے اور کانپتے ہاتھ نے چاندنی کو اور بھی حیران کر دیا۔ وہ بولی۔

"بابا جی! کیا آپ کی کوئی بیٹی نہیں ہے؟" بادشاہ نے تڑپ کر اپنا ہاتھ کھینچا اور خوفزدہ ہو کر سہمے لہجے میں بولا۔

"اللہ نہ کرے کہ میری بیٹی نہ ہو۔" وہ آنکھوں میں آنسو بھرتا ہوا بولا۔ "میری بیٹی بھی ہے۔ لیکن وہ میرے پاس نہیں رہتی...... بس تمہاری آواز سن کر مجھے یاد آ گئی۔" چاندنی بادشاہ کی باتیں سن کر اُداس ہو گئی اور پھر پوچھا

"کیا وہ میری ہم عمر ہے بابا جی!" بادشاہ کو شاید اس کی عمر ٹھیک طرح سے یاد نہ تھی۔ اس لیے وہ چاندنی کے

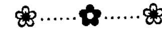
سوال کا جواب دینے کی بجائے اپنا سوال کرتا ہوا بولا۔ ''تم پڑھتی ہو تو کس کلاس میں پڑھتی ہو؟'' بادشاہ نے اس کی عمر پوچھنے کی بجائے اس کی تعلیم کا ہی سوال اُٹھایا تو چاندنی بولی۔ ''میں ایم اے کر رہی ہوں بابا جی! یعنی کہ سولہویں جماعت میں ہوں۔'' اس کی بات سن کر بادشاہ غمگین ہو گیا تھا لیکن کربناک مسکراہٹ سے بولا۔

''میں جانتا ہوں کہ ایم اے سولہ جماعتوں کو کہتے ہیں۔''

''اچھا......؟'' چاندنی حیران رہ گئی۔ ''بابا جی آپ پڑھے لکھے ہیں؟'' بادشاہ مسکراتا ہوا بولا۔

''کہاں بیٹی! بس لوگوں کی باتیں ہی سنتا رہتا ہوں۔ ویسے میری بیٹی بھی تمہاری ہم عمر ہی ہے۔'' چاندنی کو بابا سے باتیں کر کے لطف آنے لگا تھا۔ وہ بات کو آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔ ''بابا! آپ بچپن سے ہی دیکھ نہیں سکتے کیا۔ یا کوئی حادثہ ہوا تھا؟'' چاندنی کے اس سوال نے بادشاہ کو لقمہ چبانے میں کافی تکلیف دی تھی تبھی تو نوالہ اس کے حلق میں ہی اٹک گیا تھا۔ وہ زور زور سے ہچکیاں لینے لگا تو چاندنی اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتی ہوئی اندر کی جانب بھاگی اور پانی کا گلاس بھر کر دوبارہ باہر کی جانب بھاگی تو نیناں کو حیرانگی ہوئی۔

''کیا ہوا چاندنی! کیوں باولی ہو رہی ہو۔ گر نہ جانا بیٹا؟'' نیناں نے دھوئے ہوئے کپڑے تار پر لٹکاتے ہوئے چاندنی کے پیچھے ہی دوڑ لگائی تو چاندنی اپنے ہاتھوں سے نابینا بادشاہ فقیر کو پانی پلا رہی تھی۔ نیناں یہ دیکھ کر مسکرانے لگا کہ چاندنی نے یہ بہت بڑی نیکی کی ہے لیکن وہ اس بات کو محسوس نہ کر سکا تھا کہ فقیر اپنے آنسو بھی پانی کے ساتھ ساتھ ہی پی رہا ہے اور اس کی یہ کیفیت کیوں تھی اس بات سے چاندنی اور بادشاہ بھی بے نیاز اور بے خبر تھے۔



چاندنی کے کالج جاتے ہی گرو نے چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کر لیا تھا۔ نیناں کو تو معلوم تھا کہ گرو کا شور بے وجہ نہیں ہے لیکن چنبیلی اور الائچی کو ہمیشہ کی طرح یہ بے وقت کی راگنی ہی لگی تھی۔ وہ اپنی نیند خراب ہونے پر گرو سے ناراض تھے لیکن ان کی جرأت نہ تھی کہ گرو اور نیناں کے سامنے دم مار سکیں۔

''کالے منہ والی چنبیلی! کس منحوس گھڑی میں تمہارا نام چنبیلی رکھا گیا تھا۔ اصلی نام تو چنبل ہونا چاہیے تھا۔'' گرو نے جلی کٹی سنائی تو چنبیلی کا منہ بن گیا تھا کیونکہ وہ ابھی ابھی صابن سے منہ دھو کر آیا تھا لیکن پھر بھی گرو نے اس کو چنبل کہہ کر پکارا تو وہ سخت ناراض لگ رہا تھا۔

''کی گل اے گرو! اج خیر تے ہے صبح صبح ای کھپ شروع۔'' چنبیلی نے پوچھا لیکن وہ گرو کے قدموں میں بیٹھ کر اس کی ٹانگیں دبانا نہ بھولی تھیں۔ گرو کو اس کی فرمانبرداری پسند آئی تھی اسی لیے اب اس کی توپ کا رُخ الائچی کی طرف مڑ گیا تھا۔ جو ہاتھ میں تولیہ اُٹھائے ان کی طرف ہی بڑھ رہا تھا۔

''لو ایک اور آ گیا ہے۔'' گرو نے ناک منہ چڑھا کر کہا تو الائچی نے آ کر گرو کے گھٹنوں کو چھو کر اپنے دن کا آغاز کیا اور بولا۔

''گرو! میں اج توں بعد ایہدے نال نئیں جانا۔'' الائچی نے چنبیلی کی طرف اشارہ کر کے احتجاج کیا تو نیناں چائے لے کر آ گیا۔

''میں تو تم دونوں کی لڑائی سے تنگ آ گیا ہوں۔ ایسا کرو دونوں مل کر مجھے مار دو کلموہیو...... پھر جس طرح چاہے لڑتی مرتی رہنا......''

گرو سخت ناراض لگ رہا تھا۔ چائے کے ساتھ دیسی گھی کے پراٹھے بھی تھے جو کہ ان کے لیے بہترین ناشتہ تھا۔

چنبیلی اور الائچی کو گرو نے باری باری چائے کے مگ پکڑائے اور بولا۔ ''بسم اللہ کرو۔''

''تمہیں کوئی خبر بھی ہے کہ آج میری بیٹی کی سالگرہ ہے کلموہیو۔'' گرو نے کہا تو الائچی اور چنبیلی اپنے اپنے سر پر ہاتھ مار کر رہ گئے۔ ''جلدی سے ناشتہ کر کے صحن کو اچھی طرح دھو لو۔ ''غبارے'' پھلا کر جگہ جگہ لٹکا دو اور کیک والے سے بھی پوچھ لو کہ تیار ہو گیا ہے یا نہیں۔'' گرو کو سب سے زیادہ فکر ہو رہی تھی جبکہ نیناں خوش ہو رہا تھا۔

''گرو! میں نے سب پتہ کر لیا ہے۔ کیک بھی تیار ہے اور میں نے شمع بی بی اور اس کی بہو مناہل کو بھی پیغام دے دیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔'' نیناں سے تسلی بخش جواب سن کر گرو کو کچھ سکون ہوا تھا۔

ناشتے کے بعد وہ گھر کی صفائی ستھرائی میں لگ گئے اور پھر ہر چیز کو طریقے سے رکھنے کے بعد نیناں نے موبائل پر سے ایک نمبر ملا کر اس کو کیک لانے کا کہا۔ اب ان کو تسلی ہو گئی تھی۔ انہوں نے ہر چیز کو ایک تنقیدی نظروں سے دیکھا اور گھڑی کی طرف دیکھ کر چونکے۔

''ہائے اللہ! کپڑے تو بدلے ہی نہیں ہم سب نے۔'' یہ نیناں کی آواز تھی لیکن آواز سن کر سب سے پہلے الائچی اندر کی جانب بڑھا تھا۔ وہ سب اندر جا کر کپڑے تبدیل کرنے لگے تو دروازے پر دستک سن کر گرو نے دروازہ کھول کر کیک وصول کیا اور واپس آ کر اس نے کیک اندر کمرے میں رکھا۔

''نیناں...... نیناں! میری دھی چاندنی کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔ تم سب تیار ہو نا؟'' گرو کی آواز نے سب میں کرنٹ بھر دیا تھا۔ ''جی گرو جی! ہم تیار ہیں۔'' نیناں کی آواز نے گرو کو مزید پُرسکون کر دیا تھا۔

ان سب کا پلان تھا کہ چاندنی کو سرپرائز دیں گے کیونکہ اکثر چاندنی اپنا برتھ ڈے بھول جاتی تھی اور آج بھی وہ جب کالج جانے کے لیے نکلی تو اس کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہ تھا کہ جس سے اندازہ لگایا جاتا کہ اس کو آج کا اہم دن آج بھی یاد ہے دروازے پر دستک سن کر گرو نے نیناں کی طرف دیکھا اور نیناں نے گرو کی طرف دیکھ کر اشاروں میں بتایا کہ چاندنی آ گئی ہے۔ وہ سب چھپ گئے تو چاندنی گھر کے اندر داخل ہوئی۔

''آؤ عبید! یہ ہے میرا گھر۔'' چاندنی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ چاندنی حیرت سے واپس گئی تو عبید رضا باہر ہی کھڑا تھا۔ ''ارے تم باہر کیوں رُک گئے۔ اندر آؤ نا۔ میں تمہیں اپنے ماما بابا سے ملواتی ہوں۔'' عبید رضا کچھ نروس لگ رہا تھا۔ وہ آج ضد کر کے چاندنی کے ساتھ اس کے گھر تک آ گیا تھا۔ چاندنی نے بہت بہانے کیے تھے لیکن وہ آج نہ جانے کیوں بضد تھا کہ وہ آج چاندنی کا گھر بھی دیکھے گا اور اس کے ماما بابا سے بھی ملے گا۔

''وہ دراصل یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارے ماما بابا کو اعتراض نہ ہو۔'' عبید اس کے ساتھ صحن میں آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کو صحن میں صفائی اور گھر کی حالت سے اندازہ ہو گیا تھا کہ گھر کے مکین غریب اور سفید پوش ضرور ہیں لیکن صاف ستھرے ہیں۔

"ان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا وہ تو درویش ہیں درویش۔" چاندنی نے کہا تو اندر سے گرو، نیناں، چنبیلی اور الائچی ناچتے ہوئے باہر آئے۔ "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

ان سب کی آوازوں میں گانا بہت ہی بُرا لگ رہا تھا لیکن فی الحال عبید رضا خاموش تھا وہ دیکھ رہا تھا کہ چاندنی کے گھر میں ان ہیجڑوں کا کیا کام ہے۔ وہ بھی چاندنی کی طرح اس کی برتھ ڈے پر سرپرائزڈ تھا لیکن وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ چاندنی کے والدین نے چاندنی کی سالگرہ انوکھے انداز میں منانے کے لیے ہیجڑوں کو ہائر کیا ہے۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر چاندنی!" گرو نے آگے بڑھ کر چاندنی کے ماتھے پر بوسہ دیا اور پھر نیناں نے اس کو گلے لگا کر اپنی محبت کا اظہار کیا تو عبید رضا حیران رہ گیا تھا۔ وہ ابھی تک کچھ بھی اندازہ نہ لگا پایا تھا کہ یہ ہیجڑے کون ہیں اور چاندنی کے گھر میں کیوں ہیں اور چاندنی کو اتنا پیار کیوں کر رہے ہیں۔

گرو کی نگاہ عبید رضا پر پڑی تو وہ چاندنی سے مخاطب ہوا۔ "یہ کون ہے چاندنی؟" گرو کی بات سن کر سب نے ہی عبید رضا کی طرف دیکھا جو کہ اب تک یکسر نظر انداز ہی چلا آ رہا تھا کیونکہ وہ سب ہی چاندنی کو سرپرائز دینے میں محو ہو گئے تھے۔

"یہ......" چاندنی نے عبید رضا کی طرف دیکھا۔ "یہ عبید رضا ہے۔ میرا کلاس فیلو؟" اور پھر وہ عبید رضا کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ "اور عبید رضا! یہ میرے ماما پاپا بابا سب کچھ ہیں۔" عبید رضا پر بجلی سی گر گئی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے چاندنی کہ یہ ہیجڑے تمہارے ماں باپ ہیں۔" عبید رضا کے انداز میں حیرت نمایاں تھی وہ کبھی ان کی طرف اور کبھی چاندنی کی طرف دیکھتا تھا۔ "ہاں عبید! یہ ہیجڑے میرے ماں باپ ہیں اور مجھے اس بات پر شرمندگی نہیں بلکہ فخر ہے۔" عبید رضا طنزیہ انداز میں مسکرایا اور بولا۔ "چاندنی کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ ہیجڑوں کی اولاد نہیں ہوتی؟" یہ سن کر چاندنی پر بجلی گر گئی جو اس کے دل کو جلا کر خاکستر کر گئی۔ وہ ہونق بنی باری باری سب کی طرف دیکھتی ہوئی رونے لگی اور پھر اندر کی جانب بھاگ گئی۔



شمع بی بی نے مسکرا کر اپنی بہن فائزہ کا استقبال کیا تھا۔ کیونکہ شکیل احمد، فائزہ اور تحریم شادی کے بعد صرف مکلاوہ لینے ہی آئے تھے اور اب تین ماہ بعد ہی چکر لگایا تھا لیکن اس دوران مناہل ان کی طرف آتی جاتی رہی تھی اور موبائل پر بھی بات ہوتی رہتی تھی۔ شکیل احمد کو کچھ فرصت تھی اس لیے وہ مناہل سے ملنے آئے۔

"یہ تو بہت اچھا کیا تم نے فائزہ۔" شمع بی بی مسکراتی ہوئی بولیں۔ "ورنہ میں تو اب کہہ کہہ کر باز ہی آ گئی تھی کہ اب فائزہ کو نہیں کہنا کہ میرے گھر آؤ۔ بس خود ہی اپنی بیٹی سے ملنے آئے گی۔" ان کی بات سن کر فائزہ اور شکیل احمد مسکرانے لگے۔

"ارے آپا! آپ کو تو میری عادت کا علم ہی ہے کہ میں کہیں بھی آتی جاتی نہیں ہوں۔" فائزہ مسکرا کر بولی تو اندر سے مناہل بھی آ گئی وہ بھی اس سرپرائز سے واقعی حیران تھی۔ اس نے شکیل احمد کو سلام کیا تو انہوں نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ پھر وہ باری باری فائزہ اور تحریم سے ملی۔

"امی! آج تو آپ نے حیران ہی کر دیا۔" مناہل خوش ہو رہی تھی جبکہ تحریم اس کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی وہ

بھی مناہل کو چھپیاں ڈال رہی تھی۔ "مناہل آپی! آپ تو خوب موٹی تازی ہو گئی ہو۔" تحریم کی بات سن کر مناہل ہنسنے لگی۔ شمع بی بی نے مناہل سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اب باتیں کم کر کے میری بیٹی کچھ چائے وغیرہ کا انتظام بھی کر لو۔" فائزہ اور شکیل احمد کچھ بیکری اور کچھ فروٹس وغیرہ لے آئے تھے۔ شمع بی بی نے ان کے اس تکلفات کا بُرا منایا تھا لیکن شکیل احمد کی ہنسی نے ان کا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔

اتنی دیر میں شرجیل بھی گھر میں داخل ہوا تو وہ بھی سسرال والوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا لیکن اب وہ لوگ آ گئے تھے تو ان سے سلام دعا بھی ضروری تھی ویسے بھی فائزہ اس کی خالہ تھی۔

شرجیل نے شکیل احمد سے ہاتھ ملایا اور فائزہ کو سلام کرتا ہوا ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"ہاں بھئی شرجیل! کام کیسا جا رہا ہے؟" جس سوال کے ہونے کے ڈر سے وہ سہم گیا تھا وہی سوال شکیل احمد نے اس سے پوچھ لیا تھا۔ شرجیل نے شمع بی بی کی طرف دیکھا تو وہ بولیں۔ "تم سناؤ شکیل! تمہاری نوکری کیسی چل رہی ہے۔ اور صحت ٹھیک رہتی ہے نا؟"

شمع بی بی نے شرجیل کی جان بخشی کرائی تو وہ ہنستا ہوا اندر کچن کی جانب بڑھ گیا تو تحریم نے اس کو سلام کیا۔

"اسلام علیکم شرجیل بھائی! کیسے ہیں آپ؟" شرجیل مسکرانے لگا اور بولا۔

"یہ سوال تو تم اپنی بہن سے پوچھتی تو زیادہ اچھا تھا۔" تحریم بھی مسکرانے لگی اور بولی۔

"چلو ایسا کرتے ہیں کہ سوال کو اُلٹا کر کے پوچھتی ہوں۔" شرجیل اپنی اس کزن سے کچھ چالو ہی رہتا تھا کیونکہ وہ پڑھی لکھی تھی اور ذہین بھی تھی۔ اب وہ پتہ نہیں کیا پوچھنے والی تھی شرجیل اس کی طرف دیکھنے لگا تو وہ بولی۔

"شرجیل بھائی! میری آپی کیسی ہیں؟" اس بار بھی شرجیل مسکراتا ہوا بولا۔

"لے دس بھلا اس بات کا مجھے کیا علم! اس کی طبیعت کا تو وہ ہی بتا سکتی ہے نا۔" یہ کہہ کر شرجیل اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تو تحریم مناہل سے پوچھنے لگی۔ "ویسے مناہل آپی! یہ شرجیل بھائی بھی عجیب ہیں نا؟ پوچھو کچھ بتاتے کچھ ہیں؟"

"بس تحریم یہ ایسے ہی ہیں لیکن عادت کے بہت اچھے ہیں۔" تحریم "ہوں" کہتی ہوئی گھر میں نظر دوڑاتی ہوئی بولی۔

"آپی! وہ موسیٰ نظر نہیں آ رہا کہیں؟" مناہل نے اس کی طرف مشکوک انداز میں دیکھا تو وہ کھسیانی ہو کر بولی۔

"میرا مطلب تھا کہ گھر کا ایک فرد کم ہو تو گھر سُونا سُونا لگنے لگتا ہے۔" مناہل نے دودھ میں چینی اور پتی ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔ ویسے موسیٰ تو اس گھر کی رونق ہے اور اس کا ایک دوست ہے سالار بھائی! وہ میرا بھائی ہے اور اس نے مجھے اپنی بہن بنایا ہوا ہے۔ وہ بھی اچھی طبیعت کے مالک ہیں۔"

"اچھا...... ویسے موسیٰ کب تک آ جاتا ہے؟"

"خیر ہے تحریم! موسیٰ کو دیکھنے کے لیے باولی ہو رہی ہو۔ جاؤ جا کر امی سے وہ سامان لے کر آؤ اور پلیٹوں میں نکالو۔" تحریم کی بیتاب نظریں موسیٰ کو دیکھنے کے لیے اِدھر اُدھر ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس نے بیکری کا سامان پلیٹوں میں

نکال لیا تو موسیٰ کی آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔ ''بھابی! میری بھی چائے؟''
مناہل، تحریم کو کہنی مارتی ہوئی بولی۔ ''لو آ گیا ہے موسیٰ! کر لو دیدار۔'' لیکن اب تحریم کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں اور چہرے کی رنگت بھی مزید سرخ ہو گئی تھی۔ ''آپی! آپ بھی نا...... بس......'' تحریم اتنا ہی کہہ پائی تھی۔
موسیٰ نے شکیل احمد اور فائزہ کو سلام کیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔
شکیل احمد نے موسیٰ سے نوکری کے بارے میں پوچھا تو اس نے اپنی بات بتانا شروع کر دی جو کہ شمع بی بی کے لیے بھی حیران کن تھی کیونکہ موسیٰ نے ابھی کسی کو بھی نہ بتایا تھا کہ اس کو ملز سے نکال کر بوتیک پر بھیج دیا گیا ہے۔ اب وہ پہلے سے کافی بہتر جگہ پر ہے۔ یہ سن کر شمع بی بی نے اللہ کا شکر ادا کیا۔
تحریم اور مناہل چائے لے کر آئے تو موسیٰ نے تحریم کو دیکھ کر چھیڑا۔ ''خالہ! آپ اس چڑیل کو بھی لے کر آئی ہیں؟''
''موسیٰ...... موسیٰ...... ذرا تمیز سے۔ میں مہمان ہوں تمہارے گھر میں۔''
''کیا تمیز سے...... تم میرے گھر میں نہیں اپنی خالہ کے گھر میں مہمان ہو۔'' شکیل احمد اور فائزہ ہنسنے لگے۔
ہنسی مذاق میں باتیں ہوتی رہیں اور اسی پُرسکون ماحول میں چائے پی گئی اور شرجیل کو بھی بلا لیا تھا۔
''امی! آپ تحریم کو میرے پاس ہی چھوڑ جائیں۔'' مناہل نے فائزہ سے کہا تو وہ تحریم کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔
''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔'' شکیل احمد، تحریم کی بات سن کر مسکرائے اور بولے۔
''آپا! آپ نے غور کیا کہ وہ رہنا بھی چاہتی ہے لیکن منہ سے کچھ کہنا بھی نہیں چاہتی۔'' سبھی کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔ موسیٰ تحریم کی چٹیا کھینچتا ہوا بولا۔ ''جو بات دل میں ہو کہہ دینی چاہیے۔'' باقی سب تو موسیٰ کی بات سن کر ہنس رہے تھے لیکن تحریم سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی دل ہی دل میں بولی۔ ''جو دل میں ہے کہہ دوں......؟''

❀......✿......❀

گرو اور نیناں کے لیے بہت ہی پریشان کن لمحات آن پہنچے تھے۔ گھر بھر میں یک دم اُداسی اور سوگ کی فضا چھا گئی تھی۔ عبید رضا کے قدم خوشی والے دن ان کے لیے سبز قدم ثابت ہوئے تھے۔ جس راز کو وہ بائیس برسوں سے اپنے سینوں میں دفنائے ہوئے چاندنی کی پرورش اور تربیت کے بعد اس کی شادی تک جاری رکھنا چاہتے تھے۔ اسے عبید رضا نے اپنی پہلی ہی بار آمد پر کھولنے یا چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔
اب گرو اور نیناں چاندنی کا سامنا کرنے سے بھی کترا رہے تھے۔ آج کی صبح خلافِ معمول خاموش اور سوگوار تھی۔ بادل چھائے ہوئے تھے اور کسی بھی لمحہ بارش آنے والی تھی۔ آج گرو نے بائیس سالوں میں پہلی بار چنبیلی اور الائچی کو چیخ چیخ کر نہ پکارا تھا اور نہ ہی اس نے پان چبایا تھا۔ بلکہ وہ تختِ پوش پر سیدھا لیٹا ہوا آسمان کی طرف منہ کر کے سیاہ اور گھنگور گھٹاؤں کو آپس میں اٹکھیلیاں کرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔
نیناں بھی دور برآمدے کے فرش پر بیٹھا ہوا اُداسی اور سوگواری کی تصویر بن کر رہ گیا تھا۔ چاندنی نے کل رات سے کچھ بھی نہ کھایا تھا اور یہ بات ان کے لیے اذیت سے کم نہ تھی۔ گرو اور نیناں ہمت نہ کر رہے تھے کہ وہ چاندنی کا

سامنا کریں یا اس سے کوئی بات پوچھنے کی کوشش ہی کر سکیں۔
اسی اثناء میں چاندنی کالج یونیفارم میں تیار ہو کر کتابیں ہاتھ میں اُٹھائے اپنے کمرے سے باہر نکلی تو نیناں کو اپنے کمرے کے دروازے پر ہی بیٹھے دیکھ لیا تو اک ہوک سی اُٹھی اور چاندنی کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ نیناں نے ساری رات ہی اس کے کمرے کی چوکھٹ پر جاگ کر گزار دی ہے۔ اس نے نظریں گھما کر گرو کی طرف دیکھا وہ بھی آسمان کی جانب دیکھے جا رہا تھا اور چاندنی نے غور کیا تو گرو کی آنکھیں بادلوں سے پہلے ہی برس رہی تھیں۔
''میں کالج جا رہی ہوں بابا جانی!'' چاندنی کی آواز سن کر نیناں نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھولیں اور چونک کر چاندنی کی طرف دیکھتا ہوا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ گرو بھی چاندنی کی آواز سن کر تختِ پوش سے اُٹھ کر ان کی جانب بڑھا تو اس نے اپنی آستین سے اپنے آنسو صرف کیے اور چاندنی کی طرف ایک نظر دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔
''چاندنی...... بادل بہت زیادہ ہیں......'' نیناں نے آنسوؤں کو حلق میں اُتارتے ہوئے کہنا شروع کیا۔
''بارش کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔'' چاندنی نے نیناں کی طرف دیکھنے کی بجائے ایک طویل سانس اندر کی جانب کھینچی اور آسمان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''اب ان بادلوں کے برسنے کی کوئی پروا نہیں ہے مجھے......''
گرو نے آگے بڑھ کر چاندنی کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ ''چاندنی! ہم مجرم نہیں ہیں لیکن تمہارے سامنے ہماری جھکی ہوئی آنکھیں اور ندامت سے جھکے ہوئے سر ہمیں ملامت کر رہے ہیں کہ ہم نے تم سے ایک بہت ہی اہم راز چھپائے رکھا۔''
''مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' چاندنی آگے بڑھنے لگی تو گرو تڑپ کر بولا۔
''آج بابا جان نہیں کہو گی۔ جیون جوگیئے۔'' چاندنی کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔ وہ باہر کے دروازے کی طرف بڑھی تو نیناں بھاگنے والے انداز میں آگے بڑھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس کا چہرہ اوپر کرتا ہوا بولا۔
''کیا تم عبید رضا کو پسند کرتی ہو؟'' یہ سوال کسی بھی لگی لپٹی بات کے بغیر براہِ راست عبید رضا کی ذات کے متعلق تھا لیکن چاندنی کے درست جواب پر اس کا مستقبل بھی منحصر تھا۔ وہ نظریں اُٹھا کر نیناں کی طرف دیکھ کر نظریں جھکاتی ہوئی سر کے اشارے سے ہی اثبات کا اشارہ دیا تو نیناں پھر بولا۔
''اگر وہ بھی تمہیں پسند کرتا ہے تو پھر اس سے کہنا کہ آج وہ کالج ٹائم کے بعد تمہارے ساتھ اس گھر میں ضرور آئے۔'' یہ سن کر چاندنی نے نیناں کی طرف دیکھا تو گرو بھی ان کے پاس پہنچ چکا تھا۔
''چاندنی! ہم ہیجڑوں کے ساتھ تمہارا جو بھی رشتہ ہے وہ عبید رضا پر عیاں ہو گیا ہے۔ اگر ہماری ذات کے باوجود بھی وہ تم سے پیار کرتا ہے تو اس سے کہنا کہ آج ضرور آئے۔ ہم اس سے بہت ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''
''میں کون ہوں بابا جان؟'' چاندنی کے الفاظ میں جو تڑپ تھی اس نے نیناں اور گرو کے کلیجوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ گرو آسمان پر بادلوں کی نیت خراب ہوتی ہوئی دیکھ کر بولا۔
''اگر آج تم عبید رضا کو اس گھر میں لے آؤ۔ تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس سربستہ راز سے تمہیں ضرور آگاہ کروں گا لیکن شرط ہے کہ تم عبید رضا کو کالج ٹائم کے بعد اپنے ساتھ ضرور لے کر آنا۔''
چاندنی کو گرو اور نیناں پر اندھا اعتماد تھا اس نے ان دونوں کی آنکھوں میں اپنے راز کے متعلق سچائی دیکھی تو سر

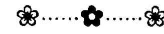
جھکا کر بولی۔ ''میں عبید رضا کو لے کر آؤں گی۔ضرور.....'' یہ کہہ کر وہ گھر سے باہر نکل گئی تو نیناں نے گرو کے کندھے پر سر رکھ دیا اور کل شام سے روکے ہوئے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔

گرو نے صحن میں آ کر آسمان کی جانب منہ اُٹھایا اور زور سے پکارا۔

''یہ تیرا کیسا انصاف ہے اوپر والے.......ہمیں ان لوگوں سے الگ بنا کر تُو نے اپنا کمال اور قدرت تو دکھا دی لیکن یہ تیرا انصاف نہیں ہے کہ ہمیں اپنے ہی پیٹ سے اپنی ہی کوکھ سے کوئی اولاد جننے سے محروم رکھا؟ کیوں...... کیوں؟ میرے مولا میرے سوالوں کے جواب دینے کے لیے آج تجھے میرے سامنے آنا ہو گا......'' بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور بجلی کی کڑک نے گرو کے سوال کا جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ بادل کھل کر برسنے لگا تھا۔ بجلی کڑک کڑک کر گرو کی باتوں کا جواب دے رہی تھی یا پھر ناراضی کا اظہار کر رہی تھی۔

''تُو کاتبِ تقدیر ہے...... ہر چیز پر قادر ہے۔صرف......صرف ایک بار مجھے چاندنی کو اپنی کوکھ سے جنم دینے دیتا۔'' اس بار نیناں نے گھٹنوں کے بل ہو کر آسمان کی طرف دیکھ کر آسمانوں کا سینہ چیرنے والے الفاظ ادا کیے تو گرو زار و زار رونے لگا۔ ''لیکن یاد رکھ! یاد رکھ میرے اللہ! میں چاندنی کو اس طرح تجھے خود سے جدا نہیں کرنے دوں گا۔ میں مر جاؤں گا لیکن تیری تقدیر کی تدبیر کو شکست دوں گا۔ چاندنی میری جان ہے۔ میری جان ہے مجھ سے جدا کرنے سے پہلے تُو میری جان لے لے......میرے مولا! رحم کر دے ہم پر اس گھر پر رحم کر دے......'' نیناں نے گڑگڑا کر پہلے شکوے اور پھر بعد میں التجائیں شروع کر دیں تو گرو نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کو اُٹھا کر سینے سے لگایا تو وہ روتا ہوا بولا۔

''ہم نے آج تک اس سے اپنے لیے کچھ بھی نہیں مانگا گرو! کچھ بھی نہیں مانگا لیکن آج میں اس سے اپنی چاندنی مانگتا ہوں۔ میں اس کو مجبور کر دوں گا کہ وہ میری بات مانے......میری بات سنے......'' نیناں دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا جبکہ چنبیلی اور الائچی دور برآمدے میں کھڑے نم دیدہ آنکھوں سے ان کو دیکھ رہے تھے اور بارش بھی اتنی تیز تھی کہ تھوڑی ہی دیر میں پرنالے بھی چل پڑے تھے اور گلیوں میں بھی پانی بھرنے لگا تھا۔



بادشاہ سخت مایوس ہو گیا تھا کیونکہ ساتھی اور وہ آئی سپیشلسٹ کے پاس گئے تھے۔ اس نے بتایا کہ بادشاہ کی آنکھیں ٹھیک تو ہو سکتی ہیں لیکن اس کے لیے بادشاہ کو دوسرے ملک بھیجنا ہو گا اور تقریباً بیس پچیس لاکھ کا خرچ ہے۔ وہ بجھا ہوا تھا لیکن ساتھی اس کو دلاسہ دیتا ہوا گھر لے آیا تھا۔ کیونکہ آج صبح سے ہی بارش نے پورے شہر کو جل تھل کر دیا تھا اور ایسے موسم میں ان کو بھیک کس نے دینا تھی کیونکہ ایسے موسم میں لوگ اپنے کاروبار اور گھر بار کو پانی سے بچانے میں مصروف ہوتے ہیں اور ویسے بھی ساتھی اور بادشاہ کا اصول تھا کہ اگر ان کے گھر سے نکلنے سے پہلے سخت بارش شروع ہو جائے تو وہ بھیک سے چھٹی کر لیتے تھے۔

اب بھی بادشاہ فرش پر بیٹھا رو رہا تھا اور ساتھی اس کے لیے کھانا لانے گھر سے باہر گیا تھا۔ بادشاہ کو یاد آ رہا تھا کہ وہ جب اس دنیا کو دیکھ سکتا تھا تو اس کی رنگینیوں سے کس طرح لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ اس کے تعلقات دوستانہ اور حلقہ احباب خاصا وسیع تھا وہ راتوں کو اکثر دیر سے گھر آتا تھا پوری پوری رات شراب اور شباب کے سہارے

ارنے کے لیے بادشاہ نے روپے پیسے کی فراوانی کو کاغذوں کی طرح ارزانی میں لٹا دیا تھا۔

اور پھر ایک دن ایسا سانحہ ہو گیا کہ اس کی آنکھیں اس کا ساتھ چھوڑ گئیں اور وہ بالکل اندھا ہو گیا بادشاہ کو وہ سانحہ اور وہ لمحات آج بھی اچھی طرح یاد تھے لیکن جیسے ہی وہ ان کو یاد کر کے ماضی کے دھندلکوں میں جانے کی کوشش کرتا تو اس کا وجود ہولے ہولے کانپنے لگتا تھا۔ ذہن اور دل اس کا ساتھ چھوڑنے لگتے تھے۔ اب بھی اس کی کیفیت کوئی اچھی نہ تھی لیکن بھلا ہو کہ عین وقت پر ساتھی نے دروازہ کھولا تو بادشاہ اندھیرے میں ہی نظریں دوڑاتا ہوا بولا۔

''کون......؟'' ساتھی اس کا لفظ سن کر ہنستا ہوا بولا۔ ''فقیر کے گھر میں ایک فقیر ہی آ سکتا ہے بادشاہ! میں ہوں ساتھی اور کون؟''

بادشاہ ہنسنے کی کوشش میں اپنے آنسو اپنی قمیص میں پیوست کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''یار ساتھی! کبھی تم نے اس کائنات بنانے والے کو دیکھا ہے؟'' بادشاہ نے کہا تو ساتھی نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ آج بادشاہ بہت دکھی ہوا ہے اور وہ کائنات کے مالک سے شکوے شکایتیں ضرور کرے گا لیکن کاتبِ تقدیر سے کسی بھی قسم کا شکوہ کرنا نا امیدی کے زمرے میں آتا ہے اور نا امیدی کفر ہے۔ لیکن بادشاہ اس کا ساتھی ہے اور وہ بادشاہ کا ساتھی ہے تو پھر ایک دوسرے کی بات تو سننا ہی ہو گی اور جواب بھی دینا ہو گا اور جواب بھی ایسا کہ بادشاہ جیسا زیرک انسان مطمئن ہو سکے۔ ''اگر اس کائنات کے خالق کو دیکھنے جوگا ہوتا تو آج فقیر نہ ہوتا بادشاہ؟'' ساتھی کی بات سن کر بادشاہ اور بھی غمگین ہو گیا۔ ساتھی اس کے لیے برتنوں میں کھانا نکالنے لگا۔

''گاجر اور مٹر کا سالن ہے جیرے کے ہوٹل سے لایا ہوں۔ تجھے پسند ہے نا؟'' وہ ساتھ ساتھ بادشاہ کا ذہن بھی اس کی مایوسانہ گفتگو سے بٹا رہا تھا۔

''انسان کو کہیں بھی کبھی بھی من چاہی مراد نہیں ملتی کیونکہ سب معاملات کاتبِ تقدیر کے ہاتھ میں ہیں۔'' بادشاہ اس کی بات سن کر ہولے سے مسکرایا اور بولا۔ ''لیکن وہ خود ہی تو فرماتا ہے'' کہ اے بندے تُو میری طرف ایک قدم محبت سے چل کر آ کے تو دیکھ میری رحمت تیری طرف دس قدموں کے ساتھ بڑھے گی۔''

''ہاں یہ تو اس نے کہا ہے اور میں نے آزمایا بھی ہے۔'' ساتھی کھانا نکال کر لفافے ایک کوڑے والی لکڑی کی پیٹی میں رکھتا ہوا کھانا لے کر اس کے سامنے چلا گیا اور اس کو روٹی پکڑاتا ہوا بولا۔ ''لے پکڑ بسم اللہ کر۔'' بادشاہ نے گرم گرم روٹی پکڑ کر پوچھا۔

''اگر ایک ٹائم کھانا نہ کھائیں تو مر تو نہیں جائے گا؟'' ساتھی ہنستا ہوا خاموش رہا اور شکر کیا کہ اب بادشاہ کا دھیان بٹ گیا ہے۔ بادشاہ کا اصول تھا کہ وہ کھانا کھانے کے دوران گفتگو نہ کیا کرتا تھا۔

اس لیے پُرسکون انداز اور پُرسکوت ماحول میں کھانا کھانے کے بعد بادشاہ بولا۔ ''کیا بارش ختم ہو گئی ہے؟''

ساتھی نے باہر والا دروازہ کھولا تو بارش کی آواز کم ہو گئی تھی اس کا مطلب تھا کہ بارش کا زور ختم ہو رہا ہے۔

ٹھنڈی ہوا نے بادشاہ کو لحاف لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

''ہاں......کچھ کم تو ہو گئی ہے لیکن ختم نہیں ہوئی۔''

''اچھا برتن سمیٹ کر میرے پاس آ جا......'' بادشاہ نے اس کی بات سن کر کہا تو ساتھی مسکراتا ہوا بولا۔

"چائے کون بنائے گا؟"

وہ بادشاہ کے قریب چلا گیا تھا۔"چائے بھی بن جائے گی ساتھی! مجھے یہ بتاؤ کہ میری جمع شدہ رقم کتنی ہوئی ہے؟"

ساتھی حیرانگی سے اس کو دیکھ رہا تھا کہ بادشاہ نے آج یہ سوال کیوں پوچھا ہے۔ اس سے پہلے تو کبھی بھی ایسی نوبت نہ آئی تھی کہ وہ اپنی جمع پونجی کے متعلق پوچھتا لیکن پھر بھی ساتھی اس کو تسلی دیتا ہوا بولا۔"تقریباً چار ساڑھے چار لاکھ تو ہوگی۔"

"اچھا......؟" بادشاہ کسی انجانے جذبے کے تحت مسکرایا اور بولا۔"ساتھی یار! تم تو دنیا کو دیکھتے رہتے ہو۔ ذرا اندازہ بتاؤ کہ اگر ایک بیٹی کی شادی ہم جیسا شخص کرے تو کیا اتنے پیسوں میں شادی ہو جائے گی؟"

"پر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو تیری کون سا دھی جوان ہے بادشاہ۔" ساتھی نے اس کو چھیڑا بھی اور حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا بھی۔

"نہیں یار! بس ویسے ہی پوچھ رہا ہوں اگر میری دھی ہوتی تو وہ آج شادی کے قابل ہی ہوتی۔" بادشاہ کی آواز بھرا گئی تو ساتھی اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو حوصلہ دیتا ہوا بولا۔"جو میں دیکھتا ہوں تُو اگر دیکھ لے تو تجھے یہ چار پانچ لاکھ روپیہ اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف لگنے لگے۔" بادشاہ حیرانگی سے اپنی آنکھوں کو بے یقینی کے انداز میں گھمانے لگا۔

"اچھا......اس کا مطلب ہے کہ یہ رقم بھی بہت کم ہے؟"

"کم...... بھائی بہت کم ہے۔ لوگ تو ست ست کھانے پکاتے ہیں لڑکے والے بہت سی باتیں منواتے ہیں۔ جہیز کی لعنت نے تو پیسے کی قدر ہی کم کر دی ہے۔" بادشاہ یہ سن کر ہنسنے لگا اور بولا۔

"یار ساتھی! دس دس لاکھ روپیہ شادیوں پر لگانے والے ہم فقیروں کو دس روپے دے کر سو سو باتیں سناتے ہیں اور دھکے بھی دیتے ہیں۔ واہ کیا بات ہے۔" بادشاہ قہقہہ لگا کر ہنسا تو ساتھی کو اس کی ہنسی میں دکھ واضح محسوس ہو رہا تھا۔



اتنی تیز بارش میں بھی چاندنی کو کالج آتا دیکھ کر عبید رضا حیران رہ گیا تھا لیکن اس کو چاندنی کا اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر اور بھی حیرانگی ہوئی تھی کیونکہ چاندنی کی روئی ہوئی آنکھوں میں سوجن واضح تھی یوں لگتا تھا کہ وہ رات بھر سو نہیں سکی ہے۔ چاندنی ایک برآمدے میں پہنچی تو عبید رضا بھی وہیں پہنچ گیا۔ وہ چاندنی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا بارش اور خراب موسم کی وجہ سے سٹوڈنٹس کی حاضری خاصی کم تھی اس لیے ان کے پاس کوئی بھی سٹوڈنٹ یا پروفیسر موجود نہ تھا۔

"آئی ایم سوری چاندنی!" عبید رضا نے کہنا شروع کیا تو چاندنی کی آنکھیں نم ہونا شروع ہو گئیں۔"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ان کے ساتھ رہتی ہو اور ان کو ہی اپنا ماں باپ سمجھتی ہو۔" عبید رضا کو احساس ہو رہا تھا کہ اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے اور اس کی اس غلطی سے چاندنی کا دل دُکھ گیا ہے۔

"اگر ان کی اولاد نہیں ہوتی تو پھر یہ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟" چاندنی نے عبید رضا کی کل والی بات سے ہی بات شروع کی تھی۔ کیونکہ عبید رضا نے اس کے گھر میں کہا تھا کہ ہیجڑوں کی اولاد نہیں ہوتی۔ چاندنی شاید ساری رات یہی سوچتی رہی تھی اور اس کے ذہن میں یہ سوال اٹکا ہوا تھا۔

عبید رضا ایک سانس اندر کی جانب کھینچتا ہوا بولا۔"یہاں سردی بھی ہے اور لوگ ہمیں دیکھ بھی رہے ہیں۔" لیکن چاندنی اس کی بات سے مطمئن نظر نہ آ رہی تھی۔"مجھے باتوں میں مت اُلجھاؤ عبید! پلیز جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دو۔"

"یہ لوگ پیدائشی طور پر ہی ایسے ہوتے ہیں۔ یہ عام انسانوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں۔ ہم جیسے لوگوں کے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان کو معاشرہ قبول نہیں کرتا تو یہ لوگ اپنے لوگوں میں جا کر بس جاتے ہیں۔ ان کی ایک الگ سے دنیا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم رکھا ہے۔ ایسا کیوں ہے یہ اللہ کی حکمت ہے انسان اس راز سے واقف نہیں ہے۔"

چاندنی کا دل بیٹھنے لگا تھا اگر عبید رضا سچ بول رہا تھا تو پھر اس کا وجود کس زمرے میں آتا ہے۔ وہ کون ہے۔ لڑکی یا پھر......اس سے آگے سوچ کر وہ کانپ کر رہ گئی۔

"تو پھر میں کون ہوں عبید!" چاندنی نے اپنے اندر کا خوف باہر نکالا تو عبید رضا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا کہنے لگا۔

"تم میری جان ہو چاندنی!" چاندنی بھی اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔

"مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو عبید؟" یہ سوال سننے کے لیے تو عبید رضا کافی مہینوں سے بے چین و بیقرار تھا۔ وہ ہونٹوں پر مسکان سجاتا ہوا بولا۔"اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبت سے بھی بڑھ کر تم سے محبت کرتا ہوں۔"

چاندنی نے ایک پُرسکون سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں اور بولی۔

"یہی یقین میرے ماما بابا کو دلا سکتے ہو؟" عبید رضا اس کا سوال سن کر حیرت سے بولا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں؟" چاندنی نے گھبرا کر آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا تو وہ ہولے سے مسکرایا۔"میری سچائی اور یقین کی ابتدا تم ہو چاندنی! میری دنیا تم سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم ہوتی ہے۔ اگر تم کہو تو ابھی پورے کالج میں سب کو بتا دوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے عبید! لیکن یہ معلوم نہیں کہ تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو؟" چاندنی اس کی سچائی سے متاثر نظر آ رہی تھی۔

"سچی اور پُرخلوص محبت کو دنیا کے کسی بھی ترازو میں تولا نہیں جا سکتا چاندنی! اور نہ ہی ابھی تک کوئی ایسا پیمانہ ایجاد ہوا ہے کہ وہ محبت کی گہرائی اور سچائی کو ماپ سکے۔" بادلوں کی گڑگڑاہٹ نے ان کو یاد دلایا کہ وہ کس جگہ کھڑے ہیں۔ عبید رضا نے چونک کر دیکھا تو بارش تھم گئی تھی لیکن درختوں کے پتوں اور شاخوں سے ابھی بھی پانی قطرہ قطرہ برس رہا تھا۔

"میرے ساتھ میرے گھر چلو گے عبید!" چاندنی اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی تو وہ مسکراتا ہوا کہنے لگا۔

"چلو ابھی چلتے ہیں۔" چاندنی نے خوش ہو کر اس کی طرف دیکھا اور آگے آگے چل پڑی۔ عبید رضا بھی اس کے پیچھے ہی چل پڑا تھا۔ اب ویسے بھی کالج ٹائم کم ہی رہ گیا تھا۔ کلاسیں بھی دو چار ہی تھیں جو منچلے سٹوڈنٹس تھے وہ بھی گاڑیوں پر نکل چکے تھے اور عبید رضا نہیں جانتا تھا کہ ہیجڑے ان سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں لیکن وہ چاندنی کی تسلی کی خاطر اس کے ساتھ اس کے گھر جا رہا تھا۔

گاڑی کی اگلی سیٹ پر آج پہلی بار چاندنی عبید رضا کے پہلو میں بیٹھی تھی اس کو یوں لگ رہا تھا کہ عبید رضا اس کے گھر جا کر اس کے بابا جان کو مطمئن کرنے نہیں جا رہا بلکہ اس کی چھپی ہوئی حقیقت سے پردہ اُٹھانے جا رہا ہے۔ اس کو خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ اس کو بھی اپنی شخصیت کے بارے میں علم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے۔ اگر ہیجڑوں کی اولاد نہیں ہوتی تو پھر وہ ان کے گھر میں کیوں ہے؟ کیسے ہے اور کب سے ہے؟

یہ سوالات اس کے ذہن میں رات بھر سے کیڑے کی طرح کلبلا رہے تھے لیکن اگر وہ ان سوالوں کا جواب خود بھی تلاش کرتی تھی تو وہ نیناں اور گرو کی محبت کی محتاج ہو جاتی تھی۔ کیونکہ چاندنی کو اچھی طرح یاد تھا کہ جب سے اس نے ہوش سنبھالا ہے نیناں نے اس کو کسی بھی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی ہے۔ وہ دن اور رات کو میک اَپ کر کے فنکشنوں پر جا کر ناچتے تھے اور جو بھی پیسے وہ کما کر لاتے تھے ان میں سے وہ چاندنی کا حصہ بھی رکھتے تھے۔ اچھے سے اچھا لباس، اچھی خوراک اور اس کی ہر ضرورت کو نیناں اور گرو نے ہی پورا کیا تھا۔

لیکن اگر میں ان کی اولاد نہیں ہوں تو انہوں نے مجھ سے اتنا پیار کیوں کیا؟

اس سوال پر آ کر چاندنی کی تان ٹوٹ جاتی تھی۔ اس نے کسی بھی محلہ دار کو ان کے گھر آتے جاتے نہ دیکھا تھا اور نہ ہی نیناں اور گرو کبھی شمع بی بی کے گھر کے علاوہ کسی کے گھر گئے تھے اور اب تو مناہل کے بیاہ کرنے کی وجہ سے وہ بھی چاندنی بن کر شمع بی بی کے آنگن میں اُتری تو اس کو اچھا لگا تھا کیونکہ مناہل اس کی سہیلی بن گئی تھی۔

اگر لوگ ہیجڑوں کو بُرا سمجھتے ہیں تو کیوں سمجھتے ہیں؟ جبکہ یہ لوگ تو بہت اچھے تھے کم از کم چاندنی نے تو یہی دیکھا تھا کہ وہ کسی کو بھی تکلیف دے کر خوش نہ تھے بلکہ اپنی ہی دنیا میں مگن رہنے والے درویش منش تھے۔

گاڑی چاندنی کے گھر جانے والی سڑک پر دوڑتی ہوئی ایک چوک میں پہنچ گئی کیونکہ اب جس گلی میں چاندنی کا گھر تھا اُدھر گاڑی نہیں جا سکتی تھی۔ اس لیے عبید رضا نے گاڑی ایک پارکنگ میں پارک کی اور وہ چاندنی کے ساتھ ہی گلی میں پیدل چلنے لگا حالانکہ بارش کا پانی جگہ جگہ جمع ہو گیا تھا لیکن یوں لگتا تھا کہ عبید رضا کو اپنی امارت اور سٹیٹس سے بھی زیادہ محبت کی معراج کو بلند رکھنے کی فکر ہے اور وہ اس بات کا یقین دلانے کے لیے کئی سمندر تیر کر بھی آ سکتا ہے اور چاندنی کے یقین کی جیت ہوئی تھی کہ عبید رضا اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی خاطر اس کی بات مان کر ہی وہ ان کے گھر تک آ گیا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ نیناں اور گرو اس سے کیا کیا پوچھنے والے ہیں۔

چاندنی گھر کے اندر داخل ہوئی تو اس نے عبید رضا کو بھی اندر آنے کا کہا وہ بھی دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوا تو اس کو صحن میں تخت پوش پر بیٹھا ہوا گرو نظر آ گیا۔ وہ احتراماً سلام کرتا ہوا ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

نیناں نے بھی اس کو دیکھ لیا اور اندر آنے کا اشارہ کیا۔ چاندنی اس کو لے کر اندر ایک کمرے میں چلی گئی جو کہ ان کا ڈرائنگ روم تھا۔ بہترین طریقے سے اس کمرے کو ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ کارپٹ سمیت پردوں کا رنگ بھی

ایک جیسا تھا اور صوفوں پر پڑے ہوئے کپڑے کا رنگ بھی کارپٹ سے ہی میچ کرتا تھا۔ عبید رضا نفاست سے رکھی ہوئی ہر چیز کو پسندیدگی سے دیکھتا رہا اتنی دیر میں چنبیلی اور الائچی چائے لے کر آ گئے تھے چائے کے ساتھ کچھ لوازمات بھی تھے۔

چاندنی یونیفارم تبدیل کر کے اس کمرے میں پہنچی تو گرو اور نیناں بھی آ گئے جبکہ عبید رضا چائے پی چکا تھا۔

"عبید رضا!" گرو نے بات شروع کی تو عبید رضا چوکس ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "یہی نام بتایا ہے نا تم نے۔"

"میں نے تو نہیں بتایا البتہ چاندنی نے کل ضرور بتایا ہو گا۔"

"ہمیں چاندنی کی وہ پہلی کلکاریاں بھی آج تک یاد ہیں جو اس نے ہماری گود میں لی تھیں۔ تمہارا نام بھی چاندنی کی زبانی سنا ہے اور ہمیں یاد ہے۔" گرو بہت ٹھہرے ہوئے سلجھے ہوئے لہجے اور انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔ "تم چاندنی کے کلاس فیلو ہو یا اس سے زیادہ بھی کچھ ہو؟" دراصل یہ پہلا سوال تھا جس کا جواب صحیح صحیح طور پر دینا تھا تبھی بات آگے چل سکتی تھی۔

"میں چاندنی سے محبت کرتا ہوں۔" یہ سن کر چاندنی نے محبت سے عبید رضا کی طرف دیکھا اور چنبیلی اور الائچی نے ایک دوسرے کی طرف اس طرح دیکھا کہ ان کے دعوے کی سچائی ثابت ہو گئی ہے۔

"کیا تمہارا سٹیٹس تمہیں اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ تم ہیجڑوں کے گھر میں رہنے والی لڑکی سے محبت کرو؟" گرو واقعی زمانہ شناس تھا کیونکہ الائچی اور چنبیلی نے بتایا تھا کہ عبید رضا کے پاس کافی قیمتی گاڑی ہے گرو نے بھی اسی بنا پر بات پوچھی تھی۔

"محبت ہمیشہ دو طبقوں کے درمیان ہی ہوتی ہے جناب! ایک پسا ہوا طبقہ اور دوسرا امیر کبیر طبقہ اور محبت سٹیٹس کی محتاج نہیں ہوتی۔" عبید رضا نے جواب دیا تو گرو نے نیناں کی طرف دیکھا جو بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

"اگر تمہیں چاندنی سے شادی کرنا پڑے تو کیا تمہاری محبت یہ گوارہ کرے گی کہ تمہارا سسرال ایک ہیجڑوں کا گھر ہے؟" یہ بہت ہی بڑا سوال تھا جس نے عبید رضا کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

وہ پہلے گرو اور پھر چاندنی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کو سرد موسم میں بھی واضح طور پر اپنے ماتھے پر پسینے کے قطرے سے نمودار ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"آپ چاندنی کے بڑے ہیں اور میں چاندنی سے محبت کرتا ہوں اور اسی رشتہ کو عزت دینے کے لیے آپ کا بھی احترام کرتا ہوں۔" عبید رضا نے کبھی سوچا بھی نہ ہو گا کہ اس کو ہیجڑوں سے سوال و جواب کرنے ہوں گے۔ "اگر میں ایک سوال آپ سے پوچھوں۔ آپ بُرا تو نہیں منائیں گے؟" عبید رضا کی نظریں گرو پر گڑ گئیں۔ کمرے میں اس وقت سناٹا چھا گیا تھا۔ نیناں، الائچی اور چنبیلی کے ساتھ ساتھ خود چاندنی بھی گرو کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"پوچھو......" گرو نے تحمل سے جواب دیا تو عبید رضا اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"میرا سسرال ہیجڑوں کا گھر ہی کیوں؟ چاندنی کے اصل ماں باپ کا گھر کیوں نہیں ہو سکتا؟" ایک بم سب

کے سروں پر باری باری پھٹا تو ان کو اپنے جسموں کے چیتھڑے ہواؤں میں اُڑتے ہوئے محسوس ہونے لگے تھے۔ خود چاندنی بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

گرو نے اُٹھ کر عبید رضا کی آنکھوں میں دیکھا اور بولا۔ ''تم کافی ذہین ہو عبید رضا! لیکن یہ سوال پوچھنے کا حق صرف چاندنی کو ہے۔ کسی ایسے فرد کو نہیں جو اس خاندان کا حصہ ہی نہ ہو۔''

گرو کی جہاں بینی نے کام دکھا کر بال ایک بال پھر عبید رضا کے کورٹ میں پھینکتے ہوئے اس کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ چاندنی کی طرف دیکھ کر ہولے سے مسکرایا اور بولا۔ ''اگر میں اس خاندان کا حصہ بننے پر آمادگی ظاہر کرتا ہوں تو کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ چاندنی کس کی اولاد ہے؟''

عبید رضا کا مقصد کیا تھا وہ کیا چاہتا تھا وہ چاندنی کو ان ہیجڑوں سے متنفر کیوں کر رہا تھا اس بات کا خود اس کو بھی اندازہ نہ تھا لیکن چاندنی عبید رضا کے کردار کو اُلجھا ہوا محسوس ضرور کرنے لگی تھی۔

''میری بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ کہ تم چاندنی سے نہ صرف سچی محبت کرتے ہو بلکہ اس کو اپنانے میں بھی کسی سٹیٹس کی پروا نہ کرو گے۔ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ بیس بائیس سال کی چھپی ہوئی سچائی سے ابھی سارے پردے اُتار دوں گا۔''

گرو کی دبنگ آواز نے عبید رضا کے پاؤں کو جکڑ لیا تھا وہ سحر زدہ ہو کر اس ہیجڑے کو دیکھنے لگا جس کو معاشرہ دھتکار دیتا ہے اور ہمیشہ ہی طنز و تضحیک کا نشانہ بناتا ہے لیکن یہ کتنے گہرے لوگ ہوتے ہیں یہ راز آج عبید رضا پر کھل رہا تھا۔

''میں چاندنی کی قسم نہیں کھاؤں گا۔'' عبید رضا نے کہا تو چاندنی تڑپ کر اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ دھیرے سے مسکرانے لگا۔ ''بلکہ میں اپنی ہی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں چاندنی سے اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبت کرتا ہوں۔'' اس فقرے نے چاندنی کے وجود میں شرارے بھر دیئے تھے وہ فخر سے عبید رضا کی طرف دیکھنے لگی۔

''میں ایک اعلیٰ سٹیٹس والے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں میں اگر ان کو سچائی نہ بتا پایا تو میرا چاندنی کو اپنانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہو گا۔'' عبید رضا، گرو اور نیناں کی طرف باری باری دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ لوگوں کو بھی اگر چاندنی سے محبت ہے تو آپ کو بھی ایک وعدہ مجھ سے کرنا ہو گا۔''

''تم بولو تو سہی باؤ عبید! میں اپنی چاندنی کی خوشیوں کے لیے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔'' نیناں نے تڑپ کر کہا وہ پہلی بار گرو اور عبید رضا کی گفتگو میں شامل ہوا تھا۔

''آپ لوگ وعدہ کریں کہ آج کے بعد کبھی بھی نہیں ناچیں گے۔'' یہ تو عبید رضا نے وہ کہہ دیا تھا جو کہ وہ امید بھی نہ کرتے تھے یہ تو ویسا ہی لمحہ آ گیا تھا کہ کینسر زدہ مریض کو کہہ دیا جائے کہ تم تو بالکل ٹھیک ہو وہ رپورٹس تمہاری نہیں بلکہ غلطی سے دوسرے مریض کی رپورٹ تمہارے نام سے بن گئی تھیں لیکن وہ جب زندگی ملنے کا جشن مناتا ہو تو اس کو آ کر اطلاع دی جائے کہ ڈاکٹر نے جھوٹ بولا تھا وہ تمہاری ہی رپورٹس تھیں۔

''واہ باؤ عبید! مانگا بھی تو کیا مانگا ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم ہماری جان مانگو گے۔ صرف یہی کہا کہ ناچیں گے نہیں۔'' نیناں دُکھ سے بول رہا تھا۔ ''باؤ عبید! ہم اونترے نکھترے لوگ ہیں۔ اوّل تو رشتہ بناتے نہیں اگر بنا لیں تو

پھر قبر کی دیواروں تک ان رشتوں کی لاج نبھاتے ہیں۔'' نیناں نے بہت ہی بڑی بات کہہ کر گرو، عبید رضا اور چاندنی کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم چاندنی سے شادی کو تیار ہو اور اپنا قول نبھاؤ گے تو آج کے بعد ہم کبھی نہیں ناچیں گے۔''

چاندنی کو نیناں کی محبت کی دلیلوں کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ آج تک نیناں اور گرو نے جو بھی کہا ہے وہ نبھایا بھی ہے اور کر کے بھی دکھایا ہے۔ اس کی بات سن کر عبید رضا بولا۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ چاندنی کی حقیقت چاندنی کو بتا دینا۔ میں اپنے خاندان سے ٹکر لے کر بھی چاندنی کو اپناؤں گا یہ میرا وعدہ ہے۔'' عبید رضا چاندنی کی طرف بڑھا اور بولا۔ ''تم کون ہو چاندنی! یہی سوال تم نے مجھ سے کیا تھا نا...... اب وقت آ گیا ہے کہ تمہارے ماما بابا اس سوال کا جواب دے کر تمہیں مطمئن کریں اور تم مجھے۔''

یہ کہہ کر عبید رضا وہاں سے باہر نکل گیا تو کمرے میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ان کی گود میں پلنے والی چاندنی پل بھر میں پرائی کرنے والا عبید رضا تو چلا گیا تھا لیکن چاندنی ان کی گود میں آئی کیسے تھی؟ وہ کیسے پل کر بڑی ہوئی تھی اس بات کا چاندنی کو علم نہ تھا اور گرو اور نیناں ماضی کے دھندلکوں میں جانے سے گھبرا رہے تھے۔

گرو، چاندنی کے سر پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''یہ کون ہے چاندنی! اس کے ماں باپ کون ہیں کیا تم ان سے ملی ہو بھی؟''

چاندنی اس اہم ترین سوال کا جواب کیا دیتی کیونکہ وہ تو صرف عبید رضا کی ہی دیوانی ہو گئی تھی۔ وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''نہیں بابا جان! میں عبید رضا کے علاوہ اس کے گھر کے کسی بھی فرد سے کبھی بھی نہیں ملی ہوں اور نہ ہی یہ پتہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کے پیرنٹس کون ہیں اور اس کے پاپا کیا بزنس کرتے ہیں؟''

گرو اور نیناں چاندنی کی باتیں سن کر ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اس کی معصومیت اور سادگی پر قربان ہو رہے تھے۔ نیناں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور بولا۔ ''میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کون ہو؟ اور ہماری جان کس طرح بن گئی۔'' وہ چاندنی کو اپنے سامنے صوفے پر بٹھاتا ہوا گرو کی طرف دیکھنے لگا تو گرو نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا کہ اب یہ سچائی چاندنی کو بتا دینا چاہیے کہ وہ ان کی اپنی اولاد نہیں ہے۔

دسمبر کی آمد آمد تھی اور راتوں کے ساتھ ساتھ دن کی روشنیوں کو بھی کہر اور دھند نے اپنی چادروں میں لپیٹنا شروع کر دیا تھا۔ عام دنوں کی طرح آج کے دن کا آغاز بھی گرو کے گھر میں ہمیشہ دوپہر بارہ بجے کے بعد کی طرح ہوا تھا۔ گرو نے اپنے گھر کو اچھی طرح صاف کر کے خود کو تخت پوش پر گرا لیا اور پھر کچھ دیر بعد اس نے پاس پڑے ہوئے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا اور ایک آوارہ لٹ کو اس طرح ماتھے پر گرایا کہ خود ہی شرما کر رہ گیا۔

''نیناں...... نیناں؟'' گرو نے نیناں کو پکارا تو چنبیلی شرم و حیا کے ساتھ وارد ہو گیا اس کو دیکھ کر گرو کا منہ ہی بن گیا تھا۔ ''جی امی جی'' چنبیلی کے منہ سے امی جی سن کر گرو کا کلیجہ ہی منہ کو آ گیا تھا۔ وہ گھبرا کر بولا۔

''ہائے میں مرگئی۔ وے غرق ہونیا...... نہ مجھے امی جی کہا کرو۔ تیرے منہ سے سجتا نہیں ہے کہ تم مجھے امی جی کہو۔''

''خالو کہہ لیا کروں امی جی!'' چنبیلی گرو کا سر چڑھا لگ رہا تھا اور یہ گرو کی ڈھیل کا نتیجہ ہی تھا کہ وہ گرو کے

پاس پہنچ کر اس کو ٹھنڈی اور سستی سستی جگتیں کر رہا تھا حالانکہ یہ کام اس ہیجڑے کا نہیں بلکہ ایک خاص برادری کا ہے چونکہ ان کا تعلق بھی اس برادری کے ساتھ زیادہ ہے تو چنبیلی پر بھی ان کا خاصا اثر ہو گیا تھا۔

''نہ مجھے یہ بتا تیرا نام کس منحوس گھڑی میں چنبیلی رکھا گیا تھا تجھے تو چنبل ہونا چاہیے تھا۔'' گرو خاصا تپ گیا تھا۔

''گرو آپ خود ہی سوچیں جس رات یا دن یہ پیدا ہوا تھا وہ لمحہ ہی چنبل جیسا ہو گا۔ منحوس.....'' یہ الائچی تھا جو ان دونوں کی باتیں سن کر خلاف توقع آج خود ہی جاگ گیا تھا۔

''نی مر جاؤ کمینیو! میں اپنی کماؤ پتر نیناں کو بلا رہا ہوں اور مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ گند ہی گند اندر سے نکل کر آ رہا ہے۔'' گرو کی بات سن کر الائچی بھی جل گیا تھا لیکن وہ گرو کا احترام کرتا تھا کچھ بولنے کی بجائے چنبیلی پر اپنا غصہ نکالتے ہوئے بولا۔ ''گرو ذرا اس کو سمجھاؤ کل کے پروگرام میں اس نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے۔''

گرو اور چنبیلی نے الائچی کے منہ سے ہرٹ کا لفظ چونک کر سنا اور گرو اس کی طرف حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔

''لے دس کلموہی اب یہ ہرٹ کیا ہوتا ہے۔'' چنبیلی اپنے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے پر پچھتاوے کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

''دل توڑا ہے۔'' گرو اور چنبیلی کی جیسے جان میں جان آ گئی تھی۔ ''لے دس میں سمجھا کہ پتہ نہیں کیا کیا ہے۔'' گرو سن کر اب چنبیلی کی طرف مڑا اور اس کو کوستا ہوا بولا۔ ''کیوں ہرٹ کیا ہے تم نے الائچی کو۔'' چنبیلی نے گرو کی ڈانٹ سن کر الائچی کو غصے سے دیکھا اور گرو سے شکایتی لہجے میں بولا۔ ''گرو یہ بھی تو مجھے تنگ کرتا ہے اس کو چار پیر تو مارنے نہیں آتے۔'' اتنا سننا تھا کہ الائچی کو چنبیلی پر غصہ آ گیا اس نے اُٹھ کر تین چار ٹھڈے چنبیلی کی کمر پر مارتے ہوئے کہا کہ ''یہ لو یہ لو...... دیکھو...... مجھے پیر مارنے آتے ہیں یا نہیں۔'' چنبیلی کے بولنے سے پہلے ہی گرو بول پڑا۔

''کمبخت! اس کا مطلب تھا کہ پاؤں چلانا شروع کر دو۔ ناچنا سیکھ لو۔ کچھ پیسوں کا بندوبست ہو جایا کرے گا۔''

''پر گرو! نیناں باجی تو کماتی ہے نا۔ گھر کا اچھا خاصا خرچہ چل رہا ہے۔'' چنبیلی نے کہا تو گرو جل کر بولا۔

''اچھا...... سدا اس کے کندھوں پر ہی بندوق رکھ کر نشانہ لگاتے رہنا۔ خود کسے جوگی نہیں ہو تم دونوں۔''

''نیناں...... نیناں......'' گرو کی پکار پر اس بار نیناں ہی اندر سے برآمد ہوا تھا۔ خوبصورت جوان اور تیکھے نین نقشوں والا نیناں جس پر اس ملک کے نام نہاد شرفاء اپنی دولتیں لٹایا کرتے تھے ایک خاص ادا سے چلتا ہوا گرو کے پاس آ کر بولا۔ ''سلام گرو'' گرو یہ سن کر ان دونوں کو پھر کوسنے لگا۔ ''ڈوب کر مر جاؤ۔ کچھ اپنی باجی سے ہی سیکھ لو۔ صبح کا آغاز کس طرح کیا کرتا ہے۔ سلام کر کے ہر دن کا آغاز کرو گی تو پیٹ بھر کر رزق ملا کرے گا۔ ناس ہونیو۔''

گرو اپنے مخصوص انداز میں تالی بجا بجا کر ان کو کوس رہا تھا وہ دونوں ہی سر جھکائے گرو اور نیناں کی باتیں سن رہے تھے۔

''ہاں میری بچی! بتا کیسا رہا رات والا فنکشن؟''

نیناں گرو کے پاس تخت پوش پر بیٹھ گیا اور اس کے پاؤں دبانے لگا۔ ''اچھا پروگرام تھا گرو! لمبی دیہاڑی لگی

ہے۔ کافی مال دار اسامی تھی۔ حالانکہ شیخ تھے پر پیسہ کھلا لٹایا ہے انہوں نے۔''

''ایسے کاموں کے لیے تو ہر کوئی شیر ہوتا ہے۔ خیر یہ بتا آج کوئی فنکشن ہے؟'' گرو نے پوچھا تو چنبیلی بولا۔

''ہاں گرو! وہ ساتھ والے محلے میں بارات آنی ہے اور اس سے آگے والی گلی میں ایک سیٹھ صاحب کا ولیمہ بھی ہے۔'' ولیمے اور سیٹھ صاحب کا سن کر گرو کے منہ میں پانی بھر آیا تھا کیونکہ ولیمہ کے موقع پر ان کو اپنا فن دکھانے کا اچھا خاصا موقع مل جاتا تھا اور بارات والے دن تو بارات کی روانگی کی ہلڑ بازی مچی ہوتی ہے ان کے فن پر کوئی توجہ بھی نہیں دی جاتی اور ان کی کوئی دیہاڑی بھی نہیں بنتی تھی۔

''ہاں گرو! ہمارا مخبر بتا رہا تھا کہ سیٹھ صاحب کے پاس کافی روپیہ ہے اور اس کی شادی بھی دوسری ہے۔ تازی تازی بیوی مری ہے اس کی اور اس کو خود مرنا بھولا ہوا ہے ابھی بیوی کی قبر کی مٹی خشک نہ ہوئی ہو گی کہ دوسری شادی کی اس کو پڑ گئی۔'' نیناں نے تفصیل بتائی تو گرو ایک آہ بھرتا ہوا بولا۔

''یہ دنیا ہے ہی بے وفا نیناں! جس بیوی نے اس مرد کا نہ جانے کتنے سال ساتھ دیا ہو گا۔ جب وہ آنکھیں بند کر گئی تو اس مرد نے ایک سال بھی اس کی وفا کو یاد نہ رکھا ہو گا۔ مردوں کا معاشرہ ہے نیناں!'' چنبیلی گرو کی طرف دیکھ رہا تھا تو گرو اس کو کھا جانے والے الفاظ میں بولا۔ ''میرا منہ کیا دیکھ رہا ہے جا جا کر چائے بنا کر لے آ ناشتہ کر مر لیں۔''

چنبیلی ناشتے کے نام پر خوش ہوتا ہوا بولا۔ ''گرو! وہ رات کا فنکشن اچھا گیا ہے تو کیوں نا اچھا ناشتہ ہی اچھا کر لیں۔''

گرو نے اس کو گھور کر دیکھا تو الائچی کا ہاسا نکل گیا۔ ''اچھا ناشتہ'' گرو نے اس کی طرف طنز سے دیکھا اور بولا۔ ''کیا کھائے گا میرا شاہ رخ۔''

''گرو آپ اس کو شاہ رخ کہہ رہے ہو مجھے اعتراض ہے۔'' الائچی نے فوراً ہی اب جیکشن لگاتے ہوئے ہاتھ کھڑا کیا تو نیناں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''اَبجیکشن بتائی جائے۔''

''اس کے رنگ اور روپ کو دیکھتے ہوئے اس کو سوا رخ کا لقب دیا جائے اور بھونی ہوئی کالی سری کا ناشتہ دیا جائے۔''

گرو اور نیناں کھل کر ہنسے تو چنبیلی شرمندہ ہونے کی بجائے بولا۔ ''سری پائے اور نہاری منگوا لیتے ہیں گرو۔'' اس کا لہجہ آج التجائیہ تھا کیونکہ وہ روز روز چائے اور پراٹھے کھا کھا کر اُکتا گیا تھا۔ ''ساتھ میں روغنی نان بھی۔'' گرو اس کی سادگی پر قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔ ''جا نیناں اس کو اندر سے پیسے دے یہ بھی کیا یاد کرے گا۔ جاؤ جا کر اپنی مرضی کا ناشتہ لے آؤ۔ ناس ہونی نہ ہووے تے...... شکلاں مائیکل جیکسن والیاں تے نام ہیما مالنی جیسے۔'' گرو نے تالی بجائی تو چنبیلی اور نیناں اندر کی جانب بڑھ گئے۔ اب الائچی اور چنبیلی نے ناشتہ لینے جانا تھا وہ چلے گئے تو نیناں گرو کے پاس آ گیا۔

''گرو ویسے اللہ کا ہم پر کتنا کرم ہوا ہے کہ ہم کو شہر کے وسط میں یہ گھر مل گیا ہے۔ ہر پاسے رونق ہی رونق ہے۔''

گرو اس کی طرف پیار سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''نیناں! میں تو اس بات پر بھی شکر کرتا ہوں کہ جتنا یہ مشہور چوک ہے اگر ہماری گلی بند نہ ہوتی تو راستہ عام ہو جانا تھا۔ اب یہ سکون تو ہے کہ ادھر وہی آتا ہے جس نے اپنا گھر بنایا ہے یا پھر کسی کا کوئی رشتہ دار آ جائے تو ساری گلی کو خبر ہو جاتی ہے۔'' نیناں ہنسنے لگا۔

''ہاں گرو! ویسے یہ گھر چوک کے قریب قسمت سے ہی ملا ہے ہمیں تو۔'' گرو مسکرا کر رہ گیا۔ الائچی اور چنبیلی ناشتہ لے کر آ گئے تو برتنوں میں ناشتہ نکال کر سب نے پُرسکون ہو کر کھایا اور بعد میں آسمان کی جانب منہ کر کے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اسی طرح شام کا وقت آ پہنچا تھا۔ نیناں گروپ شہر بھر میں مشہور تھا کیونکہ نیناں کی جوانی اور اس کی مستانی اداؤں کے ساتھ ساتھ اس کو رقص میں بھی خاصی مہارت حاصل تھی۔ اس کے رقص کے تو لوگ دیوانے تھے۔ اس کو خاص کر اپنی پارٹیوں اور شادیوں میں مدعو کرنا ان کے لیے باعثِ فخر ہوتا تھا۔ کیونکہ نیناں گروپ کا کسی فنکشن میں جانے کا مطلب تھا کہ گھر والوں نے پوری برادری میں سے اچھا فنکشن کروایا ہے۔

نیناں ٹیپ لگا کر گانے پر رقص کی ریہرسلز کر رہا تھا۔ چنبیلی اور الائچی تیار ہو کر کھڑے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد نیناں بھی تیار ہو گیا تھا۔ رات کا اندھیرا بڑھنے لگا تو الائچی اور گرو نے نیناں کی تعریف کی کیونکہ چنبیلی کو اتنا معلوم ہی نہ تھا کہ میک اپ کیا ہوتا ہے۔

نیناں نے گرو کے گھٹنوں کو چھو کر اجازت طلب کی تو الائچی اور چنبیلی کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی۔ الائچی نے کھلے روپوں والا بیگ پکڑ لیا تھا اور دوسرے ہینڈ بیگ میں وہ کیسٹ تھے جن پر نیناں نے آج پرفارم کرنا تھا۔

''دھیان سے میری بچی! اپنا بہت سارا خیال رکھنا۔''

''اچھا گرو! ویسے بھی ہم ساتھ والے محلّہ میں ہی تو جا رہے ہیں۔'' الائچی نے کہا تو گرو نے ان کی بلائیں لے کر ان کو رخصت کر کے خود اندر آ کر ٹی وی کا سوئچ آن کر کے کسی فلم سے انجوائے کرنے لگا۔

نیناں ان دونوں کے ساتھ جیسے ہی فنکشن میں پہنچا تو نیناں کے دیوانے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ نیناں نے سرخ رنگ کی ساڑھی باندھی ہوئی تھی اور وہ کسی خوبصورت لڑکی سے کم نظر نہ آ رہا تھا بلکہ کئی بزرگوں نے تو ان کو دیکھ کر یہ تک کہہ دیا تھا کہ ''ہاں بھئی اب تو سیٹھ صاحب کنجریاں ہی نچائیں گے۔''

نیناں کو ایک الگ کمرے میں بٹھایا گیا سیٹھ صاحب کا ملازم راجہ ان کی خدمت میں مصروف ہو گیا تھا۔ نیناں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ فنکشن بھی رات کے فنکشن کی طرح بہت اچھا رہے گا۔ کیونکہ بہت ہی وی آئی پی ماحول تھا اور اچھی اچھی اسامیاں اس فنکشن میں آنے والی تھیں۔ سیٹھ بہت خوش ہو کر نیناں سے ملا تھا۔

''بھئی نیناں! میں نے تو بہت نام سنا ہے تمہارا۔'' سیٹھ دوسری شادی سے پھولے نہ سما رہا تھا۔ ''آج کا جشن ایسا ہونا چاہیے کہ تمہارے گھنگروؤں کی جھنکار میں ہمارے مہمانوں کے دلوں کی دھڑکنیں بھی گم ہو جائیں۔'' نیناں نے مسکرا کر ان کی طرف ایک کاروباری مسکراہٹ پھینکی اور بولا۔ ''آپ فکر نہ کریں سیٹھ صاحب! آج کا فنکشن آپ کو مدتوں یاد رہے گا۔''

سیٹھ خوش ہو گیا تھا۔ مہمانوں سے بھرا ہوا گھر کھانا کھانے کے بعد آہستہ آہستہ خالی ہوا تو صرف وہ رئیس اور رئیس زادے رہ گئے تھے جن کی جیبوں میں بھرے ہوئے نوٹ نیناں کے منہ میں پانی بھرنے کے لیے کافی تھے۔

پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ نیناں نے پہلے ہی گانے پر رقص شروع کیا تو رئیس زادوں نے نوٹوں کی بوریوں کے گویا منہ کھول دیئے تھے۔ چنبیلی کو نوٹ جمع کرتے کرتے کئی بار تھکن کا احساس بھی ہونے لگا تھا۔ نیناں نے چنبیلی اور الائچی کا اشارہ پا کر ایک گانا ختم ہونے پر پانی پینے اور کچھ سانس درست ہونے کا بہانہ بنایا تا کہ وہ دونوں نوٹ اکٹھے کر کے ان کی گڈیاں بنا لیں۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد چنبیلی کا بیگ نوٹوں سے بھرنے کا اشارہ پا کر نیناں نے دوبارہ گانا لگوایا اور ناچنا شروع کر دیا تو سیٹھ نیناں پر نوٹ نچھاور کرنے کے لیے سٹیج پر آ گیا تھا جبکہ چنبیلی نوٹ اکٹھے کرتے کرتے سیٹھ کے پاؤں کے پاس پہنچ گیا تھا سیٹھ نے نیناں پر نوٹ نچھاور کرتے کرتے اپنا ایک پاؤں چنبیلی کی کمر پر رکھ دیا۔ سیٹھ کے انداز میں غرور نمایاں تھا اور چنبیلی کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی تھی۔

نیناں نے گھوم کر سیٹھ اور چنبیلی کی پوزیشن دیکھی تو اس نے ناچنا بند کر دیا اور میوزک بھی بند ہو گیا تو سیٹھ نے مڑ کر نیناں کی طرف دیکھا اور غصے اور حیرت سے ملے جلے تاثرات میں کہا۔ ''کیوں نیناں! ناچنا کیوں بند کر دیا ہے؟''

نیناں بھی اپنی سانس درست کرتا ہوا بولا۔ ''چنبیلی پر سے اپنا پیر ہٹا لیں سیٹھ صاحب؟''

سیٹھ کو نیناں کا انداز اور الفاظ اپنی توہین لگے تھے اس نے اپنے پاؤں کا دباؤ اور بڑھایا تو چنبیلی کراہ کر رہ گیا۔

''وہ کیوں نیناں! یہ تو ہمارا اسٹائل ہے۔''

''آپ کا یہ سٹائل ہماری اور ہمارے فن کی توہین ہے سیٹھ صاحب!'' نیناں بھی آگے بڑھ کر سیٹھ کے برابر کھڑا ہو گیا تھا۔

''توہین تو ان کی ہوتی ہے جن کی کوئی عزت ہو نیناں...... تمہاری عزت ہی کیا ہے؟''

اپنی عزت آپ بنانا پڑتی ہے سیٹھ صاحب!'' یہ کہہ کر نیناں نے سیٹھ کو دھکا دے کر دور گرا دیا تو وہ چیختا ہوا بولا۔

''نیناں! تمہاری اتنی ہمت کہ تم مجھے دھکا دو۔ تمہاری اوقات ہی کیا ہے؟ دو ٹکے کا ہیجڑہ...... اونہہ......'' وہ غصے میں آگ بگولا ہو رہا تھا لیکن نیناں تحمل سے بولا۔ ''میں دو ٹکے کا ہیجڑہ ہوں لیکن آپ کی طرح کم ظرف اور بے غیرت نہیں ہوں گلی گلی ناچ کر اپنا رزق کماتا ہوں۔ کشکول اُٹھا کر بھیک نہیں مانگتا۔''

''تقدیر بڑی ظالم ہوتی ہے نیناں! ایک دن تم دیکھنا یہی تقدیر تمہیں کشکول اُٹھا کر مانگنے پر بھی مجبور کر دے گی۔''

سیٹھ آگ بگولا ہوا تو اس کے مہمانوں نے آ کر اس کو سنبھالا۔ لیکن سیٹھ قابو میں آنے کی بجائے ہتھے سے ہی اُکھڑتا ہوا بولا۔

''نیناں! یاد رکھنا...... ایک دن تقدیر تمہیں میرے پاؤں میں اسی طرح جھکائے گی کہ تم اپنے ہاتھوں کو کشکول بنا کر مجھ سے بھیک مانگو گے۔ بھیک مانگو گے۔'' نیناں اس کی بات سنتا ہوا ہنس پڑا اور تحمل سے بولا۔

''ایسا وقت میری زندگی میں نہیں آئے گا سیٹھ صاحب! کبھی بھی نہیں آئے گا۔'' اس نے چنبیلی اور الائچی کی

طرف دیکھا اور بولا۔ ''چلو......'' وہ تینوں وہاں سے چلے گئے اور سیٹھ کو اس کے دوست سنبھالنے لگے لیکن وہ غصے میں منہ سے جھاگ نکالتا ہوا زخمی شیر کی طرح غرا رہا تھا۔

نیناں، الائچی اور چنبیلی گھر پہنچے تو ان کو خلافِ معمول دروازہ کھلا ہوا ملا تھا شاید گرو کو نیند آ گئی تھی اور وہ دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ الائچی نے گھر کے اندر جا کر گرو کو جگایا تو وہ خود بھی حیران تھا کہ آج کس طرح دروازے کو بند کرنا بھول گیا ہے۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا نیناں کی طرف اور پھر چنبیلی کی طرف دیکھنے لگا تو اس کو معاملہ کافی گمبھیر لگا تھا۔

''کیا بات ہے نیناں! تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟ خیریت تو ہے کوئی واردات تو نہیں ہوگئی۔'' الائچی نے جا کر جلدی سے دروازے کی کنڈی لگائی تو چنبیلی نے نوٹوں سے بھرا بیگ گرو کی طرف بڑھایا تو وہ نوٹوں سے بھرے ہوئے بیگ کو دیکھ کر شادیٔ مرگ کی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا لیکن نیناں اُداس اور پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ غمگین اور نم دیدہ بھی تھا۔

''نیناں! میرے بچے! مجھے نہیں بتاؤ گی کیا ہوا ہے؟'' نیناں نے روئی ہوئی آنکھوں سے گرو کی طرف دیکھا اور گرو کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگا تو چنبیلی نے تمام واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔

گرو جوں جوں واقعہ سنتا جاتا تھا اس کے چہرے کی رنگت بدلتی جاتی تھی۔ کبھی اس کا چہرہ غصے سے سرخ اور کبھی نارمل ہو جاتا تھا۔ چنبیلی روتے ہوئے واقعہ بیان کر رہا تھا لیکن نیناں کے آنسو اس کا دامن خالی کر رہے تھے اور گرو کے کندھے سے گر کر جھولی میں جذب ہو رہے تھے۔

''تُو ایک بار مجھے پیغام تو بھجواتا نیناں! میں اس کوٹھی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔ میری بچی تُو نے اکیلے ہی اپنی جان پر اتنا ظلم کیوں کیا؟ مجھے بلوایا ہوتا میری جان!'' گرو کا پیار پا کر نیناں کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ اس نے گرو کی جھولی میں بلکہ گود میں اپنا سر چھپا لیا اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔

گرو اس کی پشت تھپتھپانے لگا اور گرو خود بھی رو رہا تھا۔ کیونکہ وہ بڑی محنت سے اپنی روزی روٹی کماتے تھے۔ پاؤں میں گھنگرو باندھ کر گلی گلی ننگے پاؤں ناچنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن تقدیر نے اب اگر ان کو ایسا بنا ہی دیا تھا تو وہ اپنے کام کے ساتھ انصاف تو کر رہے تھے لیکن معاشرہ ان کے ساتھ ہتک آمیز سلوک روا رکھ رہا تھا۔ یہی بات آج اس گھر میں مقیم چار نفوس پر مبنی مکینوں کو رُلا رہی تھی۔

نیناں کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو اس نے اُٹھ کر گرو کی روتی ہوئی آنکھوں سے اپنی انگلیوں کے ساتھ آنسو پونچھے اور کہا۔ ''گرو! کیا کوئی ایسا بھی ہے جو ہمیں اپنا کہہ سکے۔'' نیناں کافی غمگین لگ رہا تھا۔ ''کاش میں بھی کسی کی بچی ہوتا ذرا ذرا سی بات پر اپنے باپ سے ناراض ہو جاتا۔ وہ مجھے مناتا میں کبھی مان جاتی اور کبھی رُوٹھ جاتی۔ اگر میں کسی کی بیٹی ہوتی تو اپنے بابل کی ڈانٹ پر رونے لگتی اور......'' ابھی وہ باتیں ہی کر رہا تھا کہ پاس سے ہی کسی بچے کے رونے کی آوازیں آنے لگیں تو وہ سب ہی چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ''بچے کی آواز'' نیناں نے گرو سے استفسار کیا تو وہ اُٹھ کر اپنے ارد گرد دیکھنے لگے کیونکہ بچے کے رونے کی آواز میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ چنبیلی نے صحن کی لائٹس آن کیں تو ان کو گھر کے صحن میں ایک طرف بڑی پلاسٹک کی ٹوکری نظر آ گئی۔

نیناں نے آگے بڑھ کر ٹوکری میں جھانکا تو چند دنوں کا بچہ رو رہا تھا اور بار بار اپنا ہاتھ منہ میں ڈال رہا تھا جس کا

مطلب تھا کہ وہ بھوکا ہے۔ نیناں نے حیرت میں ڈوبے ہوئے سب کو دیکھا اور پھر بچہ ٹوکری سے نکال کر اس کو اپنے سینے لگایا تو وہ چپ ہو گیا۔

''یہ...... یہ کس کا بچہ ہے نیناں! اور یہ ہمارے گھر میں کیسے؟'' گرو کی حیرانی بجا تھی لیکن نیناں سے پہلے تو وہ گھر میں موجود تھا۔ یہی سوال نیناں اس سے بھی کر سکتا تھا لیکن نیناں نے دیکھا کہ وہ بچہ نہیں بچی تھی۔

''گرو مجھے نہیں پتہ یہ کس کی بچی ہے۔ ہم تو ابھی آئے ہیں۔'' بچی نے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا تو چنبیلی نے گرو کا اشارہ پا کر کچن کی جانب دوڑ لگا دی۔ نیناں نے چمکتے چاند کی طرف دیکھا اور پھر گرو سے بولا۔

''گرو! ہو نہ ہو یہ اللہ نے میری فریاد سنی ہے۔ اس نے مجھے اس بچی سے نوازا ہے۔ میں اس کو اپنے پاس ہی رکھوں گا۔'' نیناں نے بچی کو سینے سے لگا لیا تو گرو آگے بڑھتا ہوا اس بچی کو دیکھنے لگا جو بلا کی خوبصورت تھی۔ گرو نیناں سے مخاطب ہوا۔

''لیکن میری بچی! اب پتہ نہیں یہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے اور ہمارے ہی گھر میں کیوں......؟''

''نہیں گرو! آج سے یہ میری بچی ہے۔ تم ذرا خود سوچو کہ آج سے پہلے کبھی بھی ہمارے گھر کا دروازہ کھلا نہیں رہا ہے تو پھر آج ہی کیوں کھلا رہا اور پھر ہمارا فنکشن وہ بھی تو وقت سے پہلے ہی لڑائی جھگڑے کی وجہ سے ختم ہو گیا۔ گرو مجھے بھی آج کسی کی بیٹی نہ ہونے کی کمی شدت سے کیوں محسوس ہوئی۔ گرو ذرا سوچو...... ذرا سوچو۔ یہ سب کاتبِ تقدیر کے لکھے ہوئے سکرپٹ کا ہی حصہ ہے۔''

نیناں کی باتیں اچھی اور ٹھیک تھیں لیکن گرو جانتا تھا کہ ایسے بچوں کو اپنا گناہ چھپانے کے لیے نوجوان ماں باپ اسی طرح پھینک جاتے ہیں اور پھر بیٹی کی ذمہ داری لینا بہت بڑی ذمہ داری تھی۔

''نیناں! میری بچی! تُو اس وقت جذباتی ہو رہی ہے۔ ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔ ہم کہیں اس بچی کی وجہ سے مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ کوئی پولیس کیس یا پھر یہ کسی کی ناجائز بچی نہ ہو۔ میری بچی ذرا سمجھو۔ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔'' چنبیلی گلاس مین دودھ لایا تھا۔

نیناں نے ہاتھ منہ میں ڈالے ہوئے نومولود کو دیکھا تو مسکراتا ہوا بولا۔ ''میں ابھی تمہیں دودھ پلاتا ہوں۔'' اس نے گلاس میں اپنا ہاتھ ڈال کر اپنی انگلیاں ننھی منی بچی کے منہ پر لگائیں تو وہ ان کو چوسنے لگی۔ پھر نیناں نے قطرہ قطرہ اس کی رگوں میں دودھ اُتارا تو وہ ہولے سے مسکرا کر نیناں کو دیکھنے لگی تو نیناں نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور گرو سے بولا۔

''گرو! تم مانو یا نہ مانو...... یہ اللہ کی دین ہے اور پھر اس چاندنی رات میں جو روشنی اللہ نے ہمارے گھر میں پھیلائی ہے اس کی ناشکری نہیں کرنے دوں گا...... یہ چاندنی ہے۔ میری چاندنی...... میری جان...... میری چاندنی!''

گرو نے اذانِ فجر سن کر نیناں کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا۔ بچی نیناں کی گود میں سو گئی تھی۔ گرو ایک بار پھر نیناں کو سمجھاتا ہوا بولا۔ ''نیناں میری بچی! جذباتی بن کر نہیں...... ذرا تحمل سے سوچو...... یہ پرایا دھن ہے۔ بیٹی ہے۔ ہم...... ہم ہیجڑے ہیں میری بچی! اس کو کس طرح اپنے پاس رکھیں گے۔ کیسے اس کی پرورش کریں گے۔ ذرا سوچو...... اس کی گندگی۔ اس کا پیشاب اور اس کی پوٹی کون دھوئے گا۔ کیسے ہوگا یہ سب کچھ؟''

نیناں نے بچی کو اپنی چار پائی پر لٹایا اور اس پر کمبل ڈالتا ہوا واپس مڑا تو الایچی بھی بول پڑا۔ ''نیناں باجی! غصہ نہ کرنا ہم تمہارے اس فیصلے کو کوئی دانشمندی نہیں سمجھتے۔'' حوصلہ پا کر چنبیلی بھی بولا۔ ''ہاں نیناں باجی! گرو اور الایچی بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ پتہ نہیں کس کا خون ہے اور وہ ہمارے ہی صحن میں کیوں پھینک گیا ہے۔''

''یہی تو میں تم لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس بچی کو پھینکنے والا صرف ہمارے ہی گھر میں کیوں پھینک گیا ہے۔'' نیناں کا سوال سن کر الایچی اور چنبیلی تو خاموش رہے لیکن گرو چپ نہ رہ سکا۔

''نیناں! ہو نہ ہو...... کسی نے اپنا گناہ چھپانے کے لیے ہمارے ہی صحن کو چنا ہے کیونکہ ہم ہیجڑے ہیں نا۔''

اذانِ فجر کی مختلف مساجد سے آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ نیناں ان سب کی باتیں سنتا ہوا بولا۔

''گرو! یہ اللہ کا کرم اور اس کی رحمت بن کر میرے گھر میں آئی ہے۔ تم میں سے کوئی بھی اس کی گندگی صاف نہ کیا کرنا۔ اللہ کے گھر سے آوازیں آ رہی ہیں اور میں نیناں ہیجڑہ، اللہ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس نے مجھے آزمانے کے لیے اس بیٹی کو میرے لیے امتحان بنا کر اس گھر میں بھیجا ہے تو میں اس امتحان کو مرتے دم تک بھی نبھاؤں گا اور بالکل اس کی اس طرح پرورش کروں گا جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔ یہ میرا اپنے اللہ سے وعدہ ہے۔''

''تم جذباتی ہو رہے ہو نیناں!'' گرو نے ایک بار پھر مخالفت کی لیکن اس بار وہ کمزور اور نحیف آواز میں بولا تھا کیونکہ نیناں نے اللہ سے وعدہ کرنے کے لیے مؤذن کی آواز کو گواہ بنا لیا تھا۔

''لیکن ہم تمہارا کسی بھی ایسی مشکل میں ساتھ نہیں دیں گے نیناں باجی! جو مشکل اس بچی کی وجہ سے آئے گی۔'' چنبیلی نے کہا تو اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہوا الایچی بھی بولا۔ ''ہاں نیناں باجی! چنبیلی ٹھیک کہتا ہے۔ اس معاملے میں، مَیں آپ کے خلاف ہوں۔''

نیناں نے گرو کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''اور گرو! تمہارا کیا فیصلہ ہے؟''

گرو نے کچھ بھی کہنے کی بجائے شرمندگی سے سر جھکا لیا تو نیناں ایک کربناک مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔

''تو تم تینوں کا ایک ہی فیصلہ ہے۔ ٹھیک ہے...... تو پھر میرا فیصلہ بھی سن لو۔'' گرو اور الایچی نیناں کی طرف دیکھنے لگے جب چنبیلی نیناں کے پیچھے کھڑا تھا۔ ''میں گھر آئی ہوئی اللہ کی اس رحمت کو ٹھکرا کر کفر نہیں کرنا چاہتا۔ یہ بچی میرے پاس ہی رہے گی اور میں اس کو ماں اور باپ بن کر پالوں گا۔ میرے اس فیصلے سے اگر کسی کو دُکھ پہنچا ہے یا کوئی تکلیف ہے تو وہ مجھے چاندنی اور اس گھر کو چھوڑ کر جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ گھر صرف میرا ہے۔ یہ بات تم تینوں اچھی طرح جانتے ہو۔'' ایک بہت بڑا بم نیناں نے ان تینوں پر گرا دیا تھا۔ وہ جا کر چاندنی کے ساتھ لیٹ گیا اور اس کو محبت سے دیکھنے لگا تھا۔

گرو، الایچی اور چنبیلی باری باری تینوں ہی نیناں کے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔ نیناں نے دودھ اور گلاس اپنے پاس ہی رکھا تھا۔ چاندنی بڑی صابر بچی لگ رہی تھی اور اس کی عمر ابھی بمشکل سات آٹھ دن ہی ہو گی۔ اس کی گلابی رنگت اور چہرے کی معصومیت پر بھی پھینکنے والے ظالم مرد یا زن کو ترس اور رحم نہ آیا تھا۔

نیناں کی آنکھ لگ گئی تھی وہ دن بھر کا تھکا ہوا تھا اس نے اپنا بازو پیار سے چاندنی کے کمبل پر رکھا ہوا تھا اور گھر

کے دوسرے کمرے میں گرو، الایچی اور چنبیلی کو سمجھا رہا تھا۔

''نی ناس ہو نیو! اگر تم دونوں اس گھر سے نکل گئے تو بھوکوں مرو گے۔ سڑکوں پر جگہ جگہ بھیک مانگتے پھرو گے۔ تم دونوں کو تو ناچنا بھی نہیں آتا اور چنبیلی کالے منہ والی تم کس بات پر اکڑ رہی ہو منہ نہ متھا......'' گرو نے ہاتھ کے اشارے سے ان دونوں پر لعنت بھیجی تو وہ دونوں ہی شرمندہ ہو گئے۔

''یہ جو نوٹوں کے بیگ بھر بھر کر لاتے ہو نا۔ یہ سب نیناں کے ناچنے کی وجہ سے ہی ہے۔ اگر نیناں نہ ہو تو تم اور میں بھوکے ہی مر جائیں۔ میں تو نیناں کے ساتھ ہوں اگر تم لوگ جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔'' گرو یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکلنے لگا تو چنبیلی بولا۔ ''لیکن گرو! میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ...... اب ہمیں چاندنی کا حصہ بھی نکالنا پڑے گا۔''

''تمہیں تمہارے برابر کے حصے ملا کریں گے۔'' یہ نیناں کی آواز تھی جو نہ جانے کب سے دروازے میں کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا اس کی آواز سن کر وہ سب شرمندگی سے سر جھکا کر رہ گئے۔ ''چاندنی کو میں نے گود لیا ہے۔ وہ صرف میری بیٹی ہے اور اس کی تمام ذمہ داری بھی میری ہے۔ تم لوگ اپنے حصوں کی فکر نہ کرو۔''

گرو اُٹھ کر نیناں کے پاس جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''نیناں! ہمارا یہ مطلب نہ تھا بلکہ ہمارا مقصد تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ہم کہیں مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ ورنہ...... اس بیچاری نے کون سا ہمارے حصے کو کھا جانا ہے۔''

''ہم یہ محلّہ ہی چھوڑ دیں گے۔'' نیناں نے ایک اور فیصلہ سنایا تو الایچی اور چنبیلی بھی اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے وہ منہ کھولے نیناں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ''لیکن ابھی ہم کچھ ماہ اسی گھر میں رہیں گے۔ اگر کوئی چاندنی کا والی وارث آ گیا تو اس سے بات چیت کر کے ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔''

گرو نے بھی نیناں کی بات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تو پھر ٹھیک ہے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور چاندنی آج سے ہماری بھی بیٹی ہے۔ اب وہ اس گھر میں ہی رہے گی۔'' نیناں نے مسکراتے ہوئے گرو کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا تو چنبیلی اور الایچی بھی ان دونوں کے پاس آ گئے تو نیناں نے ان دونوں کو بھی اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ کیونکہ نیناں دل سے نہیں چاہتا تھا کہ ان تینوں میں سے کوئی بھی اس گھر سے جائے۔

چاندنی کو گھر میں آئے ہوئے پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اس کے لیے فیڈر، کپڑے، کھلونے اور ہر وہ چیز خرید کر گھر میں لا کر رکھ دی گئی تھی جس کی ایک نیو بورن (New Borne) کو ضرورت ہوتی ہے۔ غباروں سے گھر کو سجا دیا گیا تھا۔ نیناں کی زندگی کافی مصروف ہو گئی تھی۔ وہ سارا دن چاندنی کا خیال رکھتا تھا اور شام کو فنکشن پر جانے سے پہلے کئی بار چاندنی کو چومتا اور پھر گرو کو سینکڑوں بار تاکید کرتا کہ وہ چاندنی کو رونے نہ دے۔ چاندنی بھی اس سے خاصی مانوس ہو گئی تھی وہ بھی نیناں کو نہ پا کر رونے لگتی تھی اور نیناں کی شکل دیکھتے ہی مسکرانا شروع کر دیتی تھی۔

چھ ماہ کا عرصہ بیت جانے پر بھی کسی نے واپس مڑ کر اس کی خبر نہ لی تھی کہ چاندنی کس کی بیٹی تھی اور کون اس کو ادھر پھینک گیا تھا لیکن محلّہ بھر میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو گرو نے ایک دن بند گلی کے سرے پر کھڑے ہو کر تمام گلی والوں کو کھری کھری سنائیں اور ان مردوں کو بُرا بھلا کہا جو اپنا گناہ چھپانے کے لیے ایسی حرکات کرتے ہیں اور پھر اس نے عورتوں کو بھی نادان اور ناسمجھ کہنا شروع کیا تو عورتیں اور مرد تو اپنے اپنے گھروں میں چھپ کر رہ گئے۔

پھر ایک سال کا عرصہ گزرنے کے بعد چاندنی کے تھوڑا تھوڑا چلنے پر گرو اور نیناں نے آپس میں مشورہ کر کے وہ گھر فروخت کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر اپنے اس فیصلے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے دوسرے محلوں میں گھر دیکھنا شروع کر دیئے۔ اور پھر وہ گھر پسند کر لیا جس میں وہ اب رہ رہے تھے۔

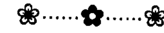
یہاں ان کو شمع بی بی جیسے نیک ہمسائے ملے تھے شمع بی بی کے دو بیٹے تھے اور ان کا خاوند رحیم بخش سبزی کا کام کرتا تھا اور وہ بھی چند سال ہی جیا تھا۔

نیناں جب تیار ہو کر گھر سے فنکشن کے لیے نکلتا تھا تو اس علاقہ کے لوگ اس کو لڑکی ہی سمجھتے تھے۔ لیکن نیناں ان سب کی پروا کیے بغیر چاندنی کی پرورش میں مشغول تھا۔

چاندنی سات سال کی ہوئی تو اس کو بہت تیز بخار نے گھیر لیا تھا۔ نیناں اس کو اپنی گود میں اُٹھائے ہسپتال کی جانب بھاگا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ کون رکشے ٹیکسی کا انتظار کرتا رہے۔ اس نے چاندنی کی صحت یابی تک ایک پل بھی سو کر نہ دیکھا تھا۔ اس نے رات رات بھر جاگ کر چاندنی کی تیمارداری کی تھی۔ بلکہ چاندنی کی صحت یابی کے لیے تو نیناں نے ہسپتال میں ہی مصلہ بچھا لیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح رو رو کر دعائیں کی تھیں کہ شاید چاندنی کی سگی ماں بھی اس کے لیے نہ کرتی۔

چاندنی کی آنکھیں رم جھم برس رہی تھیں وہ ان عظیم لوگوں کو دیکھ رہی تھی جنہوں نے ایک اجنبی بچی کو اپنے دن رات دے کر پالا پوسا تھا اور وہ اپنی غلطی اور رویے پر سخت نادم تھی کہ اس نے عبید رضا کے کہنے پر گرو اور نیناں سے تلخ رویہ اختیار کیا۔ وہ روتی ہوئی اُٹھی اور آ کر نیناں کے قدموں میں گر گئی تو نیناں تڑپ کر رہ گیا۔

''نہ میری بچی! نہ...... مجھے گناہگار نہ کر...... میں تو ابھی بھی تیری تربیت اور پرورش میں مگن ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ اگر تمہاری پرورش میں کوئی کوتاہی ہو گئی تو مجھے لگے گا کہ میری کوئی نماز قضا ہو گئی ہے۔'' اس بات نے تو چاندنی کو ہچکیوں کے ساتھ رُلا دیا تھا۔ گرو نے اُٹھ کر چاندنی کو دلاسہ دیا اور اپنے سینے سے لگا کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔



ستارہ، موسیٰ کو کام سمجھاتی ہوئی اس کی کرسی کے پیچھے اس طرح آ گئی تھی کہ ایک فائل کو سمجھانے کے لیے اس نے آگے بڑھ کر اپنی انگلی سے ایل سی ڈی پر نشان دہی کرنا چاہی تو اس کا چہرہ اس زاویے پر آ گیا تھا کہ وہ موسیٰ کے کندھے پر آ چکا تھا اور اس کا چہرہ موسیٰ کے چہرے کے بالکل ساتھ ساتھ ہو گیا تھا۔

موسیٰ کے دل کی دھڑکنیں یک دم تیز ہو گئیں اور ایسی ہی کیفیت کچھ ستارہ کی بھی تھی یہ لمحات کی جنگ تھی جس نے ان دونوں کو اتنے قریب کر دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے دلوں کی دھڑکنیں بھی سن سکتے تھے۔ ستارہ کا دل چاہتا تھا کہ وہ ہمیشہ ہی ایسے رہے اور وقت تھم جائے۔ وہ موسیٰ کی پہلی ہی نظر میں دیوانی ہو گئی تھی لیکن اب تو موسیٰ اس کے بالکل پاس تھا اور اس کے زیرِ نگرانی کام بھی کر رہا تھا لیکن موسیٰ کے دل میں کیا چل رہا تھا ستارہ اس بات سے بالکل بے خبر تھی۔

کیونکہ موسیٰ کو آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا وہ وقت پر اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا عید کی آمد آمد تھی اس لیے نیا مال بھی تیار ہو کر آ رہا تھا اور نئی نئی ڈیزائننگ میں ملبوسات نے بوتیک میں گاہکوں کا رش بھی بڑھا دیا تھا اور اس بڑھتے

ہوئے رش نے موسیٰ کا کام بھی بڑھا دیا تھا لیکن وہ محنت سے اپنا کام کرنے میں مگن تھا اور ستارہ اس بات کو اچھی طرح محسوس کر رہی تھی کہ موسیٰ بہت محنتی ہے اور ذہین بھی ہے اس نے ایک ہی ہفتہ میں پورے بوتیک کی ان کمنگ اور آؤٹ گوئینگ کو اس طرح سنبھالا تھا کہ شاید کوئی اور اکاؤنٹینٹ دو تین ماہ تک تو لگا دیتا۔

موسیٰ نے گلا کھنکھار کر ستارہ کو احساس دلایا کہ وہ کس پوزیشن میں پہنچ گئی ہے اور ستارہ کو بھی لگا کہ موسیٰ کو بُرا لگا ہے۔ اس نے یک دم اپنے ہاتھ کو پیچھے ہٹایا اور بولی۔ ''کیا آپ نے وہ تمام اندراج کر لیا ہے کہ ابھی نہیں......''

موسیٰ نے اس کی ادھوری بات کو سن کر اس کی طرف دیکھا تو وہ یہ سمجھنے میں دیر نہ لگا سکا کہ ستارہ نے ادھوری بات صرف اس لیے کی ہے کہ موسیٰ اس کی طرف دیکھے۔ وہ موسیٰ کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔ ''جو جو مال پاپا کی ملز سے آتا ہے...... اس کا پوچھ رہی تھی۔''

ستارہ کو لگ رہا تھا کہ اس کی چوری پکڑی گئی ہے۔ وہ اپنے ملازم کے سامنے ہی کھسیانی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کو کچھ بھی سمجھ نہ آیا تو وہ موسیٰ کو مخاطب کرتی ہوئی بولی۔ ''آپ دس منٹ بعد میرے آفس میں آیئے۔'' یہ کہہ کر ستارہ ایک لمبی سی خوشبودار سانس اس کے آفس میں چھوڑتی ہوئی باہر نکل گئی تو موسیٰ نے پُرسکون ہو کر اپنی کمر کرسی سے لگا لی اور اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگا تو پاس سے ہی کوئی طنزیہ انداز میں دھیرے سے مسکرایا۔

ستارہ اپنی کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آج وہ جانے انجانے میں موسیٰ کے بہت ہی قریب ہو گئی تھی اس کی تو خواہش ہی بنتی جا رہی تھی کہ موسیٰ اس کی آنکھوں کے سامنے رہے اور وہ موسیٰ کی دلفریب شخصیت کو دیکھتی رہے لیکن یہ دنیا اور نام نہاد سٹیٹس کی دیوار جو درمیان میں آ گئی تھی وہ شاید ستارہ کے فیصلے کو تذبذب میں مبتلا کر رہی تھی۔ لیکن دل میں اُٹھنے والے جذبات اور احساسات موسیٰ کی سحر انگیز آنکھوں اور پُروقار شخصیت کے اسیر بن کر ہر وقت اسی کو سوچنے پر مجبور کر رہے تھے اور ستارہ کی مقناطیسی کشش کے زیرِ اثر موسیٰ کی جانب خود بخود کھینچی چلی جا رہی تھی اور اس بات کی خبر شاید موسیٰ کو تھی یا نہیں لیکن ستارہ کو اپنی شخصیت میں موسیٰ کے لیے جو جگہ بنانا تھی وہ جگہ بنانے کے لیے اس کو بہت سی سماجی دیواریں پھلانگنا تھیں جو کہ مشکل ہی نہیں ناممکن بھی لگ رہا تھا۔ ستارہ نے اپنے کلوز کیمرے میں موسیٰ کو دیکھا جو کرسی کی ٹیک کے ساتھ سر کو لگائے اپنی آنکھیں بند کر کے کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا یا پھر خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ستارہ کو موسیٰ کی اس حالت پر نہ جانے کیوں سکون محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک پُرسکون مگر دلفریب مسکان پھیل گئی تھی۔

موسیٰ کارڈلیس کی گھنٹی سن کر سمجھ گیا کہ ستارہ نے اس کو دس منٹ بعد اپنے آفس میں آنے کا کہا تھا اور تقریباً دس منٹ ہو گئے تھے۔ وہ اُٹھ کر اپنی قمیص کو ٹھیک کرتا ہوا اپنے آفس سے نکل گیا۔ وہ ساتھ والے آفس میں پہنچا تو ستارہ کے میز پر کچھ پیکس پڑے ہوئے تھے۔ اور یہ معمول کی کارروائی تھی کیونکہ سیمپلز کی کافی ورائٹی آتی رہتی تھی اور بہت سے آرڈر بھی دوسرے شہروں کو بھیجنے ہوتا تھے۔

''مے آئی کم ان؟'' اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر پوچھا تو ستارہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچی تو موسیٰ اب دروازے کے باہر اور ستارہ دروازے کے اس پار آفس میں تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی موسیٰ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''اگر میں کہوں نہیں......تو......؟'' موسیٰ اس جواب پر گڑبڑا گیا تھا۔ وہ اس جواب کی توقع نہ کر پا رہا تھا شاید وہ اسی لیے ستارہ کی طرف دیکھتا ہوا۔ ''جی......'' کہہ کر رہ گیا تو ستارہ نے خود دروازے کا ہینڈل پکڑ کر دروازہ کھول دیا۔ ''ویلکم'' موسیٰ حیرت میں گم اندر داخل ہو گیا تھا۔

ستارہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی تو موسیٰ بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''جی میڈم! آپ نے مجھے بلایا تھا۔''

''آپ کو یاد ہے کہ میں نے بلایا تھا تو پھر بھی آپ دروازے میں کھڑے اندر آنے کی پرمیشن مانگ رہے تھے۔'' موسیٰ کو اب احساس ہوا کہ ستارہ نے اس کے لیے دروازہ کھول کر اس پر طنز کیا تھا۔ وہ ایک لمبی سانس بھرتا ہوا بولا۔ ''سوری میڈم؟''

ستارہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''موسیٰ! کیوں نہ ہم آپس میں کچھ چھوٹے چھوٹے معاملات طے کر لیں تاکہ کام کرنے میں آپ کو اور مجھے بھی آسانی رہے۔'' موسیٰ بھی یہی چاہتا تھا کہ جو بھی بات ہے اب کھل کر ہی سامنے آ جانا چاہیے۔ ''جی آف کورس'' اس نے کہا تو ستارہ بولی۔

''موسیٰ! میرا نام ستارہ ہے اور تمہارا نام موسیٰ ہے۔'' ستارہ نے بے تکلفی کی پہلی دیوار گرائی تھی اس نے موسیٰ کو آپ کہنے کی بجائے تم کہا تھا۔

''تم مجھے میڈم نہیں......ستارہ کہا کرو گے اور آئندہ نو سوری......نو تھینکس اور نو پرمیشن......یعنی کہ میرے آفس میں آنے کی اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ تم اس بوتیک میں کام کرتے ہو۔ اس بوتیک کے لیے اپنے دن رات دیتے ہو تو تمہیں کہیں بھی آنے جانے کی اجازت ہے۔ کسی سے بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے...... حتیٰ کہ......مجھ سے بھی نہیں۔''

ستارہ نے اچھی خاصی تقریر کر دی تھی جو کہ موسیٰ کے فائدہ میں تھی لیکن سٹیٹس اس کی راہ میں حائل تھا وہ اپنی پوزیشن واضح کرتا ہوا بولا۔ ''دیکھیں میڈم! آپ اس بوتیک کی آنر ہیں اور میں ایک ایمپلائے ہوں۔ اسی فرق کو قائم رکھنے کے لیے میں آپ کو میڈم کہتا ہوں۔''

''اگر ہم یہ فرق مٹانا چاہیں تو منٹوں میں مٹا سکتے ہیں اگر نہ چاہیں تو یہ فرق سٹیٹس کی ایک نہ گرنے والی دیوار بن کر راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔'' ستارہ نے اس کی بات کا جواب دیا تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ میں آپ کو صرف ستارہ کہوں؟'' ستارہ سمجھتی تھی کہ اس کے اندر احساسِ محرومی ہے کہ وہ اس بوتیک میں ملازم ہے۔ ''اور مجھے اچھا نہیں لگے کہ تم مجھے بڑی عورت یعنی بڑی عمر کی میچور عورت سمجھتے ہوئے میڈم کہتے رہو۔'' موسیٰ اس کی بات سن کر ہنستا ہوا بولا۔

''مجھے پتہ ہے نا کہ آپ ینگ ہیں اور بڑی عمر کی نہیں بلکہ سمارٹ اور کم سن ہیں۔'' یہ موسیٰ نے اس کی تعریف کی تھی یا پھر اپنے دل کی آواز کہی تھی۔ ''تھینک یو...... اب میں امید کرتی ہوں کہ تم مجھے صرف ستارہ کہو گے...... او کے؟'' ستارہ نے اس سے تصدیق چاہی تو وہ سر جھکا کر بولا۔ ''او کے ستارہ......میڈم'' پھر دونوں ہی کھل کھلا کر ہنس پڑے تو ستارہ نے ایک پیکٹ اُٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا اور کہا۔ ''یہ بوتیک کی طرف سے آپ کے لیے ہے۔ کل آپ یہ لباس پہن کر آئیں گے اور آئندہ آپ شلوار قمیص نہیں پہنا کریں گے بوتیک ٹائم میں پینٹ شرٹ اور ٹائی آپ

کا لباس ہوگا۔ یہ میری ریکوائرمنٹ ہے۔''

موسیٰ اس کے آخری الفاظ پر غور کر کے چونک گیا کہ یہ لباس اس کی ڈیمانڈ ہے۔ وہ اس کو اس لباس میں کیوں دیکھنا چاہتی تھی؟ موسیٰ کو اس بات کی سمجھ نہ آئی تھی لیکن وہ ہولے سے بولا۔ ''میں نے تو کبھی پینٹ شرٹ پہنی ہی نہیں......اور پھر ٹائی......؟'' موسیٰ تھوک نگلتا ہوا بولا تو ستارہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ ''آپ پینٹ شرٹ پہن کر آ جایا کرنا۔ میں آپ کو ٹائی باندھنا سکھا دوں گی۔''

ستارہ نے یہ بھی نہ دیکھا کہ موسیٰ کچھ کہنا چاہتا ہے یا اس کی بات سن کر اس کے تاثرات کیا ہیں۔ بلکہ اس نے فون اُٹھا کر چائے لانے کا کہہ دیا اور موسیٰ کی طرف دیکھنے لگی تو موسیٰ نے نظریں جھکا لیں۔



''میرا خیال ہے کہ تمہاری ذہنی رو بہک گئی ہے جو تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔'' وہاب میر نے سالار کی طرف دیکھا جو کرسی پر بیٹھا ہوا انہی کی جانب دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ''آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ گھر میری ماں کا ہے......یعنی میرا۔'' اس نے ایک زوردار ضرب ان کے پگھلتے ہوئے وجود پر لگائی تو وہاب میر کو اپنی ہیئت ہی بدلتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

''تم بھول رہے ہو کہ جس گھر میں اب تم رہ رہے ہو وہ گھر میں نے تمہیں دے دیا ہے۔ تاکہ تم میرے کسی بھی معاملے میں انٹرفیئر نہ کر سکو۔'' وہاب میر غصے میں لال پیلے ہو رہے تھے لیکن سجن سالار ہولے سے مسکراتا ہوا بولا۔

''میرا اس گھر میں دم گھٹتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ اپنے گھر میں رہنا چاہتا ہوں۔'' وہاب میر حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے یہ الگ بات تھی کہ اس کی حیرت میں غصہ زیادہ تھا۔ ''تم اب بچے نہیں ہو کہ میں تمہاری ضد پوری کر دوں گا۔'' وہ غصے میں پھنکارے تو سجن اپنی کرسی سے اُٹھا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا ہوا وہاب میر کے اردگرد ٹہلنے لگا۔

''آپ کے الفاظ نرم ہیں ابو جی! لیکن لہجہ بہت سخت ہے اور سخت لہجہ اب مجھے بہت تکلیف دیتا ہے۔'' وہ آ کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہوا بولا۔ ''اور اب میں کسی بھی تکلیف کو سہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ بحث گفتگو کی موت ہے۔'' سیٹھ وہاب میر نے شکست خوردہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ''بولو...... فائنل بولو کیا چاہتے ہو؟'' وہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی کھڑی کرتے ہوئے اس کو خبردار کرنے والے انداز میں بولے۔ ''لیکن بولنے سے پہلے اچھی طرح الفاظ کو اپنے دل و دماغ کے ترازو میں تول لو۔'' وہاب میر افسردہ نظر آنے لگے تھے لیکن سالار مسکراتا ہوا بولا۔

''میں آپ کا بیٹا ہوں ابو جی! میں اس گھر میں رہنا چاہتا ہوں۔ جہاں میں پیدا ہوا تھا۔'' یہ سن کر وہاب میر اس کی طرف کچھ کہنے والے انداز میں گھومے لیکن اس بار سالار نے انگلی کھڑی کر کے ان کو یاد دلایا کہ اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی ہے اور وہ ابھی بات کر رہا ہے۔

''میں آپ سے کچھ بھی نہیں مانگوں گا اس ملز کا ملازم ہونے کے ناطے تنخواہ اور آپ کا بیٹا ہونے کے ناطے وہ

جیب خرچ جو عبید رضا لیتا ہے وہ آپ مجھے باقاعدگی سے دیا کریں گے۔ میں اس گھر میں اپنے اسی کمرے میں رہنا چاہوں گا جو مجھ سے چھین لیا گیا ہے۔ ستارہ آپ کی بیٹی ہی نہیں میری بہن بھی ہے اور عبید رضا میرا چھوٹا بھائی ہے اور حنا بیگم......'' سالار رضا بیگم پر آ کر نہ جانے کیوں نفرت سے منہ موڑ کر کھڑا ہو گیا تو وہاب میر کو تجسس ہوا وہ بولے۔ ''کیا حنا بیگم......؟''

''اس عورت سے میری جنگ ہی رہے گی کیونکہ وہ آپ کی بیوی ہے اور اس عورت نے میری ماں کو مرتے وقت منہ میں پانی بھی نہ ڈالا تھا۔''

''وہ پرانی بات ہے۔'' وہاب میر دھاڑے۔

''آپ کے لیے......'' سالار نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔ ''لیکن میں وہیں سے شروع کروں گا جہاں سے میں اس گھر سے چور بنا کر نکالا گیا تھا۔'' وہاب میر شکست خوردہ لگنے لگے تھے۔ ''مجھے آپ کی حالت پر ترس آنے لگا ہے ابو جی! آپ نے خود ہی مجھے چھیڑا ہے۔ اب آپ ہی اس بات کو مکمل بھی کریں گے۔'' وہاب میر کچھ سوچتے ہوئے اچانک ایک خیال کے آتے ہی چونک کر اس کی جانب دیکھ کر بولے۔

''اگر میں تمہیں نیا گھر خرید دوں تو......؟'' سالار قہقہہ لگا کر ہنسا اور بولا۔

''میں پہلے ہی ایک گھر میں رہ رہا ہوں جو آپ نے مجھے خرید کر دیا تھا۔ وہ گھر میرے لائق نہیں ہے۔''

''لیکن یہ بات تمہیں اب سمجھ کیوں آئی ہے تم نے تقریباً بیس بائیس سال اسی گھر میں گزارے ہیں۔'' وہاب میر کی بات مدلل تھی سالار دکھ اور کرب سے ان کی طرف دیکھنے لگا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ آنسوؤں کو پینے کی کوشش میں بولا۔

''بیس بائیس سالوں میں آپ نے صرف بیس بائیس چکر ہی اس گھر کے لگائے ہوں گے۔ شاید......شاید یہ دیکھنے کے لیے کہ میں زندہ ہوں یا پھر مر گیا ہوں۔''

''سالار......'' وہاب میر تڑپ کر اس کی طرف دیکھ کر اس کو تھپڑ مارنے کے لیے اپنا ہاتھ ہوا میں بلند کر چکے تھے۔ سالار نے ان کے اٹھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر مسکرا کر کہا۔ ''ابو جی! مان لیجیے کہ آپ آج بھی مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ میں آپ کی پہلی اولاد ہوں۔ میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں پلیز......میری ماں تو مجھ سے دور چلی گئی ہے لیکن آپ کے ہوتے ہوئے میں یتیموں جیسی زندگی کیوں گزاروں ابو! کیوں؟''

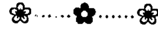
اس سوال کا جواب شاید وہاب میر کے پاس بھی نہ تھا۔ وہ بھی سالار کی نم آواز سے متاثر ہو گئے تھے۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ کیسے ہوگا یہ سب کچھ؟'' وہاب میر شکست خوردہ تھے۔

''میں آپ کے دوست کا بیٹا بن کر اس گھر میں آؤں گا جو اس ملک میں بزنس کرنا چاہتا ہے۔ جتنی دیر بزنس سیٹل نہیں ہوتا میں آپ کے اس گھر میں ہی رہوں گا۔'' سیٹھ وہاب میر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ''یہ سب کچھ آپ مجھے سامنے رکھ کر اپنے گھر والوں کو بتائیں گے اور میں اگلے ہفتہ ہی آپ کے گھر میں آ رہا ہوں۔''

وہاب میر اس کی باتیں سن سن کر حیران ہو رہے تھے لیکن وہ ابھی تک سالار کی باتوں سے مطمئن نہ تھے وہ تو اس وقت اور اس لمحے کو ہی کوس رہے تھے جب انہوں نے سالار کو اپنی ملز میں ورکر کے روپ میں دیکھا تھا۔ وہ یقیناً

منحوس گھڑی ہی ہوگی۔ یہ ان کی سوچ تھی۔



چاندنی نے فجر کی نماز ادا کی اور صحن میں آ کر ٹہلنے لگی۔ اس نے گھر کی دیواروں کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اور پھر اس صحن کو بھی غور سے دیکھنے لگی۔ وہ اس صحن میں کھیل کر پلی بڑھی تھی۔ اس کو ہیجڑوں نے پالا تھا۔ اس کی تربیت اور پرورش میں جتنی محنت ان تمام ہیجڑوں نے کی تھی شاید اس کے اپنے والدین بھی اس کی پرورش اس طرح نہ کر پاتے۔ کیونکہ نیناں نے دن رات گھنگرو باندھ کر گلیوں بازاروں میں ناچ ناچ کر اس کے لیے پیسے جمع کیے اور اس کی تعلیم پر کافی روپیہ خرچ کیا تھا۔ اس کے رہن سہن کے لیے بہترین کمرہ ڈیکوریٹ کیا تھا۔ اس کے لیے بہترین لباس اور پھر کالج میں پہنچنے کے لیے یہ سہولت۔ کتب اور دیگر سہولیات بھی اس کو منہ سے نکالنے سے پہلے ہی پوری کی تھیں۔ وہ ان ہیجڑوں کی محبتوں اور اپنائیت کی کوئی بھی مثال نہ دے سکتی تھی۔

اس کا باپ اس کو اس طرح کیوں پھینک گیا تھا۔ کیا وہ کسی کی ناجائز اولاد ہے؟ یہ خیال آتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ روئی ہوئی آنکھوں سے آسمان کی جانب دیکھنے لگی گویا کہ شکوہ کر رہی ہو کہ اس کو اوپر والے نے بیٹی کیوں بنایا۔ اگر بیٹا بنایا ہوتا تو کیا اس کا باپ یا اس کی ماں اس کو اس طرح بند گلی میں پھینک کر جاتے؟

یہ وہ سوال تھا جو فطری طور پر اس کے دل و دماغ میں آ کر بس گیا تھا اور وہ اس سوال کا جواب پانے کے لیے اب اپنے باپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے گی لیکن کیسے، ڈھونڈے گی۔ وہ اس کی تلاش کیسے کر پائے گی؟ اس نے تو اپنے باپ یا ماں کو دیکھا بھی نہ ہوگا۔ اس کو کون سی پہچان ہوگی کہ وہ اپنے پھینکنے والے یا پھینکنے والی کو کسی خاص نشانی سے پہچان سکے گی۔ اپنی اس بے بسی پر وہ ایک بار پھر آنسو بہانے لگی تھی وہ روتی ہوئی تخت پوش تک پہنچی تو چونک پڑی کیونکہ گرو اس کو نہ جانے کب سے دیکھ رہا تھا۔

وہ آ کر گرو کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔ گرو نے اپنی انگلی کی پور سے اس کے آنسو صاف کیے اور اس کو نفی میں سر ہلا کر رونے سے منع کیا۔ ''چاندنی!'' یہ آواز سن کر اس نے دیکھا تو نیناں بھی آ گئی تھی کیونکہ اب سورج بھی باہر آنے کی تیاری میں تھا کیونکہ آسمان کا نیلا رنگ واضح ہونا شروع ہو گیا تھا۔

نیناں اس کے پاس ہی تخت پوش پر بیٹھ گیا۔ چاندنی نے دیکھا تھا کہ نیناں کئی راتوں سے جاگ رہا ہے کیونکہ اس کی آنکھیں جاگنے اور رونے کی وجہ سے سوج گئی تھیں۔ چاندنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ماتھا چوما اور چومتی ہوئی بولی۔

''بابا جانی! آپ کے خیال میں عبید رضا نے اچھا کیا یا غلط؟'' نیناں اس کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''اس نے اچھا کیا لیکن وقت غلط ہے۔'' گرو بھی نیناں کی بات سن کر چاندنی کو تسلی دیتا ہوا کہنے لگا۔

''ہم تمہیں اس راز سے تمہاری شادی سے پہلے آشنا کرنا چاہتے تھے۔ تبھی تو ہم نے عبید رضا سے یہ بات کنفرم کروائی ہے کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔'' چاندنی نیناں کی طرف دیکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''بابا جانی! اگر میرا باپ مل جائے تو......میں اس سے یہ ضرور پوچھوں گی کہ اگر میں بیٹا ہوتا تو کیا وہ پھر بھی

مجھے پھینک جاتا؟'' چاندنی کی ایک بار پھر آواز بھرا گئی تو گرو نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور اس کو سمجھاتا ہوا کہنے لگا۔

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تمہیں تمہاری پیدا کرنے والی ماں ہی پھینک گئی ہو۔'' چاندنی نے کرب سے گرو کی طرف دیکھا اور بولی۔

''بابا! کیا میں اپنی ماں کا گناہ ہوں؟'' اس سوال نے تو گرو اور نیناں کو بھی رُلا دیا تھا۔''اگر میں اس کی کوکھ میں پلتی رہی ہوں تو اور اگر وہ کسی سے پیار ہی پیار میں ساری حدیں عبور کر کے مجھے پیدا کرنے پر بضد تھی تو پھر پھینک کر کیوں گئی..... کم ظرف..... کم از کم اپنے پیار کی لاج تو نبھاتی۔'' چاندنی کے لہجے میں اپنی اَن دیکھی لیکن سگی ماں کے لیے نفرت تھی لیکن وہ نفرت شدید نہ تھی کیونکہ اس کو ابھی یقین ہی نہ تھا کہ اس کو پھینک کر جانے والی اس کی ماں تھی یا پھر اس کا باپ تھا۔

''نہیں میری بیٹی! تم ایسا مت سوچو۔ تم جیسی پیاری بیٹی تو اللہ مقدر والوں کو دیتا ہے۔ تم اپنے دل کو مت جلاؤ..... گناہ اور ناجائز ہونا تو تمہاری سوچ ہے۔ اب پتہ نہیں کیا صورتِ حال تھی یا کیا مجبوری تھی کہ تمہیں پھینکنے والا کیوں پھینک گیا۔''

''بیٹی سب سے بڑی مجبوری ہوتی ہے بابا جان! سب سے بڑی مجبوری بیٹی ہوتی ہے۔'' چاندنی اُداس اور غمگین تھی اسی اثناء میں باہر سے بادشاہ فقیر کی صدا آنے لگی۔''بیٹی رحمت ہے..... بیٹی زحمت نہیں ہے..... بیٹی رحمت ہے۔ بیٹی زحمت نہیں ہے۔''

چاندنی تڑپ کر اُٹھی اور باہر والے دروازے کی جانب دوڑ لگا دی۔

''بابا..... بابا..... اِدھر آؤ بابا..... گرو کے گھر کی جانب آؤ بابا۔'' چاندنی بادشاہ کو آوازیں دے رہی تھی نیناں اور گرو اس کی اس حرکت پر حیران تھے۔ انہوں نے چاندنی کے پیچھے کھڑے ہو کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''میں آواز دیتا ہوں بادشاہ کو لیکن تم نے کیا کہنا ہے آج اس سے؟'' یہ گرو تھا جو رو رہا تھا۔ نیناں بھی غمگین تھی۔ چاندنی کچھ بھی نہ بولی تھی کیونکہ گرو نے باہر تھڑی پر کھڑے ہو کر بادشاہ کو آواز دی تھی۔ بادشاہ فقیر اپنی لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا ان کی تھڑی تک پہنچ گیا تھا۔

''گرو.....؟'' بادشاہ نے تصدیق چاہی تھی یا پھر اس کو اندازہ تھا کہ وہ واقعی گرو کی تھڑی تک پہنچ گیا ہے۔

''ہاں بادشاہ! میں گرو ہی ہوں۔'' گرو کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ نیناں نے ہاتھ پکڑ کر بادشاہ کو اندر آنے کا کہا تو وہ بمشکل تھڑی چڑھ پایا تھا۔ چاندنی خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی جا رہی تھی۔

''بابا! آج آپ ہمارے ساتھ ناشتہ کریں گے؟'' چاندنی نے بادشاہ سے پوچھا تو وہ حیرانگی اور خوشگواریت کے ملے جلے تاثرات سے بولا۔''ہاں..... ہاں کیوں نہیں؟'' وہ نیچے بیٹھنے لگا تو گرو نے اس کو تخت پوش پر بٹھا دیا اور بولا۔

''میری بیٹی چاندنی! آج بہت اُداس ہے۔ وہ تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہے۔'' بادشاہ خوش ہوتا ہوا بولا۔

''بیٹی تو رحمت ہے گرو! اگر یہ مجھ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہے تو..... میں بھی خوشی خوشی اس کی باتوں کے جواب دوں گا۔'' بادشاہ بھی خوش تھا۔''بادشاہ! میں تمہارے لیے چائے لاتا ہوں۔'' نیناں یہ کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔ چاندنی اس کی طرف غور سے دیکھنے لگی تو گرو نے اس کے انہماک کو توڑا۔''لو بھئی چاندنی! پوچھ لو جو کچھ بھی پوچھنا ہے بادشاہ سے میں منہ دھو آؤں۔'' بادشاہ اور چاندنی کو چھوڑ کر گرو اندر کی جانب بڑھا تو نیناں اس کو مل گیا۔

''تم کیوں آ گئے ہو گرو!'' گرو ایک دُکھ اور کرب سے نیناں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔''نیناں! چاندنی اپنا من ہلکا کرنا چاہتی ہے۔ اس کو ہمارے علاوہ بھی کسی سے بات کرنا چاہیے۔ اس طرح اس کا دل ہلکا ہو جائے گا۔'' گرو اندر بڑھ گیا تو نیناں کی سمجھ میں گرو کی بات آنے لگی تھی۔ واقعی آج کل چاندنی کو اس گھر کے افراد کے علاوہ بھی کسی سے باتیں کرنا چاہئیں۔''

''بابا آپ پیدائشی طور پر نابینا ہیں کیا؟'' چاندنی نے پہلا سوال کیا تو بادشاہ مسکراتا ہوا بولا۔''نہیں بیٹی! یہ تو ایک سانحہ ہوا تھا جو میری آنکھوں کی روشنی بھی لے گیا۔'' چاندنی مزید غمگین ہو گئی تھی۔ اس نے بادشاہ کو کیوں بلایا تھا اس بات کی خبر خود چاندنی کو بھی نہ تھی۔ بس اس کے کانوں میں بادشاہ کی بات گونجنے لگی تھی کہ بیٹی رحمت ہے زحمت نہیں۔ وہ اپنی بات کی تصدیق کے لیے بادشاہ سے کچھ باتیں کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔

نیناں نے چائے پیالے میں ڈال کر بادشاہ کے سامنے رکھی اور چاندنی سے مخاطب ہو کر بولا۔''چاندنی! میں بھی منہ ہاتھ دھو لوں۔ تم اتنی دیر میں بادشاہ سے باتیں کر لو پھر میں تمہارے لیے بھی ناشتہ بناتی ہوں۔'' چائے کے ساتھ ڈبل روٹی کے چار پیس ایسے بھی تھے جن پر جام لگی ہوئی تھی۔ وہ الگ پلیٹ میں تھے۔

چاندنی نے ایک پیس اُٹھا کر بادشاہ کو پکڑایا اور کھانے کا کہا تو وہ نم دیدہ انداز میں چاندنی کو دیکھنے لگا۔''کیا تم اپنے باپ سے بہت محبت کرتی ہو بیٹی؟'' بادشاہ کا سوال سن کر چاندنی تڑپنے لگی تھی وہ بادشاہ کو کیا بتاتی کہ اس نے تو اپنے باپ کو دیکھا تک نہیں تھا۔ پھر بھی وہ سنبھلتی ہوئی بولی۔''ہاں بابا! میں اپنے باپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔'' لیکن اس کی بھرائی ہوئی آواز نے فقیر کا دل بھی چیر کر رکھ دیا تھا۔

''تو پھر اُداس کیوں ہو بیٹی؟ کیا تمہارا باپ کسی دوسرے ملک میں ہے یا پھر تم سے ناراض ہے۔'' چاندنی نے جھلمل کرتی ہوئی آنکھوں سے بادشاہ کی طرف دیکھا اور لمبی سانس اندر کو کھینچتی ہوئی بولی۔''بابا! میرا باپ شاید اسی ملک میں ہے۔'' بادشاہ نے ڈبل روٹی کو کھاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔''شاید؟ کیا تمہیں یقین نہیں ہے۔ کیا اس نے تمہیں نہیں بتایا کہ وہ دوسرے ملک جا رہا ہے۔'' بادشاہ نے سوال پر سوال کیے تو چاندنی آنسوؤں کو بہنے دینے کے لیے چند لمحات خاموش رہی اور پھر آنسوؤں کے نمکین اور گرم پانی کو پیتی ہوئی بولی۔

''میرا باپ شاید مجھ سے ناراض ہے بابا؟'' تقدیر اگر سنگدل نہ ہوتی تو ان الفاظ پر ضرور رونے لگتی۔

''نہ میری دھی ایسا نہ بول۔ جو باپ اپنی بیٹی سے ناراض ہوتا ہے نا۔ وہ ہر لحظہ کانٹوں کی سیج پر خود کو محسوس کرتا ہے۔ جیسے..... جیسے میں کر رہا ہوں۔'' چاندنی اس کی نم آواز سے اور بھی غمگین ہو گئی تھی۔

''آپ اپنی بیٹی سے ناراض ہیں بابا؟'' اس سوال نے بادشاہ کے دماغ اور روح تک کو پگھلا دیا تھا۔ وہ اس سوال و جواب کرنے والی کا کچھ بھی نہ لگتا تھا۔ لیکن اس کو اچھا لگ رہا تھا کہ کوئی تو ہے جو اسی کے ساتھ بیٹی کی طرح

باتیں کر رہا ہے۔

''نہیں میری دھی! میں کہاں ناراض ہوں اس سے...... پر...... پر مجھے لگتا ہے کہ وہ مجھ سے ناراض ہے۔ مجھ سے بولتی بھی نہیں اور نہ ہی مجھ سے کوئی شکوہ شکایت کرتی ہے۔ اس کی ناراضی نے مجھے سولی پر لٹکایا ہوا ہے۔ سولی پر۔'' بادشاہ نے چائے کا پیالہ ہونٹوں کو لگایا تو چاندنی نے واضح طور پر دیکھا کہ بادشاہ کے آنسو چائے کی پیالی میں گر رہے تھے اور وہ چائے کو کانپتے اور لرزتے ہونٹوں سے پینے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کیا آپ کی بیٹی آپ کے سامنے بھی نہیں آتی بابا؟'' چاندنی کے دل کی تڑپ اور بڑھ گئی تو اس نے ایک اور سوال کر دیا

''کیا کہہ رہی ہو...... اگر وہ میرے سامنے بھی ہو تو میں کون سا اس کو دیکھ سکتا ہوں۔'' بادشاہ نے چائے کا گھونٹ بھرا اور چاندنی سے مخاطب ہوا۔ ''اب فرض کرو اگر تم میری بیٹی ہوتی اور میرے سامنے بھی بیٹھی رہتی تو میں کون سا تجھے دیکھ سکتا ہوں۔'' بادشاہ کی کرب میں ڈوبی آواز اور اس کے احساسات نے چاندنی کے زخموں پر نمک چھڑک دیا تھا۔ وہ ایک لمبا سانس اندر کی جانب کھینچتی ہوئی بولی۔

''بابا! اگر باپ اور بیٹی آپس میں ناراض ہوں تو کیا وہ اس طرح ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر بھی ایک دوسرے کو نظر انداز کر سکتے ہیں؟''

''لگتا ہے آج تمہیں تمہارا باپ بہت یاد آ رہا ہے بیٹی!'' بادشاہ نے چاندنی کی دُکھتی آواز سے اندازہ لگا لیا تھا۔ ''اگر وہ تم سے ناراض ہے تو اس کو منالو جا کر۔'' چاندنی اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''کہاں جاؤں کیسے مناؤں اس کو...... وہ مجھ سے بہت دور ہے۔ بہت دور ہے۔'' چاندنی اب تو رونے لگی تھی۔ دور کھڑے نیناں اور گرو بھی ان دونوں کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

''میں سمجھ گیا...... اگر میں غلط نہیں ہوں تو تم اپنے مرے باپ کو یاد کر کے اُداس اور سوگوار ہو رہی ہو۔'' بادشاہ نے کہا تو چاندنی جیسے پھٹ پڑی تھی۔ ''میرے لیے تو اسی دن مر گیا تھا جس دن وہ مجھے ایک بند گلی کے آخری مکان میں پھینک کر چلا گیا تھا۔'' یہ سن کر بادشاہ کے ہاتھوں سے چائے کا پیالہ چھوٹا اور زمین پر گر کر کرچی کرچی ہو گیا۔

چاندنی تو اندر کی جانب بھاگ گئی تھی لیکن گرو اور نیناں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ بادشاہ نے اپنے دل کو پکڑ لیا تھا اور وہ زمین پر بیٹھ گیا تھا۔



میرے دوست کا بیٹا سالار آ رہا ہے کل سے۔'' وہاب میر نے کہا تو سبھی کے ناشتہ کرتے ہوئے ہاتھ رُک گئے تھے۔ وہ وہاب میر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ''کیوں کیا ہوا؟ حیران کیوں ہو گئے ہو سب لوگ؟'' عبید رضا نے کندھے اچکائے اور دوبارہ ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا لیکن حنا بیگم احتجاجاً بولی تھیں۔ ''کون دوست؟'' ان کا انداز ایسا تھا کہ وہ وہاب میر کے سبھی دوستوں کو جانتی ہیں۔

''ابھی جب میں لاسٹ ٹور پر دوبئی گیا تھا تو وہاں پر ہی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اس ملک میں کوئی بزنس پلان کر رہے ہیں۔ فی الحال سالار ہمارے ساتھ ہی رہے گا اور جیسے ہی بزنس سٹارٹ کرے گا وہ چلا جائے گا۔''

''لیکن پاپا! ہم ایک اجنبی کو کس طرح اپنی فیملی میں مینج کریں گے۔'' ستارہ نے کہا تو عبید رضا نے بھی اثبات میں سر ہلایا تو حنا بیگم بھی چمک پڑیں۔ ''ستارہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ گھر میں جوان بیٹی ہے۔ یہ مناسب نہیں لگے گا۔''

''کم آن حنا بیگم! اپنے ذہن کو وسعت دینا سیکھیں۔ یہ دقیانوسی باتیں کر کے آپ کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آپ کو اپنی بیٹی پر اعتماد نہیں ہے؟'' وہاب میر نے بہترین انداز میں سالار کا کیس لڑتے ہوئے بال حنا بیگم اور ستارہ کے کورٹ میں پھینکی تو وہ خاموش ہو گئیں۔

خاموشی سے ناشتہ کیا گیا تو وہاب میر ستارہ سے مخاطب ہوئے۔ ''ہاں تو مس ستارہ وہاب! کیسا چل رہا ہے بوتیک؟'' ستارہ نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''ایک دم سپر...... مما سے بھی زیادہ کام کر لیا ہے میں نے۔'' ستارہ نے کہا تو حنا بیگم مسکراتی ہوئی بولیں۔ ''اچھی بات ہے بھئی...... مجھے تو خوشی ہے اور میں خود کو ریلیکس بھی فِیل کر رہی ہوں۔''

''گڈ! ویری گڈ! کوئی پرابلم......؟'' وہاب میر کا انداز دوستانہ تھا۔ ''نیا اکاؤنٹینٹ کام تو ٹھیک کر رہا ہے؟''

''کوئی پرابلم نہیں پاپا! اور ہاں موسیٰ اچھا کام کر رہا ہے بلکہ وہ تو جینئس ہے۔'' ستارہ موسیٰ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ اب وہاب میر کی توپوں کا رخ عبید رضا کی طرف ہوا تو وہ گلا کھنکھار کر چوکنا ہو گیا تھا کیونکہ یہ ہفتہ وار امتحانی سوالات ہوتے تھے جو وہاب میر نے بچوں سے ناشتے کی میز پر کرنے ہوتے تھے۔

''ہاں بھئی...... سٹڈی کیسی چل رہی ہے؟'' عبید رضا نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''ایک دم فسٹ کلاس بابا!'' وہاب میر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں سالار کے ساتھ مل کر کوئی بزنس پلان کر لینا چاہیے۔'' یہ سن کر عبید رضا چونک کر رہ گیا اور وہاب میر کی طرف دیکھتا ہوا حیرت سے بولا۔ ''بزنس؟ لیکن بابا ابھی تو میں پڑھنا چاہتا ہوں۔ یہ بزنس وزنس میرے بس کا کام نہیں ہے۔''

''لیکن ایک دن تو کرنا ہی پڑے گا۔'' وہاب میر کرسی پر سے اُٹھتے ہوئے بولے تو حنا بیگم کے علاوہ وہ دونوں بھی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''بابا! خیر میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ایگری ہو گیا ہوں۔''

وہاب میر اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔ ''اگر میں تمہیں کہوں کہ تمہاری شادی اگلے ہفتہ ہے تو پھر تم اپنی پڑھائی وغیرہ سب چھوڑ دو گے۔'' عبید رضا آگے بڑھ کر ان کے گلے میں بانہیں ڈالتا ہوا بولا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے بابا! کہ میں آپ کی بات نہ مانوں آپ کہہ کر تو دیکھیں۔'' وہاب میر کھل کر ہنسنے لگے تھے۔

''اچھا بھئی وہ اوپر ایک کمرہ صاف کروا دینا۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ جو کمرہ گزشتہ کئی سالوں سے بند ہے اس کو ہی اچھی طرح صاف کر دو۔'' وہاب میر نے کہا تو حنا بیگم کا منہ بن گیا تھا ان کا انداز ایسا تھا کہ جیسے کمرہ خود انہوں نے صاف کرنا ہے۔

وہاب میر باہر چلے گئے تو حنا بیگم تلخی سے بولیں۔ ''بھلا کیا تُک بنتی ہے کسی اجنبی کو اس طرح اپنے گھر میں

ٹھہرانے کی۔ اگر وہ بزنس پلان کرنا چاہتا ہے تو پھر کسی ہوٹل میں جا کر کیوں نہیں ٹھہرتا؟'' ستارہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی آگے بڑھی اور ان کی کرسی کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتی ہوئی بولی۔

''مما! آپ تو پاپا کی طبیعت سے واقف ہی ہیں۔ وہ ہنس مکھ اور دوست بنانے والے انسان ہیں......''

''لیکن ستارہ! تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو۔ ساری پرائیویسی ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔ اب پتہ نہیں وہ کون ہے۔ کیسا ہے اور اس کی عادات کیسی ہیں؟'' حنا بیگم سالار کی آمد کو لے کر خاصی ٹینس ہو رہی تھیں لیکن ستارہ نے محسوس کیا تھا کہ اس کی ینگ اور سمارٹ ماں سالار کی آمد سے پریشان بھی ہیں اور خوفزدہ بھی لگ رہی ہیں۔

''مما! آپ کیوں ٹینشن لے رہی ہیں۔'' اس بار عبید رضا نے کہا تو وہ اپنی کرسی سے اُٹھتی ہوئی ان دونوں کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔

''میں تم دونوں لے کر ٹینس ہوں۔ بیٹا! جب کوئی اجنبی فرد گھر میں آ جائے تو پھر تم دونوں بہن بھائی بھی اس طرح فرینک انداز میں بات نہیں کر سکو گے اور وہ بھی تم لوگوں کی وجہ سے ڈسٹربنس محسوس کرے گا۔''

''مما! ہمیں اس کا تو علم نہیں لیکن ہم دونوں بہن بھائی اس کی آمد سے خوفزدہ نہیں ہیں۔ پلیز آپ بھی ٹینس نہ ہوں۔'' ستارہ نے کہا اور اوپر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اور عبید رضا باہر نکل گیا تو حنا بیگم نے خود کو پُرسکون کرنے کے لیے آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو دوبارہ کرسی پر گرا لیا۔



''ویسے آپی ایک بات تو بتاؤ۔'' تحریم نے مناہل کی طرف دیکھا جو کچن میں ناشتہ بنا رہی تھی۔ مناہل نے اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا تو وہ بولی۔ ''شرجیل بھائی اور موسیٰ کی طبیعت میں کافی فرق نہیں ہے؟'' مناہل چائے اُبالتی ہوئی اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''ہاں فرق تو ہے۔ موسیٰ پڑھا لکھا ہے اور شرجیل......'' وہ خاموش ہو گئی پھر کچھ توقف کے بعد بولی۔ ''لیکن شرجیل بھی دھیمے مزاج کے ہیں۔'' تحریم نے پلیٹ میں سے ایک بسکٹ اُٹھا کر اپنے منہ میں ڈالا اور بولی۔

''ویسے آپی! کتنا سکون ہے اس گھر میں نہ آپ کی کوئی نند نہ سسر اور ایک ساس وہ بھی ہماری سگی خالہ ہیں جو کہ ہمیں اپنی ماں سے بھی زیادہ پیار کرتی ہیں۔''

''کیا ارادہ ہے؟'' مناہل نے اس کی طرف گھور کر دیکھا تو وہ شرماتی ہوئی بولی۔ ''کچھ نہیں بس ویسے ہی کہہ رہی تھی۔''

''میں سب سمجھتی ہوں۔'' مناہل نے اس کی چٹیا پکڑتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم کہو تو میں موسیٰ سے بات کروں؟'' تحریم اپنی چٹیا چھڑاتی ہوئی بولی۔

''نہیں آپی! آپ کو میری قسم آپ موسیٰ سے یا کسی سے بھی بات نہیں کریں گی۔'' وہ مناہل کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

''لیکن کیوں؟ کیا اس طرح ہی گھٹ گھٹ کر مرنے کا ارادہ ہے؟'' مناہل اس سے آج سچ اگلوانے پر تلی ہوئی تھی۔

''نہیں آپی!'' وہ یک دم سنجیدہ ہو گئی اور ہولے سے کہنے لگی۔ ''محبت بھیک میں ملنے والی ہاں کو نہیں قبول کرتی بلکہ غصے اور نفرت میں اگر ناں کر دی جائے تو اس میں بھی محبت ہوتی ہے۔'' مناہل نے چائے کپوں میں ڈالی اور پوچھا۔

''کیا تم موسیٰ کو پسند کرتی ہو۔ یا اس سے محبت کرتی ہو؟'' دو سوالوں میں ایک ہی سوال تھا لیکن فلسفہ محبت نے الفاظ کا پیرہن اوڑھ لیا تھا۔ وہ اپنی سیدھی سادی آپی کی طرف دیکھتی ہوئی کہنے لگی۔

''میں موسیٰ سے بچپن سے محبت کرتی آ رہی ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ موسیٰ بھی میری محبت کا جواب محبت سے دیتا ہے یا نہیں؟''

''اگر اس نے تمہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا تو......؟'' اس سوال پر تحریم تڑپ کر مناہل کی طرف دیکھنے لگی کیونکہ بہت ہی گہری بات تھی اور سچ بھی ہو سکتا تھا موسیٰ اس کو اپنا جیون ساتھی بنانے سے انکار بھی کر سکتا تھا۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں نفی میں سر ہلانے لگی۔

''میری محبت بھروسے کی مضبوط بنیادوں پر اپنے اٹل ارادوں کی عمارت تعمیر کر چکی ہے آپی! اب اس میں کسی بھی شک یا شبہے کی کوئی بھی دراڑ نہیں پڑ سکتی۔ کبھی بھی نہیں۔''

تحریم نے باہر صحن میں دیکھا تو موسیٰ نئی پینٹ شرٹ پہن کر آیا تھا۔ اس نے پہلی بار پینٹ شرٹ پہنی تھی اور اس کو چلنا بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ گرتا پڑتا شمع بی بی کے پاس پہنچا تو وہ اس کو دیکھ کر مسکرانے لگی مگر وہ خود کو شرمندہ شرمندہ محسوس کر رہا تھا۔

''ارے واہ؟ ماشاءاللہ! میرا بیٹا تو افسر لگتا ہے افسر!'' شمع بی بی نے کہا تو اس کی نگاہ کچن سے آتی ہوئی تحریم پر پڑ گئی وہ خود ہی تخت پوش پر بیٹھ گیا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور کھڑا رہا تو پینٹ نیچے گر جائے گی اور اس کی تحریم کے سامنے بے عزتی ہو جائے گی۔ تحریم اس کے پاس پہنچ گئی تھی۔

''ویسے خالہ! آپ کا بیٹا ہیرو لگ رہا ہے ہیرو!'' تحریم نے انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے موسیٰ کی تعریف کی تو اس کو واضح محسوس ہوا کہ تحریم نے اس پر طنز یہ کیا ہے وہ اس کو گھور کر رہ گیا تو وہ پھر بولی۔

''اگر خالہ! شرٹ پر ٹائی بھی لگ جائے تو کیا ہی گریس نکل آئے؟'' موسیٰ کو یاد آیا کہ وہ ٹائی تو اپنے کمرے میں ہی چھوڑ آیا ہے۔

''اس نے کہا ہے کہ ٹائی بھی باندھ کر آنا ہے۔'' موسیٰ نے کہا تو تحریم اور شمع بی بی یک زبان ہو کر بولیں۔

''کس نے کہا؟'' موسیٰ کو اندازہ ہوا کہ گڑبڑ ہو گئی ہے وہ بات کو سنبھالتا ہوا بولا۔ ''باس نے ماں جی اور کس نے کہنا ہے؟'' تحریم کھلکھلا کر ہنس پڑی تو موسیٰ کو غصہ آ گیا۔ ''میرا مذاق اُڑا رہی ہو؟ اماں اس کو سمجھاؤ ورنہ یہ مجھ سے مار کھائے گی۔'' موسیٰ کا غصہ مصنوعی تھا اور تحریم کی ہنسی سچی تھی وہ ان سادہ لوگوں کو دیکھ رہی تھی جو آج کے دور میں بھی پینٹ شرٹ پہننا نہ جانتے تھے۔

''تو پھر باندھی نہیں ٹائی؟'' تحریم نے پوچھا تو اس نے نظریں جھکا لیں۔ ''میں باندھ سکتی ہوں۔ اگر اعتراض نہ ہو تو؟''

تحریم اتراتی ہوئی بولی تو شمع بی بی ہنس کر اس کی طرف حیرانگی سے دیکھنے لگیں۔ ''تمہیں ٹائی باندھنا آتی ہے کیا؟''

''خالہ جان! ابو کو میں ہی ٹائی باندھتی ہوں۔'' موسیٰ اور شمع بی بی کو یاد آیا کہ شکیل احمد بھی تو پینٹ کوٹ ہی پہن کر جاتا ہے وہ شرٹ پر ٹائی بھی لگاتا ہے۔ ''ارے ہاں بھئی! یہ تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ جاؤ بھئی موسیٰ! کمرے سے ٹائی پکڑ کر لاؤ تحریم باندھ دے گی۔'' موسیٰ نے اس کی طرف دیکھا تو تحریم نے اس کو ایک آنکھ دبا کر اُٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ منہ کھولے تحریم اور شمع بی بی کو دیکھنے لگا۔ مناہل چائے لے کر آ گئی تھی۔ اس نے چائے میز پر رکھی اور بولی۔

''خالہ جان! میں دیکھوں ذرا کہ شرجیل ابھی تک کیوں نہیں آئے؟'' وہ شرجیل کو دیکھنے اندر کمرے میں چلی گئی تو شمع بی بی موسیٰ سے مخاطب ہوئیں۔ ''اب ٹائی بندھوانی ہے یا پہلے ناشتہ کرنا ہے؟''

''ٹائی ہی باندھ دیتی ہوں خالہ! پھر ناشتہ بھی سکون سے ہو جائے گا۔'' تحریم موسیٰ کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑی تھی۔

''تو پھر جاؤ نا...... تحریم بیٹی تم ایسا کرو کہ موسیٰ کے کمرے میں جا کر ہی ٹائی باندھ دو۔ مجھے پتہ ہے اب یہ اُٹھنے میں بھی دقت محسوس کر رہا ہو گا۔'' موسیٰ نے ان الفاظ کو اپنی بے عزتی سمجھا اور فوراً اُٹھ کھڑا ہو گیا۔ ''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا تو شمع بی بی اور تحریم کے قہقہوں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر غصے میں بیٹھ گیا تھا اور ٹائی پکڑ کر غصے میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا تھا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ستارہ کو صاف صاف جواب دے دیتا کہ وہ شلوار قمیص میں ہی آفس آیا کرے گا ورنہ اس کو نہیں کرنی یہ نوکری لیکن وہ کہہ نہ سکتا تھا کیونکہ ستارہ کو ملازمت کا جواب دینے کا مطلب تھا کہ ملز کو جواب دیا اور خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لی۔

''میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی ہوں؟'' تحریم نے دروازے میں کھڑے ہو کر پوچھا تو موسیٰ نے اس کو دیکھا تو وہ چوکھٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اس کو بڑی محویت اور پیار سے دیکھ رہی تھی۔

''تحریم! یہ میرا مذاق کیوں اُڑا رہی تھی تم؟'' موسیٰ نے اپنا غصہ نکالا تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔ ''ایسا کبھی سوچنا بھی مت۔'' وہ آگے بڑھی اور موسیٰ کے ہاتھ سے ٹائی لے کر اس کے بالکل پاس ہو کر سامنے کھڑی ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''موسیٰ! اچھا لباس انسان کی پہچان ہوتا ہے۔'' موسیٰ کو تحریم کی سانسیں اپنی سانسوں میں حلول کرتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔ وہ اپنی سانس روکتا ہوا پیٹ کو اندر کھینچتا ہوا ساکت کھڑا ہو گیا۔ تحریم نے ٹائی اپنی گردن میں ڈال کر پھر اس کی گردن میں ڈالی اور اس کو ذرا سا جھٹکا دے کر اپنی طرف کھینچا تو وہ بمشکل میں خود کو تحریم سے ٹکرانے سے بچا پایا تھا۔

تحریم نے مسکرا کر اس کی ٹائی ناٹ باندھی اور اس کو تھوڑا سا کسا تو وہ آنکھیں نکالتا ہوا تحریم کو دیکھنے لگا تو ایک بار پھر تحریم نے اس کو آنکھ مار دی تو وہ اس کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''تحریم کی بچی! میں تمہیں کھا جاؤں گا۔''

''کب؟'' تحریم اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ موسیٰ آگے بڑھنے لگا تو وہ بولی۔ ''اپنے آپ کو آئینے میں درست تو کر لو موسیٰ۔''

موسیٰ نے خود کو دیکھا تو اس کی شخصیت ہی بدلی بدلی نظر آنے لگی تھی۔ اس نے ٹھہر کر تحریم کی طرف دیکھا اور ہولے سے مسکرا کر کہا۔

''شکریہ!'' تحریم مسکراتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ ''مجھے بہت اچھا لگا موسیٰ! اور میں چاہوں گی کہ میرا یہ احساس ہمیشہ برقرار رہے۔'' موسیٰ بھی ہنستا ہوا بولا۔ ''تمہارا ارادہ تو خطرناک ہے تحریم؟'' وہ کمرے سے باہر جانے لگا تو تحریم بولی۔

''موسیٰ!'' موسیٰ نے مڑ کر دیکھا تو وہ اس کو آنکھوں ہی آنکھوں میں چومتی ہوئی بولی۔ ''بہت اچھے لگ رہے ہو۔'' موسیٰ نے اس کو ایک مسکان دی۔ ''شکریہ!'' کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا لیکن اس کی خوشبو کمرے میں ہی رہ گئی تھی۔

شرجیل بھی اس کے لباس کو دیکھ کر خوب ہنسا تھا بلکہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا لیکن موسیٰ کو اب کسی کی بھی پروا نہ تھی کیونکہ اس کو تحریم نے کہا تھا کہ وہ اچھا لگ رہا ہے۔ وہ ہولے سے مسکرا کر ان لمحات کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا جب تحریم اس کو ٹائی باندھ رہی تھی۔

موسیٰ نے چونک کر تحریم کی طرف دیکھا تو وہ اس کو ہی دیکھ رہی تھی۔ موسیٰ اپنی چوری اور تحریم اپنی چوری پکڑے جانے پر گڑبڑا کر نظریں جھکانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ شمع بی بی نے دعاؤں کے ساتھ موسیٰ کو رخصت کیا تھا۔ وہ بوتیک جانے کے لیے گھر سے نکل گیا تھا۔

''ویسے ماں جی! اس کو کیا سوجھی ہے کہ پینٹ شرٹ ٹائی شائی لگا کر دفتر جانے لگا ہے۔'' شرجیل نے اپنے انداز میں کہا تو مناہل بول پڑی۔ ''ویسے آج موسیٰ اچھا لگ رہا تھا۔'' مناہل تو برتن اُٹھانے لگی لیکن شرجیل نے اس کے الفاظ کو شکی انداز میں لیا تھا لیکن وہ شمع بی بی کی جانب متوجہ ہو گیا جو کہہ رہی تھیں۔

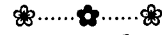
''اب اس کو ملز سے بوتیک میں جو بھیج دیا گیا ہے۔ اسی لیے اب وہ لباس بھی ویسا ہی پہنے گا جیسا دیس ہو گا۔'' بوتیک کا سن کر تحریم چونک پڑی وہ خاموش نہ رہ سکی تھی۔ ''خالہ! بوتیک میں تو لیڈیز کام ہوتا ہے اور خریداری بھی عورتیں ہی کرتی ہیں۔''

''لو...... اب مجھے کیا پتہ کہ یہ مویا بوتیک کیا ہے۔'' شمع بی بی سادگی سے بولیں تو تحریم ان کو سمجھانے لگی۔

''خالہ جان! لڑکیوں اور عورتوں کے سلے ہوئے سوٹوں کی بڑی سی دکان ہوتی ہے جس کو بوتیک کہتے ہیں اس میں صرف عورتیں اور نوجوان لڑکیاں ہی خریداری کرتی ہیں اور اپنی اپنی پسند کے جوڑے خریدتی ہیں۔''

''تو کیا موسیٰ ان عورتوں سے دکانداری کرتا ہے؟'' شمع بی بی نے حیرانگی سے پوچھا تو تحریم ہنستی ہوئی بولی۔

''نہیں خالہ جان! اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ملز میں اکاؤنٹینٹ ہے۔ اب اگر ملز والوں نے اس کو اپنے بوتیک میں بھیجا ہو گا تو وہ وہاں بھی اکاؤنٹینٹ ہی ہو گا۔ سیل مین نہیں ہو گا۔'' شمع بی بی کی سمجھ سے دونوں ہی عہدے بالاتر تھے۔ وہ اکاؤنٹینٹ اور سیل مین کا مطلب پوچھنے لگیں تو تحریم ان کو سمجھانے لگی تو شرجیل کا منہ کھلے کا کھلے رہ گیا تھا۔



ساتھی خاصا پریشان تھا۔ اس نے آج سے پہلے کبھی بھی بادشاہ کی ایسی حالت نہ دیکھی تھی۔ بادشاہ کو سخت بخار تھا اور وہ غنودگی کی حالت میں ''میری بیٹی...... میری بیٹی۔'' پکار رہا تھا۔ ساتھی نے ایک ڈاکٹر کی منت کر کے اس کو گھر تک لانے میں جو کامیابی حاصل کی تھی وہ اب رنگ لا رہی تھی۔ کیونکہ بادشاہ کا بدن لرزنا اور کانپنا بند ہو گیا تھا اور بخار بھی کچھ کم تھا۔ وہ اب بھی غنودگی میں تھا لیکن اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں اور ساتھی کا اندازہ کرنے لگا کہ وہ کمرے میں ہے یا نہیں۔ اس نے آہستگی سے پکارا۔ ''ساتھی...... ساتھی! تم کہاں ہو؟ کیا تم کمرے میں ہو؟ ساتھی ساتھی۔'' لیکن کوئی بھی جواب نہ پا کر وہ خاموش ہو گیا لیکن ضمیر کچوکے لگانے لگا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں چاندنی کے الفاظ گونجنے لگے تھے۔

''میرا باپ تو اسی دن مر گیا تھا جب وہ مجھے ایک بند گلی کے آخری مکان میں پھینک گیا تھا۔'' یہ الفاظ بار بار اس کی سماعتوں سے ٹکرانے لگے تھے۔ بادشاہ نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اور زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔

''وہ میری بیٹی ہے۔ وہ میری بیٹی ہے۔ میری بیٹی ہے وہ......''

''نہیں ہے وہ تمہاری بیٹی۔'' ایک زوردار تھپڑ نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑا تو اس کی ساری غنودگی ہوا ہو گئی۔

''وہ میری بیٹی ہے۔'' وہ زور سے چیخا تو ضمیر قہقہہ لگا کر ہنسا اور بولا۔

''وہ اب تمہاری بیٹی نہیں ہے۔'' بادشاہ ہونق ہو گیا تھا۔

''کیوں نہیں ہے وہ میری بیٹی! وہ میری بیٹی ہے۔ میری...... صرف میری بیٹی۔''

''یہ حق تم آج سے بائیس سال پہلے کھو چکے ہو بادشاہ؟''

''لیکن رشتے تو رشتے ہی ہوتے ہیں...... وہ میرا خون ہے۔'' بادشاہ روتا ہوا چیخنے لگا تھا۔

''خون......؟'' طنزیہ انداز اور خونخوار لہجہ تھا۔ ''خون تھا تو پھر آج سے بائیس سال پہلے اس کو اپنے گھر کی فالتو چیز سمجھ کر بند گلی میں کیوں پھینک آئے تھے بادشاہ؟'' ضمیر کو کچوکے پر کچوکے لگا کر بادشاہ کو تڑپانے میں سکون محسوس ہو رہا تھا۔

''یہ بادشاہ اسی دن سے تو فقیر ہو گیا ہے۔ گلیوں کی خاک چھانتا ہوا آنکھوں سے بھی ہولا ہو گیا ہوں میں...... کیا کروں...... کیا کروں میں...... کیا کروں...... اندھا تو میں اس دن ہو گیا تھا...... اندھا ہو گیا تھا میں......'' وہ زور زور سے رونے لگا تھا۔

''لیکن اب اس کو کس طرح بتاؤ گے کہ وہ تمہاری بیٹی ہے اور تم اس کے باپ ہو؟'' ضمیر شاید بادشاہ کے جذبات سے قائل ہو رہا تھا تبھی تو وہ نرمی سے بولا تھا۔ بادشاہ اپنے اردگرد دیکھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ ''کیا وہ تمہارے ساتھ نفرت نہیں کرے گی بادشاہ؟'' بادشاہ زہر میں بھرا ہوا ایک اور فقرہ سن کر تڑپا ہوا بولا۔

''نہیں...... نہیں وہ مجھ سے نفرت نہیں کرے گی۔ وہ میرا خون ہے۔ میرا خون ہے وہ...... میں اس کو سمجھاؤں گا۔ میں اس کو بتاؤں گا میں بتاؤں گا کہ تمہاری سسکیوں...... آہوں اور بددعاؤں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا

ہے۔ میری دولت میری جاگیر میری جائیداد، میرا اسٹیٹس، اور...... اور میری آنکھیں بھی اسی کی آہوں نے چھینی ہیں۔''

''وہ تمہاری بات نہیں مانے گی۔'' ضمیر اس کو زچ کرنے لگا تھا۔ ''اگر مانے گی بھی تو کیوں مانے گی بادشاہ؟''

''وہ میرا خون ہے...... وہ مجھے پہچان لے گی۔'' اتنی دیر میں ساتھی اندر داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں دوائیوں کا لفافہ تھا۔ وہ حیرانگی سے بادشاہ کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کو اس بات پر بھی خوشگوار حیرت تھی کہ اب بادشاہ ٹھیک ہو رہا ہے اور تیزی سے صحت کی جانب بڑھ رہا ہے۔

''وہ میری بیٹی ہے۔ تم مجھے بہکاؤ مت...... جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' ساتھی کو تو پہلے یہ گمان ہوا کہ شاید بادشاہ کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ اس نے آگے ہو کر بادشاہ کا ہاتھ پکڑا اور دھیرے سے پوچھا۔

''بادشاہ! کیا ہوا ہے۔ کیا کہہ رہے ہو۔ کون تمہاری بیٹی ہے۔ کس کو ڈانٹ رہے ہو؟'' ساتھی نے یکے بعد دیگرے کئی سوال کر دیئے تھے۔ بادشاہ نے ساتھی کی آواز سن کر کچھ سکون محسوس کیا اور اس کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔

''ساتھی! میری کھوئی ہوئی بیٹی مل گئی ہے۔ میری بیٹی مل گئی ہے۔ وہ میری بیٹی ہے۔ میری...... بادشاہ کی بیٹی ہے۔''

''کون؟'' ساتھی کو ہنوز شک تھا کہ بادشاہ کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ ''اچھا تم ایسا کرو۔ ذرا سکون سے مجھے بتاؤ۔ کیا ہوا کون ہے تمہاری بیٹی اور یہ بیٹی کہاں سے آ گئی؟''

''ساتھی! وہ میری بیٹی ہے۔ میں نے اس کو بائیس سال پہلے ایک بند گلی کے آخری گھر میں پھینک دیا تھا۔'' بادشاہ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ ''لیکن...... تمہیں کیسے پتہ کہ وہ تمہاری بیٹی ہے؟'' ساتھی کی وزنی بات نے بادشاہ کو کچھ لمحات کے لیے تو خاموش کر دیا تھا لیکن وہ دوبارہ جوش میں بولا۔

''اس نے مجھے خود بتایا ہے کہ اس کا باپ اس کو ایک بند گلی میں چھوڑ گیا تھا۔''

''لیکن وہ کوئی اور بھی ہو سکتی ہے بادشاہ؟ وہ کن لوگوں کے پاس رہ رہی ہے؟ کیا وہ لوگ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ بچی ان کو ملی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ ان کے گھر سے یا گلی سے؟'' ساتھی بادشاہ کی پوری کہانی سے لاعلم تھا اور وہ ادھوری کہانی کا کوئی بھی سرا پکڑنے سے قاصر تھا اور وہ بھی سمجھ رہا تھا کہ بادشاہ اندھیرے میں ہی ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔

''وہ ہیجڑوں کے گھر میں ان کے ساتھ رہ رہی ہے۔'' بادشاہ نے ایک اور دلیل دی تو ساتھی کا منہ بن گیا تھا کیونکہ یہ کمزور دلیل تھی۔ ''او یار ساتھی! تم ذرا خود سوچو کیا ہیجڑوں کی اولاد ہوتی ہے؟'' یہ وزنی دلیل تھی اور ساتھی زمین پر ہی بیٹھ کر بادشاہ کو دیکھنے لگا تھا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ وہ بچی ان کو اپنے گھر سے ہی ملی ہے۔''

''کیا تمہیں علم ہے کہ تم نے اپنی بچی کو ہیجڑوں کے گھر ہی چھوڑا تھا؟'' ساتھی کے اس سوال نے بادشاہ کو چکرا دیا تو کمزور آواز میں بولا۔ ''نہیں...... مجھے یقین نہیں ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کو جس گھر میں چھوڑا تھا وہ ہیجڑوں کا تھا یا پھر کن لوگوں کا تھا۔'' ساتھی ماتھے پر ہاتھ مارتا ہوا کہنے لگا۔

''اوہ ہو...... یار بادشاہ! میری مانو کہ تم کچھ دیر آرام کر لو۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔'' بادشاہ نے اس کی آواز کی سمت ایک کرب سے دیکھا اور بولا۔ ''ساتھی! میں بالکل ٹھیک ہوں یار!'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''کاش

کہ میں دیکھ سکتا اگر دیکھ سکتا تو آج اسی بند گلی میں جا کر لوگوں سے بیس سال پہلے رہنے والے مکینوں کے بارے میں پوچھ لیتا۔ یہ بھی پوچھتا کہ اس گلی کے آخری گھر میں کون رہتا تھا۔''

''تمہیں وہ محلّہ یاد ہے کیا؟'' ساتھی نے کہا تو بادشاہ ماضی کے دھندلکوں میں کھوتا ہوا اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

''میں لاکھوں کا مالک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دولت کی یلغار اس طرح کی تھی کہ میں اگر روزانہ ہزاروں بھی خرچ کرتا تو پھر بھی پیسہ ختم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی جاتا تھا۔'' بادشاہ نے کہنا شروع کیا تو ساتھی اس کی طرف حیران ہو کر دیکھنے لگا تھا۔ کیونکہ بادشاہ جب اس سے ملا تھا وہ فقیر ہی تھا اور اندھا بھی تھا۔ اب وہ اپنے لاکھوں پتی ہونے کی باتیں سنانے لگا تھا تو ساتھی حیران بھی تھا اور ششدر بھی تھا۔ بادشاہ ایک لمبی سی سانس بھرتا ہوا پھر کہنے لگا۔

''میں اپنی دولت اور جاگیر کے لیے ایک وارث چاہتا تھا۔ جیسے ہی میری بیوی پر اللہ کی رحمت ہوئی تو میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ مجھے بیٹا ہی چاہیے کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی غیر میری بچی کی وجہ سے میرے گھر میں آئے اور میری تمام دولت اور جائیداد کا مالک بن جائے۔ میں نے اپنی بیوی کو ہر سہولت اور ہر آسائش فراہم کی تھی تاکہ وہ بیٹے کو جنم دے کر میرے لیے وارث پیدا کر سکے۔ اس کے آگے پیچھے نوکروں کی فوج ظفر موج تھی جو اس کو پاؤں بھی زمین پر نہ رکھنے دیتی تھی۔ اس کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ پورا کیا جاتا تھا۔''

بادشاہ کی دلچسپ کہانی ساتھی کی حیرت میں اضافہ کرتی جا رہی تھی اور بادشاہ کے سانس لینے کے لیے خاموش ہونا بھی اب ساتھی کو گراں گزرنے لگا تھا۔ وہ بول پڑا۔ ''پھر بادشاہ! آگے کیا ہوا؟''

بادشاہ ایک طنزیہ مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔ ''سائنس کی ترقی اور جدت نے میری آنکھیں کھول دی تھیں۔ الٹرا ساؤنڈ کروانے پر مجھے معلوم ہو گیا کہ میری بیوی کی کوکھ میں پرورش پانے والا بچہ بیٹی ہے۔ بس میں اندھا ہو گیا تھا۔ میں نے ڈاکٹر کو اچھے خاصے پیسے دے کر بچی ضائع کروا دی۔ میری بیوی روتی تڑپتی رہی لیکن میں نے اس کی کوکھ اُجاڑ دی تھی۔ وہ اُداس اور غمگین رہنے لگی تھی۔ میں اس کی اس عادت سے چڑچڑا ہوتا جا رہا تھا۔ گھر میں تناؤ رہنے لگا تو میری توجہ کام سے بھی بٹنے لگی تھی اور مجھے نقصان ہونے لگا تھا۔ میں نے کاروبار میں نقصان کا ذمہ دار اپنی بیوی کو ٹھہراتے ہوئے اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیئے تھے۔ میں شراب پی کر اس پر تشدد کیا کرتا تھا لیکن وہ بڑی صابر تھی۔ ہمیشہ خاموشی سے ہی میرا ہر ستم سہتی رہتی لیکن وہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ کر جی بھر کر رو لیتی تھی۔ بہت صابر عورت تھی وہ......'' بادشاہ کی آواز بھرا گئی اور پھر آنسو لڑھک کر اس کی گالوں پر بہنے لگے تھے۔ وہ اپنی بھرائی ہوئی آواز پر قابو پانے کی کوشش میں رونے لگا تو ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور اس کو ہلاتے ہوئے بولا۔

''بادشاہ! یار مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ تم سے ہمدردی کروں یا تمہارے مقدروں پر ماتم کرتے ہوئے تمہارے ساتھ شامل ہو جاؤں۔'' ساتھی اس کی کہانی سن کر خاصا متاثر ہوا تھا۔ لیکن بادشاہ نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''ساتھی! اگر تم میری پوری کہانی سن لو تو تم بھی مجھ پر اسی طرح ناراض ہو جاؤ جس طرح آج کل تقدیر اور کاتب تقدیر مجھ پر ناراض ہے اور ان کی ناراضی اتنی سخت ہے کہ میں گلیوں میں خاک چھانتا پھرتا ہوں اور رو رو کر کہتا

ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے لیکن مجھے معافی کیوں نہیں مل رہی ساتھی! کیوں نہیں مل رہی......؟''

بادشاہ کی سسکیاں کسی ایسے بچے کی مانند تھیں جس سے اس کا من پسند کھلونا چھین کر اس کے سامنے ہی توڑ دیا گیا ہو۔

''تم اپنی بربادی کی داستان سنا لو۔ پھر میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہاری غلطیوں کی مزید سزا نہ دے۔'' ساتھی نے اس کو دلاسہ دیا تھا وہ اپنی قمیص کی میلی آستین سے اپنے آنسو پونچھتا ہوا کہنے لگا۔

''اس صابر و شاکر عورت نے دوسری بار امید سے ہونے پر مجھ کو خوشخبری سنائی تو اس کی خوشخبری میں خوف اور اداسی واضح طور پر شامل تھی۔ وہ ڈر گئی تھی کہ اگر اب کی بار بھی اس کی کوکھ میں بیٹی ہوئی تو میں ایک بار پھر اس کی بچی کا قاتل بن کر اس کی کوکھ اُجاڑ دوں گا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ خوفزدہ اور غمگین ہو کر بچے کو پیدا کرے۔ میں نے اس کو حوصلہ دیا کہ ہم اس بار الٹرا ساؤنڈ کی مدد سے معلوم نہیں کریں گے بلکہ انتظار کریں گے کہ جب ڈلیوری ہو گی تو بیٹا ہی ہو گا۔ اس کو کچھ تو سکون ہوا ہو گا کیونکہ وہ بظاہر تو مطمئن ہو گئی تھی لیکن بیٹے کی پیدائش کی شرط سن کر وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔ دن گزرنے لگے ہفتوں اور مہینوں نے اپنا سفر طے کرنا شروع کر دیا تو اسی دوران میری ملز کے منیجر کی بیٹی کو اس کے داماد نے طلاق دے دی۔ وجہ صرف اتنی سی تھی کہ اس کی بیٹی نے اپنے والدین کے گھر جانے کی ضد کی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی میں تو تکار بڑھی اور نوبت طلاق تک پہنچ گئی تھی۔ منیجر کی نوبیاہتا بیٹی بیچاری طلاق کا ٹیکہ ماتھے پر جائے جب باپ کی دہلیز پر پہنچی تو وہ صدمے سے ہی مر گیا۔ ابھی اس کی بیٹی کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ بھی پھیکا نہ ہوا تھا۔ اس کو صرف اس بات کی سزا دی گئی کہ اس نے اپنے شوہر کے سامنے یہ ضد کی تھی کہ وہ اپنے والدین کے گھر ابھی جانا چاہتی تھی۔ اس بیٹی کے شوہر نے اس کو طلاق دے کر فوراً میکے بھیج دیا اور منیجر صدمے سے ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔''

بادشاہ نے تھوک نگل کر اپنے حلق کو تر کیا اور چھت کی طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگا تو ساتھی سمجھ گیا کہ وہ ماضی کی تلخ یادوں کو بیان کرنے کے لیے الفاظ جمع کر رہا ہے یا پھر وہ الفاظ چننے کی کوشش کر رہا ہے جو اس کی معصومیت کو ظاہر کر سکیں۔ بادشاہ ایک لمبی سانس فضا میں چھوڑتا ہوا کہنے لگا۔

''میں اس واقعہ سے کافی دلبرداشتہ ہو گیا تھا۔ میں نے گھر آ کر فوراً اپنی بیوی کو ڈاکٹر کے پاس جانے کا کہا اور اس کو زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ الٹرا ساؤنڈ کروانے پر پتہ چلا کہ بیٹی ہے تو میں غصے میں لال پیلا ہو گیا اور اپنی بیوی کو ڈاکٹر کے کلینک پر ہی زدوکوب کرنا شروع کر دیا لیکن ڈاکٹر نے سمجھایا کہ مردوں کے جراثیم کمزور ہوں یا پھر [illegible]ں والے جراثیم کی تعداد زیادہ ہو تو عورت کی کوکھ میں بیٹی ہی پرورش پاتی ہے۔ اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں ہوتا لیکن میں اس بچی کو بھی ضائع کروانے پر تل گیا تھا لیکن ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ اگر اب بچی کو ضائع کیا گیا تو اس کی ماں کی جان کو بھی خطرہ ہے۔ بلکہ ڈاکٹر نے مجھے یہ دھمکی بھی لگا دی کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو وہ پولیس اور اخبار والوں کو سب بتا دے گی۔ اور پھر بادشاہ کی ساکھ بھی تباہ ہو جائے گی اور اس پر اپنی بیوی کے قتل کا پرچہ بھی درج ہو گا اور وہ پھانسی بھی چڑھ سکتا ہے۔ میں فطری طور پر بزدل ہوں۔ میں بہت خوفزدہ ہو گیا تھا۔ میں اپنی بیوی کو لے کر گھر آ گیا لیکن اس سے بولنا چالنا بند کر دیا تھا۔ وہ اپنے نصیبوں کو روتی رہتی تھی۔ وہ اتنی صابر تھی کہ اس نے اپنے میکے

والوں کو میرے ظلم و تشدد کا ذکر تک نہ کیا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی خوشگوار ازدواجی زندگی سے مطمئن تھے۔'' بادشاہ خاموش ہو گیا تو ساتھی نے اس کو پانی کا گلاس پکڑایا اور دیوار پر لگی ہوئی پرانی سی وال کلاک پر ٹائم دیکھا تو رات کے دو بجنے والے تھے لیکن بادشاہ کی کہانی دلچسپ تھی اگر اب وہ بادشاہ کو کہانی سنانے سے منع کرتا تو پھر یقیناً یہ تسلسل ختم ہو جاتا پھر بادشاہ دوبارہ اس تسلسل اور گہرائی سے اپنی وہ داستان بیان نہ کر پاتا جس نے آج سے دو دن پہلے بادشاہ کو تڑپایا تھا اور وہ بخار میں بیہوش ہو کر دو دن گزار گیا تھا۔ باتیں کرنے اور سننے کا مقصد صرف یہی تھا کہ بادشاہ اپنا دل کھول کر ساتھی کے سامنے رکھ دے تاکہ اس کے دل کا غبار نکل آئے اور وہ اپنے گناہوں کو بھی یاد کر لے تاکہ اس کو معافی مانگنے میں آسانی ہو۔

''پھر کیا ہوا بادشاہ!'' ساتھی نے دیکھا کہ بادشاہ نے پانی کا گلاس غٹاغٹ پی لیا تھا شاید وہ مدتوں کی تلخ یادوں کی پیاس کو اس ایک گلاس سے ہی بجھانا چاہتا تھا۔ بادشاہ نے درد سے آنکھیں بند کیں تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر نکل آئے۔ وہ ایک لمبا سانس لیتا ہوا کہنے لگا۔

''میں سوچتا رہتا تھا کہ اگر بیٹی پیدا ہوئی تو کیا کروں گا اپنی بیوی کے ساتھ کیسا سلوک کرنا ہوگا اور بیٹی کس کو دوں گا۔ کیونکہ میں بیٹی کا باپ بننا گوارہ نہ کر سکتا تھا اور نہ ہی میں بیٹی کا باپ کہلوانا چاہتا تھا لیکن تقدیر میرے ساتھ اپنا کھیل کھیل ہی گئی۔ میرے گھر بیٹی کی پیدائش ہوئی تھی۔ میری بیوی نے ایک دن تک تو مجھے بتایا ہی نہ تھا مبادا کہ میں بیٹی کو قتل کر دوں گا۔ مجھے ملازمہ کی زبانی پتہ چلا کہ بیٹی پیدا ہوئی ہے تو میں نے اپنی بیوی سے بیٹی کو مانگا۔ اس کے پوچھنے پر میں نے بتا دیا کہ اس کو کسی کچرے کے ڈھیر پر پھینک آؤں گا تاکہ اس کو کتے اور بلیاں نوچ نوچ کر کھا جائیں۔''

اس بار تو بادشاہ کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے اس نے اپنی بدزبانی نہ چھپائی تھی وہی الفاظ دہرائے تھے جو وہ ماضی میں اپنی بیوی سے اپنی بیٹی کے لیے دہرا چکا تھا۔ اس کے آنسو اس کے گالوں پر لکیریں بناتے ہوئے اس کے قمیص کے کالر اور گریبان میں جذب ہو رہے تھے۔

ساتھی اس کو دلاسہ دینے کے لیے الفاظ تلاش کر رہا تھا لیکن بادشاہ کے تلخ اور اخلاق سے گرے ہوئے الفاظ نے ساتھی کو سمجھا دیا تھا کہ بادشاہ کو اپنے حالات و واقعات پر رو لینا چاہیے اس طرح اس کا من بھی ہلکا ہو جاتا اور اس کی صدا ''بیٹی رحمت ہے زحمت نہیں'' کی بھی منطق سمجھ میں آ جاتی۔ اس نے بادشاہ کو رونے دیا تھا۔

بادشاہ رو دھو کر ایک بار پھر پانی کا گلاس پی کر دل میں لگی ہوئی آگ کو بجھانے کی ناکام کوشش کرنے لگا تھا۔

''میری بیوی نے بیٹی کو ایک ہفتہ تک اپنا دودھ پلایا تھا۔ ایک رات میرا داؤ چل گیا میں نے بیٹی کو اُٹھا لیا تو میری بیوی بھی جاگ گئی۔ اس نے چیخ پکار شروع کر دی تھی۔ وہ بچی کو میرے مضبوط ہاتھوں سے چھیننا چاہتی تھی لیکن میری جوانی اور طاقت نے اس کو کئی بار پرے دھکیل دیا۔ وہ میرے پاؤں کے ساتھ چمٹ گئی۔ اس نے میری ٹانگ کو پکڑ لیا تو میں اس کو گھسیٹتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے تک لے آیا لیکن وہ ماں تھی اس نے میری ٹانگ نہ چھوڑی جبکہ میں جانتا تھا کہ اس کا بدن چھلنی ہو گیا ہوگا حالانکہ وہ بھی صرف سات دن قبل ہی ماں بنی تھی۔ میں ظالم بن چکا تھا۔ میں نے بچی کو ایک ہاتھ میں پکڑ کر اپنی بیوی کو بالوں سے پکڑ کر جھٹکا دے کر اوپر اُٹھایا تو وہ کراہتی ہوئی اُٹھی اور میری

طرف رحم زدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی میرے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوئی بولی۔

''میری جان لے لو لیکن میری بیٹی کو کچھ مت کرنا۔ میں نے اس کی رحم کی اپیلیں خارج کرتے ہوئے اس کو دھکا دیتے ہوئے کہا کہ میں نے تمہیں پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ مجھے بیٹا چاہیے تم نے بیٹی پیدا کر کے میرے لیے زحمت بنا دی ہے۔ یہ بڑی ہو گی۔ اس کی شادی ہو گی۔ اس کا شوہر جو کہ ایک اجنبی ہو گا میری تمام جائیداد پر قبضہ کر لے گا اور مجھے سڑکوں پر آنا پڑے گا۔ وہ بولی ایسا مت کرو۔ بیٹی زحمت نہیں یہ تو اللہ کی رحمت ہے۔ بیٹی کو اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے رحمت کہا ہے۔ تم غلطی کر رہے ہو۔ وہ مجھ کو سمجھاتی رہی لیکن میں بیٹی کو زحمت کہتا رہا۔ اور پھر میں نے غصے میں آگ بگولہ ہو کر اس کو وہیں پر طلاق دے دی۔ میری گود میں بیٹی نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا۔

میرے منہ سے طلاق کے الفاظ سن کر وہ گویا پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اس کے بے حس و حرکت جسم سے مجھے لگا کہ وہ مر گئی ہے میں نے اس کو ہلا جلا کر دیکھا تو وہ کٹے ہوئے شمشیر کی مانند گر گئی لیکن وہ زندہ تھی اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں مجھے دیکھے جا رہی تھیں میں نے اس کو طلاق دے کر اس سے ہر رشتہ ختم کر لیا تھا لیکن اس کے اندر سے ماتا نے آخری ہچکی لی اور وہ ایک مصمم اور خوفناک ارادے سے آگے بڑھی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''بادشاہ! تم نے میری کوکھ اُجاڑی ہے۔ میں بددعا دیتی ہوں کہ اللہ تمہاری دنیا اُجاڑ دے۔ تم نے میری آنکھوں کی روشنی اور ٹھنڈک کو مجھ سے چھینا ہے۔ اللہ کرے تمہاری آنکھوں کا نور ختم ہو جائے تم اپنی بیٹی تو کیا کسی کی بھی بیٹی کی صورت نہ دیکھ سکو۔ بادشاہ! تم نے اس دولت و جائیداد کی خاطر بیٹی کو زحمت سمجھا ہے تو یاد رکھو بیٹی رحمت ہے لیکن تمہاری یہ تمام دولت بھی مل کر اس زحمت کو نہیں روک پائے گی جو تقدیر نے آج سے تمہارے مقدروں میں لکھ دی ہے۔ تم امیر ہو۔ بادشاہ ہو لیکن میری بددعا ہے کہ تم بادشاہ تو رہو گے لیکن امیر نہیں فقیر بادشاہ رہو گے۔ تم جس دولت پر اتنا گھمنڈ اور تکبر کر رہے ہو۔ اس کی کوڑی کوڑی کو ترسو گے۔ گلیوں بازاروں میں بھیک مانگتے پھرو گے۔ در در کی ٹھوکریں کھاتے رہو گے میری بددعائیں تمہارا پیچھا کرتی رہیں گی بادشاہ تم سکون کو ترسو گے لیکن سکون نہ پاؤ گے۔ چین سکھ اور پُرسکون نیند تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روٹھ چکے ہیں بادشاہ...... روٹھ چکے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ بیہوش ہو کر قالین پر گر گئی۔ میں اس کی بددعائیں سن کر ایک بار تو لرز کر رہ گیا تھا لیکن مجھ پر شیطان سوار تھا وہ میری گود میں روتی ہوئی بچی اس ہنگامے سے بے نیاز ہو کر سو گئی تھی میں نے اپنی بیوی کو وہیں پڑا رہنے دیا اور بیٹی کو لے کر گھر سے رات کی تاریکی میں نکل آیا۔''

بادشاہ اتنا سنا کر دھاڑیں مار مار کر بچوں کی طرح رونے لگا تھا۔ ساتھی نے اس کو گلے لگایا اور خود بھی روئی ہوئی سرخ آنکھوں سے اس کو دلاسہ دینے کے لیے اس کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کو سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ بادشاہ کو کن الفاظ میں دلاسہ دے اور خود بھی کیا کرے وہ خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے گھڑی کی جانب نظر اُٹھائی تو رات کا آخری پہر دھیرے دھیرے اس طرح بیت رہا تھا جیسے کوئی سانپ رینگتا رینگتا تھک گیا ہو اور اس کو اپنا بل نہ مل رہا ہو۔ گھڑی کی سوئیاں بھی آہستہ آہستہ اس انداز سے چل رہی تھیں گویا کہ وہ بھی بادشاہ کے بائیس سالہ غمِ حیات

کی گواہ تھیں اور اس کی غلطیوں اور خطاؤں کے ساتھ ساتھ اس کے گناہ میں بھی شریک تھیں۔

''میں اس معصوم کو گود میں اُٹھائے گھر سے نکل آیا تھا۔ اب سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کو کہاں پھینکوں۔ میں اس کو لے کر سڑکوں پر گھومتا گھومتا ایک بند گلی میں داخل ہو گیا میں نے اس گلی میں بچی کو پھینکنا چاہا لیکن مجھے یک دم خیال آ گیا کہ سردی بھی ہے اور پھر کوئی جانور ہی نہ اس کو کھا جائے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ خیال میرے دل میں کیسے آیا۔ میں اس کو لے کر واپس آنا چاہتا تھا کہ ایک گھر سے جو کہ اس گلی کا آخری گھر تھا اس کے ادھ کھلے دروازے سے مجھے روشنی کی پتلی سی لکیر نظر آئی میں نے ڈرتے ڈرتے دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ اندر کی جانب کھلتا گیا۔ میں نے چند لمحے انتظار کیا کوئی بھی حرکت نہ پا کر میں دھیرے سے اندر داخل ہوا تو میں نے کھلے صحن کے ایک کونے میں وہ ٹوکری رکھ دی جس میں بچی تھی۔ میں اس کو رکھ کر واپس مڑنے لگا تو میری چادر ٹوکری میں پھنس گئی لیکن میں نے نیچے جھک کر چادر چھڑانا چاہی تو وہ ٹوکری میں نہیں پھنسی تھی بلکہ بچی نے اس کو پکڑ رکھا تھا۔ اس نے ننھی منی آنکھیں کھول کر میری طرف مسکرا کر دیکھا لیکن اس کی معصوم مسکان بھی میرا پتھر دل موم نہ کر سکی۔

میں نے ایک جھٹکا دے کر اپنی چادر چھڑائی اور جلدی جلدی واپس اس گھر سے باہر نکل آیا۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر بچی نے رونا شروع کر دیا تو میں مزید خطرے میں پھنس سکتا تھا لیکن اندھیرے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں وہاں سے بھاگنے والے انداز میں نکل آیا لیکن گلی کی نکڑ پر آ کر میرے دل کو بے چینی اور بے قراری ہونے لگی تھی لیکن میں نے دل کو یہ کہہ کر سمجھا دیا کہ کم از کم اب اس کو کوئی آوارہ جانور نقصان تو نہیں پہنچائے گا۔

میں گھر پہنچا تو میری صابر و شاکر بیوی طلاق کا ٹیکہ ماتھے پر سجا کر اپنے میکے جا چکی تھی۔ وہ عورت اتنی صابر تھی کہ اس نے میرے گھر سے جاتے ہوئے ایک بھی چیز نہ لی تھی میں گھر پہنچ کر عجیب سی بے چینی اور بے قراری کا شکار ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی اس بے قراری کو مٹانے کے لیے خود کو کام میں مصروف رکھنے کا ارادہ کیا لیکن میرے چھوٹے بھائی نے مجھے چند دنوں کے لیے دوسرے ملک جانے کا مشورہ دیا۔ میں اس کے مشورے پر عمل کرتا ہوا کچھ دنوں کے لیے یورپ چلا گیا۔

میرا چھوٹا بھائی بھی میرے کاروبار میں برابر کا حصہ دار تھا اس نے کام کو خوب پروان چڑھایا تھا۔ وہ ایک شاندار بنگلے میں رہتا تھا اس کا ایک تین سالہ بیٹا بھی تھا اور یہی بات میرے لیے نفرت کا باعث تھی کہ میری بیوی بیٹیاں ہی کیوں پیدا کر رہی ہے جبکہ میرے بھائی کی بیوی تو بیٹے پیدا کر رہی ہے۔

اس دوران میرے بھائی نے مجھ سے اور اپنی بیوی سے چوری چھپے ایک اور شادی کر لی جو کہ ہمارے کاروباری شریک کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ بھائی نے اپنی نئی بیوی کو بھی اپنے محل میں لا کر رکھا تو پہلی بیوی نے اس بات کو جان کا روگ بنا لیا وہ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ میں بھائی کی شادی کی خبر سن کر واپس آیا اور اس کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ نئی بیوی کے ہتھکنڈوں کے سامنے خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اس نے بات بے بات مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیا تھا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس نے کاروبار کے بٹوارے کا مطالبہ کر دیا لیکن اس دوران اس کی بیوی اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ اس کی نئی بیوی نے تین چار سالہ بچے کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ لیکن وہ معصوم کچھ نہ بولتا تھا۔ چپ چاپ سوتیلی ماں کے ظلم و ستم سہتا رہتا تھا۔ میرے بھائی نے اپنا حصہ لے کر اپنی بیگم کی

جھولی میں ڈال دیا تھا۔ ہم حساب کتاب سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ میرے گھر سے فون آ گیا کہ گھر کو آگ لگ گئی ہے۔ میں اور میرا بھائی بھاگم بھاگ گھر پہنچے تو ہر ایک چیز جل چکی تھی اور میرا محل راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا۔ میں نے بھائی کی طرف دیکھا تو وہ کندھے اچکاتا ہوا مجھے تسلی دینے لگا تھا۔ میرے حصے میں جو بھی آیا تھا وہ سب کچھ قرض اُتارنے میں صرف ہو گیا۔ میں دن بدن پریشان رہنے لگا تھا۔ میں نے بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ بیٹی کو پھینک آیا تھا گھر کو آگ گئی تھی۔ کاروبار قرض خواہوں کی نذر ہو گیا تھا۔ اب گھر بنانے کے لیے میں نے جو بھی بچا تھا وہ روپیہ استعمال کیا لیکن ایک دن میں سڑک کے بیچوں بیچ اس طرح آ گیا کہ ایک تیز رفتار کار کی ٹکر نے مجھ سے میری بینائی چھین لی۔

گھر بھی کاروباری شراکت داری میں چلا جانے کے بعد میں اندھا ہو گیا تھا اب میرا کوئی پُرسان حال نہ تھا۔ میں جب ہسپتال سے نکلا تو میرا کوئی بھی والی وارث نہ تھا میں ہسپتال کے گیٹ کے باہر فٹ پاتھ پر بیٹھا اپنی اندھیری اور بے نور آنکھوں سے ارد گرد دیکھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ کسی نے میرے ہاتھ پر پچاس پیسے کا سکہ رکھ کر کہا۔ آواز لگاؤ گے تو پتہ چلے گا کہ تم فقیر ہو۔ میں اس آواز کو سن کر چونکا تھا کیونکہ وہ میری بیوی کی آواز تھی وہ پھر بولی۔ جس بیٹی کو زحمت سمجھ کر تم پھینک آئے ہو۔ یہ اسی کی سسکیوں اور آہوں کا نتیجہ ہے کہ تم بادشاہ سے فقیر بن گئے ہو۔ جاؤ اب گلیوں گلیوں بھیک مانگ کر اپنی دولت اور جائیداد میں اضافہ کرنے کی کوشش کرو۔

میں اس سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن وہ کب کی جا چکی تھی میں نے اسی جگہ پر بیٹھ کر سوچا کہ جب سے میں نے بیٹی کو پھینکا ہے تب سے ہی اللہ کی رحمت مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔ کیونکہ میں نے بیٹی کو زحمت سمجھ کر پھینکا تھا اور تقدیر نے مجھ سے وہ سب کچھ چھین لیا تھا جو بیٹی کے گھر میں موجود ہونے پر موجود تھا۔ بیٹی گئی تو سب کچھ ہی چلا گیا۔ دولت، گھر، جائیداد، کاروبار، بیوی اور بیٹی بھی لیکن اب تو آنکھیں بھی چلی گئی تھیں۔ میں نے اُٹھ کر اپنے آنسوؤں کو صاف کیا پہلی بار صدا لگائی کہ بیٹی رحمت ہے زحمت نہیں۔

پتا ہے آج تک میں گلیوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں نہ ہی مجھے میری بیوی دوبارہ ملی اور نہ ہی میری بیٹی! لیکن ساتھی! آج سے دو دن پہلے مجھے میری بیٹی مل گئی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میری ہی بیٹی ہے۔'' بادشاہ کی طویل کہانی نے ساتھی کو بھی رُلا دیا تھا اور خود اب بادشاہ بھی ندامت شرمندگی اور پچھتاوے کے آنسو بہا بہا کر تھک گیا تھا۔ ساتھی نے اس کا کندھے تھپتھپایا اور بولا۔ ''تمہیں کیسے یقین ہے کہ وہ تمہاری ہی بیٹی ہے اور وہ اس وقت کہاں ہے؟''

''وہ عثمان محلہ میں ہیجڑوں کے گھر رہ رہی ہے اس نے مجھے خود بتایا کہ اس کا باپ اس کے لیے تو اسی دن مر گیا تھا جب وہ اس کو ایک بند گلی کے آخری مکان میں چھوڑ گیا تھا۔'' بادشاہ کا لہجہ بھی پر جوش ہو گیا تھا۔ ''ساتھی...... ساتھی یار! ذرا تم خود ہی سوچو کہ ہیجڑوں کی اولاد نہیں ہوتی۔ اگر ان کے پاس بائیس سالہ جوان بیٹی ہے تو وہ...... تو وہ میری ہی بیٹی ہے جس کو میں نے بند گلی کے آخری گھر میں چھوڑا تھا اور یہ بھی نہ دیکھا تھا کہ یہ گھر کن کا ہے۔ اس کے مکین کون ہیں؟''

''میں ایسا کرتا ہوں کہ اس بند گلی میں جا کر پتہ لگانے کی کوشش کروں گا کہ کیا اس گھر میں کبھی کھُسرے بھی رہتے تھے؟'' ساتھی نے کہا تو بادشاہ اس کی تجویز سے بہت خوش ہوا تھا۔ ''ساتھی! یار تجھے خدا کا واسطہ پتہ کر دے یار!

پتہ کردے کہ وہ ہیجڑے ہی تھے؟'' بادشاہ پُر جوش بھی تھا اور خوش بھی ہو رہا تھا۔

''اگر وہ ہیجڑوں کا گھر نہ ہوا تو......؟'' ساتھی نے اپنے خدشے کا اظہار کیا تو بادشاہ بجھ سا گیا تھا۔ وہ اُداس اور سوگوار آواز میں بولا۔ ''ایسا نہ کہہ یار! میری تلاش اور سزا کو اور تو نہ بڑھا۔ میں تو اپنی بیوی کو بھی ڈھونڈنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اس کے پاؤں میں گر کر معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس پر بہت ظلم کیا ہے۔ اس کو طلاق دے دی اس کی بیٹی کو چھین کر نہ صرف اس سے جدا کیا بلکہ دوبارہ اس کی کوکھ اُجاڑ کر میں نے فرعون کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔'' وہ پھر رونے لگا تھا۔

''میں بہت ظالم ہوں ساتھی! بہت ظالم ہوں۔'' وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کو پیٹنے لگا تھا۔ ساتھی نے اس کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور کمبل اس کے جسم پر ڈال کر اپنے آنسو صاف کرتا ہوا بولا۔

''تم مجھے وہ محلہ بتاؤ جس کی بند گلی میں تم نے بیٹی کو چھوڑا تھا۔'' بادشاہ نے ذہن پر زور دے کر بتایا تو ساتھی اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''میں دوپہر کو جاؤں گا۔ اب کچھ دیر آرام کر لینے دو اور خود بھی سو جاؤ۔ صبح ہونے والی ہے۔''

بادشاہ میلے کچیلے روئی کے گدے پر لیٹ گیا تھا لیکن بیماری کے باوجود بھی نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ حالانکہ ساری رات باتوں میں ہی بیت گئی تھی۔



چاندنی اس وقت عبید رضا کے ساتھ ایک پارک میں تھی اس نے فون پر اس کو بلایا تھا وہ چاندنی سے اور چاندنی اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتے تھے لیکن وہ دونوں ہی ہنوز خاموش تھے کیونکہ عبید رضا چاندنی کی تمام حقیقت سے واقف ہو چکا تھا وہ گرو اور نیناں کی زبانی تمام داستان سن کر کسی بھی فیصلے پر نہ پہنچ پا رہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر چاندنی کی طرف دیکھا اور بولا۔

''مجھے بہت افسوس ہے چاندنی کہ تمہیں اس طرح نیناں اور گرو کے گھر میں رہنا پڑا۔'' وہ الفاظ کو استعمال کرنے کا فن تو نہ جانتا تھا لیکن کوشش کر رہا تھا کہ جو بھی الفاظ ادا کرے وہ چاندنی کے زخموں پر مرہم بن کر اس کو سکون پہنچائیں۔ چاندنی نے اس کی طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''عبید رضا اب تم کیا کہتے ہو؟'' اس کا ادھورا فقرہ واقعی اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا وہ استفہامیہ انداز میں چاندنی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''کس سلسلہ میں؟'' چاندنی بھی سمجھ گئی کہ عبید رضا اس کی بات نہیں سمجھ پایا ہے۔ وہ دوبارہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ''عبید! مجھے چھوڑ تو نہ دو گے؟''

عبید رضا نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے اور اس کے چہرے پر اپنی نظروں سے طواف کرتا ہوا بولا۔ ''چاندنی! تم میری اندھیری دنیا کی چاندنی ہو۔ میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں ضرور اپناؤں گا...... لیکن......؟'' وہ خاموش ہو چاندنی سے آنکھیں چراتا ہوا بولا۔ ''میں اب گھر والوں سے بات کر کے کوشش کروں گا کہ مما اور پاپا کو تمہارے گھر بھیجوں۔''

''تو پھر اس میں مسئلہ کیا ہے عبید!'' چاندنی مرجھائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ عبید رضا ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا

بولا۔

''چاندنی! میں گھر والوں کی مخالفت مول لے کر بھی تمہارا ساتھ نبھاؤں گا لیکن جب مما پاپا تمہارے گھر آئیں گے تو......'' وہ پھر خاموش ہو گیا تھا اور چاندنی کے دل پر بوجھ بڑھ گیا تھا۔ ''تو کیا عبید؟'' وہ بے چینی سے بولی تو وہ سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''چاندنی! میں پاپا سے بات ضرور کروں گا اور ان کو تمہارے گھر تک بھی لے آؤں گا اس کے بعد تمہارے گھر والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پاپا کو کس طرح کنوینس کرتے ہیں یا پھر ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔''

عبید رضا نے دل کی بات کہی تو چاندنی نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑائے اور بولی۔ ''لفظوں کے ذہن میں مجھے ٹھکرانا چاہتے ہو؟'' چاندنی دُکھ اور غم میں ڈوبی ہوئی بولی۔

''ایسی بات نہیں ہے چاندنی!'' وہ کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولا۔ ''تمہاری طرف سے تمہارے گھر والے شامل ہوں گے۔''

''اور تمہاری طرف سے؟'' چاندنی کا وزنی سوال تھا۔

''کچھ دوست......'' عبید رضا نے مختصراً کہا تو چاندنی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تو عبید رضا بھی اُٹھ گیا وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تو وہ بولی۔ ''لیکن ہم کہاں رہیں گے عبید؟ میرا مستقبل کیا ہو گا؟''

''ہمارا ایک گھر ہے جو رینٹ پر دیا ہوا ہے...... بلکہ اس گھر کا رینٹ بھی میں ہی وصول کرتا ہوں۔ ہم وہ گھر خالی کروالیں گے اور اُدھر ہی رہیں گے۔'' چاندنی نے اس کی طرف دیکھا اور چلتی چلتی ٹھہر گئی۔

''اور ہماری شادی کب ڈیکلیئر ہو گی؟'' وہ پھر قدم اُٹھاتی ہوئی گھاس پر چلنے لگی۔ ''اور کیا گارنٹی ہے کہ جب تم شادی کا گھر والوں کو بتاؤ گے تو وہ مجھے...... میرا مطلب ہے کہ ہماری شادی کو قبول بھی کریں گے یا نہیں۔''

''تم دیکھنا آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں سنبھال لوں گا نا......'' اس نے چاندنی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو [illegible]کا اور اس کی آنکھوں میں مسکراتا ہوا دیکھنے لگا۔ ''کیا مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟''

''مجھے تم پر خود سے بھی زیادہ اعتماد ہے عبید! لیکن اس طرح میرے گھر والے شادی پر رضا مند نہیں ہوں گے۔''

''ان کو میں راضی کر لوں گا۔ یہ میری ذمہ داری ہے میری جان!'' وہ مسکرایا تو چاندنی بھی ہولے سے مسکرائی۔

''عبید! کیا یہ ٹھیک ہو گا کہ ہم اس طرح شادی کریں؟''

''اعتماد محبت کی پہلی سیڑھی ہے چاندنی اور مجھ پر اعتماد کر کے تم نے مجھے دل سے جیت لیا ہے۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' چاندنی اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اس کی طرف دیکھ کر آگے آگے چل پڑی۔



''لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْك، لَاشَرِيْكَ لَكَ''

حاجیوں کی پُر جوش آواز نے موسیٰ کے آنسوؤں کی روانی میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ خانہ کعبہ کے ساتھ اپنے سر کو لگا کر آنسوؤں کی زبان میں اپنے دل کے پھپھولے بیان کر رہا تھا۔ اس نے غلافِ کعبہ کو چوم چوم کر آنسوؤں سے تر

کر دیا تھا۔

''میں آ گیا ہوں میرے مالک!'' موسیٰ نے کہنا شروع کیا۔''میری غلطیوں کوتاہیوں کو معاف فرما دے میرے مالک!'' موسیٰ کی گریہ زاری بڑھی تو پاس سے ہی مانوس قہقہہ گونجا تو وہ چونک کر اپنے آس پاس دیکھنے لگا تو آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''موسیٰ......موسیٰ اگر راہِ عشق پر چلنا اتنا آسان ہوتا تو اب تک ہر کوئی اس راہ پر چل پڑا ہوتا۔''

موسیٰ حیرانگی سے سر جھکا کر بولا۔''میں صحن حرم میں سجدہ کرنے کا خواہشمند تھا۔ اب تو میں نے سجدہ کر لیا ہے۔''

''اچھا......؟'' اس ایک لفظ میں حیرانگی اور طنز نمایاں تھا۔''موسیٰ! میں یہ جانتا ہوں کہ تم بھولے ہو لیکن تم نے عشق کی راہوں پر چلنے کی جو ٹھان لی ہے۔ وہ تمہیں تپتی ریت پر چلنے کے لیے بھی مجبور کر دے گی۔ کان چھدواؤ گے؟ پاؤں میں گھنگرو باندھ کر سرِ بازار ناچو گے؟ ریگستانوں میں بھوک پیاس برداشت کر لو گے؟ موسیٰ! تم نے جس دور میں مجھے چھیڑا ہے۔ وہ زمانہ ترقی اور جدت کا ہے۔ میں تمہارا امتحان بھی اس طرح لوں گا کہ تمہاری روح تک تڑپ اُٹھے گی۔'' پھر قہقہہ لگا تو موسیٰ نے ایک مصمم ارادے سے اپنے آنسو پونچھے اور ہولے سے بولا۔

''کیا تم خدا ہو؟''

''نہیں...... میں خدا کا بنایا ہوا وہ عنصر ہوں جس سے خود خدا بھی محفوظ نہ رہ سکا تھا اور اپنے محبوب کا ہجر برداشت نہ کر سکا اور آپ ﷺ کو اپنے پاس عرش پر بلوا لیا تھا۔'' یہ سن کر موسیٰ ہولے سے مسکرایا اور بولا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم خدا کے ہی بنائے ہوئے عنصر ہو اور اسی کے اشارے کے محتاج ہو۔ بے شک وہ کائنات کے ذرے ذرے پر قدرت رکھتا ہے۔ میں تمہیں اسی خدا کی مدد سے زیر کروں گا۔''

''مگر کیسے موسیٰ!'' وہ قہقہہ لگا کر بولا۔

''بالکل اسی طرح جس طرح تاریخ میں عشاقِ خدا اور عشاقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا سر جھکایا ہے۔'' موسیٰ کا مصمم ارادہ دیکھ کر عشق بولا۔

''مجھے افسوس ہے موسیٰ کہ آج کے دور کا انسان میرا اسیر ضرور ہے لیکن ان کے دلوں میں وہ جذبہ نہیں ہے جو ہزاروں سال پہلے کے عشاق میں ہوتا تھا۔'' موسیٰ مسکراتا ہوا بولا۔

''وہ جذبہ آج بھی موجود ہے۔ تبھی تو تم مجھ جیسے کمزور کے پیچھے خود کو چھپانا چاہتے ہو؟'' وہ بھی قہقہہ لگا کر بولا۔

''نہیں موسیٰ! عشق عشق کرنے سے ہی عشق نہیں ملتا۔ اللہ اللہ کہنے سے ہی اللہ نہیں ملا کرتا۔ کیا آج کے مؤذن کی آواز میں عشق بلالی ہے؟ سوز اور درد ہے؟ کیا آج کا مؤذن اشہدُ انا محمد الرسول اللہ کہتے ہوئے محسوس کرتا ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے ہیں؟ کیا نمازی سجدہ کرتے وقت یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اللہ کے حضور جھکا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو محبت سے دیکھ رہا ہے؟ موسیٰ! آج کا انسان ترقی اور سائنس کا محتاج ہو گیا ہے۔ اگر میں زیادہ باتیں کروں گا تو تم رو دو گے اور تمہارے جسم کے تمام بال اس طرح کھڑے ہو جائیں گے جس طرح گندم کی کٹائی کے بعد کھیت میں جگہ جگہ سرکنڈے کھڑے ہوتے ہیں۔''

''مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ دیکھ کر بھی کہ میرے ہاتھ میں غلاف بیت اللہ پکڑا ہوا ہے اور میرے پیچھے دعا کرنے والی میری ماں بھی موجود ہے۔'' موسیٰ نے اس کو للکارا تو وہ کچھ افسردہ ہو کر بولا۔

''ہاں موسیٰ! ماں کی دعا ہی ہے کہ تم ابھی تک میرے وار سے بچے ہوئے ہو۔ ورنہ اب تک تم سے ایسا تاوان وصول کرتا کہ لوگ تمہاری حالت پر ترس کھا رہے ہوتے۔''

''تو پھر اپنی شکست مان لو اور مجھے بیت اللہ اور اللہ کا عاشق مان کر سندِ عشق عطا کر دو۔'' موسیٰ بھی قہقہہ لگا کر بولا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولا۔''ابھی تو آغاز ہے موسیٰ...... میرا کوئی بھی روپ تم نے دیکھا نہیں......صرف سنا ہی ہو گا یا پھر کتابوں میں پڑھا ہو گا۔''

''کیا تم اللہ کے دھتکارے ہوئے فرشتے ہو؟'' موسیٰ نے ایک اور سوال کر دیا۔

''نہیں...... میں ایسا عنصر ہوں...... جس کی اسیر یہ کائنات ہے...... اور اس کائنات کو معرضِ وجود میں آنے کے لیے میرا ہی محتاج ہونا پڑا تھا۔''

''یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تم بھی ''کن فیکون'' کے محتاج تھے۔'' موسیٰ نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تو وہ بھی خاموش نہ رہا۔

''کبھی یہ بھی سوچا ہے تم انسانوں نے کہ کن فیکون کہنے کی نوبت کیوں آئی تھی؟''

''تم ہی بتا دو...... میں تو ناسمجھ اور کم عقل ہوں۔'' موسیٰ نے کہا تو وہ زوردار قہقہہ لگا کر بولا۔

''کم عقل ہو تو پھر ان راہوں پر چلنا چھوڑ دو موسیٰ! یہ راہیں تم جیسے بے عقل اور ناسمجھ انسانوں کے لیے نہیں ہیں۔''

''میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں اب راہوں سے واپس لوٹنے والا نہیں ہوئیں۔ اب آر پار والا معاملہ ہو گا۔'' موسیٰ کا ارادہ اٹل دیکھ کر وہ کچھ تھرک گیا اور بولا۔''تو پھر تیار ہو جاؤ موسیٰ! اب کوئی رعایت نہیں......''

''لبیک اے عشق!'' موسیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی بول پڑا۔

''یاد رکھو موسیٰ! کہ تم نبی یا ولی نہیں ہو اور اب معجزے نہیں ہوں گے۔''

''تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزہ دے کر بھیجا ہے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزہ بنا کر بھیجا ہے اور شاید تم بھی بھول رہے ہو کہ میں اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ سا اُمتی ہوں۔ میں اپنے مضبوط اور اٹل ارادوں کی بنیاد پر ہی تمہیں شکست سے دو چار کروں گا......آ جاؤ...... میں تیار ہوں۔''

موسیٰ کی دلیل سن کر عشق خاموش ہو کر کہیں فضاؤں میں ہواؤں میں تحلیل ہو گیا تھا لیکن موسیٰ کو ایک زوردار دھکا دے کر وہ اس کو نیند سے بیدار کر گیا تھا۔ موسیٰ سسکیوں اور ہچکیوں میں رونے لگا تھا۔



شمع بی بی نے سجن کی طرف اس انداز میں دیکھا گویا اس کو پہلی بار دیکھ رہی ہوں کیونکہ اس نے بات کر کے سب کو ہی حیران کر دیا تھا۔

''کیا تمہیں خود بھی معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' شمع بی بی نے کہا تو وہ مسکراتا ہوا کہنے لگا۔

''ماں جی! میں نے اپنی ماں کو لمحہ لمحہ مرتے دیکھا ہے۔'' اس فقرے کو الفاظ کا پیرہن اوڑھائے کے لیے بہت ہی کرب اور دُکھ کو ضبط کیا تھا وہ ایک اچھا اداکار بن گیا تھا۔ کیونکہ دُکھی الفاظ کو ادا کرتے وقت مسکرانے کی اداکاری کوئی بڑا ہی فنکار کر سکتا تھا۔ ''لیکن میں نے جب سے موسیٰ کو دوست بنایا ہے تب سے آپ کو اپنی ماں ہی سمجھا اور مانا ہے۔''

''اوئے...... گل کُھل کر کیا کر...... کسی دن مجھ سے اپنا کھنہ نہ کھلوا لینا۔'' شرجیل کو ہمیشہ سے ہی اس کی باتوں سے الرجک تھا۔

وہ ہنستا ہوا بولا۔ ''شرجیل بھائی! میں نے مناہل کو اپنی بہن بنا لیا ہے اور اب آپ کی بات کا بُرا نہیں مانوں گا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں کہ میں چاندنی کو پسند کرتا ہوں۔'' مناہل خوش ہو کر بولی۔

''واؤ...... سالار بھائی! کیا چوائس ہے آپ کی۔ سچی وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔''

موسیٰ پینٹ شرٹ پہن کر ٹائی لگا کر بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''تم بھی تو کچھ بولو نا تمہارا دوست کیا کہہ رہا ہے؟'' شمع بی بی نے کہا تو موسیٰ مسکراتا ہوا بولا۔

''اماں! اس نے تو ہمیں حیران کر دیا ہے۔ لیکن اب آپ اس کی ماں ہیں تو...... آپ کو اس کی بات بھی سننا ہو گی۔''

''ویسے والدہ ماجدہ! یہ ہے تو کلینا...... پر ٹھیک ہی کہتا ہے۔ چاندنی اچھی ہے اور پھر ان ہیجڑوں کو ایسا کلینا ہی جوائی چاہیے تھا۔'' شرجیل بھی مسکرا رہا تھا وہ سجن کو منحوس کہہ کر ہی پکارتا تھا لیکن سجن ہمیشہ ہی مسکراتا رہتا تھا۔

''لیکن مجھے تو خوف آ رہا ہے کہ چاندنی کی بات نیناں سے کیسے کروں؟'' شمع بی بی سنجیدگی سے بولیں تو شرجیل قہقہہ لگا کر بولا۔ ''لو...... کر لو گل...... والدہ ماجدہ! آپ تو ایسے ڈر رہی ہیں کہ جیسے خدانخواستہ اس کلینے سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے لگی ہیں۔'' شرجیل کی بات سن کر شمع بی بی کی تڑپ دیدنی تھی۔ وہ منہ کھول کر شرجیل کی طرف دیکھنے لگی تھیں لیکن ان کی کیفیت موسیٰ اور مناہل سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

''اگر چاندنی میری بیٹی ہوتی تو میں کبھی بھی دیر نہ لگاتی۔'' ان الفاظ کی ادائیگی ایسے ہوئی تھی جیسے کہ شمع بی بی کسی گہرے کنویں سے بول رہی ہوں۔ سجن نے بھی محسوس کیا تھا کہ شمع بی بی کی طبیعت کچھ خراب لگتی ہے۔ لیکن وہ بات کو ہنسی میں ٹالتا ہوا بولا۔

''ماں جی! اگر آپ کو میری کوئی گارنٹی چاہیے تو میری ملز کا مالک میری شرافت کی ضمانت دے سکتا ہے۔'' ان الفاظ کو سن کر اس بار موسیٰ کے چونکنے کی باری تھی۔ وہ چونک کر سجن کی طرف دیکھنے لگا تو شرجیل بول پڑا۔

''ضمانت...... ملز والا...... اوئے منحوس کلیدیا وہ تو تجھے تنخواہ سے زیادہ پھوٹی کوڑی بھی نہ دے...... وہ تیری ضمانت کدی وی نہ دے گا۔'' سجن کھلکھلا کر ہنس پڑا لیکن شمع بی بی کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

''اچھا میں کوشش کروں گی کہ...... نیناں سے بات کروں۔'' شمع بی بی یہ کہہ کر اُٹھ گئیں اور اندر کی جانب چلی گئیں لیکن موسیٰ ان کی اس حالت سے پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

موسیٰ سجن کو لے کر گھر سے باہر آ گیا تھا۔ وہ آج بھی اکٹھے ہی گھر سے نکلتے تھے۔ موسیٰ نے سجن کو بتا دیا تھا کہ

ستارہ کی فرمائش پر ہی اس نے پینٹ شرٹ اور ٹائی پہننا اور لگانا شروع کر دی ہے۔ سجن اس کی تعریف کرتا ہوا بولا۔

''ویسے یار موسیٰ! تم اسی پرسنالٹی کے لائق تھے۔ وہاں ملز میں تو ہم خوامخواہ ہی دھکے کھا رہے تھے۔''

''تم سناؤ کہاں تم اور کہاں وہ بنگلہ...... یعنی کہ ابھی تک اِدھر ہی ہو۔'' موسیٰ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔ وہ دونوں ہی گھر سے باہر نکلے تھے کہ چاندنی بھی کالج جانے کے لیے دروازے سے باہر نکلی تھی۔ سجن اور چاندنی کی آنکھیں چار ہوئی تھیں۔ سجن کا دل دھڑکنا بھول کر چاندنی کے نام کی تسبیح کرنے لگا تھا۔

چاندنی نے نظریں جھکا لیں اور تھڑی سے اُتر کر گلی میں ان دونوں کے آگے آگے چلنے لگی تو سجن موسیٰ سے بولا۔

''موسیٰ! ادھر ہی ٹھہر جاؤ یار! اس طرح ہمارا چاندنی کے پیچھے پیچھے جانا مناسب نہیں لگتا۔'' موسیٰ اس کی بات سے اتفاق کرتا ہوا اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو؟'' دونوں چند سیکنڈ کے لیے وہیں رُک گئے تھے لیکن سجن کی بے چین و بے قرار نظریں چاندنی کا پیچھا کرتی ہوئی اس کی خوشبو کو محسوس کر رہی تھیں۔

چاندنی گلی پار کر گئی تو وہ دونوں بھی آہستہ آہستہ گلی میں چلتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔

''میں اس گھر میں جا رہا ہوں موسیٰ!'' سجن نے دوبارہ گفتگو کا سلسلہ وہیں سے شروع کیا تھا۔

''کب؟'' موسیٰ نے مختصراً پوچھا تھا۔

''اسی ہفتہ میں کسی بھی دن چلا جاؤں گا لیکن یار میں چاہتا ہوں کہ ماں جی چاندنی کے گھر والوں سے بات کر لیں۔'' سجن کا انداز منت سماجت والا تھا موسیٰ ہنستا ہوا اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

''تم فکر مت کرو...... ماں جی بات کر لیں گی اور بے صبرے نہ بنو۔''

''کیا کروں یار! خدا کی قسم وہ نام کی ہی نہیں بلکہ سچ مچ میں پاکیزہ چاندنی کی مانند ہے۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں کب اس کو چاہنے لگا اور میری چاہت نے میری بے قرار محبت کی شکل اختیار کر کے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔''

سجن کا انداز خاصا سنجیدہ تھا موسیٰ اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

''اچھا اب ایسا کرو کہ اپنے پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مجھے بتاؤ کہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''تم وہ گھر رینٹ پر دے دینا لیکن ایک کمرے میں میرا سامان رکھ کر اس کو لاک کر دینا۔ دوسرا یہ کہ ماں جی کو مت بتانا کہ میں وہاب میر کا بیٹا ہوں۔ تیسرا یہ کہ ذرا ستارہ سے دور ہی رہنا...... کیونکہ وہ خودسر اور مغرور لڑکی ہے اور اس کا باپ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔'' سجن اس کو سمجھا رہا تھا لیکن موسیٰ مسکراتا ہوا بولا۔

''دونوں باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن ستارہ سے دور رہنا اب میرے لیے مشکل ہے ذرا۔'' اتنا سن کر سجن کا منہ حیرت اور خوشگواریت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔



تحریم اپنے گھر چلی گئی تھی لیکن دل موسیٰ کے پاس ہی چھوڑ گئی تھی اور مناہل کو اشاروں کنایوں میں بتا بھی گئی تھی کہ وہ بھی اس گھر میں آنا چاہتی ہے کیونکہ مناہل اپنے گھر میں بظاہر اس کو خوش ہی نظر آئی تھی اور وہ موسیٰ سے بچپن سے مانوس بھی تھی اب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کی آنکھوں نے جس وجاہت آمیز شخصیت کی تصویر کھینچ کر دل کے فریم میں سجائی تھی وہ موسیٰ ہی تھا۔

ویسے بھی اس کی تعلیم کا آخری سال چل رہا تھا اور اس نے کوئی جاب وغیرہ کرنے کے لیے تعلیم تو حاصل نہ کی تھی بس اپنے آپ کو مصروف رکھنے کا ایک اچھا جواز ڈھونڈا تھا اور پھر اس کو موسیٰ کی جاب بھی اچھی لگی تھی اس گھر میں وہ سکھی رہ سکتی تھی بجائے اس کے کہ وہ کسی غیر کے گھر جاتی۔ شمع بی بی اس کی سگی خالہ تھیں اور ان میں ابھی تک مناہل نے کوئی بھی بات ایسی نہ دیکھی تھی جو روایتی ساس والی ہو۔ ایسی باتیں مناہل کی زبانی سن کر ہی تحریم بھی اس گھر کی بہو بننا چاہتی تھی اور اپنے دل کے مندر میں سجے ہوئے موسیٰ نامی دیوتا کی پوجا کر کے باقی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔

شرجیل اور مناہل کمرے میں اکیلے تھے بلکہ گھر میں ہی اکیلے تھے موسیٰ جاب پر چلا گیا تھا اور شمع بی بی سبزی لینے گئی ہوئی تھیں۔ دروازہ زور سے بجایا گیا تو شرجیل پریشان ہو گیا تھا کیونکہ اتنے زور سے آج تک ان کا دروازہ نہ بجایا گیا تھا۔ اس نے مناہل کی طرف دیکھا اور اشارہ کیا کہ وہ خود ہی دروازہ کھولے گا۔

اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ہیرا بدمعاش اور اس کے حواریوں کو دیکھ کر شرجیل کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے کوئی بھی لفظ ادا ہونے کو تیار نہ تھا۔ وہ ہونق بنا ہیرا بدمعاش کو ہی دیکھے جا رہا تھا جو مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا اس کو دھکیل کر گھر میں داخل ہو گیا تھا۔ اتنی دیر میں مناہل بھی کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

''کون ہے شرجیل!'' مناہل نے ہیرا کو دیکھ کر پوچھا لیکن وہ بھی اس قماش کے لوگوں کو دیکھ کر پریشان اور خوفزدہ ہو گئی تھی۔ ہیرا نے اس کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھا اور ماتھے پر ہاتھ لے جا کر بولا۔

''سلام ہے جی......'' پھر وہ شرجیل کی طرف مڑا۔ ''واہ شرجیل بادشاہ بھر جائی تو ماشاء اللہ سوہنی ہے۔''

''ہیرا پہلوان! تم کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ میرا گھر ہے۔'' شرجیل نے پہلا فقرہ ادا کیا تھا وہ بھی اس کو ہیرا کی بات سن کر جیسے ہوش آ گیا تھا۔ ''وہ میرا گھر تھا شرجیل......'' اس نے جوئے کی بیٹھک کا اشارہ کیا تو شرجیل اس کی منت کرنے والے انداز میں بولا۔ ''ہاں...... ہاں...... پلوان...... مجھے معلوم ہے...... پر...... وہاں کے حساب تو وہیں ہوں گے نا۔'' ہیرا چلتا ہوا تخت پوش پر بیٹھ گیا تو اس کے حواری اس کے اردگرد کھڑے ہو گئے جبکہ ایک تو اس کے کندھے دبانے لگا تھا۔

''تو اندر چل...... ایتھے کیوں کھڑی ہو۔'' شرجیل نے مناہل کو جھڑکا تو وہ ہیرا پر اچٹتی سی نظر ڈالتی ہوئی اندر کی جانب چلی گئی۔ لیکن برآمدے میں دیوار کی اوٹ میں کھڑی ہو کر وہ ہیرا اور شرجیل کی گفتگو سننے لگی تھی۔

''ہیرا پہلوان! میں آج آنے ہی والا تھا۔ ہم وہیں حساب کتاب کر لیں گے۔'' شرجیل نے منت بھرے انداز میں کہا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر تحمل سے بولا۔ ''دیکھ بھئی شرجیل باؤ! اپنا جھگڑا تو کوئی نہیں ہے۔ بس ہماری رقم ہمیں دے دے اور پھر حساب ختم......'' ہیرا پہلوان کا انداز گو کہ پرسکون تھا لیکن شرجیل تھوک نگل کر اپنا حلق تر کرتا ہوا بولا۔

''میں آتا ہوں نا...... آج...... آج ہی آؤں گا ہیرا پہلوان!'' وہ ہیرا کی منتیں کر رہا تھا کہ شمع بی بی گھر میں داخل ہوئیں ان کے ہاتھ سے سبزی والا لفافہ گر گیا کیونکہ وہ ہیرا بدمعاش کو پہچانتی تھیں بازار آتے جاتے وہ اس منحوس کی شکل اور کارناموں سے واقف ہو گئی تھیں۔ وہ خوفزدہ نظروں سے کبھی ہیرا اور کبھی شرجیل کو دیکھے جا رہی تھیں۔

ہیرا مسکراتا ہوا تخت پوش سے اُٹھا اور چلتا ہوا شمع بی بی کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گیا اور سبزی اکٹھی کرنے لگا۔

''تت...... تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' شمع بی بی کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر وہ مسکراتا ہوا اُٹھا اور ان کی طرف دیکھنے لگا تو شرجیل آگے بڑھا اور بولا۔ ''ماں جی! یہ...... ادھر سے گزر رہا تھا۔ بس ویسے ہی آ گئے ہیں۔'' شرجیل کی زبان اور الفاظ میں تال میل نہ تھا وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔

ہیرا نے لفافہ شمع بی بی کو پکڑایا اور بولا۔ ''ماں جی! شرجیل باؤ اپنا یار ہے اور ہیرا یاروں کا یار ہے اور اگر کوئی یار ماری کرے تو......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر مونچھوں کو تاؤ دے کر شرجیل کی طرف مڑا اور بولا۔ ''تم تو بہتر جانتے ہی ہو شرجیل باؤ! شامی پنج وجے تک...... ٹائم ہے تیرے کول۔'' ہیرا نے دھمکی آمیز الفاظ استعمال کر کے شرجیل کی کنڈی کھڑکا دی تھی اور وہ شمع بی بی کو بھی ماتھے پر اپنا ہاتھ لے جا کر سلام کر کے حواریوں سمیت باہر نکل گیا تھا۔ لیکن شمع بی بی وہیں بت بنی کھڑی تھیں۔

مناہل نے اندر سے آ کر ان کے ہاتھ سے سبزی والا لفافہ پکڑا اور ان کو سہارا دے کر تخت پوش تک لے آئی۔

''یہ کیوں آیا تھا شرجیل!'' انہوں نے پہلا سوال شرجیل سے کیا تو وہ بھاگنے والے انداز میں دروازے کو کنڈی لگانے گیا مبادا کہ ہیرا دوبارہ نہ آ جائے۔ وہ چور نظروں سے مناہل اور پھر شمع بی بی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔'' اس بار شمع بی بی کا لہجہ کچھ تلخ لیکن دُکھ سے بھرا تھا۔

''اوہ...... کچھ نہیں والدہ...... بس ایویں ای ایدھر سے گزر رہا تھا تو آ گیا۔'' شرجیل کا لہجہ اور الفاظ متضاد کیفیت بیان کر رہے تھے۔ ''تو پھر وہ شام پانچ بجے کا کیا کہہ رہا تھا۔'' شمع بی بی کے ذہن میں ہیرا کا ایک ایک لفظ گونج رہا تھا۔ ''وہ......'' شرجیل کھسیانا سا ہو کر مناہل کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہ تو بس...... ایویں ای......'' وہ مسکرانے کی کوشش میں اپنی شرمندگی چھپا رہا تھا۔ ''وہ بس ایسا ای ہے والدہ تم فکر نہ کرو۔ میں دیکھ لوں گا۔ دیکھ لوں گا بس تم...... فکر نہ کرو۔'' وہ کوئی بھی تسلی بخش جواب نہ دے پایا تو اس کو کچھ اور نہ سوجھا وہ اندر کی جانب چلا گیا۔

شمع بی بی نے شرمندہ شرمندہ نظروں سے مناہل کی طرف دیکھا تو وہ سبزی والا لفافہ اُٹھا کر کچن کی جانب چلی گئی جبکہ شمع بی بی جان گئی تھیں کہ شرجیل نے لازمی ہیرا کی کوئی نہ کوئی رقم دینی ہے جو وہ جواء میں ہار گیا ہو گا۔



آج خلافِ توقع گرو نے چنبیلی اور الائچی کو خود ہی اُٹھ کر آتے دیکھا تو حیرانگی سے مسکرانے لگا۔ ''بسم اللہ کراں، اج چند کدھروں چڑھیا اے۔'' گرو کا طنز حقیقی تھا کیونکہ ان دونوں کو جگانے کے لیے ہر روز ہی آوازیں لگانا پڑتی تھیں۔ چنبیلی اور الائچی نے گرو کے گھٹنوں کو چھو کر اپنے سر جھکا لیے تو گرو کو حیرانگی ہوئی۔

''خیر تو ہے چنبیلی...... الائچی...... بڑے تھوبڑے جیسے منہ کیوں بنا رکھے ہیں۔'' چنبیلی نے نظریں اُٹھا کر گرو کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''گرو! سمجھ نہیں آتی کیسے بات کروں؟''

گرو نے مخصوص تالی بجا کر کہا۔ ''ایسے ہی کر دے جیسے کالی مرچ جیسا منہ بنایا ہوا ہے۔''

چنبیلی نے الائچی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''تم ہی بات کرو الائچی...... مجھ میں تو ہمت نہیں ہے۔''

الائچی ملبہ اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر بولا۔ ''گرو ہم نے پتہ لگا لیا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر خاموش ہوا تو گرو کے کان

کھڑے ہو گئے۔ ''کون ہے یہ؟'' گرو نے ان کے ذمہ عبید رضا کے حسبِ نسب کا پتہ کرنے کی ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی۔

''یہ ٹیکسٹائل ملز آنر کا بیٹا ہے۔'' الائچی نے کہا تو چنبیلی اس کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''مرجا...... پنجابی میں بتا گرو کو کہ کپڑے کی ملز کا مالک ہے اس کا باپ۔''

گرو کے تو ہوش ہی اُڑ گئے تھے لیکن ان کی طرف آتے ہوئے نیناں کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔ وہ بھی ان دونوں کی بات سن چکا تھا۔ ''کپڑے کی مل کا مالک!'' گرو نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تو نیناں بھی تخت پوش پر بیٹھ گیا وہ گرو کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''گرو! کیا وہ لوگ میری چاندنی کو قبول کر لیں گے؟''

نیناں کے لہجے میں خوف اور التجا بھی تھی جو گرو کو تڑپا گئی تھی۔ ''چنبیلی! کیا تم نے اس کے باپ کو دیکھا ہے؟'' یہ کیسا سوال تھا جو گرو نے چنبیلی سے کیا تھا اس سوال کی ان تینوں کو سمجھ نہ آئی تھی۔ ''نہیں گرو! ہم نے چاندنی کے کالج سے ہی عبید رضا کے متعلق معلومات لی ہیں۔''

گرو ان کی بات سن کر ایک لمبا سانس بھر کر بولا۔ ''چاندنی اب کیا کہتی ہے؟'' نیناں نے گرو کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''میں چاندنی کو لے کر آتا ہوں۔'' نیناں تخت پوش سے اُترا ہی تھا کہ چاندنی بھی تیار ہو کر آ رہی تھی حالانکہ آج کالج سے چھٹی تھی لیکن اس کی تیاری بتا رہی تھی کہ وہ کسی پارٹی میں جا رہی ہے۔ نیناں اور باقی لوگ اس کو حیرانگی سے دیکھ رہے تھے۔ پھر بھی نیناں نے مسکرا کر اس کو دیکھا اور بولا۔ ''ماشاءاللہ...... بڑی لمبی عمر ہے میری دھی رانی کی۔ ادھر نام لیا اور اُدھر آ گئی۔''

''بابا جانی! بابا جان...... میری ایک سہیلی کی آج سالگرہ ہے۔ میں وہاں جا رہی ہوں۔'' گرو نے مسکرا کر دیکھا اور بولا۔

''جم جم جا دھیئے! پر تم رات کو بتا دیتی تو کوئی تحفہ ہی خرید کر لے آتے۔'' چاندنی ہولے سے مسکرائی اور بولی۔

''میں جاتے ہوئے لے لوں گی اور ہاں...... میں جس جگہ جا رہی ہوں وہاں کا پتہ یہ ہے۔'' چاندنی نے محلے اور گلی کا سارا ایڈریس بتا کر ان لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ واقعی سالگرہ پر ہی جا رہی ہے۔

''پھر میری دھی! تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔ ایسا تو پہلے کبھی بھی نہیں ہوا۔'' گرو پریشانی اور دُکھ سے بولا تھا۔ وہ گرو کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور مسکان ہونٹوں پر سجاتی ہوئی بولی۔ ''کیا میں آپ سے ہنسی اور مذاق نہیں کر سکتی۔ جس طرح ایک بیٹی اپنے باپ سے کرتی ہے۔''

چاندنی سمجھ دار اور پڑھی لکھی تھی اس نے اپنی بات سے گرو اور نیناں کو مطمئن ہی نہ کیا تھا بلکہ ان کو آبدیدہ بھی کر دیا تھا۔ نیناں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بولی۔ ''نہ کر میری دھی! ہم اُداس ہو جاتے ہیں۔''

''اچھا اب خیر سے جا اور خیر سے آ...... پیسے بھی لے لو۔'' گرو نے بھی مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

''میرے پاس ہیں بابا جان...... اللہ حافظ!'' چاندنی مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

''اب کیا کرنا ہے نیناں!'' گرو نے سنجیدگی سے پوچھا تو نیناں ایک لمبا سانس بھر کر بولا۔

''گرو! اب تو بات عبید رضا پر آ کر ہی ختم ہو گی۔'' اتنی دیر میں کھلے دروازے سے شمع بی بی اندر داخل ہوئیں

تو ان کو دیکھ کر گرو اور نیناں حیران بھی تھے اور خوش بھی تھے کیونکہ ان کے گھر میں کوئی بھی ہمسایہ نہ آتا تھا۔ اور پھر شمع بی بی سے تو ان کے اچھے تعلقات بھی تھے اور دیوار سے دیوار بھی سانجھی تھی۔

شمع بی بی نے سلام کرنے کے بعد ہاتھ میں پکڑی ہوئی پلیٹیں نیناں کی طرف بڑھائیں تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''بسم اللہ...... شمع باجی آج کیسے غریبوں کا خیال آ گیا۔''

نیناں نے پلیٹیں جن میں حلوہ تھا گرو کے سامنے رکھ دیں۔

شمع بی بی مسکراتی ہوئی بولیں۔ ''ایسا نہ کہو نیناں! غریب امیر تو انسانوں کے دل ہوتے ہیں۔ آپ لوگ تو میرے ہمسائے ہو اور ہمسایوں کے تو بہت سے حقوق ہوتے ہیں۔'' نیناں نے چنبیلی اور الائچی کو اشارہ کیا کہ وہ شمع بی بی کے لیے چائے لائیں۔ وہ دونوں ہی اُٹھ کر اندر چلے گئے۔ گرو اور نیناں شمع بی بی کی طرف ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ وہ کوئی بات کرے۔

''شمع باجی! مناہل کیسی ہے؟'' گرو نے ہی بات شروع کی تو شمع بی بی مسکراتی ہوئی بولیں۔

''مناہل تو ماشاءاللہ ٹھیک ہے۔ بس دعا کریں کہ اللہ شرجیل کو ہدایت دے دے۔'' شمع بی بی کل ہیرا کی آمد کی وجہ سے کافی پریشان تھیں۔ ''مجھے تو شرجیل نے کافی دُکھی کیا ہوا ہے۔'' نیناں اور گرو سمجھ سکتے تھے کہ شرجیل نے واقعی اپنی ماں کو بہت پریشان کر رکھا ہے۔

''باجی! شادی کے بعد بھی اس کو عقل نہیں آئی کیا؟'' گرو نے پوچھا تو نیناں بھی خاموش نہ رہا وہ بھی تالی بجاتا ہوا بولا۔

''نا باجی! اس کو مناہل کچھ نہیں سمجھاتی...... بیویاں تو بہت سی باتیں منوا لیتی ہیں شوہروں سے۔''

شمع بی بی ایک کربناک مسکان ہونٹوں پر سجاتی ہوئی بولیں۔ ''اس بیچاری کو کیا پتہ کہ اس کا شوہر باہر کیا گل کھلاتا پھرتا ہے۔ وہ تو بیچاری درویش ہے۔'' گرو نے اور ٹٹولنا چاہا اور بولا۔

''باجی! کیا وہ مویا ہیرا جوار یا مگروں لتھا کہ نئیں؟'' ان سب کو معلوم تھا کہ شرجیل جوا کھیلتا ہے اور ہیرا کی بیٹھک اس محلّہ میں بدنام تھی۔

''اللہ اس بے غیرت کو غرق ہی کر دے تو اچھا ہے۔'' شمع بی بی دُکھ سے بولیں۔ ''اس نے تو ہم جیسے شریفوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔''

شمع بی بی کی پریشانی فطری تھی۔ وہ بات بدلتی ہوئی بولیں۔ ''اچھا نیناں یہ بتاؤ کہ چاندنی کا کہیں رشتہ وغیرہ کیا ہے؟''

نیناں اور گرو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تو شمع بی بی بولیں۔ ''دراصل میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ میرے موسیٰ کا ایک دوست ہے سالار! اگر آپ کہو تو میں ان سے بات کر لوں گی۔ لڑکا اچھا ہے۔ میرے موسیٰ کی طرح ہے۔ نہ ماں ہے نہ باپ اور نہ ہی کوئی بہن بھائی ہے۔ اکیلا کماتا ہے اور کھاتا ہے۔ گھر بھی اپنا ہے۔'' شمع بی بی نے سالار کی تعریفیں کر کے بال نیناں اور گرو کے کورٹ میں پھینک دی تھی۔

گرو نیناں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''دراصل...... چاندنی ابھی پڑھ رہی ہے اور پھر چاندنی سے بھی تو پوچھنا

پڑے گا۔"

"آپ تحمل اور سکون سے فیصلہ کر لینا اور چاندنی بیٹی سے بھی پوچھ لینا۔" شمع بی بی نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

چنبیلی اور الائچی چائے کے ساتھ لوازمات لے کر حاضر ہو گئے تھے۔ شمع بی بی تکلفات دیکھ کر کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ گرو نے بسکٹ کی پلیٹ آگے بڑھا دی اور شمع بی بی کو اس کے خلوص کا جواب دینا ہی پڑا۔



موسیٰ ستارہ کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ستارہ نے کافی منگوائی تھی جو ان دونوں کے سامنے پڑی ہوئی تھی اور دونوں مگوں میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ ستارہ نے ایک مگ موسیٰ کی جانب بڑھایا اور بولی۔

"آپ کافی سے لطف اندوز ہوں میں ذرا کچھ کام دیکھ لوں۔" یہ کہہ کر ستارہ نے اپنی نظریں ٹی وی سکرینوں پر جمادیں موسیٰ نے بھی اخلاقی طور پر کافی کا گھونٹ بھرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

چند سیکنڈ بعد ہی ستارہ اس کی جانب متوجہ ہوئی اور بولی۔ "تو موسیٰ! ٹائی کی ناٹ باندھنا آپ نے سیکھ ہی لیا۔" وہ دھیرے سے دلفریب مسکراہٹ یاقوتی ہونٹوں پر سجا چکی تھی۔ اس نے کافی کا مگ ہونٹوں سے لگایا تو موسیٰ نے بھی ہاتھ بڑھا کر مگ اُٹھا لیا اور بولا۔ "میں تو حیران ہوں کہ آج کی لڑکیاں کافی تیز ہیں۔" وہ یک دم خاموش ہو گیا شاید وہ یہ فقرہ کہنا نہ چاہتا تھا کیونکہ ستارہ اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگی تھی۔

"میرا مطلب ہے کہ وہ...... تحریم کافی چالاک ہے نا...... اس لیے......" اس بار تو ستارہ مزید حیران ہو گئی اور استفسار کیا۔

"تحریم کون؟" موسیٰ کو یاد آیا کہ اب تحریم کا بھی تعارف کروانا پڑے گا۔ وہ کھسیانا ہو کر بولا۔

"میری خالہ کی بیٹی ہے اور بھابی کی چھوٹی بہن بھی ہے۔ دراصل وہی...... انکل کے...... میرا مطلب ہے کہ اپنے پاپا کے ٹائی کی ناٹ باندھتی ہے۔ وہ ایکچوئیلی ہماری طرف آئی ہوئی تھی تو اسی نے پہلے دن مجھے سمجھا دیا۔"

"تو اب آپ سمجھ گئے ہیں کیا؟" یہ فقرہ ذومعنی تھا لیکن ستارہ نے دوبارہ مگ ہونٹوں کو لگا لیا اور موسیٰ کی طرف دیکھنے لگی تو موسیٰ نے بھی کافی کا گھونٹ بھرا تو ستارہ سے نظریں چار ہو گئیں تو اس نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں لیکن ستارہ کی نظریں ہنوز موسیٰ پر گڑی ہوئی تھیں۔

"پہلی ہی نظر میں کوئی گھائل ہو جائے۔ تو قصور کس کا ہو گا موسیٰ! گھائل ہونے والے کا یا کرنے والے کا؟"

یہ انوکھا سوال تھا جو ستارہ نے موسیٰ سے کیا تھا۔ وہ چونک کر ستارہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"میں سمجھا نہیں میڈم ستارہ!" اس نے کافی کا ایک اور گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "اس سوال کا آپ کے بزنس سے کیا تعلق ہے؟"

ستارہ اپنی کافی ختم کر چکی تھی لیکن وہ خالی مگ کے ساتھ کھیلتی ہوئی بولی۔

"میں نے یہ سوال بزنس سے ہٹ کر اپنی ذات کے متعلق کیا ہے۔"

"تو آپ گھائل ہیں؟" موسیٰ نے پوچھ ہی لیا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ ستارہ اس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہی ہے لیکن وہ اپنے اصولوں کے ساتھ مالک اور ملازم کے فرق کو برقرار رکھنے پر قائل تھا۔ پھر بھی ایک طویل سانس

لیتا ہوا بولا۔ "کس نے اور کتنا گھائل کر دیا ہے آپ کو؟" ستارہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"میں پہلی ہی نظر سے گھائل ہو گئی ہوں موسیٰ۔" وہ موسیٰ کے چہرے کا طواف کر رہی تھی اور موسیٰ نظریں جھکا کر کافی ختم کرنے میں مصروف تھا۔ "اور گھاؤ بہت گہرا ہے موسیٰ۔"

"لیکن آپ مجھ سے ہی کیوں پوچھ رہی ہیں؟" موسیٰ نے سوال کا جواب دینے کی بجائے اپنا سوال کر دیا تھا۔

"وہ اس لیے کہ اس گھاؤ کا مرہم تمہارے پاس ہے۔" واشگاف الفاظ میں اظہار محبت نے موسیٰ کو بھی بوکھلا دیا تھا۔ وہ منہ کھولے ستارہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ "موسیٰ! تم نے مجھے پہلی ہی نظر میں گھائل کر دیا تھا۔ پاپا کی ملز میں۔" موسیٰ کو وہ منظر یاد آ گیا تھا جب وہ ستارہ سے ٹکرا گیا تھا اور فائلیں اس کے ہاتھ سے گر گئی تھیں اور وہ ستارہ کو کوئی ایسی پارٹی سمجھا تھا جو دوسرے شہر یا دوسرے ملک سے کسی پروڈکٹ کے لیے آئی تھی۔

"لیکن...... میڈم!" وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ستارہ اپنی کرسی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور موسیٰ کے اُٹھنے پر اس کو ہاتھ کا اشارہ کر کے بیٹھنے کا کہا اور اس کی کرسی کے پیچھے آ کر اس کے کندھوں پر اپنا منہ رکھتی ہوئی اس کی تیز دھڑکنوں کو گنتی ہوئی بولی۔

"موسیٰ! کیا جادو ہے تمہاری آنکھوں میں کہ گھائل ہو گئی ہوں۔ اب جس معالج کے پاس میرا علاج ہے۔ وہی میرا قاتل بھی ہے اور ہمدرد بھی ہے۔" موسیٰ سمجھتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے لیکن وہ انجان بنتا ہوا بولا۔

"میں سمجھا نہیں میڈم!" موسیٰ نے اس کی سانسوں کی مہک اپنی نسوں میں گھستی ہوئی محسوس کی تھی اور مخمور انداز میں اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ "موسیٰ!" وہ اس کے کان کے قریب اپنا منہ کرتی ہوئی بولی تو موسیٰ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"اگر گھائل ہی کر دیا ہے تو پھر مرہم بھی رکھ دو موسیٰ!"

موسیٰ یک دم کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا وہ اپنی سانسیں درست کرتا ہوا ستارہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میڈم! گھائل کرنا اور گھائل ہونا انسان کی فطرت میں شامل ہے لیکن ایسا کیسے ممکن ہے کہ خود قاتل بھی گھائل ہو چکا ہو اور اس کے پاس اپنے زخموں پر لگانے کے لیے بھی مرہم نہ ہو۔ وہ زخمی کے زخم کیسے مندمل کر سکتا ہے۔"

"تو پھر اعتراف محبت میں دیر کیوں موسیٰ!" ستارہ کا لہجہ محبت کی شیرینی سے مخمور تھا لیکن موسیٰ نظریں جھکا کر بولا۔

"مجھے غلط نہ سمجھئے گا ستارہ......" اس نے آج پہلی بار اس کو صرف اس کے نام سے پکارا تو وہ اس پر قربان ہو گئی۔ "میں اتنی جلد بازی کی محبت کا قائل نہیں ہوں۔" وہ آگے بڑھتا ہوا کمرے سے باہر جانے کے لیے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "آئی ایم سوری ستارہ!" وہ باہر جا چکا تھا لیکن ستارہ ہونق بنی اس کی باتوں پر غور کر رہی تھی۔ اس نے تو اعتراف کیا تھا کہ وہ خود بھی پہلی ہی نظر کا گھائل ہے اور اپنے لیے مرہم ڈھونڈ رہا ہے۔

کیا وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے؟ ستارہ کے ذہن میں یہ سوال گونجا تو ایک ہی نام اُبھرا۔ "تحریم" وہ چونک کر رہ گئی۔



شرجیل اور مناہل کمرے میں کافی ٹینس حالت میں تھے کیونکہ ہیرا پہلوان نے جو زبان استعمال کی تھی اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے شرجیل سے کوئی بڑی ہی رقم لینا تھی اور مناہل کے لیے یہ پریشانی تھی کہ وہ آج تک نہ سمجھ پائی تھی کہ شرجیل کام کیا کرتا ہے کیونکہ وہ ہر روز ہی ناشتہ کر کے نئے کپڑے پہن کر کام پر جاتا تھا اور اس نے آج تک نہ بتایا تھا کہ وہ کیا کام کرتا ہے اور نہ ہی اس نے مناہل کو کوئی خرچہ دیا تھا اور مناہل نے بھی کبھی اصرار نہ کیا تھا کہ شرجیل اس کو خرچہ دے کیونکہ اس کو کوئی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی کہ وہ شرجیل سے پیسے مانگے۔

''شرجیل! وہ تو کوئی بدمعاش لگ رہا تھا۔ جو کل ہمارے گھر تم سے ملنے آیا تھا۔'' مناہل نے بات کا آغاز کیا تو شرجیل اس کی طرف غصے سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''اچھا تو تمہیں یہ اندازہ ہے کہ میرا میل جول بدمعاشوں سے ہے؟'' وہ بیٹھے سے ہی اُکھڑ گیا تھا۔ مناہل شادی کے بعد اس کا یہ روپ پہلی بار دیکھ رہی تھی وہ حیران اور پریشان ہو کر بات کو سنبھالتی ہوئی کہنے لگی۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا شرجیل! بلکہ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ ان کی شکلیں خوفناک تھیں۔'' شرجیل یک دم اس کی جانب غصے سے مڑتا ہوا بولا۔ ''اچھا...... کل کو تمہیں میری شکل بھی خوفناک لگنے لگے گی۔''

''شرجیل! ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو یہ کہنا چاہتی تھی کہ آج سے پہلے کوئی بھی آپ کا ملنے والا اس گھر میں نہیں آیا۔ تو مجھے ان لوگوں کا آنا کچھ عجیب ہی لگا تھا۔'' مناہل کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ بات کیسے کرے اور کیا کرے۔ شرجیل تو اس کی ہر بات کو ہی اُلٹ مطلب لے رہا تھا اور ناراض ہو رہا تھا۔

''بس بس...... زیادہ دلیلیں نہ دے مجھے۔ شرجیل صاب سب جانتے ہیں...... مجھے پریشان نہ کر کچھ سوچنے دے۔'' اس نے اپنے انداز میں ہاتھ اُٹھا کر اس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ مناہل سمجھدار بیوی تھی اس نے خاموش ہونے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

باہر صحن میں تخت پوش پر شمع بی بی بیٹھی چاول چننے میں مصروف تھیں وہ مناہل کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولیں۔

''آ جا میری دھی! تم ذرا دال چن دو میں نے چاول چن لیے ہیں۔ موئی آنے ہی والا ہے اس کو بھوک لگی ہو گی۔''

مناہل کمرے والا خراب موڈ کمرے میں ہی چھوڑ آئی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے شمع بی بی کے پاس بیٹھ کر لفافے سے دال نکال کر ایک ٹرے میں ڈال کر اس کو چننے لگی۔

''تمہارا دل تو لگ گیا ہے نا مناہل!'' شمع بی بی نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ کل والا واقعہ مناہل نے کس رنگ میں لیا ہے یا پھر وہ کیا نتیجہ اخذ کر رہی ہے۔ ''آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں خالہ! یہ میرا گھر ہے اور اپنے گھر میں کس کا دل نہیں لگتا بھلا؟'' مناہل نے مسکراتے ہوئے کہا تو شمع بی بی اس کو مزید کریدتی ہوئی بولیں۔

''شرجیل کی طرف سے کوئی شکایت ہے تو بتا دو میں اس کے کان کھینچ دوں گی۔'' اب کی بار شمع بی بی نے براہ راست ہی شرجیل کا تذکرہ کر کے مناہل کے چہرے پر تاثرات دیکھے لیکن وہاں امن اور سکون دیکھ کر شمع بی بی کو بھی سکون محسوس ہوا تھا۔

''خالہ! شرجیل کی عادت تلخ ہے۔ یہ تو میں جانتی ہی تھی لیکن وہ دل کے بہت اچھے ہیں۔'' شمع بی بی کو مزید

لون ہو گیا تھا لیکن یک دم مناہل نے ٹرے رکھی اور ابکائی کرنے لگی تو شمع بی بی پریشانی سے اس کو کمر پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولیں۔

''کیا ہوا مناہل! کیا ہوا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' مناہل کی آنکھیں اُبل پڑی تھیں۔ لیکن وہ خالی پیٹ ہونے کی وجہ سے اُلٹی نہ کر سکی۔ وہ دوپٹے سے اپنا منہ صاف کرتی ہوئی شمع بی بی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''کچھ نہیں خالہ! بس ایسے ہی دل گھبرا رہا ہے۔'' لیکن اس بار تو مناہل کو اُٹھ کر واش بیسن پر جانا پڑا تھا۔ اس کو الٹی آ گئی تھی۔ شمع بی بی ہونٹوں پر مسکان سجاتی ہوئی اس کو دیکھنے لگی تھیں۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' انہوں نے آسمان کی جانب ہاتھ اُٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا اور مناہل کو ایک لمبا سانس لیتے ہوئے دیکھ کر وہ اس کے پاس گئیں اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو تخت پوش تک لے آئیں۔

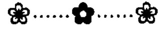
''آرام سے بیٹھو...... میں ہانڈی چولہے پر رکھ لوں۔ پھر پاس ہی لیڈی ڈاکٹر ہے اس کے پاس چلتے ہیں۔'' مناہل اس کی طرف حیرانگی سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''لیکن کیوں خالہ...... بس ایک اُلٹی ہی تو آئی ہے۔ اب تو میں ٹھیک ہوں۔''

مناہل حیرانگی سے دیکھتی ہوئی اُٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے چادر اُٹھا کر الماری سے نئی جوتی بھی نکالی تو شرجیل حیرانگی سے بولا۔ ''کہیں جا رہی ہو...... بیگم صاحبہ!'' مناہل نے اس کی طرف دیکھا اور چادر سے اچھی طرح اپنے آپ کو ڈھانپتی ہوئی جوتی پہننے لگی۔ ''خالہ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔''

''خیریت تو ہے...... والدہ ماجدہ تو ٹھیک ہے؟'' شرجیل بولا تو وہ ہنسنے لگی۔

''خالہ تو بالکل ٹھیک ہیں لیکن مجھے ایک ہی اُلٹی آئی ہے تو وہ بضد ہیں کہ ابھی کے ابھی لیڈی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی مگر شرجیل اس کی بات پر غور کر کے خود ہی بڑبڑایا۔ ''اوہ خیر...... شرجیل صاب...... کہیں ابو تو نہیں بن گئے ہیں؟'' وہ بیڈ پر لوٹ پوٹ ہو کر قہقہے لگانے لگا تھا۔

لیڈی ڈاکٹر نے مناہل کا چیک اپ کرنے کے بعد شمع بی بی کو دادی اور مناہل کو ماں بننے کی خوشخبری سنائی تھی۔ دونوں ہی کلینک میں ہی ایک دوسرے کے گلے لگ گئی تھیں۔ شمع بی بی نے مناہل کا منہ چوم لیا تھا۔



گھر کی صفائی ستھرائی کے بعد نیناں نے حسبِ معمول گرو کو ناشتہ دیا تو چاندنی بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ابھی ناشتہ کرنے میں مصروف تھی اس کا چھٹی والے دن اس طرح صبح ہی اُٹھ جانا اس بات کی علامت تھی کہ وہ گرو اور نیناں سے کوئی خاص بات کرنا چاہتی ہے اور گرو اور نیناں بھی اس سے شمع بی بی کے حوالے سے سالار کی بات کرنا چاہتے تھے لیکن گرو نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے چاندنی کی طرف دیکھا اور چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔

''کیسا رہا فنکشن!'' چاندنی نے استفہامیہ انداز میں دیکھا تو گرو تالی بجاتا ہوا ماتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''میرا مطلب سالگرہ کے فنکشن سے تھا۔'' چاندنی اس کے انداز پر ہنس پڑی اور بولی۔ ''اچھا تھا بابا جان!''

''اور مجھے معلوم ہے کہ میری بیٹی کا ہی نُور ہو گا ان سب مہمانوں میں۔'' نیناں نے اس کی بلائیں لیں تو وہ مسکرا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے سلائس کا ٹکڑا منہ میں رکھتی ہوئی بولی۔ ''تو اور کیا...... آخر میں بیٹی کس کی ہوں۔'' چاندنی کو اس فقرے کی اہمیت کا احساس ہوا تو وہ اُداس سی ہو گئی۔

گرو بھی سمجھ گیا کہ چاندنی نے الفاظ کو ادبی پیرہن میں لپیٹ کر اپنے باپ کے بارے میں سوال پوچھا ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سنبھالتا ہوا بولا۔ ''تو اور کیا نیناں اور گرو کی بیٹی کسی سے بھی کم نہیں ہے۔'' پھر وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ عبید رضا کیسا ہے؟'' اس سوال پر نیناں نے گرو کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھا تو گرو نے اس کو اشارے سے مطمئن رہنے کا کہا۔ چاندنی نے چائے کا مگ ہونٹوں سے لگایا اور بولی۔ ''کیسا...... مطلب......؟''

''میرا مطلب ہے کہ ٹھیک تو ہے کتنے ہی دن ہو گئے وہ آیا جو نہیں۔'' نیناں نے بات کو آگے بڑھایا تو وہ بھی گرو کا مقصد سمجھ گیا تھا کہ اب چاندنی سے براہِ راست تو سالار کی بات نہ کی جا سکتی تھی۔

''وہ کہہ رہا تھا کہ اب اس گھر میں ایک بار ہی آئے گا۔'' چاندنی نے شرماتے ہوئے کہا تو گرو سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ''ایک ہی بار؟'' چاندنی کی بات یقیناً ادھوری تھی۔

''بابا جان......'' وہ گرو کو مخاطب کر کے نیناں کی طرف مڑی۔ ''بابا جانی! وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' چاندنی نے یہ کہہ کر نظریں جھکا لیں تو گرو کو خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا وہ پُر جوش آواز میں بولا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ وہ ہم کو اپنے سسرال کے طور پر قبول کر لے گا۔''

چاندنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور سہلاتے ہوئے بولی۔

''ہاں بابا جان! لیکن ایک شرط پر......'' چاندنی کی آواز میں سوگواری تھی۔ وہ گرو کے چہرے پر اور پھر نیناں کے چہرے پر اپنی ادھوری بات کے تاثرات کو تلاش کر رہی تھی۔ ''کیسی شرط دھیئے؟'' نیناں نے پوچھا۔ ''پیار بھی کرتا ہے اور شرطیں بھی رکھتا ہے۔ یہ تو کم ظرف لوگوں کا کام ہے چاندنی!''

''نہیں بابا جانی! عبید کم ظرف ہوتا تو مجھ سے شادی رچانے کی بات نہ کرتا۔'' چاندنی عبید رضا کی وکالت کر رہی تھی۔

''بات......؟'' گرو لفظ کو چبا کر بولا۔ ''بات کیوں اس نے وعدہ کیوں نہیں کیا تم سے......؟'' گرو کی وزنی دلیل سن کر نیناں نے اثبات میں سر ہلا دیا تو چاندنی بولی۔ ''وہ مجھ سے اپنے گھر والوں سے چوری شادی کرنا چاہتا ہے۔ کورٹ میرج۔''

''کو......رٹ میرج؟'' گرو اور نیناں کو وہ الفاظ شاید سمجھ نہ آ سکے تھے۔ چاندنی نے نظریں جھکا لیں۔ ''لیکن کیا تم جانتی ہو کہ عبید رضا کس کا بیٹا ہے؟'' چاندنی چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ نیناں نے گرو کی بات کو بڑھا کر بات کی وضاحت کی۔ ''یعنی اس کا بزنس...... ان کا گھر بار...... فیملی ممبرز......'' چاندنی کی سمجھ میں بات آ گئی تھی وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ ''میں نے تو کبھی بھی عبید سے نہیں پوچھا کہ ان کے فیملی ممبرز کتنے ہیں اور اس کے پاپا کیا

کام کرتے ہیں؟''

گرو نے چاندنی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

''چاندنی! میری دھی تُو بہت بھولی ہے...... یہ زمانہ بہت چالاک لوگوں کا ہے۔ میرا پتر...... مجھے خوف آ رہا ہے۔'' گرو کی وزنی آواز اور دبدبے والا لہجہ چاندنی کو بھی متاثر کر گیا تھا۔ پھر بھی وہ کمزور سی آواز میں بولی۔

''بابا جان! وہ کہتا ہے کہ آپ سب لوگ اس شادی میں شریک ہوں گے اور اس کی طرف سے اس کے چند دوست۔''

''اس کے گھر والے کیوں نئیں میری چندا؟'' نیناں نے ایک دُکھ سے کہا۔ ''کیا تم کوئی گری پڑی لڑکی ہو۔ کہ ہم اس کے پلے سے تمہیں کیسے باندھ دیں کہ جس شادی میں لڑکے والوں کی طرف سے کوئی بھی نہ آئے۔''

''وہ کہتا ہے کہ مجھ سے شادی کر کے وہ مجھے الگ گھر میں رکھے گا اور پھر کچھ مہینوں بعد اپنی شادی کو اپنے باپ اور گھر والوں کے سامنے ڈی کلیئر کر دے گا۔'' چاندنی ستی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

نیناں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بولا۔ ''میری دھی! غصہ نہ کرنا۔ یہ مجھے عبید رضا کی کوئی چال ہی لگتی ہے کل کو وہ اپنے گھر والوں کو راضی نہ کر پایا تو...... جانتی ہے میری دھی وہ تمہیں چھوڑ کر کسی بھی دوسرے ملک میں جا کر آباد ہو سکتا ہے۔ وہ ایک ٹیکسٹائل ملز کے مالک کا بیٹا ہے میری دھی! ذرا سوچو۔ ہم جیسے کمزور لوگ ایک مل آنر کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ کس قانون کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ اور تُو تو اچھی طرح جانتی ہے کہ اس ملک کا قانون امیر آدمی کا رکھوالا ہے۔ ہماری کون سنے گا۔''

نیناں نے تفصیل کا نقشہ کھینچا تو چاندنی کو گرو اور نیناں کی طرف اس انداز میں دیکھنا پڑا کہ وہ ان کی باتوں کو سنے یا پھر عبید رضا کی محبت پر بھروسہ کرے۔ اگر وہ اپنی مرضی کرتی ہے تو پھر یہ لوگ تو جیتے جی ہی مر جائیں گے اور اگر وہ عبید رضا کی بات مانتی ہے اور اس سے کورٹ میرج کر کے زندگی گزارنے کا سوچتی ہے تو پھر نیناں کی باتیں جو عبید رضا کے بارے میں کی گئی تھیں وہ حقیقت پر مبنی تھیں۔ کیونکہ اگر عبید رضا شادی کے بعد اپنے امیر والدین کو نہ منا سکا تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی اور پھر وہ دوبارہ ان لوگوں کے گھر میں بیٹی بن کر بھی واپس نہیں آ سکتی کیونکہ یہ لوگ کچھ بھی تھے اس کے ہمدرد، خیر خواہ اور محسن تھے لیکن والدین تو نہ تھے کیا وہ اس کے اس طرح واپس آنے پر اس کو دوبارہ گلے لگا لیں گے؟

چاندنی سوچنے لگی تھی لیکن یہ سب ایسا ہی کیوں ہو گا جس طرح نیناں نے سوچا تھا۔ سب کچھ اس کی سوچ کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ عبید رضا اس کو اپنی محبت اور بھروسے سے ایک اچھی پُرسکون زندگی بھی تو دے سکتا ہے۔



بادشاہ کو جو رپورٹ ساتھی نے دی تھی اس رپورٹ نے بادشاہ کو دہلا کر رکھ دیا تھا کیونکہ اس محلّہ کی بند گلی میں کبھی ان کا بھی گھر تھا جو کہ اس گلی کا آخری گھر تھا اور یہ بات بیس سال پرانی تھی۔ اس بات کو ایک بزرگ نے بتایا تھا اور اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ کوئی اپنی بیٹی کو ان کے گھر میں پھینک گیا تھا اور یہ ہیجڑے اس بچی سے بہت پیار کرتے تھے لیکن لوگوں کی باتیں سن سن کر وہ اُکتا گئے تھے اور انہوں نے اس محلّہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بادشاہ کو سکتہ ہو گیا تھا وہ سمجھ گیا تھا کہ گرو اور نیناں کے گھر میں جو لڑکی ہے وہی اس کی بیٹی ہے۔ وہ زخمی دل اور خونی آنکھوں سے آج تقریباً بارہ دن بعد گھر سے نکلا تھا۔ بیماری نے اس کو لاغر کر دیا تھا لیکن وہ لاٹھی کے سہارے اس گلی میں پہنچ گیا تھا اور آج اس نے کوئی بھی صدا نہ لگائی تھی۔ وہ دل میں اُٹھنے والے غبار کو آنکھوں سے پانی کی صورت میں بہاتا ہوا گرو کے دروازے پر پہنچا تو دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ آج کیا صدا لگائے اور گرو سے کیا کہے۔ وہ روئی ہوئی سرخ آنکھوں سے دل کی تیز دھڑکنوں کو ترتیب دینے کی کوشش کرتا رہا اور پھر ان کی تھڑی پر بیٹھ گیا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کے ہونٹ لرزنے لگے تھے۔ اندر سے چاندنی کی آواز اُبھری۔ ''کون ہے؟'' بادشاہ کے ضبط کے سبھی بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ وہ پھڑ پھڑائے ہوئے ہونٹوں سے الفاظ ادا کرنا چاہتا تھا لیکن زبان نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ کانپتے لرزتے ہاتھوں سے اپنے دل کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''کون؟'' ایک بار پھر چاندنی کی آواز اُبھری تو وہ ہمت مجتمع کر کے بولا۔ ''فقیر ہوں بیٹی!'' اتنے ہی الفاظ ادا کر کے اس کے آنسو اس کی گالوں پر لکیریں بنانے لگے تھے۔

اتنی دیر میں اس کو دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو اس نے اپنا سر جھکا لیا اور اپنی آستین سے اپنے آنسو صاف کرتا ہوا ہاتھوں کو کشکول بنا کر بولا۔ ''خدا کے واسطے.....'' وہ اس سے آگے زیادہ الفاظ ادا نہ کر پایا تھا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ دروازہ کھول کر اس کو دیکھنے والی چاندنی ہی ہے جو کہ اس کی بیٹی ہے۔

''بابا!'' اتنا سن کر اس نے اپنا منہ اوپر کیا تو آنسوؤں سے اس کا چہرہ تر ہو گیا تھا۔ ''آپ؟'' وہ لرز گیا تھا کہ کیا چاندنی نے اس کو پہچان لیا ہے۔ ''آج آپ نے کوئی صدا نہیں لگائی بابا!'' چاندنی اس کے پاس چوکھٹ کے پار بیٹھ گئی تھی۔ وہ اندر کی طرف تھی اور بادشاہ باہر دروازے پر فقیر بن کر بیٹھا ہوا تھا۔

''اب میں کبھی بھی صدا نہیں لگاؤں گا۔'' وہ دکھ اور کرب میں ڈوبے ہوئے الفاظ ادا کرتا ہوا بولا۔ ''اب میری بھوک پیاس مر گئی ہے۔'' اس نے عجیب سی بات کہی تو چاندنی بولی۔ ''بابا! کیا آپ آج کھانا نہیں کھائیں گے؟'' ایک زبردست زہر بھرا تیر بادشاہ کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔ اگر وہ دیکھ سکتا اور اپنی بیٹی کو پھینک کر نہ آتا آج اس کا بھی گھر ہوتا اور وہ جب کام سے لوٹتا تو اس کی جوان بیٹی اس سے پوچھتی۔ ''بابا آپ کھانا کھائیں گے؟'' تو وہ کہتا۔ ''نہیں بیٹا! میں نے آج آفس میں ہی کھا لیا تھا لیکن آج کا فقرہ مختلف تھا وقت بدل گیا تھا۔ الفاظ وہی تھے انداز بدل گیا تھا۔ لیکن لمحات ٹھہر گئے تھے۔

''میں..... میں کھاؤں گا بیٹی!'' بادشاہ نے ہاتھوں کو کشکول بنایا تو چاندنی نے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''ایسے نہ کریں میں کھانا لے کر آتی ہوں۔''

وہ یہ کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گئی لیکن بادشاہ اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتا ہوا اپنے ہاتھوں کو بار بار چومنے لگا تھا۔ آنسوؤں کی موجیں لگی ہوئی تھیں وہ بادشاہ کے ہاتھوں اور قمیص پر گر گر کر اٹکھیلیاں کرنے لگے تھے۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا کہ ابھی تک اس کی بیٹی نے اس کے ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔

چاندنی نے کھانے کی پلیٹ بادشاہ کے سامنے رکھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر پلیٹ پر رکھا تا کہ وہ کھانا کھانا شروع کر

دے۔ بادشاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔ ''بیٹی! بُرا نہ ماننا...... ایک بات پوچھوں؟''

چاندنی نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا اور پھر بادشاہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''نہیں بابا! آپ پوچھیں کیا پوچھنا ہے؟''

''کیا تم نے اپنے باپ کو دیکھا بھی نہیں ہے۔'' چاندنی کو یاد تھا کہ اس نے اس اندھے فقیر کو بتایا تھا کہ اس کا باپ تو اسی دن مر گیا تھا جب اس کو ایک بند گلی کے مکان میں چھوڑ گیا تھا۔ وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''بابا! بابا جان نے مجھے بتایا ہے کہ میں بمشکل چھ سات دنوں کی تھی اب آپ ہی بتائیں میں کیسے دیکھ سکتی تھی اپنے باپ کو۔'' چاندنی نے کہا تو بادشاہ کی آنکھیں ایک بار پھر برسنے لگی تھیں۔ ''اگر دیکھا بھی ہو گا تو مجھے کیا یاد میرے باپ کو تو یاد ہو گا کہ جب اس نے مجھے ان کے گھر میں چھوڑا تھا تو کیا میں نے اس کی طرف دیکھا تھا یا نہیں۔''

بادشاہ کی ہچکی لگ گئی تھی۔ چاندنی اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑاتی ہوئی بولی۔ ''میں پانی لاتی ہوں۔'' وہ اندر کی جانب چلی گئی تو بادشاہ کو وہ منظر یاد آنے لگا جب اس نے ٹوکری رکھ کر جانا چاہا تو ننھی بچی نے ایک ہاتھ سے اس کی چادر کا پلو پکڑ لیا تھا۔ اس نے بادشاہ کی طرف معصوم سی مسکان سے دیکھا تھا اور آنکھوں سے پوچھا تھا کہ بابا اس کا کیا قصور ہے جو اس کو اس طرح چھوڑ کر جا رہے ہو لیکن ظالم بادشاہ کو اس کے دیکھنے پر بھی ترس نہ آیا تھا۔

اس کے ہاتھوں کو پانی کا گلاس چھوا تو گلاس پکڑتا ہوا غٹاغٹ پانی پینے لگا۔ کچھ پانی تو اس کے کپڑوں پر بھی گر گیا تھا۔

''بڑا ہی بدبخت ہو گا وہ شخص...... جس نے تم جیسی بیٹی کو اس طرح پھینک دیا ہو گا۔'' بادشاہ کے دل سے اک ہوک سی نکلی جو اس کی زبان سے الفاظ بن کر ادا ہو گئی تھی۔

''بدقسمت تو میں ہوں بابا! جو اپنے باپ کو اپنی معصومیت سے بھی متاثر نہ کر سکی ہو گی۔'' چاندنی نے بیس سال بعد بھی اپنے باپ کا کوئی قصور نہ مانا تھا بلکہ خود کو ہی کوسا تھا۔ بادشاہ کو ایک اور کچوکا لگا تھا کہ اس کی بیٹی ابھی بھی اس کو پیار کرتی ہے۔

''گرو کہاں ہے آج؟'' بادشاہ نے یہ بھی کنفرم کرنا چاہا تھا کہ آج چاندنی کیوں اس کے لیے کھانا لے کر آئی ہے تو اس کی سماعتوں سے چاندنی کی آواز ٹکرائی۔ ''نیناں بابا اور گرو بابا جان گھر کی کچھ چیزیں لینے گئے ہیں۔''

''بیٹی! تمہارا نام کیا ہے؟'' بادشاہ نے تو اس کا نام بھی رکھنا گوارہ نہ کیا تھا اور وہ اس کو کسی بھی نام سے پکارتا تو کس نام سے پکارتا۔ ''چاندنی!'' وہ سوگواری سے بولی تھی۔ ''لیکن وہ چاندنی جو خود اماوس کی سازش کا شکار ہو کر اندھیروں میں کھو گئی ہے اور اپنا وجود تلاش کر رہی ہے۔''

بادشاہ نے اس کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ گرو اور نیناں نے چاندنی کی پرورش اور تربیت بہت اچھی کی ہے کیونکہ چاندنی کی باتیں ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ نا صرف ذہین ہے بلکہ سمجھدار اور باشعور بھی ہے۔

''ایسا نہیں کہتے میری دھی!'' بادشاہ تڑپ اُٹھا تھا۔ ''تم دیکھنا کہ ایک نہ ایک دن تمہارا باپ تمہیں ڈھونڈتا ہوا ضرور آئے گا۔'' بادشاہ کی بھرائی ہوئی آواز نے چاندنی کو مزید سوگوار کر دیا تھا۔ ''وہ دن کبھی نہیں آئے گا بابا!'' چاندنی مایوس تھی۔

Paksitanipoint Waqar Azeem

"مایوس نہیں ہوتے...... اللہ بڑا کارساز ہے۔" بادشاہ نے اس کو دلاسہ دیا تو وہ کھانے والے برتن سمیٹتی ہوئی بولی۔

"مجھے کیا پتہ بابا! میرا باپ شاید کئی بار اس گلی سے گزرا ہو۔ وہ مجھ کو اور میں اس کو کون سا پہچانتے ہیں بھلا؟" چاندنی نے یہ بات کر کے بادشاہ کو اور بھی تڑپا دیا تھا وہ اُٹھتا ہوا بولا۔

"تمہارا باپ تمہیں خود ہی پہچانے گا۔ تم دیکھنا...... تم دیکھنا......" وہ پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "بیٹی! اگر تمہارا باپ تمہیں مل جائے تو کیا تم...... تم۔ اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟" بادشاہ نے اپنے اندر کا خوف باہر نکالا تو وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی۔ "بابا! میں کیا سلوک کر سکتی ہوں۔ صرف اتنا ضرور پوچھوں گی کہ ناخن سے ماس جدا کیسے ہو گیا؟" چاندنی کی بھرائی ہوئی آواز نے بادشاہ کو ایک بار پھر رُلا دیا تھا۔

وہ آنسوؤں کا نمکین پانی پیتا ہوا وہاں سے جانے لگا لیکن پھر مڑتا ہوا بولا۔ "شاید اس کی کوئی مجبوری ہو۔" چاندنی نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور بولی۔ "سب سے بڑی مجبوری بیٹی ہوتی ہے بابا! بیٹی سب سے بڑی مجبوری ہے۔" یہ کہہ کر چاندنی نے دروازہ بند کر لیا لیکن بادشاہ ہنوز پتھر بنا ہوا وہیں کھڑا تھا۔

"بیٹی مجبوری نہیں۔ گھر میں برکت اور رحمت کے لیے ضروری ہے۔ میری دھی!" بادشاہ بڑبڑایا تھا اور اس کی بڑبڑاہٹ کوئی اور نہ سن سکا تھا صرف وہی سن سکا تھا وہ آنسو پونچھتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ وہ یک دم ہی مڑا تھا اور کسی سے ٹکرا گیا تھا۔ "معاف کرنا مجھے نظر نہیں آتا۔" وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھنا چاہتا تھا لیکن اس سے ٹکرانے والی عورت کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ "باد...... شاہ!" بادشاہ کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

وہ اس آواز کو کبھی بھی نہ بھول سکتا تھا یہ اس کی بیوی کی آواز تھی۔ وہ قدرت کی ستم ظریفی پر ماتم کرتا ہوا بولا۔

"تم......"

"ہاں بادشاہ! میں......" آواز بھرائی ہوئی تھی مگر اس آواز میں بادشاہ کو دبدبہ اور نفرت آج بھی محسوس ہو گئی تھی۔

"میں تمہارا مجرم ہوں۔ خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو۔" بادشاہ نے چھڑی اپنی بغل میں دبا کر دونوں ہاتھ اس عورت کے سامنے جوڑ دیئے اور پھر عاجزی اور آنسوؤں کی زبان میں بولا۔

"مجھے تمہاری بددعائیں چین نہیں لینے دیتیں۔ مجھے اک پل بھی سکون میسر نہیں ہے۔ میری بینائی چھن گئی ہے۔"

وہ آہستگی سے بول رہا تھا لیکن سامنے کھڑی عورت نے اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو کھولا اور اس پر دس کا ایک نوٹ رکھتی ہوئی بولی۔ "نہیں بادشاہ! ابھی نہیں...... ایسے ہی ہاتھ میں نے بھی تمہارے سامنے جوڑے تھے۔ یاد ہے کیا؟"

"میں کچھ نہیں بھولا ہوں۔ مجھے سب یاد ہے۔ مجھے سب یاد ہے...... مجھے معاف کر دو شمع؟ مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارا اور اپنی بیٹی کا مجرم ہوں۔" لیکن شمع بی بی وہاں سے آنسوؤں کو پیتی ہوئی اپنے گھر چلی گئی تھیں۔

شمع بی بی کو آج بھی کچھ نہ بھولا تھا وہ گزشتہ بیس سالوں میں ہر روز اس رات کو یاد کر کے آہیں بھرا کرتی تھی جس

رات اس کو بادشاہ نے طلاق دے کر اس سے بیٹی کو چھینا تھا۔ وہ رو رہی تھی بادشاہ کی منتیں اور سماجتیں کر رہی تھی۔ لیکن بادشاہ اس لمحہ "بادشاہ" بنا ہوا تھا اس نے شمع کو ایک ٹھوکر رسید کی اور طلاق جیسے نفرت آمیز الفاظ سے نوازتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ روتی چیختی اور چلاتی رہی تھی لیکن بادشاہ کو اس کی آہ و زاری پر کوئی بھی ترس نہ آیا تھا اور نہ ہی رحم آیا تھا بلکہ اس کو بیٹی پیدا کرنے کی پاداش میں طلاق کا ٹیکہ ماتھے پر سجانا پڑا تھا۔

شمع نے بادشاہ کے گھر سے جانے کے بعد خود کو سنبھالا اور اس گھر کو خیر باد کہنے کے لیے وہ اپنے کمرے میں گئی اور روتی ہوئی آخری بار ہر چیز کو دیکھنے لگی تھی۔ اس نے بیٹی کے پنگھوڑے کو بھی دیکھا جس میں ابھی چند منٹ پہلے اس کے وجود کا ایک حصہ لیٹا ہوا تھا لیکن اب وہ خالی پنگھوڑے کو دیکھ کر غش کھانے کو تھی کہ اس کو یاد آیا کہ وہ بادشاہ کے پیچھے ہی جائے تاکہ وہ اپنی بیٹی کو بادشاہ سے چھین سکے وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں گھر سے نکل پڑی۔ رات کا وقت تھا اگر وہ دن کی روشنی میں ایسے سڑکوں پر آتی تو لوگ اس کو پاگل سمجھنے لگتے۔

لیکن وہ پاگل ہو رہی تھی کہ اس کے دل وجگر کا ایک حصہ اس سے چھین لیا گیا تھا۔ وہ سڑکوں پر آوارہ گردوں کی طرح اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی۔ اس کی آنکھیں رو رو کر سوج گئی تھیں اور آنسو اب ختم ہو گئے تھے۔ وہ دیوانوں کی طرح گلیوں میں جھانکتی اور پھر مایوس ہو کر واپس دوسری گلی کی طرف دوڑ لگا دیتی لیکن بھاگتے بھاگتے اس کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ اور وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی اور جب اس کی طبیعت خراب ہونے لگی تو وہ ہانپتی کانپتی ایک فٹ پاتھ پر گر گئی اب وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی تھی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ہسپتال میں تھی ڈاکٹر اس کے آس پاس کھڑے تھے۔ اس نے اپنے باپ کے گھر کا پتہ بتایا تو ایک گھنٹے میں اس کے والدین اس کے پاس پہنچ گئے تھے۔ اس نے رو رو کر ساری داستان سنائی تو دُکھوں اور غموں کی ماری ماں تو دل پکڑ کر وہیں اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ باپ نے بہت بڑا حوصلہ کر کے طلاق یافتہ بیٹی کو گلے لگایا اور بیوی کی میت لے کر گھر روانہ ہو گئے تھے۔

شمع کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ماں کی موت پر ماتم کرے یا اپنی کوکھ کے اُجڑنے کا سوگ منائے یا پھر اپنے طلاق یافتہ ہونے پر تقدیر سے شکوہ کرے۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے بال کھول کر اپنی قسمت پر نوحہ کناں تھی۔ اب اس کے پاس تو ماں کا آنچل اور کندھا بھی نہ تھا کہ وہ جس پر اپنا سر رکھ کر رو سکتی۔

وقت بہت بڑا مرہم تھا شمع کو آہستہ آہستہ اپنے زخموں پر کھرنڈ محسوس ہوا تو اس کے باپ نے اپنے بھتیجے سے شمع کی شادی کر دی۔ رحیم بخش بہت محنتی تھا۔ اس نے شمع کی تمام داستان سننے کے بعد بھی شمع کو دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا اور اچھا شوہر ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ اللہ نے شمع کو دو بیٹوں سے نوازا تو اس کو اپنے زخموں پر مرہم لگتا ہوا محسوس ہوا تھا۔



عبید رضا اور چاندنی ایک ریسٹورنٹ میں تھے اور مستقبل کے حوالے سے پریشان چاندنی اس سے اپنے متعلق بہت کچھ واضح کر لینا چاہتی تھی کیونکہ گرو اور نیناں کی باتیں اس کے مفاد میں ہی تھیں اور وہ اپنی باتوں کی روشنی میں عبید رضا سے بات چیت کرنا چاہتی تھی۔ کھانے کا آرڈر دے دیا گیا تھا اور ابھی کھانا سرو ہونے میں دیر تھی چاندنی

نے موقع غنیمت جانتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔اس کی کوشش تھی کہ عبید رضا جو بھی بات کرے وہ بالکل واضح اور صاف صاف ہو۔

''عبید! میں نے بابا جانی سے بات کی تھی اپنی کورٹ میرج کی۔'' عبید رضا اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔''پھر کیا کہا انہوں نے؟'' عبید رضا پُرتجسس انداز میں پوچھنے لگا۔''یقیناً ان کو میری بات اچھی لگی ہو گی۔''

چاندنی ہولے سے مسکرائی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی کہنے لگی۔''عبید! وہ لوگ...... میرا مطلب ہے اس طرح کورٹ میرج کرنے پر ان کے کچھ تحفظات ہیں۔'' عبید رضا حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ ختم ہو کر مسکان آ گئی تھی اور پھر وہ بھی ایک پتلی سی لکیر میں بدلتے بدلتے ختم ہو گئی۔

''کیسے تحفظات؟'' وہ صرف دو لفظ ہی بول پایا تھا۔

''مجھے کس حد تک چاہتے ہو عبید!'' چاندنی کا یہ انوکھا سوال شاید عبید کی سمجھ سے بالاتر تھا وہ استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔چاندنی ایک سانس اندر کی طرف کھینچتی ہوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''عبید! میں اتنا جانتی ہوں کہ اگر تم مجھے نہ ملے تو میں مر جاؤں گی۔'' عبید رضا نے اس کا ہاتھ ہولے سے دبایا اور اس کو اپنی قاتل آنکھوں سے گھائل کرتا ہوا بولا۔''اگر میں کہوں کہ کچھ ایسا ہی میرا بھی حال ہے تو......؟''

''مجھے یقین ہے عبید! لیکن جن لوگوں نے مجھے پالا ہے۔ مجھے پرورش اور تربیت میں اس طرح آگے بڑھایا کہ اگر میں اپنے والدین کے پاس ہوتی تو شاید وہ بھی ان کی طرح مجھے نہ بنا پاتے جیسا کہ میں آج ہوں۔''

''تم کیا چاہتی ہو چاندنی!'' عبید رضا نے سوال موڑ کر اس کے ذہن پر وزن ڈال دیا تھا۔وہ مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔''تم کون ہو؟'' عبید رضا سے یہ پہلا سوال تھا جو چاندنی نے تقریباً دو سال کے عرصہ میں پہلی ہی بار پوچھا تھا۔وہ ایک ٹھنڈی سانس بھرتا ہوا بولا۔

''کیا تمہارے ماما بابا میری محبت کو میرے سٹیٹس کے ساتھ کمپیئر کرنا چاہتے ہیں؟'' یہ بھی سوال تھا لیکن چاندنی کے سوال کا جواب نہ تھا۔تبھی تو وہ ابھی تک مطمئن نہ تھی۔وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑاتی ہوئی بولی۔

''تمہارے بابا! میرا مطلب ہے کہ پاپا کیا بزنس کرتے ہیں؟''

''وہ ملز آنر ہیں لیکن تم نے کیوں پوچھا چاندنی! شادی تو تم نے میرے ساتھ کرنی ہے اور زندگی بھی میرے ساتھ ہی گزارنی ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی تو وہ دوبارہ بولا۔''تو پھر میرے پاپا کا بزنس ہی تمہارے گھر میں ڈسکس کیوں ہوا ہے؟'' چاندنی اس کے وزنی سوال اور وزنی دلیل سے مطمئن تھی لیکن جو کچھ گرو اور نینا نے کہا تھا اس کا جواب ہنوز عبید رضا نے نہ دیا تھا۔

''فرض کرو ہماری شادی کو تمہارے گھر والے ایکسیپٹ accept ہی نہیں کرتے تو پھر میں کیا کروں گی؟'' چاندنی آج وہ تمام گتھلیں کھول لینا چاہتی تھی جن کے سرے نہ ملنے کا اظہار گرو اور نیناں نے کیا تھا۔وہ آنکھیں بند کر کے کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''میں جب تم سے شادی کروں گا تو نبھا کر بھی دکھاؤں گا یار۔'' اس نے آنکھیں کھول کر چاندنی کی طرف دیکھا۔''میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں وہ میری بات ضرور مانیں گے چاندنی۔''

''اگر ایسا نہ ہو سکا تو......؟'' چاندنی آج کیا چاہتی تھی اس بات کی عبید کو سمجھ نہ آ رہی تھی۔

''تمہیں میری محبت پر اور مجھ پر کتنا اعتبار ہے چاندنی؟'' عبید رضا نے اب وہ سوال کیا تھا جواب تک چاندنی کرتی آ رہی تھی۔

''اعتبار اور اعتماد اتنا ہے کہ میں تمہارے کہنے پر اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔'' چاندنی کا لہجہ اور عزم سن کر عبید رضا مسکراتے ہوئے بولا۔''تو پھر آج بے اعتباری اور بھروسے کی باتیں کیوں ہونے لگی ہیں؟''

ریسٹورنٹ میں اس وقت کافی لوگ تھے جو کہ اس بات کا ثبوت تھا کہ اس ریسٹورنٹ کا کھانا کافی لذیذ ہوتا ہے یہی وجہ تھی کہ وہاب میر بھی اپنے ایک دوست کے ساتھ ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تو ان کی نظریں عبید رضا پر پڑیں جو کہ ایک لڑکی کے ساتھ ایک ٹیبل پر تھا جبکہ عبید رضا نے ان کو نہ دیکھا تھا۔

اپنے دوست کے ساتھ ہونے کی بنا پر وہاب میر اوپر والے پورشن میں ایسی جگہ پر چلے گئے جہاں سے وہ آسانی سے عبید رضا پر نظر رکھ سکتے تھے۔انہوں نے پُرتکلف کھانے کا آرڈر دیا اور دوست کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے اور گاہے بگاہے ان کی نظریں عبید رضا پر بھی پڑ جاتی تھیں۔وہ ان کی گفتگو تو نہ سن سکتے تھے لیکن ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ لڑکی عبید رضا کی نہ صرف کالج فیلو ہے بلکہ کچھ اور بھی ہے کیونکہ چاندنی کا بیگ اور یونیفارم بتا رہا تھا کہ وہ کالج سٹوڈنٹ ہے اور اس کی عبید رضا کے ساتھ بے تکلفی بتا رہی تھی کہ وہ عبید رضا کے کالج میں ہی پڑھتی ہے اور عبید رضا کا اس کا ہاتھ پکڑ کر بات کرنا بتا رہا تھا کہ وہ لڑکی کلاس فیلو بھی ہے اور بہت کچھ بھی ہے۔

''چاندنی! ایسا کرتے ہیں کہ میں پاپا کو تمہارے بارے میں اعتماد میں لینے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ ماما سے بات کریں گے۔'' عبید رضا نے کہا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔''کیا؟ تم یعنی...... انکل سے بات کرو گے۔''

''نو پرابلم! اب پیار کیا ہے تو پھر ڈر کیسا چاندنی!'' وہ پُرعزم لہجے میں بولا تو چاندنی مسکرانے لگی۔

''کیا میں بابا جانی کو بتا دوں کہ تم اپنے پاپا ماما سے بات کر کے ان کی رضامندی سے ہی شادی کرو گے؟'' عبید رضا نے اس کا ہاتھ ہولے سے دبایا اور بولا۔''بالکل بتا دو۔ میں کوشش کروں گا کہ ان دونوں کو تمہارے گھر لے کر آؤں اور پھر باقاعدہ اچھے طریقے سے بات ہو سکے۔'' چاندنی بے یقینی کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کھانا آ گیا تھا پُرمزہ کھانے کی بھاپ اور طریقے سے سجایا گیا کھانا ان دونوں کی بھوک کو بڑھا رہا تھا۔انہوں نے اپنا اپنا کھانا پلیٹوں میں نکالا اور پُرلطف کھانے کا مزہ لینے لگے۔ جبکہ ان دونوں کی بے تکلفی وہاب میر کو کھٹکنے لگی تھی۔



سالار، سیٹھ وہاب میر کے گھر پر پہنچ گیا تھا۔اس کو ملازم نے وسیع ڈرائنگ روم میں بٹھایا تو اس کو وہ لمحات یاد آنے لگے جب وہ اس جگہ پر کھیلا کرتا تھا۔وہ گھر کو غور سے دیکھنے لگا تھا اس کے ذہن میں جھماکے سے ہو رہے تھے۔ اس کو وہ دیوار بھی یاد آ گئی جس پر اس کی ماں کی بڑی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔وہ اس دیوار کی طرف گھوما تو اب وہاں پر وہاب میر اور حنا بیگم کی شادی کی تصویر لگی ہوئی تھی جس میں وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔

سالار کے دل میں اک ہوک سی اُٹھی لیکن اس کو اپنی ماں کی آواز سماعتوں سے ٹکراتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ''آ گئے ہو؟'' اس نے گھوم کر اپنے اردگرد دیکھا تو اس کو لگا کہ گھر کی دیواریں مسکرا مسکرا کر اس کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ وہ آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو چھپاتا ہوا ہولے سے بولا۔

''ہاں ماں! میں آ گیا ہوں۔ میں لوٹ آیا ہوں اپنے گھر۔'' اس نے حوصلہ اور صبر کو اپنا ہتھیار بنا کر جس طرح اپنی زندگی کے بیس پچیس سال گزارے تھے وہ اس کے دُکھوں کا مداوا کرنا چاہتا تھا اور اس کو اب بھی تحمل اور صبر سے ہی کام لینا تھا اور اس نے آنسوؤں کو پی کر ایک لمبا سانس لیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

وہ اس گھر میں وہاب میر کے دوست کا بیٹا بن کر آیا تھا کہ دوبئی میں بزنس مین ہے اور اپنا بزنس پاکستان میں بھی سیٹ کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ تب تک اس گھر میں رہے گا جب تک وہ اپنا بزنس سیٹ نہیں کر لیتا تھا۔ اور وہ وہاب میر کو انکل ہی کہے گا تا کہ کسی کو بھی اس پر کسی بھی قسم کا شک نہ ہو۔ اس نے کپڑوں کی خریداری سے لے کر بیگ کی خریداری تک کو انٹرنیشنل لیول کا رکھا تھا۔ ہر طرح سے فول پروف انتظام کر کے وہ وہاب میر کو خبردار کرتا ہوا آج اس گھر تک پہنچ گیا تھا۔

ملازم نے وہاب میر کو جا کر بتا دیا تھا وہ کھانے کی میز پر تھے اتفاق سے پوری فیملی بھی موجود تھی۔ وہ سب اُٹھ کر وہاں سے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے تھے۔ حنا بیگم نے ایک تیکھی اور ترچھی نظر سے سالار کی طرف دیکھا تھا لیکن وہ پُر جوش ہو کر آگے بڑھا اور وہاب میر کے گلے لگ گیا۔ ''انکل جی......'' وہاب میر کو بھی مسکرا کر اس کا پُر جوش استقبال کرنا پڑا تھا وہ بھی اس کو تھپتھپاتے ہوئے بولے۔

''ارے کیسے ہو سالار! کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا بیٹا!'' انہوں نے کئی سالوں بعد سالار کو بیٹا کہا تو وہ اک کسک سی دل میں محسوس کرتا ہوا بولا۔ ''ارے نہیں انکل! مسئلہ کیسا بس ایزی ہی پہنچ گیا ہوں۔'' دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو وہاب میر بولے۔

''آؤ آؤ میں تمہیں اپنی فیملی سے ملواتا ہوں۔'' وہ گھر والوں کی طرف بڑھے اور باری باری سب کا تعارف کروانے لگے۔

''یہ میری مسز ہیں حنا بیگم!'' سالار نے اس کو سلام کیا مگر تیکھے ہی انداز میں جواب ملا تو وہ مسکرا کر دل ہی دل میں بولا۔ ''یہ کس بل تو میں ضرور نکالوں گا ماں جی!'' پھر عبید رضا کا تعارف کروایا گیا تو دونوں نے ہی پُر جوش انداز میں ہاتھ ملایا تھا۔

''نائس ٹو میٹ یو۔'' عبید رضا نے کہا تو سالار مسکرا کر بولا۔ ''مجھے بھی بہت اچھا لگا تم سے مل کر۔''

''یہ سٹوڈنٹ ہے اور اپنی تعلیم کا آخری سال پورا کر رہا ہے۔ پھر اگلے سال اس کو انگلینڈ بھیج دوں گا بزنس کی سوجھ بوجھ کے لیے۔'' وہاب میر نے مسکرا کر عبید رضا کا تعارف مکمل کروایا تو ستارہ ایک دلفریب ادا سے آگے بڑھی تو وہاب میر بولے۔

''یہ میری جان! میری لاڈلی بیٹی ستارہ ہے۔ اور شہر میں ایک بوتیک چلا رہی ہے۔ تعلیم سے حال ہی میں فارغ ہوئی ہے۔''

''اسلام علیکم!'' سالار نے ستارہ کو سلام کیا تو وہ بھی مسکراتی ہوئی بولی۔ ''کیسے ہیں آپ؟''

''یہ تو آپ نے بتانا ہے۔'' سالار نے فی البدیہہ کہا تو حنا بیگم کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔ سالار بات کو بدلتا ہوا بولا۔

''میں تو مہمان ہوں۔ یہ فیصلہ تو آپ کو کرنا ہے کہ میں اچھا ہوں یا...... پھر کیسا ہوں۔''

''مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔'' حنا بیگم کی زبان میں کھجلی ہونے لگی تھی۔ ''اگر مہمان زیادہ دیر رہے تو اس کو خود ہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ کیسا ہے؟'' اس طنز اور تلخ الفاظ کو وہاب میر سمیت سب نے محسوس کیا تھا لیکن سالار کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکان کو صرف وہاب میر نے ہی محسوس کیا تھا۔

''لو بھئی...... میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تم سفر سے آئے ہو اور تھکے ہوئے ہو گے اپنے کمرے میں چلو...... میں کھانا بھجواتا ہوں۔'' وہاب میر چاہتے تھے کہ سالار ابھی کے ابھی اپنے کمرے میں چلا جائے تا کہ اس کی اور سالار کی گفتگو کوئی بکھیڑا نہ کھڑا کر دے۔ انہوں نے ملازم کو آواز دی اور اس کو سالار کا سامان لے جا کر اس کا کمرہ بھی دکھانے کا کہا اور اس کو بعد میں کھانا بھی پہنچانے کا حکم دیا۔ پھر چند منٹ بعد سالار اپنے اس کمرے میں پہنچ گیا تھا جس میں اس کی پیدائش ہوئی تھی۔ ملازم سامان رکھ کر جا چکا تو سالار نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کمرے کی ہر ایک چیز کو غور سے دیکھنے لگا۔

اس کو اس کمرے میں اپنی ماں کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کی سسکیاں اور آہیں سالار کے دل و دماغ کو زخمی کرنے لگی تھیں۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر اپنے بیگ سے اپنی ماں کی تصویر نکال کر اس کو بوسہ دیتا ہوا بولا۔

''آپ کے آنسو پونچھنے کے لیے آ گیا ہوں ماں جی!'' اس نے تصویر کو اپنی قمیص سے صاف کیا اور بیڈ پر لگا دی۔ ''آپ دیکھنا کہ میں اب حنا بیگم کا کیا حال کرتا ہوں۔ ماں جی!'' اس کی آنکھوں سے نکلتی نفرت کی چنگاریوں کو اس کمرے کی دیواروں نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور کمرے کی اکلوتی کھڑکی کا پردہ سرکایا تو قدرت کی ستم ظریفی پر قہقہے لگانے کو دل چاہا کیونکہ وہ کمرہ حنا بیگم کے کمرے کے بالکل سامنے تھا درمیان میں ایک لان تھا اور اس کمرے کی کھڑکی بھی خوبصورت لان کی طرف ہی کھلتی تھی۔

اس نے اپنے آپ کو بیڈ پر گرا لیا اور اپنے پروگرام پر عمل درآمد کرنے کے لیے لائحہ عمل بنانے لگا لیکن دروازے پر دستک سن کر اس نے دروازہ کھول دیا تو ملازم کھانا لے کر آیا تھا۔ اس نے مسکرا کر کھانا لیا اور ملازم کو اندر بلا لیا۔ وہ حیرانگی سے سالار کو دیکھتا ہوا کمرے میں ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔

''کب سے ہو اس گھر میں؟'' سالار نے پہلا سوال کیا تو وہ عاجزی سے بولا۔ ''گزشتہ نو سال سے ہوں سر جی!''

''کیا کوئی ایسا ملازم بھی ہے جو گزشتہ پچیس سال سے اس گھر میں کام کر رہا ہو؟'' شاید ملازم کو اس سوال کی کوئی منطق سمجھ میں نہ آئی تھی۔ وہ حیرانگی سے بولا۔

''وہ جی...... مجھے تو اتنا پتہ ہے کہ میرے آنے سے پہلے راجہ اس گھر میں ملازم تھا۔''

''راجہ؟'' سالار نے چبا کر لفظ راجہ ادا کیا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''جی صاحب! راجہ ہی اس گھر میں

سب سے پرانا ملازم ہے اور وہ آج کل چھٹی پر گیا ہے لیکن کل آنے والا ہے۔'' ملازم یہ بتا کر سالار کے اشارے کا منتظر تھا وہ کمرے سے باہر نکل گیا تو اس نے ہاتھ دھو کر کھانا شروع کر دیا تھا۔ کھانا کافی لذیذ تھا۔ یہ وہ کھانا تھا جو اس نے اپنے باپ کی کمائی سے عرصہ بعد کھایا تھا اور اس پر اس کا بہت حق تھا اور اب وہ اس حق کو اچھی طرح ہی استعمال کرنے والا تھا۔



فائزہ نے فون پر خوشخبری سنی تو وہ پھولے نہ سما رہی تھی۔ اس نے یہ خوشخبری شکیل احمد کو سنائی کہ وہ نانا اور خود فائزہ نانی بننے والی ہے۔ شکیل احمد بھی خوش ہو گئے تھے۔ وہ خوش ہو کر بولے۔

''ویسے فائزہ بیگم! اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں مناہل کی طرف سے ٹھنڈی ہوا ہی آ رہی ہے۔'' فائزہ بیگم بھی مسکراتی ہوئی ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

''ہاں جی یہ تو ہے..... میں نا کہتی تھی کہ شرجیل اچھا لڑکا ہے اور پھر شمع آپا کے گھر میں مناہل خوش بھی رہے گی۔'' شکیل احمد ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولے۔

''ہاں فائزہ بیگم! شمع آپا خود بھی تو کافی صابر عورت ہیں۔ انہوں نے جس طرح زندگی کی تلخیوں میں مسکراتے ہوئے اپنے دونوں بیٹوں کی پرورش کی ہے۔ کبھی کبھی تو میں سوچتا ہوں کہ اگر کوئی اور عورت ہوتی تو شاید اتنے دکھ برداشت کر کے وہ جی نہ پاتی۔'' فائزہ ان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ جب بادشاہ نے ان کو طلاق دی تھی تو باجی یہ صدمہ برداشت ہی نہ کر پائی تھیں۔'' فائزہ بیگم بھی کافی دکھی ہونے لگی تھی۔ اس کو بیٹی کے امید سے ہونے کی خبر کو کچھ دیر کے لیے بھولنا پڑا تھا۔

''واقعی شمع آپا نے بہت صبر اور حوصلے سے زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کیا ہے۔''

شکیل احمد اخبار سیدھا کرتے ہوئے اپنی عینک کو ناک پر رکھتے ہوئے بولے۔ ''ویسے فائزہ بیگم! تم کبھی شمع آپا سے پوچھنا تو سہی کہ ان کی بیٹی کا کوئی علم ہوا ہے یا نہیں؟'' فائزہ بیگم ان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ شمع آپا کو کون سا پہچان تھی اپنی بیٹی کی۔ وہ صرف چھ دن تو ان کے پاس رہی تھی۔ وہ ظالم بادشاہ ان کی گود سے چھین کر لے گیا تھا۔ پتہ نہیں اس ظالم اور بدبخت نے اس بچی کو کہاں پھینکا ہو گا۔ نا معلوم وہ بیچاری زندہ بھی ہو گی؟''

فائزہ بیگم کا خدشہ بھی درست تھا کیونکہ شمع نے ان کو بتایا تھا کہ وہ بادشاہ کے پیچھے ہی بھاگی ہوئی نکلی تھی۔ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر گلیوں بازاروں کی خاک چھانتی پھرتی تھی لیکن اس کو نہ ہی ظالم بادشاہ ملا تھا اور نہ ہی اس کی بیٹی کا پتا چلا تھا۔

''اچھا..... ویسے اب بادشاہ کیا کرتا ہو گا؟'' شکیل احمد افسوس سے بولے تھے۔

''پتہ نہیں مجھے، آپا نے اس کو آخری بار بھیک مانگتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اندھا ہو چکا ہے۔'' فائزہ بیگم نفرت سے بولی تو شکیل احمد بول پڑے۔

''اسے کہتے ہیں مکافات عمل کا شکار؟'' فائزہ بیگم اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

''اچھا بھئی آپ نے یہ خوشخبری تحریم کو سنائی ہے یا ابھی نہیں؟'' شکیل احمد مسکراتے ہوئے بولے تو فائزہ بھی مسکرانے لگی اور بولی۔

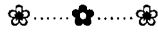
''میں ابھی بتاتی ہوں۔'' وہ اُٹھ کر اندر جانے لگیں تو دوبارہ شکیل احمد کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''ہم کیوں نا شام کو ان کے گھر چلیں..... مٹھائی بھی لے جائیں گے۔'' شکیل احمد اس کی جانب دیکھ کر بولے۔

''کیا ہمارا جانا مناسب ہو گا۔ ہم بیٹی والے ہیں بھئی۔'' فائزہ بیگم دوبارہ شکیل احمد کے پاس بیٹھ گئی۔

''تو کیا ہوا۔ بیٹی بھی اپنی ہے اور بیٹا بھی اپنا ہے۔ وہ کون سا مناہل کے سسرال والے بنے ہیں جو ہم ان سے سمدھی اور سمدھن والا سلوک کریں۔ شمع آپا میری بہن ہیں۔ اب وہ ہی تو رہ گئی ہیں میری۔'' فائزہ کی تفصیل سن کر شکیل احمد مسکرانے لگے اور بولے۔

''ٹھیک ہے سرکار جو حکم ہو۔'' فائزہ بیگم بھی اک خاص ادا سے مسکراتی ہوئی اندر کی جانب چلی گئی۔ وہ تحریم کو خوشخبری سنانے کے لیے اندر گئی تھی۔



تیز برستی بارش نے آج بھی ''کام'' سے بادشاہ کی چھٹی کروا دی تھی۔ وہ اپنے اس ایک کمرے کے گھر میں ہی زمین پر بچھے ہوئے گدے پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کو شمع ملی تھی لیکن آج بھی شمع کی نفرت اس طرح تازہ تھی کہ جیسے وہ پہلے دن بادشاہ سے ملی ہو اور اس کے زخم ابھی تک تازہ ہی ہوں۔

لیکن شمع ان گلیوں میں کیا کر رہی تھی؟ یہ خیال آتے ہی بادشاہ کو ایک جھٹکا لگا۔ ''کیا شمع ان گلیوں میں سے ہی کسی ایک گلی میں رہتی ہے؟'' وہ خود ہی بڑبڑایا تھا۔ اس نے شمع سے معافی مانگی تھی لیکن اس نے معاف نہ کیا تھا۔ وہ شمع کو بتانا چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی مل گئی ہے۔ لیکن وہ شمع کو اب کیسے ڈھونڈے گا۔ کہاں تلاش کرے گا۔ وہ اس کو کن گلیوں اور کن بازاروں میں کس طرح ڈھونڈے گا۔ وہ کیسی صدا لگائے کہ اس کو شمع دوبارہ ملے اور وہ اس کو بتا سکے کہ اس کی بیٹی ہیجڑوں کے گھر میں ہے۔

وہ خود ہی سر کو پیٹنے لگا تھا وہ اندھا ہو چکا تھا۔ اس کی بینائی بیٹی کی سسکیوں اور شمع کی بددعاؤں نے چھین لی تھی۔ وہ ان سے معافی مانگنا چاہتا تھا لیکن وہ چاندنی کو کس طرح بتائے کہ وہی اس کا باپ ہے اور وہ اس کی بیٹی ہے لیکن وہ تو نفرت کرے گی۔ اس کو دھتکار دے گی۔ اس کو بائیس سال پرانے واقعہ کے طعنے دے گی۔ وہ اس کو باپ تسلیم نہیں کرے گی۔

''میں کیا کروں۔ کیا کروں مولا کیا کروں؟'' اس نے ماتھے کو پیٹنا شروع کر دیا تو ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو پیٹنے سے منع کیا۔

''پاگل ہو گئے ہو بادشاہ! کیا کر رہے ہو۔'' ساتھی واقعی اس کا ساتھی تھا اس نے غم اور دکھ میں اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ اب بھی وہ اس کو حوصلہ دینے والے انداز میں ڈانٹتے ہوئے سمجھا رہا تھا۔

''بادشاہ! ایسا مت کر یار! اللہ نے منع فرمایا ہے۔'' ساتھی کی بات سن کر وہ روتا ہوا بولا۔

"ساتھی یار! میں اللہ سے معافی بھی مانگتا ہوں۔ اس کے سامنے روتا بھی ہوں۔ گڑگڑاتا بھی ہوں لیکن اس کو میری آہوں اور سسکیوں پر ترس کیوں نہیں آتا۔ وہ تو رحمٰن و رحیم ہے۔ پھر مجھ پر رحم کیوں نہیں کرتا۔ کیوں رحم نہیں کرتا۔ مجھ پر......" ساتھی نے دیکھا اب بادشاہ بچوں کی طرح رونے لگا تھا۔ ساتھی نے آگے بڑھ کر اس کو سینے سے لگایا اور حوصلہ دیتے ہوئے بولا۔

"اللہ بڑا بے نیاز اور رحم کرنے والا ہے بادشاہ! لیکن وہ فرماتا ہے کہ حقوق العباد کی پوری پوری پوچھ گچھ ہوگی۔ وہ اپنے حقوق تو معاف فرما دے گا لیکن بندوں کے بندوں پر جو حقوق ہیں وہ معاف نہیں فرماتا۔"

"تو پھر تم ہی بتاؤ ساتھی میں کیا کروں۔ کس دیوار سے جا کر سر پھوڑوں کہ اس کو میری حالت پر رحم آ جائے۔ وہ مجھے میری کوتاہیوں سمیت اس طرح دیکھے کہ میں دُھل جاؤں۔ مجھے اپنے فضل و کرم کی بارش میں اس طرح بھگو دے کہ میرا ہر گناہ میری ہر غلطی ہر کوتاہی اس کی رحمت کی بارش میں ہر قطرے کے ساتھ دُھل جائے۔" وہ کچھ سوچتا ہوا اپنے بستر سے اٹھا اور ساتھی کو حیرانگی کے عالم میں چھوڑتا ہوا دیوار کا سہارا لے کر تیز برستی بارش میں گلی میں آ نکلا۔

چھاجوں برسنے والے مینہ نے اس کو آن کی آن میں ہی شرابور کر دیا تھا۔

وہ آسمان کی جانب ہاتھ اُٹھا کر اپنے چہرے کو اوپر کرتا ہوا بولنے لگا۔

"رحمٰن ہے تُو رحم کر۔ اپنے نام کی لاج تو رکھ لے۔ کیا لوگ تجھے صرف جبار و قہار ہی سمجھتے رہیں گے۔ کریم ہے کرم کر دے۔ رحیم ہے رحم کر دے۔ غفور ہے تو اب تک کیے گئے گناہوں کو بخش دے میرے مالک! میں طاقت اور دولت کے نشے میں اندھا ہو کر بادشاہ ہی بن بیٹھا تھا۔ پر میرے مالک! میں تجھے بھول گیا تھا۔ اصل بادشاہ تو تُو ہے۔ اصل بادشاہ تو تُو ہے۔ مجھے معاف کر دے۔ تجھے تیری رحمت کا واسطہ! تجھے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ۔"

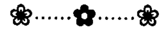
بادشاہ نے یہ الفاظ ادا کیے تو زوردار کڑاکے سے بجلی چمکی اور دور کہیں اس طرح گری کہ لوگ استغفار کرنے لگے تھے۔

"ہاں...... اب آیا نا مزہ......" بادشاہ قہقہے لگانے لگا تھا۔ اور پھر وہ تیز بارش میں ناچنے لگا تھا۔ "محبوب کا واسطہ دیا ہے تو جواب دیا ہے تُو نے...... واحد ہے نا...... وحدہٗ لاشریک ہے...... لیکن محبوب کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ دیکھو میں...... اذان میں...... نماز میں...... کلمہ میں...... قرآن میں...... واہ واہ واہ...... کیا رنگ ہیں تیری ذات کے۔ مالکِ کائنات ہے تُو...... کُن کہے تو کئی جہان تخلیق...... اور نہ مرضی ہو تو اس فقیر کا ایک چھوٹا سا کام بھی نہیں کرتا۔ واہ واہ۔ تیری شان ہے تیری باتیں، تیری منطق تُو ہی جانے...... لیکن...... لیکن میرے مالک! میں تجھے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا رہوں گا...... اس کی کالی کملی کا واسطہ اس کالی کملی کے ایک ایک سوت کا واسطہ...... مجھے معاف کر دے۔ معاف فرما دے۔" وہ دیوانوں کی طرح ایک طرف کو بھاگ نکلا تھا لیکن پھر میں بارش میں شاید کار کے ڈرائیور نے اس کو نہ دیکھا تھا وہ تیزی کے ساتھ کار کو بادشاہ سے ٹکرا کر خاصا گھبرا گیا تھا۔ کیونکہ بادشاہ اس کی گاڑی سے ٹکرا کر کئی فٹ دور جا گرا تھا اور دوبارہ نہ اُٹھ پایا تھا۔

لیکن اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے تھے اور پھر کار کو بھی لوگوں نے گھیر لیا تو عبید رضا کو باہر نکل کر تیز بارش میں

بادشاہ کو دیکھ کر اس کی تو روح ہی فنا ہو گئی تھی کیونکہ اس کے ماتھے سے کافی خون نکل رہا تھا۔

"ہسپتال لے چلو۔ ہسپتال لے چلو......" یہ ساتھی فقیر تھا جو روئے جا رہا تھا اور چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔ "یہ مر جائے گا۔ اسے ہسپتال لے چلو...... تمہیں خدا کا واسطہ!"



شمع کو گم صم دیکھ کر موسیٰ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ماں کا ہاتھ تھام کر ان کی طرف دیکھا اور پیار سے بولا۔

"ماں جی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ شمع بی بی کا ہاتھ ہلا رہا تھا۔ وہ موسیٰ کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔

"موسیٰ! کاش کہ شرجیل بھی تم جیسا ہوتا۔" شمع بی بی کی آواز میں دکھ کا عنصر نمایاں تھا۔ موسیٰ ہلکے سے انداز میں مسکرایا۔

"ماں جی! پانچوں انگلیاں برابر ہوتیں تو انسان کے وجود کا نظام شاید اس طرح کام نہ کرتا جیسا کہ انگلیوں کے برابر نہ ہونے پر کر رہا ہے۔" شمع بی بی نے بھی دنیا کی اونچ نیچ دیکھی ہوئی تھی وہ موسیٰ کی بات سمجھتی ہوئی بولیں۔

"لیکن پانچوں انگلیاں ایک ہاتھ کی تو ہوتی ہیں بیٹا!" سوگواری نے ان کے لہجے کو عجیب سا بنا دیا تھا۔ موسیٰ ان کی گود میں سر رکھ کر تخت پوش پر لیٹ گیا تھا۔ وہ پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

"ماں جی! ایک ہاتھ کے ساتھ جڑے رہنا انگلیوں کی مجبوری ہے۔ کیونکہ الگ الگ ہو کر وہ اپنا کام آسانی سے اور اچھی طرح نہیں کر سکتیں۔" وہ دور تک دیکھتی ہوئی بولیں۔

"موسیٰ تو پھر ایک ہی ماں کی اولاد ایک ہی طرح ہو کر ایک ماں کے ساتھ ہی رہنا کیوں نہیں چاہتیں؟" موسیٰ حیران ہو کر اُٹھا اور ان کے ستے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا شرجیل بھائی نے کچھ ایسا کہا کہ وہ آپ سے...... میرا مطلب ہے کہ ہم سے الگ ہونا چاہتے ہیں؟" موسیٰ کے لہجے میں دُکھ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ لیکن شمع بی بی نے نفی میں سر ہلا کر اس کے خیال اور بات کی نفی کی تو وہ کچھ پُرسکون ہوا۔

"تو پھر آپ نے ایسا کیوں کہا ماں جی! مجھے لگا کہ شرجیل بھائی نے آپ سے کچھ کہا ہے۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑتی ہوئی بولیں۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے اور تم فکر نہ کرو۔ شرجیل نے ایسا کچھ نہیں کہا ہے۔ لیکن اس دن ہیرا بدمعاش کا گھر آنا مجھے خوفزدہ کر گیا ہے۔" موسیٰ یہ سن کر چونک گیا۔

"کیا...... ماں جی! ہیرا بدمعاش...... یہاں آیا تھا؟"

"ہاں موسیٰ! شرجیل کی وجہ سے وہ اس گھر کی دہلیز پار کر کے یہاں تک آ گیا ہے۔ اگر اس کو روکا نہ گیا تو وہ اس گھر کے کسی بھی کمرے میں جا سکتا ہے کیونکہ اس کا انداز اور لب و لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے شرجیل سے کچھ پیسے بھی لینے ہیں۔"

"لیکن ماں جی! کون سے پیسے اور شرجیل بھائی سے ہی کیوں؟" موسیٰ کی حیرت فطری اور حقیقی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ہیرا بدمعاش ہے اور اس محلے میں جوئے کا اڈہ بہت ہی دھڑلے سے چلا رہا تھا کیونکہ پولیس اس کی جیب میں

تھی اور وہ کافی بڑے بڑے تعلقات بھی رکھتا تھا۔

''شاید شرجیل نے جوا ہارا ہے اور اس نے ہیرا سے پیسے اُدھار لیے تھے۔'' شمع بی بی کی بھرائی ہوئی آواز نے ان کے ضبط کا بندھن توڑ دیا تھا اور کم ظرف آنسو ان کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہے تو ان کے ساتھ ساتھ برآمدے میں کھڑی مناہل کی دونوں آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے کیونکہ وہ موسیٰ اور شمع کی سب باتیں سن چکی تھی۔ اس نے اپنے لرزتے ہونٹوں کو بمشکل دبا کر اپنی سسکی کو روکا تھا۔

''لیکن ماں جی! ہیرا کا معاملہ تو شرجیل بھائی کو گھر سے باہر ہی دیکھنا چاہیے تھا۔ اور یہ کیا کہ شرجیل بھائی جوا کھیلتے ہیں؟''

موسیٰ کی آواز مناہل کے کانوں تک پہنچی تو وہ اور بھی رونے لگی تھی۔ اس سے ضبط نہ ہو رہا تھا وہ اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔

''موسیٰ! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ شرجیل اس طرح کی حرکتیں کر کے ہم سے الگ کیوں ہونا چاہتا ہے۔ اگر اس کو پولیس پکڑ کر لے جائے یا پھر ہیرا بدمعاش کوئی نقصان پہنچا دے تو میں کیا کروں گی موسیٰ...... کیا کروں گی؟''
شمع بی بی کو پہلی بار آنسوؤں کے ساتھ موسیٰ نے روتے دیکھا تھا۔ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو دلاسہ دیتا ہوا بولا۔

''آپ فکر نہیں کریں۔ میں شرجیل بھائی سے بات کروں گا۔'' شمع بی بی موسیٰ کی بات سن کر خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولیں۔

''نہیں موسیٰ! تم اس سے بات نہ کرنا...... وہ بدتمیزی کرے گا۔ وہ تم سے بڑا ہے بیٹا! میں خود ہی اس سے بات کروں گی۔'' موسیٰ سمجھتا تھا کہ شمع بی بی ان دونوں بھائیوں کے جھگڑنے کے خوف سے خوفزدہ ہیں۔ وہ اُٹھ کر جانے لگیں تو موسیٰ کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولیں۔

''تمہیں پتہ ہے تم چاچا بننے والے ہو۔'' موسیٰ کو پہلے تو سمجھ نہ آئی اور جب وہ سمجھا تو ''ہرے'' کا نعرہ لگاتا ہوا تخت پوش سے اُترا اور شمع بی بی کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر جھومنے لگا تو وہ ہنستی ہوئی کہنے لگیں۔

''ارے کیا کر رہے ہو۔ مجھے گرا نہ دینا۔ موسیٰ......'' شمع بی بی بھی مسکرا رہی تھیں۔ موسیٰ نے ان کو آہستہ سے زمین پر اُتارا اور بولا۔

''چاچا! یعنی کہ موسیٰ صاحب اب چاچا بنیں گے۔ آپ دیکھنا ماں جی! میں اس کو کندھوں پر اُٹھا کر پارک میں لے جایا کروں گا۔ وہ میرے ساتھ لاڈیاں کیا کرے گا۔ اور پھر وہ میری گود میں پیشاب بھی کیا کرے گا۔''

موسیٰ تو دیوانوں کی طرح خوش ہو رہا تھا۔

''میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔'' وہ کچن کی جانب جانے لگیں تو ان کو یاد آ گیا کہ سالار بھی ان کے ہاتھ کی چائے پی کر خوش ہوتا تھا۔ ''سالار نہیں آیا آج؟'' شمع بی بی کی بات سن کر موسیٰ کو بات سنبھالنا تھی وہ بے دھیانی میں بولا۔

''ماں جی وہ سو رہا ہوگا...... ہڈ حرام ہے...... پورا......'' موسیٰ کو یاد آیا کہ بجن نے شمع بی بی کو چاندنی کے گھر والوں سے بات کرنے کا کہا تھا۔ وہ شمع بی بی کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔

''ماں جی! آپ نے چاندنی کے گھر والوں سے سالار کی بات کی یا ابھی نہیں۔''

شمع بی بی مسکرانے لگیں۔ ''میں نے گرو اور نیناں سے بات کر لی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ چاندنی سے پوچھ کر مجھے بتا دیں گے۔''

''ویسے ماں جی! آپ کا کیا خیال ہے کہ چاندنی کے گھر والے مان جائیں گے کیا؟'' موسیٰ کی بات سن کر شمع بی بی بھی ایک بار تو ٹھٹک گئی تھیں لیکن پھر حوصلے سے بولیں۔ ''مجھے امید ہے کہ چاندنی سالار کی دلہن ہی بنے گی۔''

''اتنے پختہ یقین کی وجہ؟'' موسیٰ شرارت سے بولا تو شمع بی بی نے اس کے کان کو پکڑ کر کھینچا اور بولیں۔

''اگر تم میری بیٹی ہوتی تو میں تمہاری شادی بھی سالار سے کرا دیتی۔'' موسیٰ قہقہہ لگا کر ہنسا تو شمع بی بی اس کا کان چھوڑتی ہوئی کچن میں گھس گئیں۔ موسیٰ ان کی بات سمجھتا ہوا بولا۔

''ویسے ماں جی! سالار ہے ہی اتنا اچھا کہ کوئی بھی اس سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے میں فخر محسوس کرے گا۔''

شمع بی بی بھی ہنستے ہوئے اس کے لیے چائے بنانے لگی تھیں اور موسیٰ سوچ رہا تھا کہ اگر ہیجڑوں کو پتہ چل جائے کہ سالار ملز آنر کا بیٹا ہے تو وہ ایک پل بھی نہ سوچیں اور سالار کے لیے چاندنی کی ہاں کر دیں اور ابھی سالار کی طرف سے اس کو اجازت نہ تھی کہ وہ اس کا اصلی چہرہ ظاہر کرتا۔



عبید رضا کو نئی مصیبت نے ہی گھیر لیا تھا وہ اپنے دوست کے گھر سے واپس آ رہا تھا کہ تیز بارش نے ہر طرف پانی ہی پانی کر دیا تھا۔ اب اس نے سڑک کے بیچوں بیچ اچانک آ جانے والے اندھے بادشاہ کو نہ دیکھا تھا۔ وہ اس کی تیز رفتار کار سے ٹکرا کر کئی فٹ دور جا گرا تھا۔ اور پہلی نظر میں تو اس کو یہی لگا تھا کہ وہ فقیر مر گیا ہے لیکن ساتھی کے شور مچانے پر اس کو کچھ حوصلہ ہوا کہ وہ فقیر زندہ ہے۔ اس کو فوری امداد کی ضرورت ہے۔ عبید رضا کی ساری حسیں کام کرنے لگی تھیں۔ اس نے جلدی سے گاڑی سے نکل کر لوگوں کو پرے پرے ہٹایا اور بادشاہ کو دونوں بازوؤں پر اُٹھاتا ہوا گاڑی میں ڈال کر ہسپتال کی جانب جانے لگا تو لوگوں نے ساتھی کو بھی زبردستی اس کی گاڑی میں بٹھا دیا کیونکہ سبھی جانتے تھے کہ یہ دونوں فقیر ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔

ہسپتال میں ڈاکٹر نے نے پہلے تو اس ایکسیڈنٹ کیس کو لینے سے انکار کیا تو عبید رضا نے اپنا نام اور تعلقات کی بنا پر ڈاکٹرز نے اس کے دستخط کروا لیے کہ اگر پولیس نے ان کو ہسپتال کے عملہ کو تنگ کیا تو عبید رضا ذمہ دار ہوگا۔

بادشاہ کو آپریشن تھیٹر میں لے گئے تھے۔ عبید رضا برآمدے میں ٹہلنے لگا تھا جبکہ ساتھی ہسپتال کے فرش پر ہی بیٹھ کر رونے لگا تھا۔ عبید رضا کو یک دم خیال آیا کہ وہ ساتھی سے بادشاہ کے متعلق کچھ معلومات لے۔ وہ اس کو کندھے سے پکڑ کر پلاسٹک کی کرسی پر بٹھاتا ہوا پوچھنے لگا۔

''یہ آپ کا بھائی ہے کیا؟'' ساتھی نے روتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور آہستگی سے بولا۔

''یہ فقیر ہے صاحب! اور میں بھی فقیر ہوں۔ پھر میرا بھائی ہی ہوا نا؟'' عبید رضا کو ہمیشہ ایسے لوگوں سے خوف ہی آیا کرتا تھا جو پڑھے لکھے تو نہ ہوتے تھے لیکن جب گفتگو کرتے تھے تو بڑے بڑے دانشور اور مفکر بھی ان کے سامنے پانی بھرتے ہوئے نظر آنے لگتے تھے۔

''آپ یہ پیسے رکھ لیں اور یہ میرا نمبر ہے۔'' عبید رضا نے اپنے پرس سے ہزار ہزار کے کئی نوٹ ساتھی کو زبردستی تھماتے ہوئے کہا اور ایک کارڈ پر اپنا نام اور نمبر بھی لکھ کر دیا۔

''اگر کوئی بھی مسئلہ ہو تو مجھے کال کر دینا۔'' وہ جانے لگا تو ساتھی آہستگی سے بولا۔

''اگر بادشاہ مر گیا صاحب......تو......؟'' اس کی آواز نے عبید رضا کے قدم جکڑ لیے تھے وہ واپس مڑتا ہوا ساتھی کے پاس آیا اور ایک لمبا سانس ہسپتال کے برآمدے میں چھوڑتا ہوا بولا۔

''اللہ سے ہمیشہ اچھے کی امید رکھنی چاہیے۔ انہیں کچھ نہیں ہوگا......آپ فکر نہیں کریں۔''

عبید رضا کے کپڑے بھی پانی سے شرابور ہو چکے تھے اور اس کو ہلکی ہلکی سردی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جلدی سے گھر پہنچنا چاہتا تھا لیکن اس کو دیر ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتا ہوا ڈاکٹر سے پوچھنے لگا۔

''اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟'' ساتھی بھی کانپتا ہوا آگے بڑھا تو ڈاکٹر نے پُرسکون انداز میں جواب دیا۔

''ان کے دماغ پر چوٹ لگی ہے اور وہ بیہوش ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایسے ایکسیڈنٹ میں مریض کی بینائی چلی جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر نے ایک پرچی عبید رضا کی طرف بڑھائی اور بولا۔ ''آپ یہ دوائیں لے آئیں۔ اور دعا کریں کہ ان کی بینائی نہ ختم ہو گئی ہو۔''

عبید رضا خاصا گھبرا گیا تھا وہ پرچی لے کر باہر کی جانب بھاگا تو ساتھی نے ڈاکٹر کو روک لیا اور عاجزی سے بولا۔ ''بادشاہ تو پہلے سے ہی اندھا ہے ڈاکٹر صاحب!''

یہ فقرہ سن کر ڈاکٹر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا؟''

''جی ڈاکٹر صاحب!'' ساتھی نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ایک ایسے ہی ایکسیڈنٹ میں بیس سال قبل اس کی بینائی چلی گئی تھی۔ وہ تب سے دیکھ نہیں سکتا۔''

ڈاکٹر نے حیرت سے ساتھی کی طرف دیکھا اور واپس آپریشن تھیٹر میں گھس گیا۔

عبید رضا دوائیاں لے آیا تھا اس کو بار بار گھر سے کالز آ رہی تھیں اور وہ جان چھڑانا چاہتا تھا۔ اس نے ساتھی کو دوائیاں اور پرچی پکڑائی اور بولا۔ ''تم کسی بھی قسم کی فکر نہ کرنا۔ میں ادھر ہی ہوں۔ ابھی آ جاتا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر لو دو گیارہ ہونے کے لیے تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا ہسپتال سے باہر نکل گیا۔

ساتھی دوائیاں لے کر آپریشن تھیٹر کے باہر بیٹھا ہوا تھا بادشاہ کی زندگی اور سلامتی کے لیے دعائیں مانگ رہا تھا۔ آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا تو وہی ڈاکٹر باہر نکلا اور اس کے پیچھے ہی بادشاہ کو ایک سٹریچر پر لٹا کر باہر لایا گیا۔ اس کا تمام چہرہ اور سر سفید پٹیوں سے لپیٹا گیا تھا اور وہ بیہوش تھا۔

''ہم اس کو وارڈ میں شفٹ کر رہے ہیں۔ آپ اس کے علاج اور ہسپتال کے اخراجات کا انتظام کر لیں۔''

ڈاکٹر نے ایک نرس کو اشارہ کیا کہ وہ ساتھی کو سمجھا دے کہ اس کو کیا کیا کرنا ہے۔ نرس، ساتھی کو سمجھانے لگی جبکہ بادشاہ کو ایک مردانہ وارڈ میں ایک بیڈ پر شفٹ کر دیا گیا تھا۔

ساتھی نے تقریباً آدھے گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد بادشاہ کو ''ایڈمٹ'' کروا دیا تھا۔ اس نے نرس سے پوچھا کہ بادشاہ کو کب تک ہوش آ جائے گا تو جواب ملا کہ ابھی چار سے پانچ گھنٹے لگ جائیں گے۔ ساتھی نے دوائیاں اور چارٹ بادشاہ کے بیڈ کے سرہانے کے پاس بنی ہوئی چھوٹی سی الماری پر رکھیں اور خود وارڈ سے باہر نکل آیا۔

وہ ایک بار گھر جا کر دروازے کو تالا لگانا چاہتا تھا اور بادشاہ کے لیے کمبل اور تکیہ بھی ضروری تھا کیونکہ سردی بڑھ رہی تھی۔ وہ رکشہ میں بیٹھ کر گھر پہنچا تھا۔ ان کے گھر کا دروازہ کسی نے باہر سے لگا دیا تھا۔ ساتھی کو ڈر تھا کہ ان کی جمع پونجی ہی چوری نہ ہو جائے۔ لیکن جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کو ہر چیز اپنی جگہ پر ہی پڑی ہوئی مل گئی تھی۔ اس نے بادشاہ کے پیسے ایک روشندان میں رکھے ہوئے تھے۔ وہاں پر تمام رقم جوں کی توں موجود تھی۔ اس کو سکون ہوا تھا۔

اس نے وہ پیسے بھی گنے جو عبید رضا نے اس کو ہسپتال میں دیئے تھے وہ اکیس ہزار روپے تھے۔ اس نے بادشاہ کی رقم میں پندرہ ہزار روپے رکھ کر باقی چھ ہزار روپے اپنے خشک کپڑوں میں رکھ لیے جو اس نے پہن کر ہسپتال جانا تھا۔

اب ویسے بھی بارش تھم گئی تھی اور دن کے دو بجنے والے تھے۔ اس نے اپنے کپڑے بدلے اور ایک کمبل اور تکیہ لے کر دوبارہ ہسپتال جانے کے لیے گھر سے نکلا تو باہر والے دروازے کو تالا لگانا نہ بھولا تھا۔ اس نے بادشاہ کے لیے کچھ فروٹ خریدا اور رکشہ میں بیٹھ کر ہسپتال جا پہنچا تھا اور بادشاہ ہنوز بیہوشی کی حالت میں بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔



شرجیل آج کتنے ہی دنوں بعد ہیرا جواری کی بیٹھک میں پہنچا تھا۔ ہیرا نے اس کی طرف اچٹتی نظر ڈالی اور پھر گیم میں مگن تمام جواریوں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''شرجیل باؤ! باہر آ جا...... باہر چل کر بات کرتے ہیں۔'' شرجیل بھی اس کے روکھے انداز کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ وہ خاموشی سے ہیرا پہلوان کے ساتھ بیٹھک سے باہر نکل گیا تھا۔ اب وہ دونوں گھر کے باہر ایک بینچ پر بیٹھ گئے تھے۔

ہیرا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''دیکھ بھئی باؤ شرجیل! ہمارے دھندے کے کچھ اصول ہوتے ہیں اور جو ان اصولوں کو توڑتا ہے نا......'' ہیرا یہ کہہ کر اپنی مونچھوں کو تاؤ دینے لگا اور جان بوجھ کر کچھ توقف کے بعد بولا۔

''تُو تو جانتا ہی ہے کہ ہیرا یاروں کا یار ہے یار......''

شرجیل نے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا اور ذرا غصے سے بولا۔ ''ہیرا پہلوان! میرا بھی ایک اصول ہے۔ دھندے کا تمام حساب کتاب دھندے پر ہی صاف کرتا ہوں۔'' ہیرا کو شاید اس کی بات سمجھ نہ آ سکی تھی۔ وہ حیرت و استعجاب میں شرجیل کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''تو پھر کر......حساب کتاب......صاف......''

''لیکن تم نے میرے گھر آ کر جو بدتمیزی کی ہے نا...... وہ مجھے کھڑک رہی ہے پلوان......'' شرجیل نے دل کی بات زبان سے ادا کی تو ہیرا پہلوان ہنستا ہوا ایک بار پھر اس کے کندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

''شرجیل باؤ! لگتا ہے تُو غصہ کر گیا ہے۔ وہ تو میں بھرجائی کو سلامی دینے گیا تھا یار!'' شرجیل کی بھنویں تن گئی تھیں وہ ہیرا کو گھورتا ہوا خاموش ہو گیا تھا۔

''غصہ نہ کر یار! تجھے تو پتہ ہی ہے کہ ہم دھندہ تو غلط کرتے ہیں پر ہماری نگاہ غلط نہیں ہوتی۔''

''کتنے پیسے ہیں تیرے...... نکال کھاتہ......'' شرجیل نے کہا تو ہیرا نے ککو تیلی کو آواز دی تو وہ اندر سے ایک کاپی لے کر آ گیا جس پر سب جواریوں کے حساب کتاب لکھے ہوئے تھے۔ اس نے کاپی ہیرا کو دی اور اس کے پیچھے کھڑا ہو کر ہیرا کے کندھے دبانے لگا۔ ہیرا نے کاپی کھول کر اس کے ورق پلٹ کر شرجیل کا نام نکالا اور اس کو دیکھتا ہوا بولا۔

''ڈیڑھ لکھ روپیہ ہے شرجیل باؤ!'' شرجیل اتنی بڑی رقم سن کر گھبرانے کی بجائے ہنستا ہوا بولا۔ ''بس...... میں سمجھا کوئی دو تین کروڑ ہو گیا ہے۔'' ہیرا اس کی بے نیازی پر حیران تھا۔

''شرجیل بولا۔ ''پلوان جی! یہ کھوہ ہے کھوہ اور کھوہ دی مٹی کھوہ نوں ای لگدی اے۔''

''میں سمجھا نئیں باؤ!'' ہیرا پہلوان اس کو اپنی ڈھب پر لا رہا تھا جبکہ شرجیل اس کو اپنی بچھائی ہوئی پٹڑی پر ریلوے کے اس انجن کی طرح چلانا چاہتا تھا جو اکیلا ہی رہ جاتا ہے اور پھر ایک دن چلتا چلتا تھک کر ایک بند پٹڑی پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

''تین لکھ روپیہ ادھار دے۔ ابھی کھاتہ صاف کر دوں گا تیرا۔'' شرجیل نے کہا تو ہیرا کے دماغ کی رگ پھڑکنے لگی۔ وہ غصے سے تلملاتا ہوا اُٹھا تو شرجیل بھی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہوا بولا۔

''تیری بھابی کا زیور تجھے لا دوں گا۔ اگر ہار گیا تو......'' شرجیل کی آنکھوں سے کمینگی صاف جھلک رہی تھی اور ہیرا ایسی کمینگی کو اچھی طرح جاننے کا ماہر تھا۔

وہ مسکرایا اور پھر قہقہہ لگا کر بولا۔ ''بڑا ہی کمینہ ہے باؤ تُو تو......'' اور پھر اس کے قہقہے میں شرجیل کا قہقہہ بھی شامل ہو گیا تھا۔



کھانے کی میز پر وہاب میر کی تمام فیملی موجود تھی اور ایک فرد کا اضافہ ہو گیا تھا اور وہ فرد زبردستی کا مہمان بن کر آ گیا تھا لیکن وہ حقیقت میں اس گھر اور جائیداد کا وارث تھا اور وہ بجن مزدور سے سالار ملز آنر بن جانا چاہتا تھا اس کی کوشش اور لگن کیا رنگ لانے والی تھی یہ حالات پر منحصر تھا۔

ستارہ نے ایک اچٹتی سی نگاہ سالار پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کو کیسا لگا ہمارے گھر میں آ کر۔'' اس کا اس طرح سالار سے پوچھنا سالار کو بہت اچھا لگا تھا لیکن حنا بیگم کو زہر بھرا نشتر لگا تھا۔ وہ سالار کو پسند ہی نہ کرتی تھی اس کی کوشش تھی کہ جتنی بھی جلدی ممکن ہو وہ یہاں سے چلا جائے۔

''بالکل اپنے گھر جیسا ہی لگا۔'' سالار نے کہا تو وہاب میر کے چہرے کی رنگت زرد ہو گئی۔

''بلکہ ایسا لگا کہ میں کافی سالوں بعد آپ کے گھر نہیں اپنے ہی گھر لوٹ آیا ہوں۔'' سالار کو ایسی باتیں نہیں کرنا چاہیے تھیں کیونکہ حنا بیگم اور وہاب میر کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا کہ اس کا پہلا بیٹا اس گھر میں کبھی بھی نہیں آئے گا اور وہاب میر اپنے اس وعدہ پر قائم تھے لیکن اب سالار کی گفتگو بتا رہی تھی کہ وہ اس کا پول کھولنے پر تلا ہوا ہے۔

''ویسے سالار بھائی! آپ دوبئی میں کیا کرتے تھے۔'' عبید رضا نے پہلی ہی بار اس کو بھائی کہا تو وہ ہولے سے مسکرا کر وہاب میر کی طرف دیکھنے لگا تو عبید رضا دوبارہ بولا۔

''میرا مطلب ہے کہ بزنس کیا ہے جس کو آپ پاکستان میں بھی پھیلانا چاہتے ہیں۔''

یہ سوال کا جواب دینا سالار کے لیے کوئی مشکل نہ تھا کیونکہ وہ ایسے ہی کڑوے سوالوں کی تیاری کر کے ہی آیا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ''تم تو جانتے ہو کہ آج کا دور جدید دور ہے اور جدید دور میں کام بھی جدید ہی ہونا چاہیے۔ میرا وہاں پر گاڑیوں کا بہت بڑا شوروم ہے۔''

یہ سن کر وہاب میر کے ہاتھوں سے چمچہ گر گیا تھا کیونکہ سالار نے لمبی نہیں چھوڑی تھی بلکہ بہت ہی لمبی چھوڑ دی تھی۔ ''میں جاپان سے گاڑیاں امپورٹ کرتا ہوں اور اب میرا مقصد ہے کہ میں پاکستان میں بھی ایک ویسا ہی شوروم بناؤں...... کیا خیال ہے انکل؟'' اس نے آخری فقرہ کے آخری الفاظ وہاب میر کی طرف دیکھ کر ادا کیے تو وہ کھسیانے سے ہو کر بولے۔

''ہاں بھئی...... ہاں کیوں نہیں کام کو بڑھانا چاہیے۔'' وہ اتنا ہی کہہ پائے تھے۔

کھانا بھی باتوں کے ساتھ ساتھ ہی تناول کیا جا رہا تھا لیکن حنا بیگم نہ جانے کب سے ایک سوال ذہن میں لیے

بیٹھی ہوئی تھیں ان سے بھی رہا نہ گیا تو وہ بھی سالار کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔ ''اور تمہارے پیرنٹس کیا کرتے ہیں؟'' اس سوال نے وہاب میر اور سالار کو بھی چونکا دیا تھا۔ اب اصل میں سالار کی ذہانت کا امتحان ہونے والا تھا۔

وہ مسکراتا ہوا کربناک آواز میں بولا۔ ''امی تو اللہ کو پیاری ہوگئی ہیں اور ابو میرے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔'' بہت بڑی بات کہی تھی جو وہاب میر کی عزت رکھ گئی تھی کیونکہ انہوں نے سالار کو اپنے دوست کا بیٹا کہہ کر متعارف کروایا تھا۔ اگر سالار کوئی اور جواب دیتا تو شاید بات بگڑ بھی سکتی تھی۔

''ہوں......'' حنا بیگم نے ایک لمبی سی ''ہوں'' کی اور دوبارہ کھانا کھانے میں مصروف ہوگئیں۔

''اگر بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کا بوتیک کیسا چل رہا ہے؟'' اس بار سالار نے ستارہ سے سوال کیا تھا۔ کیونکہ پہلی ہی تعارفی ملاقات میں وہاب میر نے بتایا تھا کہ ستارہ شہر میں ایک بوتیک چلا رہی ہے۔

''زبردست...... ایکچوئیلی کام تو مما نے سٹارٹ کیا تھا۔ مجھے تو پلیٹ میں رکھا ہوا حلوہ ملا ہے۔'' اس کی بات پر سبھی ہنسنے لگے تھے۔ حنا بیگم کے ہونٹوں پر بھی مسکان پھیل گئی تھی کیونکہ ان کی تعریف جو کی گئی تھی۔

''گڈ! میں اگر آپ کے بوتیک میں آنا چاہوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔'' سالار نے بے تکلفی کا پہلا پتھر ٹھہرے ہوئے پانی میں پھینکا تھا جو حنا بیگم کی طبیعت پر ناگوار گزرتا ہوا ستارہ کی طرف بڑھا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''ضرور آیئے مجھے بھلا کیوں برا لگے گا۔'' سالار نے اس حوصلہ افزائی پر ''تھینک یو'' کہا اور کھانا کھانے میں مصروف ہوگیا۔ اس نے سب سے پرانے ملازم راجہ کو بھی دیکھ لیا تھا جو ہاتھ باندھے ایک طرف ہو کر کھڑا تھا اور وہ بار بار سالار کی طرف دیکھ رہا تھا اور سالار ذہن پر زور دیتا ہوا اس کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ وہ تقریباً چھ سال کا تھا جب اس کو اس گھر سے نکال کر ہاسٹل میں داخل کرا دیا گیا تھا اور پھر وہ جب کچھ بڑا ہوا تو اس کو ایک الگ گھر لے کر اس میں ہی رہنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ اس نے چھ سال کی عمر میں ہی راجہ کو دیکھا تھا اور حنا بیگم نے بھی اس کی صورت تبھی دیکھی تھی جب اس کو چھ سال کی عمر میں ہی ہاسٹل بھیج دیا گیا تھا۔

اس نے کھانا کھا کر نیپکن سے ہاتھ صاف کیے اور اخلاقی تقاضوں کو پورا کرنے کی خاطر وہ کرسی پر بیٹھا رہا تاکہ باقی لوگ بھی کھانا کھا کر اُٹھ جائیں تو وہ ان کے ساتھ ہی اُٹھے گا۔

وہاب میر دیکھ رہے تھے کہ سالار کافی سلجھا ہوا ہے اور اس کی باتیں ایسی تھیں کہ وہ بہت پڑھا لکھا ہے لیکن یہ بات خود وہ بھی جانتے تھے کہ سالار صرف ایف اے پاس ہے اور پھر اس نے آگے پڑھنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ ان سے خرچہ بھی مسلسل لیتا رہا تھا لیکن وہ کب آ کر ان کی ملز میں مزدور بھرتی ہوا تھا اس بات سے وہ بے خبر ہی رہے تھے۔

وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا اس نے اپنی ماں کی تصویر سینے پر رکھی اور کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگا۔ اس نے تصویر کو اپنی آنکھوں کے سامنے کیا اور بولا۔ ''اب میں اپنے گھر میں آ گیا ہوں امی! آپ فکر نہیں کرنا۔ آپ کی محرومیوں اور بے بسی کا انتقام ضرور لوں گا اور اس گھر کی ہر ایک چیز پر میرا حق ہے۔ یہ بھی ثابت کروں گا۔''

اس نے تصویر پر ایک بوسہ دیا اور تصویر کو الٹا کر رکھ دیا۔ دروازے پر دستک سن کر اس نے کہا۔ ''آ جاؤ'' دروازہ

کھلا تو راجہ چائے لے کر آیا تھا۔

اس نے چائے کا مگ ٹیبل پر رکھا اور جانے لگا تو سالار نے اس کو پکارا۔ ''راجہ!'' وہ نووارد مہمان کے منہ سے اپنا نام سن کر حیران رہ گیا لیکن وہ ''جی صاحب'' کہتا ہوا اس کی جانب متوجہ ہوگیا سالار کھڑکی سے ہٹ کر اس کے پاس آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے تمہارا نام اکبر نے بتایا ہے۔'' راجہ کی پریشانی ختم ہوگئی تھی کیونکہ اس کی چھٹی تھی تو ظاہر ہے اکبر ہی سالار کے کمرے میں آیا ہوگا۔

''کب سے ہو اس گھر میں؟'' سالار نے سوال کیا تو وہ بڑی عاجزی سے بولا۔

''گزشتہ تیس سالوں سے اس گھر کا نمک کھا رہا ہوں صاحب!'' سالار سمجھ گیا کہ وہ شریف اور ایماندار آدمی ہے۔''

''سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں صرف راجہ کہوں یا چاچا راجہ کہوں۔'' سالار نے چائے کا مگ پکڑ کر ہونٹوں سے لگایا اور مزیدار چائے کا گھونٹ بھر کر راجہ کی طرف دیکھا جو کہہ رہا تھا۔

''صاحب! رشتے تو امیروں کے امیروں سے ہوتے ہیں۔ آپ مجھے چاچا کہہ لیں یا صرف راجہ ہی کہہ لیں۔ میں ہوں تو اس گھر کا ملازم ہی۔'' راجہ کی بات بہت اچھی تھی سالار نے خوش ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

''چاچا راجہ! یہ جو تمہارا صاحب ہے۔ اس نے کتنی شادیاں کی ہوئی ہیں۔'' یہ انوکھا اور عجیب سوال سن کر راجہ بھی حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ ''میں سمجھا نہیں صاحب!''

''اس میں نہ سمجھنے والی کیا بات ہے چاچا راجہ!'' سالار اس کی طرف دیکھتا ہوا ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

''یہ جو حنا بیگم ہیں۔ تمہارے صاحب کی دوسری بیوی ہیں۔ یہ بات انہوں نے مجھے خود بتائی ہے۔'' سالار اس کو لائن پر لا رہا تھا۔

''میں تمہارے صاحب کے دوست کا بیٹا ہوں سالار احمد میرا نام ہے اور میں دوبئی سے آیا ہوں۔ یہ میرا چھوٹا سا تعارف ہے۔''

سالار نے کہا تو راجہ بولا۔ ''جی صاحب...... وہاب صاحب نے دو شادیاں کی ہیں جی۔''

''راجہ چاچا! کیا آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ جو حنا بیگم ہیں ان کی بیک گراؤنڈ کیا ہے؟'' یہ بہت ہی انوکھا سوال تھا اور راجہ جیسے ملازم کی سمجھ اور سوجھ بوجھ سے خاصا دور بھی تھا لیکن وہ گزشتہ تیس برسوں سے اس گھر میں ملازم تھا اس نے اس گھر کی ہر اونچ نیچ دیکھی تھی عروج ہی عروج دیکھا تھا۔

''لیکن صاحب! بُرا نہ منائیں تو ایک بات کہوں؟'' راجہ عاجزی سے بولا تو سالار چائے کا گھونٹ بھرتا ہوا خوشگوار موڈ میں بولا۔ ''راجہ چاچا! آپ جس طرح اپنے بیٹے سے بات کرتے ہیں مجھ سے بھی بالکل اسی طرح کر سکتے ہیں۔''

''آپ کو کیا لینا دینا صاحب!'' راجہ سالار کی طرف سے حوصلہ پا کر بولا۔ ''حنا بیگم ایک مل آنر کی بیٹی ہیں۔ ان کے والدین کا انتقال ہوگیا ہے اور یہ ملز ان کے والد کی ہی تھی جو آج کل وہاب میر صاحب چلا رہے ہیں۔''

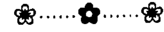
راجہ نے موٹے موٹے الفاظ میں بتا بھی دیا تھا لیکن اب سالار کو جو بات چاہیے تھی وہ ابھی تک نہ مل سکی تھی۔
وہ ایک بہت زہریلا تیر اندھیرے میں چھوڑتا ہوا بولا۔ ''مجھے تو پتہ چلا ہے کہ جس طرح وہاب صاحب کی یہ دوسری شادی ہے اسی طرح یہ حنا بیگم کی بھی دوسری شادی ہے؟''

سالار نے تیکھی نظروں سے راجہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اندھیرے کا تیر نشانے پر نہ سہی لیکن ہدف کے قریب ضرور لگا ہے۔ ''یہ تو مجھے معلوم نہیں ہے صاحب!''

راجہ یہ کہتا ہوا فوراً کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

سالار کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ ہنستا ہوا خود ہی بڑبڑایا۔ ''مما حنا بیگم! اب آپ دیکھیے کہ سالار احمد کیا گیم کھیلتا ہے......اور آپ کا کچا چٹھہ کس طرح کھول کر رکھتا ہے۔''

اس نے چائے پیتے ہوئے دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ حنا بیگم لان میں ٹہل رہی تھیں اور گھاس پر پڑے ہوئے کرسیوں کے درمیان میز پر رکھی ہوئی چائے کے مگ سے اُٹھتا ہوا دھواں سالار احمد کو اپنے دل سے اُٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔



بادشاہ نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کو ہسپتال کا وارڈ نظر آنے لگا تھا۔ وہ قدرت کے انعام پر حیران تھا۔ ڈاکٹرز اس کے سرہانے اور پاؤں کی طرف کھڑے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو ہوش آنے پر آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنے کا کہا تھا۔ بادشاہ کے دماغ کی چوٹ اس کو اس کی کھوئی ہوئی بینائی لوٹا گئی تھی۔ وہ روتی ہوئی آنکھوں سے باری باری ڈاکٹرز کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں نے ایک مفلوک الحال کو بھی دیکھا جو اس کی طرف روتی ہوئی آنکھوں اور لرزتے ہونٹوں سے دیکھ رہا تھا۔

''ساتھی!'' بادشاہ نے دھیرے سے پکارا تو ساتھی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور بولا۔ ''ہاں بادشاہ! میں ہوں۔ تم مجھے دیکھ سکتے ہو کیا؟'' بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے گالوں پر لکیریں بنانے لگے تھے۔

''ہاں! میں تم سب کو دیکھ سکتا ہوں ساتھی......ڈاکٹر صاحب! میں دیکھ سکتا ہوں۔''

بادشاہ نے جوش میں آ کر اُٹھنا چاہا تو ڈاکٹر نے اس کو منع کر دیا۔ ''آپ آرام کریں اور ذہن پر زیادہ زور نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنا خاص کرم کیا ہے۔''

ڈاکٹر اس کو بتا رہا تھا کہ ''ایسے کیسوں میں مریض کی بینائی جانے کے چانسز بہت زیادہ ہوتے ہیں لیکن ہمیں جب آپ کے ساتھی نے بتایا کہ ایسا تو ایک بار آپ کے ساتھ بیس سال قبل ہو چکا ہے۔ پھر ہم نے بہت کوشش کے بعد آپ کا آپریشن کیا تو ہمیں امید نظر آئی کہ آپ کی کھوئی ہوئی بینائی واپس آ سکتی ہے۔ بس ہماری کوشش تھی اور اللہ کی کرم نوازی ہو گئی۔'' ڈاکٹر نے تمام تفصیل بادشاہ کو بتائی اور اس کو آرام کرنے کا مشورہ دے کر وہاں سے باقی ڈاکٹرز کے پاس پکڑے ہوئے چارٹس کے مطابق دوسرے مریضوں کو دیکھنے لگا۔

''بادشاہ! مبارک ہو تجھے۔ اللہ نے نئی زندگی بھی دی اور تمہاری آنکھوں کی روشنی بھی لوٹا دی ہے۔'' ساتھی نے

اس کا ہاتھ پکڑ کر سہلاتے ہوئے کہا تھا۔ ساتھی ایک بوڑھا شخص تھا جو کہ فقیر تھا اور فقیروں جیسی ہی زندگی گزارنے میں راحت محسوس کر رہا تھا۔ بادشاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چومتے ہوئے کہا۔

''ساتھی! تم نے واقعی ثابت کر دیا ہے کہ تم نام کے ہی نہیں بلکہ ساتھ نبھانے والے وہ ساتھی ہو جو قبر کی دیواروں تک بھی دوستوں کا ساتھ نبھاتے ہیں۔'' بادشاہ رونے لگا تھا۔

''یار ساتھی! میں تمہارا یہ پیار اور احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔'' بادشاہ نے ساتھی کو بھی رُلا دیا تھا۔

''اوئے بادشاہ! بادشاہ بن یار! اور بادشاہ کبھی رویا نہیں کرتے۔ پاگل ہو گیا ہے تُو اب تو تم اس رنگین دنیا کو دیکھ سکتے ہو اور اس کے ہر رنگ سے لطف اندوز بھی ہو سکتے ہو۔ اللہ کا خاص کرم ہے یہ تم پر۔''

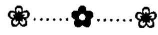
ساتھی کی حوصلہ افزا باتوں نے بادشاہ کو بہت سہارا اور دلاسہ دیا تھا۔ وہ آہستگی سے بولا۔

''وہ بڑا بے نیاز ہے ساتھی! میں نے اس کو اس کے رحمٰن و رحیم ہونے کے واسطے دیئے تھے۔ پر دیکھو وہ نہیں مانا لیکن جب میں نے اس کو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیا تو پھر کس طرح اس کی رحمت جوش میں آ گئی۔'' ساتھی بھی اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''بادشاہ! یہ عشق کے معاملے ہیں تُو اور میں ان معاملات کو نہیں سمجھ سکتے یار۔''

بادشاہ نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا تو درد کی ایک تیز لہر اس کے پورے بدن کو جھنجھوڑ کر رکھ گئی۔ ''تم آرام کرو بلکہ سو جاؤ۔'' ساتھی نے کہا تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''بیس سال تک تو سویا ہی رہا ہوں ساتھی! ابھی تو جاگا ہوں۔'' دونوں دوست ہی مسکرانے لگے۔



عبید رضا کافی ماہ بعد ملز آیا تھا وہ وہاب میر کے آفس میں ان کے سامنے بیٹھا چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور وہاب میر کو بھی اندازہ تھا کہ وہ بہت ہی ضروری کام کے سلسلہ میں اس کے آفس تک آتا ہے ورنہ اس کو کاروبار سے کوئی دلچسپی نہ ہے۔ وہ چائے ختم ہونے کا انتظار کر رہے تھے اور عبید رضا کے ذہن میں بہت سے سوالات اور ان سوالات کے پس منظر میں پیدا ہونے والے خدشات اُبھرتے اور مٹتے جا رہے تھے۔

وہ ابھی ستارہ سے چھوٹا تھا اور ستارہ کی شادی کے بعد ہی اس کی شادی کی باری تھی لیکن وہ اس دوران چاندنی کو چھوڑنا گوارہ نہ کر سکتا تھا کیونکہ اب تو چاندنی کے بغیر اس کی زندگی بھی ادھورے پن کا شکار رہتی اور وہ سمجھتا تھا کہ اگر وہاب میر نہ مانے تو وہ چاندنی کو اس کے گھر سے بھگا کر لے جائے گا اور کورٹ میرج کر کے وہاب میر سے بغاوت کر دے گا۔

لیکن اس کی پلاننگ بھی کامیاب ہوتی ہوئی نظر نہ آ رہی تھی کیونکہ چاندنی نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اس کے گھر والے کبھی بھی نہیں مانیں گے کہ وہ کورٹ میرج کریں۔ اب عبید رضا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ وہاب میر سے براہِ راست ہی بات کرے گا اور اس کو قائل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اگر وہاب میر نہ مانے تو پھر وہ کچھ اور سوچے گا اور وہ کچھ اور کیا ہو گا اس کا فیصلہ ابھی نہ ہوا تھا اس کے ذہن میں ایک طوفان برپا تھا اور وہ طوفان کو سنبھال نہ پا رہا تھا۔ چائے ختم ہو گئی تو وہاب میر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''خیریت ہے آج آپ نے اپنا قیمتی وقت ہمیں کیسے نواز دیا؟''

ان کا طنز اور الفاظ عبید رضا بخوبی سمجھتا تھا کیونکہ اس نے کہا ہوا تھا کہ ابھی وہ بزنس نہیں کرے گا صرف پڑھنا چاہتا ہے اور آج خلاف توقع اس کو آفس میں بیٹھا دیکھ کر وہاب میر کا انداز تو بدلنا ہی تھا۔

''پاپا! میں آپ سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں؟'' وہاب میر کو سوجھ گئی کہ وہ اس لڑکی کی بات ہی کرے گا جو اس دن ریسٹورنٹ میں کھانا کھا رہی تھی اور عبید رضا اس پر فریفتہ ہو رہا تھا۔

''فرمایئے۔'' لہجہ ہنوز اجنبی سا تھا۔ عبید رضا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہنے لگا۔

''پاپا میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' یہ سن کر وہاب میر کو تعجب ہوا کیونکہ عبید رضا کا سیدھا ہی شادی کا کہہ دینا اس جانب اشارہ تھا کہ معاملہ خاصا گمبھیر ہے۔

''کس سے؟'' دو حرفی سوال تیر بن کر عبید رضا کی جانب بڑھا تھا۔ وہ دل کو قابو کرتا ہوا بولا ''چاندنی سے۔'' جواب بھی دو حرفی تھا۔

''چاندنی کون؟'' وہاب میر اس کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔

''میری کلاس فیلو ہے۔'' جواب دے کر عبید رضا نے گویا اپنے دل پر سے بہت بڑا بوجھ اُتار دیا تھا۔

''جب کالج چھوڑ دو گے تو پھر یہی کلاس فیلو کسی اور کی بھی کلاس فیلو ہو گی۔ پھر کیا کرو گے؟'' وہاب میر سنجیدہ نہ تھے۔

''ہم اپنی سٹڈی کے دوران ہی شادی کرنا چاہتے ہیں پاپا۔'' عبید رضا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں لیکن وہاب میر اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھے تو وہ بھی اُٹھ گیا۔

''میں نے پوچھا کہ کون ہے وہ؟'' یہی سوال وہ تھا جو عبید رضا کے مستقبل کا فیصلہ کرنے والا تھا۔ وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گیا تھا کہ اب چاندنی کے پیرنٹس کے بارے میں کیا بتائے۔ اگر وہ بتا دے کہ وہ ہیجڑوں کی بیٹی ہے اور اس کو کوئی پھینک گیا تھا تو بھی بات نہ بنتی تھی۔ پھر اس سوال کا جواب کیا بنتا تھا۔ کہ وہاب میر مطمئن ہو سکیں۔ وہ خاموش ہو گیا تو وہاب میر پھر بولے۔

''دولت جب بڑھ جاتی ہے تو خرچ ہونے کے لیے اپنی جگہیں تلاش کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کا سب سے خاص اور پسندیدہ ٹھکانہ یا تو طوائف کا کوٹھا ہوتا ہے۔ یا پھر شراب۔'' وہاب میر کہہ رہے تھے اور عبید رضا کے دل و دماغ پر سانپ لوٹ رہے تھے کیونکہ وہ چاندنی کے متعلق بالکل غلط کہہ رہے تھے۔ وہ پھر بولنے لگے تھے کیونکہ عبید رضا کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنی بات پوری کرنا چاہتے تھے اور اس کو سمجھانا بھی چاہتے تھے۔

''اگر طوائف، شراب اور شباب بھی زیادہ دولت کو لبھا نہ سکیں تو پھر یہ جوئے خانہ کی طرف رخ کر لیتی ہے۔ اور ہم نے سنا ہے کہ جوا کسی کا نہ ہوا اسی طرح دولت اجڑتی اجڑتی اپنے مالک کو بادشاہ سے فقیر بنا دیتی ہے اور فقیروں کی اس معاشرے میں کیا قدر ہے تم بہتر جانتے ہو۔''

''آپ ایک بار اس سے مل تو لیں پاپا۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔'' عبید رضا کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ستارہ کے بعد تمہاری شادی ہو گی اور لڑکی بھی تمہاری مما نے پسند کر لی ہے۔ دیٹس آل۔'' گویا بات ہی ختم

ہو گئی تھی۔

''مما نے لڑکی بھی پسند کر لی ہے۔ مم..... مگر پاپا..... مجھے پتہ بھی نہیں ہے اور آپ لوگوں نے لڑکی بھی پسند کر لی؟'' وہ احتجاج بھی کر رہا تھا اور روہانسا بھی ہو رہا تھا۔

''ہمیں بھی تو پتہ نہیں کہ تم نے ہماری بہو پسند کر لی ہے۔'' ترکی بہ ترکی جواب تھا لیکن عبید رضا کو یہ بات ناپسند تھی۔

''میں چاہوں گا کہ آپ ایک بار چاندنی سے مل لیں۔'' وہ کڑا لہجہ اختیار کرتا ہوا بولا۔

''جس کے والدین کے بارے میں بتاتے ہوئے تم ہچکچا رہے ہو۔ اس لڑکی سے میں کیوں مل لوں اور کیسے مل لوں؟'' وہاب میر کا لہجہ بھی تلخ ہو گیا تھا۔

''وہ میری جان ہے پاپا۔''

''اور تم ہماری جان ہو عبید!'' وہاب میر اس کو زچ کر رہے تھے یا سمجھا رہے تھے اس بات کو وہ سمجھ نہ پایا تھا۔

''پاپا! آپ صرف ایک بار..... پلیز میری درخواست پر میرے ساتھ ان کے گھر چلیں۔ اگر وہ لوگ آپ کو اچھے نہ لگے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جہاں آپ کہیں گے میں وہیں شادی کر لوں گا۔'' اس نے روتے ہوئے وہاب میر کے سامنے ہاتھ باندھ دیئے تو وہ چند لمحے سوچنے کے بعد اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے بولے۔

''اتنا یاد رکھو عبید رضا کہ میں نے یہ مقام بہت ہی محنت اور جان جوکھم سے پایا ہے۔ اگر میرے سٹیٹس اور عزت پر حرف آیا تو میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کروں گا۔'' یہ واشگاف الفاظ میں دھمکی تھی۔ جو وہاب میر نے اپنے بیٹے کو دی تھی۔

''ٹھیک ہے پاپا! آپ میرے ساتھ چاندنی کے گھر چلیں ان لوگوں سے مل لیں۔ بس پھر جو بھی آپ کا فیصلہ ہو گا وہ مجھے بخوشی منظور ہو گا۔'' عبید رضا اس کو اپنی پہلی فتح قرار دے رہا تھا لیکن وہاب میر بولے۔

''تم ان کو اطلاع کر دو کہ ہم ابھی ان کے گھر آ رہے ہیں۔'' عبید رضا نے یقین نہ آنے والے انداز میں وہاب میر کی طرف دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''میں نے کل سے لندن کے ٹور پر جانا ہے۔ پھر پندرہ بیس دن گزر جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ تم اتنا صبر نہیں کر پاؤ گے۔'' وہ ہولے سے مسکرائے تھے۔

عبید رضا مسکراتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا وہ ان کے سامنے چاندنی سے بات نہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ باہر نکل گیا تو وہاب میر اس کی بیوقوفی پر مسکراتے ہوئے بولے۔ ''جوانی دیوانی ہوتی ہے مسٹر بیٹے۔'' انہوں نے عبید رضا کی بات اس لیے مان لی تھی کہ فیصلہ تو حنا بیگم نے ہی کرنا تھا۔ اگر ان کو چاندنی کے والدین پسند بھی آ جائیں یا پھر وہ اچھے لوگ بھی ہوئے تو انہوں نے تو انکار ہی کرنا تھا۔ تو کیوں نہ وہ عبید رضا پر بھی احسان کر دیں اس طرح عبید رضا کے سر سے جوانی میں عشق کا چڑھا ہوا بھوت بھی اُتر جائے گا اور اس کی شادی حنا بیگم کی پسند اور مرضی سے بھی ہو جائے گی۔

انہوں نے فون پر حنا بیگم کو تمام بات بتا دی تھی وہ بھی غصے میں پھنکار رہی تھیں کیونکہ ان کو بھی عبید رضا سے ایسی بیوقوفی کی توقع نہ تھی لیکن وہاب میر نے اس کو سمجھایا کہ جوان اور اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ ایک بار اس

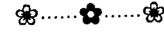
کی بات مان کر اس کے مطابق چلا جائے لیکن فائنل فیصلہ تو ہم دونوں نے ہی کرنا ہے۔حنا بیگم نے بھی دور کی سوچی تھی کہ اگر جوان بیٹا ہاتھ سے نکل گیا تو وہ کیا کریں گی۔

وہ بھی وہاب میر کے ساتھ چاندنی اور اس کے گھر والوں کو دیکھنے کے لیے بضد تھیں۔وہاب میر نے ان کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے ان کو بھی ساتھ لے جانے کا وعدہ کر کے ان کو تیار رہنے کا کہا۔وہ جاتے ہوئے حنا بیگم کو بھی راستے سے لے کر جانا چاہتے تھے تاکہ وہ کل کو عبید رضا سے یہ نہ سننا چاہتے تھے کہ حنا بیگم اگر چاندنی کے والدین سے مل لیتی تو شاید فیصلہ عبید رضا کے حق میں ہی ہو جاتا۔وہ عبید رضا کی پسند کو ہر لحاظ سے ریجیکٹ کرنے کا فول پروف انتظام کر کے ہی گھر سے نکلنا چاہتے تھے۔

عبید رضا اندر داخل ہوا تو بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔"میں نے چاندنی سے بات کر لی ہے۔وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم ان کے گھر آ جائیں۔"اس کی آواز میں جوش تھا۔

وہاب میر بولے۔"میں نے تمہاری پسند کو پسند کرنے کے لیے تمہاری مما کو بھی تیار کر لیا ہے۔ہم راستے سے ان کو بھی لیتے جائیں گے۔"وہاب میر تو بم گرا کر آفس سے باہر نکل گئے لیکن عبید رضا اپنے لوتھڑے اور چیتھڑے اکٹھے کرنے میں مصروف تھا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ حنا بیگم چاندنی کے گھر تک جائیں کیونکہ اس کو اپنی ماں کی طنزیہ عادت کا علم تھا اور پھر وہ یہ سوچ کر ہی پریشان ہو گیا تھا کہ چاندنی کے گھر والے تو ہیجڑے ہیں اور پھر حنا بیگم......؟



چاندنی نے ایک دن قبل ہی گرو اور نیناں سے بات کی تھی کہ عبید رضا اپنے گھر والوں سے بات کرے گا اور پھر کوشش کر کے ان کو اس گھر تک بھی لائے گا تاکہ وہ لوگ گرو اور نیناں سے چاندنی کا ہاتھ مانگ سکیں اور اب عبید رضا نے فون پر بتایا کہ وہ اپنے پاپا کو منانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو چاندنی کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔اس نے سب گھر والوں کو بتا دیا تھا اور وہ خوشی سے جھومتی ہوئی چنبیلی اور الائچی سے کام کروا رہی تھی۔

"چاندنی!وہ لوگ تمہیں پسند ضرور کر لیں گے ہماری کمر تو نہ توڑو......پلیس۔"چنبیلی نے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔

"چلو چلو شاباش!تم دونوں بہت کام چور ہو گئے ہو۔"الائچی مسکرا کر بولی۔

"چاندنی میں تو خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ عبید کے ابا اماں ہمارے گھر میں آ رہے ہیں۔تمہیں دیکھنے کے لیے۔"اس کی بات سن کر گرو دور سے ہی بولا۔

"نی کالے مونہہ تے نیلے پیر......اماں ابا......وہ امیر لوگ ہیں۔ان کے گھروں میں ماما پاپا ہوتے ہیں۔"
نیناں بھی اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

"چنبیلی،الائچی تم لوگ ان کے سامنے خاموش ہی رہنا۔اچھا......؟"

"ہاں نیناں باجی!یہ کالے منہ والی خاموش رہے گی تو اچھا ہی ہوگا۔"الائچی نے کہا تو گرو بولا۔"تم بھی......تم بھی زبان بند رکھنا۔"الائچی کا منہ بن گیا تھا۔

"بابا جان!میں کپڑے بدل لوں؟"چاندنی نے پوچھا تو گرو ہنستا ہوا بولا۔"میری بیٹی تم کو اچھے کپڑوں اور ہار سنگھار کی کیا ضرورت ہے۔تم تو ہو ہی چاند کا ٹکڑا۔"گرو نے اس کی بلائیں لیں تو وہ مسکراتی ہوئی اندر کی جانب بھاگ گئی تھی۔

گرو نے نیناں کی طرف دیکھا تو وہ کچھ کھویا کھویا لگ رہا تھا۔"کیا بات ہے نیناں!کوئی پریشانی ہے؟"

نیناں نے چنبیلی اور الائچی کی طرف دیکھا جو صحن دھو کر اس میں فینائل چھڑک کر وائپر پھیرنے میں مصروف تھے۔نیناں گرو کے پاس آ گیا اور اداسی سے اس کی طرف دیکھنے لگا تو گرو نے اشارے سے پوچھا تو وہ ایک سانس بھرتا ہوا بولا۔

"گرو آج خوشی کا دن ہے لیکن......نہ جانے کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے۔اک ایسا خوف دل کی دہلیز پر آ کر کھڑا ہو گیا جو بے نام ہے لیکن اس نے اپنے خوفناک پنجے میرے ذہن پر گاڑھ رکھے ہیں۔ایسا کیوں ہے گرو۔کیوں ہے ایسا؟"

نیناں کی آواز بھرا گئی تھی۔گرو نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہنے لگا۔"بعض اوقات انسان کو اس کی توقع سے زیادہ خوشی ملنے لگتی ہے یا زیادہ تگ و دو کیے بغیر ہی اس کو من چاہی مراد مل جاتی ہے تو اس کو تقدیر پر یقین ہی نہیں آتا۔"

نیناں نے اس کی طرف دیکھا۔"گرو!چاندنی جب دلہن بن کر اس گھر سے رخصت ہو گی تو وہ دن میری زندگی کا سب سے بڑا دن ہوگا۔"گرو نے اس کو دلاسہ دیا۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔تم کسی بھی وہم اور خدشے کو ذہن میں نہ آنے دو۔قرآن کریم میں اللہ فرماتا ہے کہ ہمیشہ اس سے اچھا گمان رکھنا چاہیے۔کیونکہ اللہ انسان کے گمان کے ساتھ ہوتا ہے۔"

قرآن کریم کی بات سن کر نیناں نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

"بے شک گرو!اللہ بہتر ہی کرتا ہے۔ہم لوگ ہی ناشکرے ہیں۔"چاندنی اندر سے بھاگنے والے انداز میں آئی تھی۔

"بابا جان وہ لوگ آ رہے ہیں۔بلکہ گلی میں ہیں۔"نیناں نے اتنا سنا تھا کہ چاندنی کو اندر بھیج دیا اور خود بھی اندر کی جانب جاتا ہوا تیزی سے بولا۔

"گرو!میں ان کے لیے چائے کا بندوبست کرتا ہوں۔"وہ بھی تیزی سے کچن میں گھس گیا جبکہ چنبیلی اور الائچی بھی اپنا کام ختم کر چکی تھے وہ بھی اندر چلے گئے۔گرو اکیلا ہی صحن میں رہ گیا تھا۔اس نے اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے آئینے میں دیکھ کر سر کے بالوں کو سنوارا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا کہ ابھی تک اس پر دستک کیوں نہیں ہوئی۔

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا قیامت خیز لمحات گزرے تو دستک سن کر وہ اٹھا اور بھاگنے والے انداز میں دروازے تک پہنچا۔اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ہی عبید رضا کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"بسم اللہ!"گرو نے یہ کہہ کر اندر آنے کے لیے عبید رضا کو راستہ دیا تو اس کے پیچھے ہی وہاب میر اور حنا بیگم

اندر داخل ہوئے تھے۔ حنا بیگم نے تو ناک پر باقاعدہ رومال رکھا ہوا تھا جبکہ وہاب میر گرو کو حیرانگی سے دیکھ رہے تھے۔ حنا بیگم کی کیفیت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ وہ بھی گرو کو حیرت، حقارت اور پریشانی سے دیکھ رہی تھیں۔ گرو نے مسکرا کران کا استقبال کیا تھا اور وہ عبید رضا کے والدین سے ایسے ہی رویہ کی توقع کر رہا تھا۔

''آیئے آیئے...... تشریف رکھیں۔'' صحن میں بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھنے کے لیے گرو نے اشارہ کیا تو عبید رضا نے باپ اور ماں کی طرف دیکھا جو بڑی رعونت سے چلتے ہوئے گرو پر احسان کرنے لگے اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ حنا بیگم گھر کی خستہ حالت پر پُرغرور نظریں ڈالتی ہوئی گرو سے بولیں۔

''جلدی کرو اور اپنے مالکوں کو بلاؤ۔'' عبید رضا سرتاپا کانپ گیا تھا۔ کیونکہ حنا بیگم نے گرو کو ملازم سمجھ لیا تھا۔ لیکن گرو بڑے دل والا تھا وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ''جی اچھا جی...... میں ابھی بلاتا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر اندر کی جانب چلا گیا تو وہاب میر عبید رضا سے بولے۔

''یہ کھسرہ یہاں کیا کرتا ہے؟'' عبید رضا نے ان کی کسی بھی بات کا جواب دینے کی بجائے حنا بیگم کی طرف دیکھا تو وہ بولیں۔

''ملازم ہوگا اور کیا کرنا ہے اس نے یہاں؟''

''جلدی سے بلاؤ اس لڑکی کو جس کو ہم دیکھنے کے لیے آئے ہیں۔'' حنا بیگم نے ناک سے رومال اُتارتے ہوئے عبید رضا سے کہا۔

''پتہ نہیں یہ لوگ اس بدبودار ماحول میں کیسے زندہ رہ رہے ہیں۔''

چاندنی کو چائے کی ٹرے دے کر نیناں نے بھیجا تھا۔ ٹرے میں چائے اور دوسرے لوازمات بھی تھے۔ چاندنی بڑی گھبرائی ہوئی تھی لیکن گرو اور نیناں نے اس کو حوصلہ دیا تھا۔ وہ صحن میں آئی تو عبید رضا اس کو دیکھ کر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چاندنی نے چائے کی ٹرے میز پر رکھی اور وہاب میر اور حنا بیگم کو سلام کیا۔

لڑکی واقعی خوبصورت تھی اور عبید رضا کی پسند پر حنا بیگم کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے تھا لیکن چاندنی کا قصور تھا کہ وہ غریب تھی اور اس کو پسند کرنے آنے والے اس کو اپنے گھر سے ہی ری جیکٹ کر کے آئے تھے۔

''تو تم ہو چاندنی!'' حنا بیگم اک خاص پُرغرور ادا سے بولیں تو چاندنی ہولے سے بولی۔ ''جی۔''

''کیا جادو ہے تم میں کہ میں اور سیٹھ وہاب میر اس طرح کھنچے چلے آئے ہیں؟'' حنا بیگم کا غرور بولنے لگا تھا۔

''اس سوال کا جواب تو آپ کی نظریں ہی دے سکتی ہیں۔'' یہ ایسا جواب تھا جو تمیز اور ادب کے دائرے میں رہ کر دیا گیا تھا۔

''کافی چرب زبان ہو لڑکی!'' حنا بیگم نے چاندنی کی طرف دیکھا اور عبید رضا کی طرف دیکھنے لگیں۔

''یہ ہے تمہاری پسند؟ لڑکیاں تو بات بھی نہیں کیا کرتیں۔'' عبید رضا کو محسوس ہی نہ ہوا تھا کہ چاندنی کی اچھی خاصی بے عزتی کر دی گئی ہے لیکن چاندنی نے محسوس کیا تھا کہ اس کی انسلٹ کی گئی ہے۔ چاندنی نے چائے کے کپ پلیٹ میں رکھ کر وہاب میر اور حنا بیگم کی طرف بڑھایا تو حنا بیگم بولیں۔

''اپنے والدین کو بلاؤ لڑکی ہم یہاں چائے پینے نہیں آئے۔'' چاندنی نے عبید رضا کی طرف مترحم نظروں سے

دیکھا تھا لیکن اس نے مسکان ہونٹوں پر سجا کر نظروں ہی نظروں میں چاندنی کو پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا تو وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔

نیناں نے اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑتی ہوئی دیکھیں تو پریشان ہو گیا۔ ''کیا بات ہے چاندنی!'' نیناں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرتے ہوئے کہا تو وہ سر جھکا کر نفی میں بولی۔

''کچھ نہیں وہ لوگ آپ کو بلا رہے ہیں۔'' نیناں نے چاندنی کا ہاتھ پکڑا تو گرو بھی ساتھ ہی آ گیا تھا۔

''السلام علیکم سیٹھ صاحب!'' نیناں نے وہاب میر کو سلام کیا تو وہاب میر اس کی طرف اور وہ ان کی طرف دیکھنے لگے تھے اور دونوں کے ذہن میں اچانک جھماکے ہونے لگے تھے۔

''تم......؟'' وہاب میر اچانک چونک کر اُٹھے اور نیناں کی طرف انگلی کرتے ہوئے بولے۔

''تم وہی ہیجڑے ہو نا جس نے میری شادی پر میری بے عزتی کی تھی؟''

نیناں کو بھی یاد آ گیا تھا کہ یہ وہی سیٹھ ہے جس نے چنبیلی کی کمر پر پیر رکھا تھا تو ان کا جھگڑا ہو گیا تھا اور خوب لے دے ہوئی تھی۔

''نہیں نہیں سیٹھ صاحب! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' نیناں عاجزی سے بولا تھا۔

''غلط فہمی۔'' وہاب میر گرجے۔

''میرا نام وہاب میر ہے اور میں روزانہ کئی لوگوں سے بزنس ڈیل کرتا ہوں۔ اگر ہر کسی کا چہرہ غلط فہمی میں بھولنا شروع کر دوں تو میں تو کنگال ہو جاؤں گا۔''

گرو کو بھی وہ تمام کہانی یاد آ گئی تھی اور چاندنی کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ جس رات ان کے گھر میں آئی تھی یہ اسی رات کی بات کر رہے ہیں۔ ''جلدی سے بتاؤ اوئے ہیجڑے کہ تمہارا اس لڑکی سے کیا تعلق ہے؟''

''یہ میری بیٹی ہے۔'' نیناں نے کہا تو وہاب میر طنز سے بولے۔ ''بیٹی! واہ ہیجڑوں کی بیٹی! شاید تم بھول رہے ہو نیناں کہ کھسروں کے گھر اولاد نہیں ہوتی۔'' عبید رضا معاملہ بگڑتے دیکھ کر آگے بڑھا اور وہاب میر اور حنا بیگم سے بولا۔

''پاپا! ماما! دراصل چاندنی کو ان لوگوں نے گود لیا ہوا ہے۔ یہ ان کی اپنی اولاد نہیں ہے۔''

وہاب میر اس کی طرف دیکھ کر طنز سے مسکرائے اور بولے۔

''بہت ہی بھولے ہو عبید رضا! یہ دنیا بہت چالاک ہے۔ گود لیا ہے۔ ان جیسے لوگوں کو لوگ آٹا دے کر ان کا بے ہنگم ناچ دیکھتے ہیں۔ ان کو تو کوئی پھوٹی کوڑی بھی نہ دے۔ کسی نے اپنی بیٹی ان کو کیسے دے دی؟''

چاندنی کے آنسو نکل پڑے تھے اس کی طرف دیکھ کر نیناں پریشان ہو گیا تھا۔ وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

''سیٹھ صاحب! اگر آپ کی اور میری کوئی لڑائی ہے تو اس میں چاندنی کا کیا قصور ہے۔ ہم پر ترس کھائیں سیٹھ صاحب!'' نیناں نے وہاب میر کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ وہاب میر غصے میں پھنکارتے ہوئے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور حنا بیگم ابھی تک چاندنی کو گھور رہی تھیں۔

''واہ نیناں واہ! میں تو اب سمجھا ہوں کہ تمہاری ترقی کا راز کیا ہے؟'' وہاب میر کے ترکش میں بہت سے تیر

تھے وہ اب ان کو نکال نکال کر نیناں پر برسا رہے تھے۔

''تم جیسے لوگ مجھ جیسے سیٹھ لوگوں کے بیوقوف اور بھولے بھالے لڑکوں کو پھنسانے کے لیے ان جیسی لڑکیوں کو ہیرا منڈی سے خرید کر لاتے ہو اور ہمیں شکار بناتے ہو۔''

گرو اور نیناں کے ساتھ ساتھ چاندنی بھی زمین میں گڑھ گئی تھی۔ گرو نے آگے بڑھ کر عبید رضا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنا شروع کیا۔

''عبید رضا! خدا کی قسم اگر تم میری بیٹی کو پسند نہ ہوتے تو آج تمہارے اس مغرور باپ اور غرور کی اس پڑیا کو ایسی بددعا دیتا کہ عرش الٰہی بھی دہل جاتا۔''

پھر گرو حنا بیگم کی طرف مڑا اور بولا۔ ''جایئے جایئے بیگم صاحبہ! جا کر ان محلوں میں رہیے جو آج کل کوٹھوں کا کام دے رہے ہیں۔''

عبید رضا نے آگے بڑھ کر گرو کے منہ پر زوردار تھپڑ مار دیا تو یک دم ہی وقت رُک گیا تھا۔ چاندنی منہ کھولے دُکھ اور نفرت سے عبید رضا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ''تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم دو ٹکے کے ہیجڑے میری ما ما کی انسلٹ کرو۔'' عبید رضا کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں اور اس کی اُٹھی ہوئی انگلی ابھی تک گرو کو وارننگ دے رہی تھی۔

''سیٹھ صاحب! ابھی کے ابھی میرے گھر سے نکل جایئے۔'' اب چاندنی نے آگے بڑھ کر گرو کی طرف دُکھ سے دیکھ کر وہاب میر سے مخاطب ہو کر کہنا شروع کر دیا۔ ''یہ میرے بابا، پاپا، ماما اور سب کچھ ہیں...... سب کچھ۔ انہوں نے مجھے ہیرا منڈی سے یا کچرے کے ڈھیر سے اُٹھا کر آپ جیسے لوگوں کے ساتھ بزنس کرنے کے لیے پالا پوسا ہے تو مجھے اس پر بھی فخر ہے۔''

چاندنی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی اور پھر وہ عبید رضا کی طرف مڑی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''واہ دکھا دی نا تم نے اپنی اوقات...... تم نے میرے بابا کے منہ پر تھپڑ مار کر اپنے کم ظرف اور نیچ ذات ہونے کا جو ثبوت دیا ہے۔ وہ میرے لیے قدرت کا اشارہ ہے کہ تم...... تم میرے قابل تو کیا...... میرے بابا کی جوتی کے قابل بھی نہیں ہو۔'' عبید رضا کو غلطی کا شاید احساس ہو رہا تھا لیکن وہ وہاب میر اور حنا بیگم کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا تھا۔

''دفع ہو جاؤ میرے گھر سے۔'' چاندنی چلا کر بولی اور روتی ہوئی گرو کے گلے لگ گئی تو اب نیناں آگے بڑھا اور وہاب میر سے بولا۔

''سیٹھ صاحب! یاد ہے آپ نے اپنی دوسری شادی پر مجھ سے کہا تھا کہ میں زندگی میں کبھی وقت آنے پر آپ سے بھیک مانگوں گا۔'' وہاب میر اور حنا بیگم لرز کر رہ گئے تھے کیونکہ ستارہ اور عبید رضا کو معلوم نہ تھا کہ وہاب میر کی دوسری شادی ہوئی ہے۔ حنا بیگم ان کی دوسری بیوی ہیں۔ عبید رضا بھی اس انکشاف کو سن کر ششدر رہ گیا تھا۔

نیناں نے اس انکشاف پر بھی بس نہ کیا وہ دوبارہ بولا ''میں نے کہا تھا نا...... کہ میری زندگی میں ایسا وقت کبھی بھی نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس جگ کی ریت ہے کہ گھنگرو اور کشکول کبھی بھی ایک نہیں ہوتے اور عبید رضا......'' وہ عبید

رضا کی طرف مڑا اور غصے اور نفرت سے بولا۔

''جس گرو کے منہ پر تم نے تھپڑ مار کر اپنی مردانگی دکھانے کی بھونڈی کوشش کی ہے نا...... وہ تمہارے باپ اور تم سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ تم نے اپنی اس ماں کی توہین برداشت نہ کرتے ہوئے ہمارے قبلے پر ہاتھ اُٹھا کر اچھا نہیں کیا عبید رضا! اب زندگی میں تم اس ہاتھ سے کوئی بھی کام کرنے کے قابل نہ رہو گے یہ میری بددعا ہے...... اور ہماری بددعا کو اوپر والا بھی رد نہیں کرتا۔''

''گیٹ آؤٹ...... دفع ہو جاؤ کمینو!'' یہ چنبیلی تھا جو روتے ہوئے ان کو دھتکار رہا تھا۔

''میں تھوکتا بھی نہیں ہوں تم پر اور تمہاری...... بیٹی پر۔'' عبید رضا نے نفرت سے زمین پر تھوک دیا اور وہاب میر اور حنا بیگم کو لے کر اس گھر کی دہلیز پار کر گیا تھا۔

گرو نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں اور زمیں پر ہی بیٹھ کر رونے لگا تھا تو چاندنی نے اس کے ہاتھ پکڑ کر ان کو چومنا شروع کر دیا تو گرو نے اس کو سینے سے لگا کر کہا۔ ''ہمیں معاف کر دینا میری بیٹی! ہم اس سے زیادہ تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔'' چاندنی کو ان الفاظ نے تڑپا دیا تھا۔ اس نے گرو کے قدموں میں سر رکھ دیا تھا۔

''میں آپ کی مجرم ہوں بابا جان! بابا جانی! مجھے معاف کر دیں۔'' اس نے نیناں اور گرو کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ چنبیلی اور الائچی بھی رو رہے تھے۔ نیناں نے اُٹھ کر چاندنی کو سینے سے لگایا اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے بولا۔ ''اس طرح ہاتھ جوڑ کر اور ہمارے قدموں میں بیٹھ کر ہمیں گناہ گار نہ کر میری دھی!''

چاندنی کے آنسو تھم نہ رہے تھے وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ گرو نے بھی اس کو سر پر پیار دیا اور بولا۔

''کاش کہ ہم مرد و زن ہوتے تو خدائے واحد سے یہی دعا کرتے کہ وہ ہمیں پہلی اولاد چاندنی جیسی بیٹی ہی عطا کرے۔'' چاندنی کو کافی حوصلہ ملا تھا۔

''وہ کم ظرف تمہارے قابل ہی نہ تھا۔ کہاں تم اور کہاں وہ...... کمینہ...... آخ...... تھو۔''

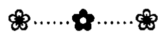
گرو نے اپنا غصہ عبید رضا پر اس طرح نکالا تھا کہ گویا وہ اس کے سامنے کھڑا ہے اور وہ تھوک اس کے چہرے پر پھینک رہا ہے۔

گرو اور نیناں چاندنی کو لے کر تخت پوش پر آ گئے تھے۔ وہ وہاں بیٹھ کر چاندنی کا سر اپنی گود میں رکھتا ہوا بولا۔

''مجھے عبید رضا کی ماں کوئی اچھی اور شریف عورت نہیں لگی ہے۔'' نیناں نے گرو کی طرف اچنبھے سے دیکھا اور بولا۔

''ہاں گرو! میرا بھی یہی خیال ہے۔'' گرو نے چنبیلی اور الائچی کی طرف دیکھا اور بولا۔

''تم دونوں اس بات کا پتہ چلاؤ گے کہ یہ عورت دن کے اُجالے اور رات کے اندھیرے میں کس کس سے ملتی ہے۔'' گرو کا حکم سر آنکھوں پر ہے۔ چنبیلی اور الائچی جانتے تھے کہ معاملہ کتنا سنجیدہ اور سنگین ہے۔ وہ سنجیدگی سے سر ہلا کر رہ گئے۔



موسیٰ کو ستارہ نے اپنے آفس بلایا تھا اور ایک مہینہ پورا ہونے پر وہ مہینے بھر کا حساب کتاب پوچھ رہی تھی۔ موسیٰ

نے اس کو کمپیوٹر پر تمام ماہ کا حساب بتانا شروع کر دیا تھا۔ اور موسیٰ دیکھ رہا تھا کہ ستارہ کو حساب کتاب میں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے بلکہ وہ اس کے پیچھے کھڑی ہو کر اپنا چہرہ موسیٰ کے کندھے پر رکھ کر اس کی سانسوں میں گھلنے کی کوشش کر رہی تھی اور موسیٰ کافی محتاط انداز میں اس کو بتا رہا تھا۔

''گڈ...... ویری گڈ......'' ستارہ نے پورا حساب کتاب بظاہر چیک کرنے کے بعد کہا اور پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

''تو پھر ٹھیک ہے موسیٰ آج کا لنچ میری طرف سے۔''

موسیٰ اس مہربانی پر حیران تھا اس کی آنکھوں میں استفسار دیکھ کر ستارہ اس کو قتل کرنے کے لیے مسکرائی تو موسیٰ نے نگاہیں جھکا لیں۔ ''بوتیک کو گزشتہ ماہ کی نسبت اس ماہ زیادہ فائدہ ہوا ہے۔ اور یہ سب کچھ آپ کی ایمانداری کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔'' موسیٰ نے مسکرا کر چہرہ اوپر اُٹھایا اور بولا۔

''اس میں تو آپ کی محنت بھی شامل ہے ستارہ!''

''مجھے اچھا لگا۔'' ستارہ کے دل کی کلی کھلنے لگی تھی۔ ''مجھے تمہارا بے تکلفانہ انداز اچھا لگا ہے موسیٰ!'' اس نے بھی پہلی بار موسیٰ کو آپ کی بجائے تم کہا تھا موسیٰ سمجھ رہا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ بے تکلفی کی سیڑھیوں کو طے کرتی ہوئی اس کے دل کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن وہ خاصا محتاط انداز اپنائے ہوئے تھا۔

''لیکن مجھے لگتا ہے کہ یہ تکلف کی دیوار قائم ہی رہنی چاہیے۔'' وہ حیران ہو کر مسکرائی اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

''لیکن اس پتلی اور کمزور دیوار کی کیا اہمیت ہے موسیٰ!'' وہ ایک سانس آفس کے ماحول میں چھوڑتا ہوا بولا۔

''دیکھنے اور سمجھنے کو یہ محض ایک پتلی اور کمزور دیوار ہے لیکن اگر اس دیوار کے پیچھے خود کو چھپا لیا جائے تو انسان نفس کا غلام بننے سے بچ سکتا ہے۔'' بہت ہی بڑی بات موسیٰ نے کہہ دی تھی۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ ''اگر میں تمہیں پرپوز کروں تو کیا کرو گے موسیٰ؟'' اتنا بڑا سوال اور اچانک ہی ستارہ کے منہ سے نکل جانا یا جان بوجھ کر ان الفاظ کو ادا کیا گیا تھا۔ وہ حیرانگی سے دیکھ رہا تھا بلکہ کرسی سے بھی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا جیسے کہ اس کو کئی وولٹ کا کرنٹ لگا ہو۔

''تشریف رکھیے پلیز!'' وہ قہقہہ لگا کر بولی تھی۔ اور موسیٰ کی حالت سے محظوظ ہو رہی تھی۔ موسیٰ کو اپنی حالت اور کیفیت محسوس کر کے کچھ شرمندگی سی ہوئی اور وہ حلق تر کرنے کے لیے تھوک نگلتا ہوا کرسی پر دوبارہ بیٹھ گیا اور بولا۔

''میں سمجھا کہ آپ سنجیدہ ہیں؟'' وہ اس کی طرف سنجیدگی سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''محبت رویوں کی محتاج ہوتی ہے۔ الفاظ کی نہیں۔ کیونکہ الفاظ وہ کام نہیں کرتے جو لب و لہجہ اور رویہ کرتا ہے۔ محبت کا اپنا ایک کردار ہے اور وہ کردار محبت کب ادا کرتی ہے انسان کو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ محبت اپنے کردار کو ادا کرنے کے لیے کسی بھی سٹیج یا کیمرے کا انتظار نہیں کرتی بلکہ الفاظ کی بھی محتاج نہیں ہوتی لیکن رویے اور تاثرات محبت کی زبان بن کر اپنے ڈائیلاگ ادا کر کے مقابل کو گھائل کر دیتے ہیں۔'' ستارہ تو کافی سنجیدہ تھی۔ موسیٰ کو اس بات کا اندازہ نہ تھا۔

''وقت سب سے بڑی تبدیلی ہے کیونکہ کوئی بھی چیز اپنی حالت پر برقرار نہیں رہتی۔ جیسا کہ سمندر بھی ساکن

ہو تو اس کی لہریں متحرک ہی رہتی ہیں اور رہ گئی محبت......؟'' موسیٰ اس کی بات کا جواب دے رہا تھا اور ستارہ ہمہ تن گوش ہو کر اس کی باتیں سن رہی تھی بلکہ اس کو یہی کافی تھا کہ موسیٰ بول رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی گفتگو کر رہا ہے۔

''محبت ایک ایسا نام ہے جو چار حروف سے مل کر بنتا ہے۔ اس کی اکیلے کی اپنی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر محبت کی گردن کاٹ کر میم اور ح کو ختم کر دیا جائے تو محبت کا بت بے جان ہو جاتا ہے اور بے جان چیزیں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے چیخ و پکار نہیں کیا کرتیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح مٹی کے پتلے کو اپنی انگلی تک ہلانے کی جرأت نہ تھی جب تک اس میں روح نہ پھونکی گئی تھی اور جیسے ہی اس میں روح پھونکی گئی تو وہ چیختا چلاتا ایک جیتا جاگتا انسان بن گیا...... اور آج وہی انسان جو کہ مالک کائنات کی ایک پھونک کا محتاج تھا بڑے بڑے دعوے کرتا پھر رہا ہے۔ حالانکہ اس کی گردن اتار دی جائے تو یہ اپنی اوقات پر آ جاتا ہے۔ یعنی مٹی میں مٹی...... یہ سب فساد محبت ہی کا تو پیدا کردہ ہے۔''

موسیٰ بھی کوئی فلاسفر لگ رہا تھا۔ ستارہ نے اس کی پیاری گفتگو سن کر اس کو فریفتہ ہو جانے والی نظروں سے دیکھا اور بولی۔ ''مجھے کافی بھوک لگ رہی ہے۔ کھانے کا ٹائم جو ہو گیا ہے۔''

''میں نیچے کہہ دیتا ہوں کہ وہ آپ سے پوچھ لیں کہ کیا منگوانا ہے؟'' موسیٰ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تو وہ بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

''نہیں آج ہم لنچ باہر کریں گے۔'' موسیٰ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''باہر......؟''

اس کی بات کو سمجھ کر ستارہ نے کلیوں جیسے دانت اس کو دکھائے اور بولی۔ ''کسی ریسٹورنٹ میں!'' وہ آگے بڑھ کر موسیٰ کے بالکل پاس ہو کر کھڑی ہو گئی تو موسیٰ کو ہامی بھرنا پڑی تھی۔

وہ دونوں ہی شاندار گاڑی میں لنچ کرنے جا رہے تھے موسیٰ اس کے اصرار پر پہلی بار اس کے ساتھ آگے والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ وہ خاصا نروس لگ رہا تھا لیکن ستارہ بالکل ری لیکس ہو کر گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ ایک جگہ اشارہ پر گاڑی رُکی تو اس کو شمع بی بی نظر آ گئیں جو کہ کچھ فروٹ وغیرہ خرید رہی تھیں۔ وہ ماں جی کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تو ستارہ نے حیرت سے اس کی طرف اور پھر اس کی نظروں کے زاویے میں شمع بی بی کو دیکھا تو پوچھنے لگی۔ ''اس عورت کو دیکھ کر مسکرا رہے ہو؟''

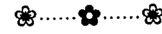
موسیٰ نے ستارہ کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''ہاں...... کیونکہ وہ میری ماں ہیں۔ ماں جی!'' موسیٰ کے منہ سے پیارے الفاظ ماں کے لیے سن کر ستارہ کو بہت اچھا لگا تھا۔

''تو پھر ان سے مل لیتے ہیں۔'' ستارہ نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''نہیں...... وہ گھر کی کچھ چیزیں لینے بازار آئی ہوں گی۔ اور ویسے بھی ہم سڑک کے اس طرف ہیں اشارہ کھلے گا تو ان تک پہنچتے پہنچتے کافی دیر بھی ہو جائے گی اور اوپر سے بھی آنا پڑے گا۔'' موسیٰ کی بات سن کر ستارہ نے سر ہلایا اور گاڑی آگے بڑھا دی کیونکہ اشارہ سبز ہو گیا تھا۔ ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں کافی رش تھا لیکن پھر بھی پارکنگ بوائے نے ان کی گاڑی کو جگہ کروا کے پارک کروا دیا تھا۔

وہ جیسے ہی اندر بڑھے تو کافی رش تھا لیکن ایک ویٹر نے ٹپ لینے کے لیے اس کپل کو ایک کیبن دے دیا تھا۔

موسیٰ کو عجیب سا لگ رہا تھا۔ کیونکہ وہ ستارہ کے ساتھ ایک بند کیبن میں بیٹھ کر لنچ کرنے لگا تھا۔ موسیٰ نے دیکھا کہ اُس کیبن میں داخل ہو رہے تھے۔ کہ حنا بیگم اور ہیرا بدمعاش بھی ان کے ساتھ والے کیبن میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ ستارہ ویٹر کو کھانا کا آرڈر دے رہی تھی اسی لیے وہ چند سیکنڈ کا یہ سین نہ دیکھ سکی تھی لیکن وہ سین موسیٰ کا دل بھی دھڑکا گیا تھا اور اس کو ایک نئی اور عجیب سی الجھن میں بھی ڈال رہا تھا۔ اس نے کئی بار حنا بیگم کو ملز میں وہاب میر کے آفس میں آتے جاتے دیکھا تھا وہ اپنی بینائی پر شک نہ کر سکتا تھا اور ہیرا بدمعاش تو اس کا محلے دار تھا وہ اس کو بخوبی پہچانتا تھا لیکن ان دونوں کا اس طرح اس پبلک مقام پر کھانا کھانے آنا موسیٰ کی سمجھ سے بالاتر تھا۔



وہاب میر غصے کے عالم میں ڈرائنگ روم میں ٹہل رہے تھے۔ ہیجڑوں نے ان کو بہت ذلیل کیا تھا اور ان کو بھی رنج اور غصہ تھا کہ حنا بیگم کے سامنے بلکہ حنا بیگم کو بھی ذلیل کیا گیا تھا اور یہ سب کچھ عبید رضا کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس نے غیرت دکھا کر اچھا کیا تھا لیکن اتنا جوش اس کو نہیں دکھانا چاہیے تھا۔

سالار نے بھی اوپر سے دیکھ لیا تھا کہ وہاب میر کافی غصے میں لگ رہے ہیں اور اس نے نیچے آنے کی بجائے اپنے کمرے میں ہی ٹھہرنے کو ترجیح دی تھی تاکہ جو بھی بات ہے کھل کر سامنے آسکے۔ وہ اس بات کا منتظر تھا کہ معاملات خود بخود ہی اس پر کھلتے جائیں اس کو تگ و دو کرتے ہوئے مشکوک نہیں ہونا چاہیے تھا اور تقدیر اس کی ان محرومیوں کا ازالہ کرنے پر تل گئی تھی جو اس نے اپنی ماں کے بغیر اس معاشرے میں سہی تھیں۔

چند لمحات ہی گزرے ہوں گے کہ وہاب میر کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہاری دوستی گھٹیا اور نیچ قسم کے انسانوں سے ہے۔'' سالار نے اپنے کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھولا اور آرام سے دروازے کی دہلیز پر کارپٹ پر ہی چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔ اگر کوئی اس کو اس طرح بیٹھے دیکھ لیتا تو صاف پہچان لیتا کہ یہ مزدور ہی ہے جو اپنی اوقات بھول گیا ہے۔ اس نے غیر اخلاقی حرکتیں کرنے کے لیے ہی وہاب میر کا اعتماد حاصل کر کے اس گھر میں جگہ بنائی تھی۔

''ان ہیجڑوں کی اوقات کیا ہے۔ دو ٹکے کے ہیجڑے، گلی گلی پیروں میں گھنگرو باندھ کر ناچ گا کر روپیہ روپیہ اکٹھا کرنے والے ہیجڑوں کو تم اپنا رشتہ دار بنانا چاہتے ہو۔'' ہیجڑوں کے ذکر پر سالار کے کان کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ موسیٰ کے ہمسائے بھی ہیجڑے تھے اور رشتہ داری کی بات شاید عبید رضا سے کی گئی تھی۔ کیونکہ ابھی تک تو وہ صرف وہاب میر کی باتیں ہی سن رہا تھا۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ نیچے کون کون ہے۔

''پاپا! مجھے بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ ایسے ہوں گے۔'' عبید رضا کی شرمندگی اور ندامت میں ڈوبی ہوئی آواز اس کے کانوں تک پہنچی تو وہ سمجھ گیا کہ عبید رضا کی کھچائی ہو رہی ہے شاید اس کا اٹھنا بیٹھنا ہیجڑوں میں ہو گا۔

''اور وہ لڑکی! جس پر تم مر مٹے تھے۔ سٹوپڈ...... نیچ......'' حنا بیگم کی غصیلی آواز نے معاملہ اور بھی گرما دیا تھا کیونکہ کسی لڑکی کا ذکر ہو رہا تھا جس پر عبید رضا مر مٹا تھا۔ وہ لڑکی کون تھی ابھی اس کا تذکرہ نہ ہوا تھا اور سالار کو اس بات کا تجسس تھا۔ حنا بیگم کی آواز ایک بار پھر گونجی۔

''گز بھر کی زبان ہے اس کی۔ کیا نام تھا اس نیچ کا......؟'' وہ کافی غصے میں لگ رہی تھیں۔

''چاندنی'' عبید رضا کے منہ سے یہ نام سن کر سالار پر سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے تھے۔ اس کی سانسوں کی ترتیب بگڑنے لگی تھی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شہر بھر میں سینکڑوں چاندنی نام کی لڑکیاں ہوں گی لیکن ہیجڑوں اور چاندنی کا ذکر صرف اسی کا ہو رہا ہے جو موسیٰ کی ہمسائی ہے اور سالار کے اعصاب پر سوار ہو کر اس کے دل پر حکمرانی کر رہی ہے۔

''چاندنی...... مائی فٹ!'' حنا بیگم ایک بار پھر گرجی۔

''ایک بات یاد رکھو عبید رضا! تم حنا بیگم کے اکلوتے بیٹے ہو۔ اس جائیداد کے تنہا وارث ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں ہیجڑوں کے گھر بیاہ دوں گی۔ تم اپنی اس حیثیت کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھاؤ۔ آج کے بعد تمہارا اس چاندنی، ان ہیجڑوں اور اس بدبودار گندی گلی سے کوئی بھی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ از دیٹ کلیئر؟''

حنا بیگم نے تمام صورتِ حال واضح کر دی تھی کہ عبید رضا چاندنی کو پسند کرتا تھا اور وہ لوگ ان کے معیار کے مطابق نہ تھے۔

''مما......'' عبید رضا نے ہونٹ چبائے اور بولا۔ ''اگر کوئی آپ کی انسلٹ کرے گا تو میں کس طرح برداشت کر پاؤں گا۔''

وہاب میر صوفے پر بیٹھ گئے تھے وہ ان کی طرف بڑھا اور بولا۔ ''پاپا! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ چاندنی سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔''

''مجھے تم سے یہی امید تھی۔'' وہاب میر نے کہا تو عبید رضا باہر نکل گیا لیکن سالار کے کانوں میں ستارہ کی آواز گونجی۔

''پاپا! ماما کو کیا ہوا کیا معاملہ ہے؟''

''کچھ نہیں...... صاحبزادے کو کلاس فیلو سے عشق ہو گیا تھا۔'' حنا بیگم بولیں تو ستارہ کی حیران کن آواز اُبھری۔

''ہو گیا تھا؟''

اس کا سوالیہ لہجہ یقیناً ان دونوں کو بھی چونکا گیا تھا۔ ''اس کے کالج میں ایک لڑکی پڑھتی ہے چاندنی نام ہے اس کا۔ یہ اس سے عہد و پیمان کر چکا تھا۔ ہمیں مجبور کر کے ان کے گھر تک لے گیا لیکن وہ تو ہیجڑوں میں پلی بڑھی تھی اور ان ہیجڑوں نے اس کو کسی گندے بازار سے اس جیسے امیر زادے کو پھانسنے کے لیے خریدا تھا۔''

وہاب میر نے پوری داستان چند الفاظ میں ستارہ کو بتائی تو وہ بھی منہ پر ہاتھ رکھ کر توبہ توبہ کرنے لگی۔

لیکن سالار کے کانوں اور دماغ میں سائیں سائیں ہونے لگی تھی۔ وہ اب جان گیا تھا کہ چاندنی عبید رضا کی کلاس فیلو ہے اور عبید رضا اور وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ عبید رضا کے اصرار پر وہاب میر اور حنا بیگم، چاندنی کا ہاتھ مانگنے گئے تو ہیجڑوں کا گھر ہونے کی وجہ سے حنا بیگم کا غرور بول پڑا ہو گا اور وہاں پر جھگڑا ہوا ہو گا۔

لیکن اس سارے معاملے میں چاندنی کا کیا قصور ہے اور ساری بات کیا ہے۔ چاندنی اگر گرو اور نیناں کی اولاد نہیں ہے تو پھر وہ کس کی بیٹی ہے؟ کیا وہاب میر صحیح کہہ رہے ہیں کہ وہ گندے بازار سے خریدی گئی ہے تاکہ امیر زادوں کو پھانسا جا سکے۔

"نہیں...... نہیں ایسا نہیں ہے۔ میری چاندنی ایسی نہیں ہے۔" سالار بڑبڑایا تھا۔



فائزہ اور شکیل احمد تحریم کے ساتھ شمع بی بی کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ انہوں نے شمع بی بی کو دادی بننے کی مبارک دی تو شمع بی بی نے بھی فائزہ اور شکیل احمد کو نانا نانی بننے کی مبارک باد دی۔ فائزہ نے مناہل کا منہ چومتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہونا؟" وہ نظریں جھکاتی ہوئی بولی۔

"جی امی!" تحریم نے اس کو ہلکی سی کہنی سے ٹہوکا دیا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر کے ہاتھوں کو گود بنا کر چھیڑا تو وہ اس کی طرف آنکھیں نکال کر دیکھنے لگی تو سبھی ان کی اس اشارے بازی پر ہنسنے لگے تھے۔

پہلے کولڈ ڈرنک اور پھر بعد میں ان کی چائے کے ساتھ تواضع کی گئی تھی۔ شرجیل گھر میں داخل ہوا تو وہ سسرال والوں کو دیکھ کر کچھ جھینپ سا گیا تھا۔ "سلاما لیکم جی!" اس نے فائزہ کو سلام کر کے شکیل احمد سے ہاتھ ملایا تو وہ اُٹھ کر اس کو گلے لگاتے ہوئے بولے۔

"مبارک ہو شرجیل بیٹا!" شرجیل شرم سے شرابور ہو گیا تھا۔

"ہاں جی ہاں جی!" شمع بی بی اور فائزہ کھل کھلا کر ہنسنے لگیں تو وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ماں جی! میں کچھ کھانے کے لیے لاتا ہوں۔" وہ اُٹھ کر جانے لگا تو شکیل احمد نے اس کو بٹھاتے ہوئے کہا کہ ان کو کسی بھی چیز کی طلب نہیں ہے سب کچھ تو کھالیا ہے۔ کیونکہ شمع بی بی بازار سے فروٹ خرید کر لے آئی تھیں اور ویسے بھی شکیل احمد اس بات کو اچھا نہ سمجھتے تھے کہ وہ بیٹی کے گھر سے کھانے وغیرہ کھائیں۔ وہ تو چائے پانی کو بھی کافی تکلفات میں شمار کرتے تھے۔ شرجیل کو بھی چائے کا کپ مناہل نے پیش کیا تو وہ ہنستا ہوا بولا۔

"چلو جی شکر ہے...... خالو جی! آپ روز ای آجایا کریں۔ مجھے چائے تو کپ میں ملا کرے گی۔" سبھی ہنسنے لگے تھے کیونکہ شرجیل کو پیالی میں چائے پینے کی عادت تھی۔

"ماشاءاللہ ابا بن گیا ہے لیکن عادتیں نہیں بدلیں۔" فائزہ نے کہا تو شمع بی بی ہنس کر رہ گئیں۔ شکیل احمد نے بھی بات چیت میں حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بھئی شرجیل! کام کاج کیسا چل رہا ہے؟" شرجیل سے پوچھا گیا سوال تھا لیکن شمع بی بی کے چہرے کی رنگت کو زرد کر گیا تھا لیکن وہ شرجیل کی طرف متوجہ ہو گئیں جو کہہ رہا تھا۔

"بس خالو جی! ایک دکان دیکھی ہے اوزار بھی خرید لیے ہیں۔ اب پھر سے شروع کرنے لگا ہوں۔ آپ کی دعا سے۔"

"اچھا بھئی...... یہ تو اچھی بات ہے۔ میری تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام میں برکت ڈالے۔" شکیل احمد کو اس کے لہجے سے تسلی ہوئی تھی کہ اب یہ کام ضرور کرے گا۔

"اچھا آپا!" فائزہ اور شکیل احمد اُٹھتے ہوئے بولے تو سب ہی ہنسنے لگے کیونکہ دونوں کے منہ سے ہی دونوں الفاظ ایک ہی وقت میں ادا ہوئے تھے۔

"ہمیں اجازت دیں۔" لیکن تحریم بولی۔

"خالہ! میں نہیں جا رہی ہوں۔ میں ان کو کہہ کر ہی آئی تھی کہ اب میں آپی کے پاس ہی رہوں گی۔" شمع بی بی مسکراتی ہوئی بولیں۔

"کیوں نہیں میری بیٹی! تم میرے پاس ہی رہو بلکہ مناہل کا خیال رکھو۔" وہ فائزہ کی جانب دیکھتی ہوئی بولیں۔

"لو بھئی فائزہ تم لوگ جانا چاہو تو اجازت ہے لیکن اب تحریم کو میں نے رکھ لیا ہے۔"

شکیل احمد بولے۔ "آپ اس کو نہ بھی کہتیں تو یہ تیاری کر کے ہی آئی ہوئی تھی۔"

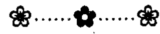
انہوں نے ہنستے ہوئے اجازت لی اور فائزہ بیگم کے ساتھ گھر سے نکل گئے۔ شرجیل چائے پی چکا تھا وہ تحریم سے بولا۔

"او کڑیئے پڑھ لکھ کے ڈاکٹر کدوں بنے گی؟"

تحریم، شرجیل کی عادت سے اچھی طرح واقف تھی وہ جانتی تھی کہ شرجیل پنجابی اور اردو مکس کر کے بولتا ہے۔ وہ اس کا خالہ زاد تھا اور ان سب کا بچپن بھی تقریباً ساتھ ہی گزرا تھا۔

"لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں شرجیل بھائی!" شرجیل نے اس کی طرف دیکھا اور شمع بی بی سے بولا۔

"لو...... والدہ ماجدہ! اس کو سمجھ نئیں آنے والی۔ گھر میں ہی کیس ہے اور پوچھ رہی ہے کہ......" شرجیل کو لگا تھا کہ وہ زیادہ بول گیا ہے۔ اس نے یک دم دانتوں تلے زبان دبالی اور سر پر ہاتھ رکھتا ہوا اندر کی جانب بھاگ گیا لیکن مناہل اور تحریم کے قہقہے اس کا تعاقب کر رہے تھے۔



بادشاہ نے اپنے ایک کمرے کے گھر کو دیکھا تو حیران رہ گیا کیونکہ وہ ایک کچا مکان تھا جس کی چھت لکڑی کی کڑیوں کے سہارے پر قائم تھی اور وہ جس گدے پر سوتا رہا تھا اس نے دیکھا کہ وہ گدا بھی کافی میلا کچیلا ہے لیکن ان سب چیزوں پر اگر کوئی بات حاوی تھی تو وہ تھی ساتھی کی پُرخلوص محبت اور اس کا ساتھ۔ جس کا احسان بادشاہ کبھی بھی نہ دے سکتا تھا۔ یہ ساتھی ہی تھا جس نے اس کو ریلوے اسٹیشن سے اُٹھا کر ایک پُرسکون کمرہ مہیا کیا تھا اور تقریباً اٹھارہ سالوں سے وہ اس کمرہ میں مکین تھا اور آج وہ اپنی روشن آنکھوں سے اس کمرہ کو دیکھ رہا تھا۔ ساتھی اس کے لیے کھانا لینے گیا تھا۔

وہ ہسپتال میں تقریباً ایک ہفتہ تک ایڈمٹ رہا تھا۔ اس کے سر پر ابھی تک پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے سر کے پیچھے کافی گہرا زخم تھا جس کو ٹانکے لگا کر بند کیا گیا تھا اور اس زخم سے کبھی کبھی درد کی ٹیسیں اُٹھتی تھیں۔ لیکن بادشاہ کو اس زخم پر پیار آتا تھا کیونکہ یہ زخم تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھرنے والا تھا لیکن اس زخم کی بدولت اس کو کھوئی ہوئی بینائی مل گئی تھی۔

اس نے بہت بڑی بڑی باتیں اور غلطیاں کی تھیں جو اس کو یاد آنے لگیں تھیں۔ اس کی آنکھوں نے ساون بھادوں کی طرح برسنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اسی گدے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہ اس گلی کو دیکھ کر آئے گا جہاں اس

نے بیس سال قبل اپنی بیٹی کو چھوڑا تھا۔ اور پھر وہ اپنی بیٹی کو بھی ملے گا۔ اس کو منائے گا۔ اس کی منتیں کرے گا اس کے قدموں میں بھی گرنا پڑا تو وہ گر کر معافی مانگ لے گا۔ لیکن وہ اس کو منا لے گا۔

''کہاں رکھو گے اس کو بادشاہ؟'' وہ چونک پڑا تھا کیونکہ یہ اس کا ضمیر تھا جو اس کو ملامت تو کرتا تھا لیکن بادشاہ اس کی تنقید اور ملامتی الفاظ سے کوئی نہ کوئی بہتری کا راستہ نکال لیتا تھا۔ اب بھی وہ اس کی بات کا جواب دیتا ہوا بولا۔

''رکھوں گا...... کیا مطلب؟ وہ تو سدا سے میرے دل میں رہتی ہے۔''

''تو پھر اس کو ڈھونڈ کیوں رہے تھے بادشاہ؟'' زہریلے الفاظ تیر بن کر اس کی طرف بڑھے تو اک کسک سی اُٹھی جو الفاظ بن کر واپس ضمیر کی طرف مڑی تھی۔

''دل نے تو اس کو کبھی خود میں سما لیا تھا جب میں نے اس کو ایک اندھیرے گھر میں چھوڑا تھا لیکن اب دیکھنا تو آنکھیں چاہتی ہیں کہ وہ کیسی ہوگئی ہے۔''

''ان ہیجڑوں کو کیسے مطمئن کرو گے؟''

''وہ میری داستان سن کر مجھ پر ترس کھا لیں گے۔''

''تو پھر اندھا ہی بنا رہ بادشاہ! کیونکہ ان ہیجڑوں نے اس کے جہیز کی ہر چیز بنا کر رکھی ہوئی ہے اور وہ اس کی شادی بھی کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں اپنی بیٹی کو جہیز میں اپنا آپ دے دوں گا۔ میں اس کی نوکری کروں گا۔ ساری زندگی اس کے قدموں میں گزار دوں گا۔'' بادشاہ بولا تو ضمیر اس کو خبردار کرتا ہوا کہنے لگا۔

''چپ...... چپ ہو جا بادشاہ! آنکھوں میں تیل ڈال لے اور خود کو اندھا ہی رہنے دے۔ ابھی اپنی آنکھیں کھولنے کی غلطی نہ کرنا بادشاہ!''

بادشاہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا کیونکہ واقعی ابھی وہ وقت نہ آیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنا کہہ سکتا۔ وہ اس وقت کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرے گا۔ وہ گرو سے پوچھے گا کہ اس کو چاندنی کہاں سے ملی تھی اور پھر وہ شمع کو بھی تلاش کرے گا۔ اصل میں تو وہ شمع کا ہی مجرم تھا۔ اس نے دو بار اس کی گود اُجاڑ دی تھی اور اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ شمع نے دونوں ہی بار بیٹی کو کوکھ میں پیدا کیا تھا۔

اور بادشاہ اس وقت بہت ہی ظالم بن گیا تھا۔ اس نے کس طرح شمع کی گود سے بچی کو چھینا تھا۔ وہ فعل یقیناً ایک ظالم شخص کا ہی تھا اور وہ ظالم بادشاہ تھا۔ اس کی آنکھیں پھر برسنے لگی تھیں۔ اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سن کر جلدی سے اپنی آستین سے اپنے آنسو پونچھے اور دروازے کی طرف دیکھا تو ساتھی اس کے لیے کھانا لایا تھا۔

''کیسا لگ رہا ہے بادشاہ؟'' ساتھی نے پوچھا تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''یوں لگ رہا ہے کہ ابھی ابھی پیدا ہوا ہوں۔'' ساتھی بھی ہنسنے لگا اور برتنوں میں سالن نکالنے لگا۔

''بادشاہ جس گاڑی والے نے تمہیں ٹکر ماری تھی نا...... وہ تو اکیس ہزار دے کر ایسا رفو چکر ہوا کہ مڑ کے بھی نہیں دیکھا۔''

بادشاہ نے سن کر قہقہہ لگایا اور بولا۔'' حالانکہ اس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کی ٹکر مجھے راس آ گئی ہے۔''

ساتھی نے کھانا زمین پر اخبار بچھا کر اس پر رکھا اور وہ دونوں کھانا کھانے لگے۔

''ساتھی! میں اس محلہ کی گلی میں جانا چاہتا ہوں جہاں میں نے اپنی چھ دن کی معصوم بیٹی کو چھوڑا تھا۔'' ساتھی کا ہاتھ رک گیا تھا وہ بادشاہ کی طرف دیکھنے لگا اور کہنے لگا۔''بادشاہ اگر میں تمہیں ایک مشورہ دوں تو کیا تم مانو گے؟''

بادشاہ نے بھی کھانا چھوڑ دیا اور ساتھی کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

''تم تو میرے محسن ہو ساتھی! مشورہ بھی دو گے تو میرے فائدہ میں ہی ہوگا۔ بولو کیا کہہ رہے ہو تم؟'' ساتھی اس کی بات سن کر بولا۔

''جب تک تم شمع بھابی کو ڈھونڈ نہیں لیتے تب تک...... اور پھر اپنے اس بھائی کو جس نے تمہاری پیٹھ میں چھرا گھونپ کر تمہیں کاروبار میں دھوکا دیا ہے اس کو ملنے تک...... تم اپنے اندھے پن کو یونہی برقرار رکھو گے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ مجھے اب اندھے ہونے کا ڈرامہ کرنا ہوگا؟'' بادشاہ اس کی بات سے تقریباً متفق ہوتا ہوا بولا۔

''ہاں...... تم شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومو پھرو اور اپنے بھائی کو تلاش کرو۔ شمع بھابی کو تلاش کرو ان ہیجڑوں سے مل کر بیٹی کی حقیقت جانو...... سب کچھ پا لو بادشاہ! خدا کی قسم! تقدیر تم پر مہربان ہونے والی ہے۔''

ساتھی نے بہت ہی اچھی بات اور مخلصانہ مشورہ دے کر بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا تھا۔''ٹھیک ہے ساتھی! جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہوگا۔'' کھانا کھانے کے بعد بادشاہ نے وضو کیا اور پھر جائے نماز بچھا کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ ہولے ہولے سے ہلنے والا اس کا بدن اس بات کا اشارہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے اور آنسوؤں کی زبان میں وہ معافیاں مانگ رہا ہے جو الفاظ کی محتاج نہیں ہوتیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ تو شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے وہ دلوں کے بھید اور انسانوں کی نیتوں کو خوب جانتا ہے۔



شمع بی بی نے جس دن سے بادشاہ کو دیکھا تھا اس کو ماضی بچھو بن کر کچوکے لگانے آ پہنچا تھا۔ وہ آنکھیں بند کرتیں تو اس منظر کی جلن ان کی آنکھوں کو جلانے لگتی تھی جس رات بادشاہ نے اس کی گود سے اس کی پھول جیسی بیٹی کو چھین کر کسی نامعلوم جگہ پر پھینک دیا تھا یا کسی کو دے دیا تھا لیکن وہ اب بادشاہ سے پوچھنا چاہتی تھیں کہ ان کی بیٹی کو کہاں پھینکا تھا۔ کیا وہ بادشاہ سے کبھی ملی ہے یا بادشاہ کبھی اس سے ملا ہے؟ وہ کیسی ہے؟ کتنی بڑی ہوگئی ہے؟ کیا وہ پڑھتی ہے؟ کیا اس کی شادی ہوگئی ہے؟

کتنے ہی دُکھ اور درد پر مبنی سوالات تھے جو شمع بی بی کے ذہن میں جنم لیتے اور پھر اس بات پر آ کر ختم ہو جاتے کہ وہ ایک اندھے فقیر سے باتیں کرے گی تو جوان بیٹوں کو کیا جواب دے گی۔ وہ محلہ داروں کی باتوں کا جواب کیسے دے گی۔ لوگوں کی نظروں کا کس طرح سامنا کرے گی۔ اور پھر اس عمر میں جبکہ وہ دادی بننے والی ہیں اور اگر ان کی بیٹی زندہ ہوتی تو وہ آج اس کے بچوں کی نانی بھی بنی ہوتیں۔ تقریباً پچیس سالوں کی داستان کو وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں سمو کر اپنے رسنے والے زخموں پر صبر اور سکون کا مرہم رکھ لیتی تھیں۔

''امی جی...... خالہ جان...... امی جی......'' یہ مناہل کی آواز تھی جو پریشان لگ رہی تھی۔ شمع بی بی نے آنکھیں

کھول کر دیکھا وہ پریشانی کے عالم میں ان کی طرف آ رہی تھی۔

''کیا ہوا مناہل! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' شمع بی بی کو اس کی کوکھ میں پلنے والے بچے کو لے کر تشویش ہونے لگی تھی۔ وہ مناہل کے پاس آنے پر اس کو پاس بٹھا کر اس کے ہاتھ سہلاتی ہوئی بولیں۔ ''کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہو؟''

''خالہ جان...... وہ......'' مناہل رونے لگی تو شمع بی بی کو اور بھی فکر لاحق ہو گئی۔

''کیا وہ...... کچھ بولو گی تو مجھے پتہ چلے گا نا؟'' ان کی پریشانی بھی بجا تھی کیونکہ مناہل روئے جا رہی تھی اور پھر انہوں نے دیکھا کہ تحریم بھی اندر سے پریشانی کے عالم میں آئی ہے تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''تحریم کیا ہوا ہے مناہل کو...... یہ رو کیوں رہی ہے؟''

تحریم نے مناہل کی طرف اور پھر شمع بی بی کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

''خالہ جان! میں اور آپی الماری کی صفائی کر رہی تھیں کپڑوں کو ترتیب سے رکھ رہی تھیں کہ آپی کو اپنے زیورات کی گمشدگی کا علم ہوا۔'' یہ بم شمع بی بی پر گرا کر تحریم پھر بولی۔

''ہم نے باری باری سب کپڑے اٹھا کر دیکھ لیے ہیں اور پوری الماری بھی دیکھ لی ہے لیکن زیورات کے خالی ڈبے ہی ملے ہیں۔''

شمع بی بی تخت پوش سے نیچے اتریں اور مناہل کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔ ''چلو میرے ساتھ...... میں دیکھتی ہوں۔'' وہ بھی پریشان ہو گئی تھیں۔ وہ تقریباً بھاگنے والے انداز میں تحریم اور مناہل سے پہلے اس کے کمرے میں پہنچی تھیں۔

کمرے کی حالت بتا رہی تھی کہ مناہل اور تحریم نے ہر چیز کو اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھ لیا ہے لیکن زیور نام کی کوئی بھی چیز کمرے میں نہیں ہے۔ وہ پریشانی کے عالم میں بیڈ پر بیٹھ گئیں اور مناہل کی طرف شرمندہ نظروں سے دیکھتی ہوئی اس کو پوچھنے لگیں۔

''کیا شرجیل سے تمہارا کوئی جھگڑا ہوا۔ یا اس نے تم سے کچھ کہا ہے؟'' مناہل نے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ اور بھی پریشان ہو گئیں۔ ان کی طبیعت خراب ہونے لگی تھی وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی ان کا سانس پھولنے لگا تھا تحریم ان کی طرف متوجہ تھی وہ فوراً آگے بڑھی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''خالہ جان! خالہ جی! کیا ہوا آپ کی طبیعت ٹھیک تو ہے؟'' لیکن شمع بی بی بیہوش ہو کر بیڈ پر ہی گر گئی تھیں۔

''خالہ جان! خالہ......'' تحریم اور مناہل پریشانی کے عالم میں ان کو آوازیں دے رہی تھیں۔ لیکن شمع بی بی بیہوش ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی تھیں۔

تحریم کی تعلیم کام آ گئی تھی اس نے فوراً ایمبولینس کو کال کی تو پانچ چھ منٹ میں وہ لوگ بھی پہنچ گئے تھے لیکن گلی میں ایمبولینس نہ آ سکتی تھی لیکن ڈاکٹر اور ریسکیو عملہ ان کے گھر تک پہنچ گیا تھا۔ گرو اور نیناں کے ساتھ چاندنی بھی ان کے گھر آ گئی تھی۔ ڈاکٹر نے شمع بی بی کو دیکھا اور ایک انجیکشن بھر کر ان کے بازو میں انجیکٹ کر دیا۔

''ڈاکٹر صاحب! خالہ کو ہسپتال لے چلیں؟'' تحریم نے کہا تو ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا اور بولا۔

''ان کا بلڈ پریشر کافی لو ہو گیا ہے۔ ابھی چند منٹ میں ہی نارمل ہو جائیں گی۔'' ڈاکٹر نے ان کا بلڈ پریشر چیک کرنا شروع کر دیا تھا لیکن تحریم اور مناہل کے ساتھ ساتھ چاندنی کی حالت بھی پتلی ہو رہی تھی۔ لیکن ایسی کیفیت چاندنی کی کیوں تھی یہ خود وہ بھی نہ سمجھ پا رہی تھی۔

''ڈاکٹر صاحب...... پلیز...... اگر کوئی معاملہ سنجیدہ ہے تو آپ ہسپتال لے چلیں پلیز۔'' یہ الفاظ چاندنی نے کیوں ادا کیے تھے۔ اس بات کو گرو اور نیناں تو سمجھ گئے کہ چاندنی نے پڑھی لکھی ہونے کی بنا پر اور حق ہمسائیگی ادا کرتے ہوئے ادا کیے تھے لیکن چاندنی کی کیفیت یک دم بدل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

ڈاکٹر نے ایک بار پھر بلڈ پریشر چیک کیا تو وہ مسکان ہونٹوں پر سجا کر بولے۔ ''آپ فکر نہیں کریں۔ اب یہ بہتر ہو رہی ہیں اور چند منٹ بعد یہ ہوش میں آ جائیں گی۔''

ڈاکٹر نے کاغذ پر کچھ دوائیاں لکھیں تو شمع بی بی کو ہوش آ گیا تھا۔ مناہل اور تحریم نے ان کو بیڈ پر لٹا کر ان پر کمبل ڈال دیا تھا۔ ڈاکٹر نے دوائیوں والی پرچی مناہل کو پکڑائی اور کچھ احتیاطی تدابیر بتا کر وہ چلے گئے۔

''کیا ہو گیا شمع باجی! کوئی پریشانی ہے تو بتا دو۔'' نیناں تالی بجا کر بولا تو تحریم ان کی طرف حیرانگی سے دیکھنے لگی تو شمع بی بی مسکرا کر ہولے سے بولیں۔

''کچھ نہیں بس چکر آ گئے تھے۔''

''ہائے ہائے...... شمع باجی! ہم آپ کے ہمسائے ہیں۔ اللہ نہ کرے کوئی مسئلہ ہو۔ آدھی زبان سے کہہ دینا بس پھر ہماری آنیاں جانیاں دیکھنا آپ۔'' گرو نے تالی بجائی تو شمع بی بی مسکرانے لگیں اور بولیں۔

''شکریہ'' وہ چاندنی کی طرف دیکھ کر حیران ہو گئی تھیں کیونکہ چاندنی کی آنکھوں میں آنے والی نمی ان سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

''آپ لوگ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔'' مناہل یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی تو گرو بولا۔

''شمع باجی! کیا کوئی صفائی وغیرہ کروا رہی تھیں۔'' وہ کمرے کی حالت پر اب غور کرتا ہوا بولا۔

''کافی کھلارا ڈالا ہوا ہے۔'' شمع بی بی خاموش ہی رہیں تو گرو بھی خاموش ہو گیا لیکن چاندنی کے آنسوؤں نے آج شمع بی بی کو بھی تڑپا دیا تھا۔

موسیٰ بھی کافی پریشان ہو گیا تھا وہ بوتیک سے واپس آیا تو شمع بی بی کو بستر پر پڑے دیکھا تھا۔ ایسا کبھی بھی نہ ہوا تھا وہ جب بھی گھر آتا تھا شمع بی بی اس کو ہمیشہ ہی مسکراتے ہوئے چہرے سے ملتی تھیں اور وہ سب سے پہلے ان کو سلام کرتا تھا لیکن آج تحریم نے دروازہ کھولا تو وہ حیران بھی تھا اور کچھ پریشان بھی تھا۔ کیونکہ اس کو آج صحن میں تخت پوش پر شمع بی بی نظر نہ آئی تھیں۔

''ماں جی کہاں ہیں تحریم!'' تحریم نے اس کی طرف دیکھ کر نظریں جھکائیں اور بولی۔ ''اندر اپنے کمرے میں ہیں۔''

''کمرے میں؟'' وہ تعجب سے بولا تو تحریم نے کہا۔ ''دراصل آج ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔'' موسیٰ گڑبڑا

گیا اور تحریم کی طرف دیکھتا ہوا ماں جی کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ تحریم کو اس کی ماں کے ساتھ وارفتگی پر خاصی حیرانگی بھی ہوئی تھی کیونکہ اس نے شرجیل کا ایسا رویہ اور ایسی کسی بھی کیفیت میں مبتلا نہ دیکھا تھا جس کیفیت میں موسیٰ مبتلا تھا۔

موسیٰ ماں کو بستر پر پڑے دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔ ''ماں جی!'' اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر شمع بی بی کو پکارا تو وہ مسکراتی ہوئی بولیں۔ ''بسم اللہ...... میرا بیٹا آ گیا۔'' وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں تو موسیٰ نے فوراً آگے بڑھ کر ان کو لیٹے رہنے کا کہا۔ موسیٰ چارپائی کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ وہ ان کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''کیا ہوا ہے ماں جی! آپ کا اُترا ہوا چہرہ تو بتا رہا ہے کہ آپ بیمار بھی ہیں اور پریشان بھی۔'' وہ موسیٰ کی بات سن کر مسکراتی ہوئی بولیں۔

''بیماری تو بذات خود بہت بڑی پریشانی ہے۔ ویسے بھی میرا بلڈ پریشر کم ہو گیا تھا اور یہ بچیاں پریشان ہو گئیں۔'' موسیٰ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو چومتا ہوا بولا۔

''ماں جی! ہم سب آپ سے بہت پیار کرتے ہیں تحریم اور مناہل بھابی بھی آپ کی بیماری سے پریشان ہو گئی ہیں۔''

''میں ٹھیک ہوں موسیٰ!'' وہ چارپائی سے اُٹھنے لگیں تو موسیٰ نے ان کو منع کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ لیٹی رہیں۔ میں تحریم سے کہتا ہوں کہ مجھے کھانا دے دے۔'' وہ اُٹھتا ہوا دوبارہ ان کی جانب مڑا اور بولا۔

''آپ آرام کریں۔'' اس نے یہ کہہ کر کمرے کی بڑی لائٹ آف کر کے چھوٹی جلا دی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ صحن میں لگے واش بیسن پر ہاتھ دھو رہا تھا کہ تحریم تولیہ لے کر اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے منہ دھو کر تحریم کی طرف دیکھا اور مسکراتا ہوا ''تھینک یو'' کہہ کر تولیہ پکڑ کر منہ صاف کرنے لگا۔

''کھانا لگاؤں؟'' تحریم نے پوچھا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''تم لوگوں نے کھا لیا؟'' تحریم نے نفی میں سر ہلایا تو وہ حیران ہو کر بولا۔

''کیوں نہیں تحریم۔''

''خالہ جان کی طبیعت خراب تھی۔ مناہل آپی شرجیل بھائی کے ساتھ کھاتی ہیں وہ ابھی آئے ہی نہیں اور پھر میں اکیلی تھی۔ میرا بھی دل چاہا کہ نہ کھاؤں۔ اس لیے نہیں کھایا۔'' تحریم کے منہ سے تمام تفصیل سن کر وہ ہنستا ہوا بولا۔

''اچھا چلو...... تم کھانا لگاؤ۔ ہم دونوں کھاتے ہیں۔'' موسیٰ نے اس کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ وہ کچن میں گھس گئی تھی۔ موسیٰ نے تخت پوش پر بیٹھ کر اس کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ تحریم اور ستارہ میں فرق محسوس کرنے لگا تھا۔

ستارہ خوبصورت تھی تو تحریم اس سے بھی خوبصورت تھی۔ ستارہ کافی امیر تھی لیکن تحریم دل کی بہت امیر تھی۔ وہ بچپن سے ہی موسیٰ میں دلچسپی لیتی تھی اس بات کا موسیٰ کو بھی علم تھا لیکن وہ جان بوجھ کر انجان بنا ہوا تھا۔ وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر وہ رشتہ کے لیے کہے گا تو ماں جی اور فائزہ خالہ تو فوراً ہی مان جائیں گی۔ اور پھر تحریم جیسی پڑھی

لکھی لڑکی کا اس کی زندگی میں آ جانا اس بات کی علامت تھی کہ اس کی زندگی خوشگوار بن جائے گی اور پھر ماں جی کو بھی سکون میسر آ جائے گا۔ لیکن ابھی تو شرجیل کی شادی کا بہت سا قرضہ موسیٰ نے اُتارنا تھا کیونکہ شرجیل نے تو آج تک کوئی بھی کام نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی اور وہ اپنی قسم نبھا رہا تھا۔

وہ شرجیل کا احترام کرتا تھا کیونکہ وہ دو ہی بھائی تھے اور شرجیل اس کا بڑا بھائی تھا اور اس نے ہمیشہ ہی باپ کی طرح اس کا احترام اور عزت کی تھی۔ بلکہ موسیٰ نے تو کوشش کی تھی کہ وہ شرجیل کے سامنے ہی نہ آیا کرے تاکہ کوئی بھی چھوٹی موٹی بات نہ ہو سکے پہلے تو وہ سجن کی وجہ سے ان کی بات میں ہنکارہ بھر دیا کرتا تھا لیکن سجن کے اپنے باپ کے گھر جانے کے بعد اس نے شرجیل کا سامنا کرنے سے کترانا ہی بہتر سمجھا تھا۔

تحریم نے کھانا میز پر رکھ دیا تھا اور وہ کرسی لے کر میز کے پاس موسیٰ کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ ''کھانا تیار ہے جناب!''

وہ تحریم کے پکارنے پر چونک گیا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''جناب؟'' تحریم روانی میں تو کہہ گئی تھی لیکن اس کو اپنے الفاظ دہرا کر تھوڑا سا کھسیانا ہونا پڑا تھا۔

''میرا مطلب تھا کہ کس سوچ میں گم ہو؟'' تحریم بات کو سنبھال گئی تھی۔

''کیا بات ہے تحریم...... تمہارے الفاظ تمہارے لہجے کا ساتھ کیوں نہیں دے رہے۔'' وہ اس کو چھیڑتا ہوا بولا۔

''اب اتنا بھی سمارٹ نہ بنو موسیٰ!'' وہ ہنستی ہوئی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

''بچپن سے آج تک ان آنکھوں نے کوئی اور سپنا نہیں دیکھا اور نہ ہی دل کی دھڑکنوں نے اس نام کے علاوہ کسی اور نام کی تسبیح کی ہے۔'' موسیٰ اس کے برملا اظہار پر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا تھا۔

وہ اس کی طرف دیکھنے لگا تو تحریم کی آنکھوں میں پیار ہی پیار تھا۔ ''اگر میں کہوں کہ میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو......؟''

تحریم کو ایک جھٹکا لگا تھا لیکن وہ موسیٰ کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتی ہوئی بولی۔ ''میں نے بچپن تمہارے ساتھ گزارا ہے اور ان آنکھوں کے جھوٹ سچ کو اچھی طرح سمجھتی اور جانتی ہوں۔'' وہ مسکرانے لگا اور ایک لمبی سانس فضا میں چھوڑتا ہوا بولا۔

''تحریم! میں نے ایک اچھے اور منفرد جیون ساتھی کی خواہش میں ہی آنکھوں کو نیند کا لارا لگایا ہوا ہے۔ اور ہر روز تمہیں میں نے اس فریم میں فٹ کیا ہے جو دل میں فکس ہے۔''

موسیٰ نے بھی اس کی محبت کا جواب دے کر اس کو تسلی دے دی تھی کہ وہ بھی اس کا ہے۔

دونوں کھانا کھانے لگے تھے۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو محبتوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے کھانا کھانے کے بعد موسیٰ نے تحریم سے ایک کپ چائے کی فرمائش کی تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''میں نے پہلے ہی دودھ چولہے پر رکھ دیا ہے اب اتنا تو مجھے پتہ ہے کہ جناب کو کیا کیا پسند ہے؟'' موسیٰ اس کے دلربا انداز پر مسکرانے لگا۔

''شکریہ تحریم!'' وہ کچن میں گئی تو موسیٰ بھی اس کے پیچھے جا کر دروازے میں اپنے سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو

گیا۔

''آج کیا ایسا ہوا تھا کہ ماں جی کی طبیعت خراب ہوگئی؟''

موسیٰ ذہین اور سمجھدار تھا اس بات کا تحریم کو علم تھا اور وہ سمجھ گئی تھی کہ موسیٰ کو شک ہے کہ خالہ جی کی طبیعت خراب ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے۔ کیونکہ یک دم بیماری کا حملہ آور ہونا اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ مریض نے اچانک سے ہی کوئی ٹینشن لی ہے۔ تحریم نے چائے کپوں میں ڈالتے ہوئے ایک کپ موسیٰ کو پکڑایا اور پھر اپنے کپ میں چائے ڈال کر وہ کچن سے باہر آ کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ موسیٰ بھی اس کے ساتھ تخت پوش پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ تحریم کی طرف اس انداز سے دیکھنے لگا کہ وہ اس کے سوال کا جواب کیوں نہیں دے رہی۔

''آپی کے زیورات گم ہو گئے ہیں۔'' تحریم نے پُرسکون انداز میں کہا تو موسیٰ اُچھلنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''زیورات گم......'' موسیٰ کو شاید یہ سمجھ ہی نہ آسکی تھی۔ وہ دوبارہ اپنی بات کو دہراتا ہوا بولا۔

''تم نے کہا کہ مناہل بھابی کے زیورات ان کے کمرے سے گم ہو گئے ہیں۔'' وہ ایک ایک لفظ کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتا ہوا بولا تھا۔

تحریم نے چائے کا گھونٹ بھرا اور ایک لمبی سانس لے کر موسیٰ کو بتانے لگی کہ خالہ جان کی طبیعت کس طرح خراب ہوئی تھی۔ وہ حیرانگی سے تحریم کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''اب تم خالہ جان سے اس بارے میں بات نہ کرنا۔'' تحریم نے کہا تو وہ اور بھی حیران ہوگیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ اس نے چائے کا کپ ہونٹوں کو لگا لیا تھا۔

''موسیٰ! خالہ جان کا اچھی طرح کسی اچھے سے ڈاکٹر سے چیک اپ کرواؤ۔'' موسیٰ نے چائے کا کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''اچھی طرح سے......تمہاری کیا مراد ہے تحریم!''

''کچھ خاص نہیں......بس اپنی تسلی کے لیے کہہ رہی ہوں۔'' موسیٰ نے اس کی سنجیدگی کو سنجیدگی سے لیا اور دوبارہ چائے کا کپ پکڑ کر ہونٹوں سے لگاتا ہوا بولا۔

''مناہل بھابی کیا کہتی ہیں؟''

''کچھ نہیں......بس رو رو کر خاموش ہوگئی ہیں۔'' تحریم خاصی سنجیدہ تھی۔

''موسیٰ! یہ شرجیل بھائی کیا کام کرتے ہیں؟'' یہ وہ سوال تھا جو موسیٰ کے ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ زیورات کی گمشدگی کا ذمہ دار شرجیل ہی ہو سکتا ہے۔ اب تحریم کا سوال بتا رہا تھا کہ وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچ گئی ہے کہ شرجیل ہی مناہل کے زیورات لے گیا ہے۔

''کوئی کام بھی نہیں کرتے شرجیل بھائی!'' اس نے جان بوجھ کر بات بدلی تھی ورنہ وہ تحریم کو بتانے لگا تھا کہ شرجیل جواء کھیلتا ہے۔ ''تو پھر کس طرح اس گھر کا نظام چل رہا ہے؟''

تحریم نے دکھ سے کہا تو موسیٰ نے اس کی طرف بھی دُکھ سے دیکھا تھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ گھر کا راشن بل اور دیگر اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں؟''

''میری تنخواہ سے۔'' وہ مختصراً بولا تو تحریم اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ موسیٰ نے چائے ختم کر لی تھی۔ وہ تحریم کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''تم میرے ساتھ ہو نا......؟'' یہ کیسا سوال تھا وہ سمجھ نہ سکی لیکن بولی۔

''ہاں......ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔''

''میرا ساتھ تو نہیں چھوڑ دو گی۔'' وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ موسیٰ پھر بول پڑا۔ ''سوچ کر جواب دینا تحریم۔''

''کیا تمہیں کوئی خطرہ ہے میری طرف سے؟'' وہ دھیرے سے مسکراتی ہوئی بولی تھی۔ وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا کہنے لگا۔

''تحریم! ان ستاروں کو دیکھو یہ ہر رات اسی طرح آسمان پر چمکتے رہتے ہیں لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے یہ ہمیں کبھی نظر بھی نہیں آتے اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت اور موسم سدا ایک جیسے نہیں رہتے۔''

''میرا مزاج اور میرا وعدہ وقت اور موسموں کا قیدی نہیں ہے موسیٰ!'' وہ مصمم ارادہ سے بولی تھی۔

''تم جو بھی کہنا چاہتے ہو کہہ دو مجھے بُرا نہیں لگے گا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ موسیٰ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہوا تو وہ بھی کرسی چھوڑ کر اُٹھ گئی۔

''تحریم! میرا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے لیکن میں ایک خاموش طوفان کو اس گھر کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔'' تحریم موسیٰ کی ذہانت کی قائل تھی اس کی بات کا جواب دیتی ہوئی بولی۔

''اگر طوفان خاموش ہے تو تمہارا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ طوفانوں کا شور انسانوں کے دلوں کی بستیاں ان کی بستیوں سے پہلے ہی اُجاڑ دیتا ہے۔'' وہ ہونٹوں پر مسکان سجا کر بولا۔

''خدا کرے کہ میرا اندازہ غلط ہی ہو۔ کیونکہ جاہل کے کہنے سے ٹھیکری سونا نہیں بن سکتی۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''پُرعزم ارادہ اور پُرحوصلہ انسان مٹی کو بھی سونا بنا سکتے ہیں۔'' اس نے تحریم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس کی بات کی تائید کی تھی۔

''میرے ساتھ چلو۔ میں مناہل بھابی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' تحریم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کپ ٹرے میں رکھا اور اس کے ساتھ مناہل کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

مناہل کی رو رو کر آنکھیں سوج گئی تھیں۔ اس نے سوجن زدہ آنکھوں سے موسیٰ کی طرف دیکھا اور پھر تحریم سے بولی۔

''کھانا کھایا تم دونوں نے؟'' موسیٰ نے اس کی نم آواز میں بھی اپنے لیے ہمدردی اور پُرخلوص پیار کے جذبات واضح طور پر محسوس کیے تھے۔ وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

''بھابی! میں آپ کا دیور بعد میں ہوں اور بھائی پہلے ہوں۔'' مناہل کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہونے لگی تھیں۔

''میں بہت شرمندگی محسوس کر رہا ہوں کہ آپ کا نقصان ہوگیا اور نقصان بھی گھر میں ہی ہوا ہے۔'' مناہل نے چونک کر اس کی طرف کرب سے دیکھا اور رونے لگی تو موسیٰ نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا اور پیار سے

بولا۔

''یہ چیزیں انسان کے لیے بنی ہیں انسان ان چیزوں کے لیے نہیں بنا۔'' مناہل نے روتے ہوئے اپنا سر موسیٰ کے سینے سے ٹکا لیا تو وہ بولا۔

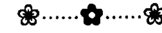
''بھابی! عورت کا اصل سنگھار تو اس کا خاوند ہوتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے ذہن میں اس وقت کیا چل رہا ہے لیکن میں اتنا ہی کہوں گا کہ صبر اور تحمل سے کام لیں۔ زیورات پھر بن جائیں گے۔'' اسی اثناء میں شرجیل اندر داخل ہوا تھا اس نے موسیٰ کو مناہل کے قریب قریب دیکھا تو اس کا خون کھولنے لگا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا۔

''خیر تو ہے۔ چھوٹے بھائی! بڑی لاڈیاں ہو رہی ہیں بھابی سے۔'' اس کے لہجہ کا طنز اور الفاظ کے نشتر موسیٰ، مناہل اور تحریم کے دلوں پر لگے تھے۔ مناہل موسیٰ سے پرے ہٹتی ہوئی رونے لگی تھی۔

''شرجیل بھائی! آپ کے زیورات گم ہو گئے ہیں۔'' تحریم نے کہا تو وہ کمال اداکاری سے بولا۔

''زیورات؟'' طنز اور حیرت نمایاں تھا۔ ''تو یہ اپنے گھر سے زیورات بھی لائی تھی۔ واہ بھئی کمال ہے؟''

اس کا انداز اور حرکت اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ اس کو زیورات گم ہونے کا دکھ تو درکنار گھر میں زیورات کی موجودگی کا بھی علم نہ تھا۔ موسیٰ اس کے کمرے سے باہر نکلا تو تحریم بھی اس کے پیچھے ہی باہر نکل آئی تھی۔



سالار نے ستارہ کے بوتیک جانے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ وہ ستارہ کے سامنے ہی موسیٰ سے دوستی کرنا چاہتا تھا کہ کل کو اگر وہ کسی جگہ موسیٰ سے ملتا بھی ہے اور اس کو ستارہ یا گھر کا کوئی اور فرد ان دونوں کو دیکھ بھی لیتا ہے تو بات بگڑ نہیں سکتی تھی۔ وہ جیسے ہی بوتیک میں داخل ہوا تھا موسیٰ اور ستارہ نے اس کو اپنے آفسز میں بیٹھے سی سی ٹی وی کیمروں کی مدد سے ٹی وی سکرینوں پر دیکھ لیا تھا۔ موسیٰ حیران رہ گیا تھا کیونکہ سالار نے پینٹ شرٹ اور کوٹ پہن رکھا تھا وہ ایک ذہین اور اچھی پرسنالٹی کا مالک معلوم ہوتا تھا۔

موسیٰ کو اس کے ساتھ ملز میں گزارا جانے والا وقت یاد آ گیا تھا۔ ان دونوں کے کپڑے گریسوں میں پسینے سے شرابور ہوا کرتے تھے۔ اور وہ ملز کی کینٹین میں دوپہر کا کھانا یا پھر چائے پی کر جو لطف محسوس کیا کرتے تھے وہ تو اب خواب ہی بن کر رہ گیا تھا۔ سالار چلتا ہوا ستارہ کے آفس میں داخل ہو گیا تھا۔ اب موسیٰ اس کو نہ دیکھ سکتا تھا لیکن ستارہ اس کو دیکھ سکتی تھی۔ سالار نے مسکرا کر ستارہ کو سلام کیا تو وہ بھی مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرتی ہوئی اس کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''تو آخر آپ نے وقت نکال ہی لیا میرے لیے۔'' آخری دو الفاظ سالار کو کھٹکنے لگے تھے۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''ہاں ستارہ! میں نے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تو مجھے بڑی شدت سے احساس ہوا کہ کاش میں انکل کا بیٹا ہوتا۔'' اس نے الفاظ کے پیرہن میں بال ستارہ کے کورٹ میں پھینکی تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''آپ تو کافی ذہین ہیں مسٹر سالار!'' وہ بھی مسکرانے لگا اور بولا۔

''آپ جیسی اگر میری بہن ہوتی تو میں خود کو کافی خوش نصیب سمجھتا۔''

''مجھ میں ایسا کیا دیکھ لیا آپ نے؟'' وہ بھی اس رشتہ پر ششدر اور خوشگوار حیرت میں مبتلا تھی۔

''ستارہ! تم ذہین ہو اور ماشاء اللہ اپنا بزنس بھی اچھے طریقے سے چلا رہی ہو۔'' سالار کہہ رہا تھا اور وہ سن رہی تھی۔

''اور تمہاری ان خصوصیات پر یقیناً کوئی بھی بھائی فخر ہی کر سکتا ہے۔ تو میں کیوں نہیں؟'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔

''تو آپ گھر سے باہر میرے پاس اس لیے آئے ہیں کہ مجھ سے رشتہ جوڑ سکیں؟'' وہ بھی اس کی سمجھداری پر ہنسنے لگا۔

''مجھے گھر میں بھی کوئی نہیں روک سکتا تھا لیکن میں رشتوں کا تقدس اور احترام برقرار رکھنے کے لیے پہلے ان کی [illegible]لی چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے کہ میں تمہیں اپنی چھوٹی بہن سمجھتا ہوں؟'' الفاظ ہی کا کھیل تھا وہ سالار کی طرف دیکھ کر بولی۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے سالار بھائی!'' سالار نے خوش ہو کر اپنی کرسی سے اُٹھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور بولا۔

''تو پھر آج سے تم میری بہن ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں۔''

''جی سالار بھائی! ضرور۔'' دونوں ہی مسکرانے لگے تو ستارہ بولی۔

''آپ کیا لیں گے چائے کافی یا پھر کچھ اور؟''

''ستارہ! میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے تمہارے بوتیک کا دورہ کر لوں۔ پھر سکون سے بیٹھ کر گپ شپ کریں گے۔ کیا خیال ہے؟''

سالار نے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی۔ ''وائے ناٹ بھائی!'' اس نے انٹرکام پر موسیٰ کو اپنے آفس بلایا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تو سالار اور موسیٰ کی آنکھیں چار ہو گئیں مگر دونوں ہی کمال کے اداکار تھے ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن گئے۔

''مے آئی کم ان میڈم!'' موسیٰ نے پوچھا تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''آپ آل ریڈی کم ان ہو گئے ہیں۔'' سالار مسکرایا تو موسیٰ نے اجنبی طور کے طور پر اس کو سلام کیا تو ستارہ بولی۔

''سالار بھائی! یہ موسیٰ ہیں اور موسیٰ یہ سالار ہیں میرے بھائی ہیں دبئی سے آئے ہیں اپنا بزنس یہاں سیٹل کرنا چاہتے ہیں۔'' موسیٰ نے سالار سے ایک بار پھر ہاتھ ملایا اور بولا۔

''نائس ٹو میٹ یو سر۔''

''سیم ہیئر مسٹر موسیٰ۔'' وہ ستارہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا بولا۔

''ستارہ تم نے بتایا نہیں کہ موسیٰ تمہارے بوتیک میں کیا جاب کرتے ہیں؟''

''او...... سوری بھائی! موسیٰ اکاؤنٹینٹ ہیں لیکن...... سارا نظام ان کے ہاتھ میں ہی ہے۔''

وہ اُٹھتی ہوئی بولی۔ ''تو چلیں؟'' سالار بھی اُٹھ کر اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''ضرور'' وہ موسیٰ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''موسیٰ آپ بھی ہمارے ساتھ آئیں۔ سالار بھائی کو بوتیک کا ایک راؤنڈ لگوانا ہے۔''

''جی پلیز......'' موسیٰ کی سعادت مندی دیکھ کر سالار دل ہی دل میں ہنس رہا تھا اور موسیٰ اس بات پر حیران تھا کہ اس نے ستارہ کو بہن بھی بنا لیا ہے۔ اور اس کا مطلب ہے کہ سالار رو باب میر کے گھر میں اپنا ڈیرہ جما چکا ہے۔ ستارہ اور موسیٰ سالار کو بوتیک کا ٹور کروا رہے تھے اور سالار واقعی حیران ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ امیر لوگوں کے چونچلے تھے اتنا مہنگا اور فضول قسم کا کپڑا صرف ایمبرائیڈری اور ڈیزائننگ کی وجہ سے دھڑا دھڑ فروخت ہو رہا تھا۔

ستارہ نے اچھی خاصی پوزیشن بنالی تھی کہ وہ اس شہر میں کسی بھی بڑے اور نامور بوتیکس کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ اس کو پیسے کی کوئی بھی پرابلم نہ تھی۔ وہ واپس ستارہ کے آفس میں آ گئے تھے۔ ستارہ نے سادہ پانی اور پھر کافی لانے کا کہا۔ موسیٰ بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔

''آپ تو کافی جینئس لگتے ہیں موسیٰ!'' سالار نے موسیٰ سے براہِ راست پوچھا تو وہ عاجزی سے بولا۔

''جی سالار صاحب! مجھے بھی ابھی ابھی پتہ چلا ہے کہ میں بھی جینئس ہوں۔'' قہقہہ ایسا تھا کہ ستارہ بھی حیران ہو گئی تھی۔

''سوری! یہ میری عادت ہے۔'' سالار نے کہا تو موسیٰ کا دل چاہا کہ اس کو کہے کہ ہاں مجھے تمہاری اس عادت کا بخوبی پتہ ہے۔

کافی آ گئی تھی۔ وہ باتیں بھی کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ کافی سے لطف اندوز بھی ہو رہے تھے۔

''ہاں تو سالار بھائی! کیسا لگا میرا بزنس؟'' ستارہ نے پوچھا تو سالار جو کہ کافی متاثر ہوا تھا۔ دل سے ہی بولا۔

''بھئی ستارہ سچ پوچھو تو میں بہت متاثر ہوا ہوں کہ تم اتنا بڑا بزنس اکیلے ہی چلا رہی ہو۔ ونڈرفل۔''

''اکیلی کہاں ہوں سالار بھائی! موسیٰ جو میرے ساتھ ہیں۔'' یہ الفاظ اور لہجہ اس وارفتگی میں ادا کیا گیا تھا کہ موسیٰ کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا جبکہ سالار موسیٰ کی طرف دیکھنے لگا تو ستارہ بولی۔

''دراصل میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ موسیٰ کو پاپا نے میرے پاس بھیج کر یقیناً میرے بزنس پر احسان کیا ہے کیونکہ ایمانداری اور بزنس کی سوجھ بوجھ موسیٰ میں کافی ہے۔''

موسیٰ کی تعریفیں سن کر سالار کو احساس ہونے لگا تھا کہ معاملہ کافی حد تک آگے بڑھ چکا ہے لیکن یہ تو ستارہ کے جذبات اور خیالات کا اظہار تھا اور ان خیالات سے موسیٰ کتنا متفق تھا یا موسیٰ کی دلچسپی ستارہ میں کس حد تک تھی سالار اس بات کا اندازہ لگانے سے عاری تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے ستارہ شام کو کھانے پر ملتے ہیں۔'' سالار اٹھتا ہوا بولا تو ستارہ اور موسیٰ بھی کرسیوں سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''جی سالار بھائی! ضرور......'' ستارہ نے کہا تو سالار نے موسیٰ سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

''مجھے آپ سے مل کر اچھا لگا موسیٰ ہم جلدی ایک ملاقات کریں گے۔'' یہ کہہ کر سالار کمرے سے باہر نکل گیا

اُس موسیٰ کو اشارہ دے گیا کہ وہ جلدی اس سے ملے گا۔



بادشاہ نے اپنی چھڑی پکڑی اور دیکھتی آنکھوں سے نابینا بننے کی اداکاری کرتا ہوا گھر سے نکلا تو آج اس کو دنیا بہت خوبصورت لگ رہی تھی اس کا انداز بالکل ایسا تھا کہ وہ آج ہی پیدا ہو کر اس علاقہ میں آ گیا ہے۔ یہ محلہ یہ علاقہ اس کے لیے نیا نہ تھا لیکن بینائی کھونے سے پہلے اس علاقہ کی ترقی اور جدت ایسی نہ تھی جیسی آج تھی۔ وہ یقیناً پچیس سالوں تک بینائی کے بغیر اس علاقہ میں گھومتا رہا تھا۔ لیکن آج اس کو سڑک کے کنارے لگی ہوئی رنگین لائینیں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

عمارتوں پر بڑے بڑے بورڈز بھی اس کی نگاہوں کو حیران کر رہے تھے۔ سڑکوں پر رواں دواں نئی اور چمچاتی ہوئی جدید گاڑیاں اور سینماؤں کے رنگین فلمی پوسٹرز اور بہت کچھ جو کبھی اس کے دور میں بلیک اینڈ وائٹ ہوا کرتا تھا۔ آج سائنس کی ترقی اور جدت نے سب کچھ رنگین کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کو سڑک کے درمیان بنے ہوئے گرین بیلٹس اور سبزہ بھی بھلا لگ رہا تھا۔ وہ خوشگوار حیرت سے سارے مناظر کو دیکھتا ہوا کسی سے ٹکرا گیا تو وہ آدمی غصے سے بولا تھا۔

''اوئے بابا! اندھا ہو گیا ہے تُو۔'' پھر جب اس نے بادشاہ کو دیکھا کہ وہ اندھا ہے اور خود آنکھوں کی روشنی ہونے کے باوجود بھی وہ اس سے آٹکرایا ہے تو خود ہی شرمندہ ہو کر ایک طرف کو چلا گیا تو اس کی ندامت پر بادشاہ مسکرانے لگا۔

''اس کو کیا پتہ کہ اندھا تو وہ خود ہے۔ بادشاہ تو اب دیکھ سکتا ہے۔'' وہ خود ہی بڑبڑایا تھا اور پھر ایک معروف چوراہے پر اس نے دائیں بائیں دیکھا تو ٹریفک کا اژدحام دیکھ کر اس کی روح ہی فنا ہو گئی تھی اور وہ جب دیکھ نہیں سکتا تھا تو کوئی نہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو سڑک پار کروا دیتا تھا۔ اب بھی کچھ ایسا ہی کرنا پڑتا تھا کہ کوئی اس کو سڑک پار کروا دیتا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ اس طرح آگے کر دیا کہ وہ سڑک پار کرنا چاہتا ہے اور خود آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھانے لگا تو ایک موٹر سائیکل والے نے بمشکل بریک لگا کر اس کے پاس آ کر غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''اوئے بابا! انا ہو گیا ایں۔ کیوں مرنا ای......''

اچانک کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''آئیے میں آپ کو سڑک پار کروا دیتا ہوں بابا جی۔'' اس نے دیکھا کہ وہ کوئی سٹوڈنٹ تھا اس کے ہاتھ میں کتابیں تھیں اور وہ پینٹ شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کو سڑک پار کروا دی اور خود ایک طرف کو چل دیا تھا۔

بادشاہ اتنی ٹریفک دیکھ کر تو ویسے ہی گھبرا گیا تھا لیکن اس کو حوصلہ تھا کہ وہ ہر روز ہی انہی راستوں سے گزر کر جاتا ہو گا۔ وہ ایک بار اس گلی میں ضرور جانا چاہتا تھا جہاں اس نے پچیس سال پہلے اپنی بیٹی کو چھوڑا تھا۔ اس کو وہ محلہ اور گلی اچھی طرح یاد تھی۔ اور پھر وہ بعد میں گرو اور نیناں کے گھر میں جا کر چاندنی کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ابھی وہ اندھے پن کی اداکاری کرتا ہوا چلا جا رہا تھا اور کسی دکان پر رک کر بھیک بھی مانگ لیتا تھا اور آج بھی وہ وہی پرانی صدا ہی لگا رہا تھا کہ ''بیٹی رحمت۔ ہے۔ بیٹی زحمت نہیں ہے۔''

لوگ اس کو پہچانتے تھے اس لیے روزانہ کی طرح اس کو بھیک میں پیسے بھی مل رہے تھے جن کو وہ اپنے کرتے کی
سائیڈ جیب میں ڈالتا جا رہا تھا۔ وہ آج جاگتی آنکھوں سے پچیس سال بعد اس محلّہ میں پہنچا تھا۔ اس نے اندازہ لگانا
شروع کر دیا کہ وہ اس منحوس رات کو کس طرف سے آیا تھا اور پھر کدھر گیا تھا۔ اس کو زخموں والی گھائل گھائل رات آج
بھی یاد تھی۔ شمع نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔ اس کے پاؤں پکڑے تھے۔ اس کی منتیں کی تھیں۔ اس کو خدا
رسول ﷺ کے واسطے بھی دیئے تھے لیکن بادشاہ اس لمحہ فرعون بنا ہوا تھا۔ اس نے شمع کی گود سے بچی چھینی اور اس کی
ہر التجا کو وہ اپنی ٹھوکر سے روندتا ہوا گھر سے بھاگ نکلا تھا۔

اس نے بازار سے ایک ٹوکری خرید کر بچی کو اس میں لٹا دیا تھا۔ اور بچی نے اس کی طرف ملتجی نظروں سے دیکھ
کر اپنا قصور پوچھا تھا لیکن بادشاہ سچ میں اسی وقت اندھا ہو گیا تھا جو بچی کی معصوم آنکھوں کی التجا نہ پڑھ سکا تھا۔ اس
نے ایک گلی کا انتخاب کیا تو گلی کے سرے پر جا کر اس کو معلوم ہوا کہ گلی بند ہے اور اس گلی میں تقریباً ہر گھر کا دروازہ بھی
بند تھا لیکن آخری گھر جو کہ دائیں طرف تھا اس کے دروازے سے آنے والی ہلکی سی روشنی اس بات کی علامت تھی کہ
یہ دروازہ کھلا ہے۔

بادشاہ نے چادر کے اندر ٹوکری کو چھپایا ہوا تھا۔ اس نے کانپتے اور لرزتے ہاتھوں سے دروازے کو دھکیلا تو وہ
کھلتا چلا گیا۔ بادشاہ نے خوفزدہ انداز میں اردگرد دیکھا تو اس کو گھر کے وسیع صحن میں کوئی بھی ذی روح نظر نہ آ رہا تھا
ساٹھ واٹ کے بلب کی نارنجی روشنی نے صحن میں اندھیرے کے وجود کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

بادشاہ نے دھڑکتے دل اور کانپتے پاؤں اور لرزتی ٹانگوں سے صحن میں اپنا پہلا قدم رکھا اور پھر اپنے اس گھر میں
موجود ہونے کا اندازہ لگانے کے لیے وہ اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔ لیکن کوئی بھی ردِعمل نہ پا کر اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا
لیکن ایک بات اس کو خوفزدہ کر رہی تھی کہ ہو سکتا ہے اس گھر کا کوئی فرد اس وقت گھر سے باہر کوئی چیز لینے گیا ہو۔ اگر
وہ واپس آ گیا تو پھر کیا ہو گا؟

ایسی صورت میں بادشاہ نے صحن کا ایک اندھیرا کونا دیکھ لیا تھا لیکن اس کو کسی بھی خطرے کی آمد سے پہلے پہلے
اپنا کام کرنا تھا اور وہاں سے نکلنے کی جلدی کرنا تھی۔ اس نے اسی کونے میں ٹوکری رکھی اور جلدی سے واپس آنے لگا
تو اس کی چادر ٹوکری میں اڑ گئی لیکن وہ جیسے ہی چادر چھڑانے کے لیے جھکا تو چادر کو ننھی منی بچی کے ہاتھ میں پکڑا دیکھ
کر تو ایک بار اس کی روح بھی کانپ گئی تھی۔

اس نے بچی کی طرف دیکھا جو معصوم اور بھولے بھالے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ بادشاہ کا
کلیجہ ایک لمحے کو تو منہ کو آیا لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو پتھر کرتے ہوئے کہا۔

''اگر تم نہ ہوتی تو آج میرا بیٹا ہوتا اور وہ میری تمام جائیداد کا وارث ہوتا...... تم...... تم تو مجھے نیچا دکھاؤ گی۔
لوگ کیا کہیں گے کہ بادشاہ کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ تم زحمت ہو۔ زحمت ہو۔ زحمت ہو۔''

یک دم بادشاہ کا پورا وجود لرز کر رہ گیا کیونکہ وہ اسی بند گلی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ آج اس گلی کو گیٹ لگا
ہوا تھا جس کا ذیلی گیٹ کھلا تھا اور وہ اندر داخل ہو کر صدا لگانے لگا۔

''بیٹی رحمت ہے۔ بیٹی زحمت نہیں ہے۔''

اس نے نگاہیں گھما کر دیکھا تو اس گلی میں تقریباً سبھی مکان نئے تعمیر ہو چکے تھے کیونکہ پچیس سال میں پیدا
ہونے والی نسل نے پرانے مکانات کو جدید ماحول اور نئے تعمیراتی انداز میں اپنی ضروریات کے مطابق تعمیر کروا لیا
تھا۔ اس کو صدا لگانے پر پیسے ملنا شروع ہو گئے تھے۔ ایک چھوٹے سے بچے نے اس کے ہاتھ پر دس کا نوٹ رکھا اور
بولا۔

''بابا جی! آگے تو گلی بند ہے۔ آپ کہاں جا رہے ہیں۔''

''اچھا......'' بادشاہ نے حیرت سے پوچھا۔ ''میں تو سمجھا کہ گلی کھلی ہے تو دوسری طرف سے نکل جاؤں گا۔'' اس
نے کن اکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ یہ وہی گلی تھی جو بند تھی لیکن آج سے پچیس سال پہلے وہ اپنی زندہ بیٹی کو اس بند گلی کے
آخری گھر میں درگور کر گیا تھا۔

وہ لرزتے قدموں سے آگے بڑھا اور اس آخری گھر کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ گھر بھی نو تعمیر شدہ لگ رہا
تھا۔ اب لکڑی کے دروازے کی جگہ لوہے کے گیٹ نے لے لی تھی اور باہر کی جانب دیواروں کی جگہ پر کھڑکیاں اور
ایک جالی والا دروازہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ یہ بیٹھک ہے۔ اس نے غور سے اس گھر کو دیکھا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنے والے آنسو اس کو ملامت کرنے لگے تھے۔ اس نے بچی کو یہاں پھینک کر اللہ کی
رحمت کو گویا ٹھکرایا تھا اور آج تک وہ اس رحمت کے اس طرح گم ہو جانے پر خود کو رو رو کر ملامت کر رہا تھا لیکن اس
کے آنسو ابھی بھی اس کی غلطی کا ازالہ نہ بن سکے تھے۔

اگر اس کو چاندنی کا علم ہو گیا تھا تو شمع کا ملنا بھی بہت ضروری تھا۔ وہ رو رو کر شمع سے معافی مانگنا چاہتا تھا اور
اپنے گناہوں کے ازالے کے لیے اس کے قدموں میں بھی گر کر معافی مانگنا چاہتا تھا کیونکہ شمع کے معاف کرنے کے
بغیر اس کو بھی علم تھا کہ اس کی زندگی پُرسکون نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے آنسوؤں کی سرزمین بناتے ہوئے آنسوؤں سے ہی اس کو زرخیز بنا کر واپسی کا ارادہ کیا اور آہستگی سے
لاٹھی کا سہارا لیتا ہوا گلی سے باہر نکل آیا۔ وہ کسی بزرگ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا یہ آخری گھر کبھی ہیجڑوں کا بھی ہوتا
تھا؟

اس کو ایک تھڑی پر بزرگ بیٹھا ہوا نظر آ گیا تھا لیکن وہ اب اس بزرگ سے کس طرح بات کر سکتا تھا یہ لمحہ فکریہ
تھا وہ لاٹھی کو جان بوجھ کر اِدھر اُدھر گھماتے ہوئے زمین پر مارنے لگا تھا۔ اس کی یہ چھوٹی سی کوشش کامیاب ہو گئی
تھی۔ وہ بزرگ بولا۔

''کیا بات ہے...... کدھر بھٹک رہے ہو...... کدھر جانا ہے......؟'' اس نے آواز کی سمت دیکھا اور لاٹھی کے
سہارے چلتا ہوا بزرگ سے ٹکرانے لگا تو اس نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس تھڑے پر بٹھا لیا۔

''باؤ جی!'' وہ جان بوجھ کر بزرگ کو باؤ جی کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس کو واقعی نظر نہیں آتا ہے۔

''کیا یہ وہی گلی ہے جس میں ہیجڑوں کا گھر ہے۔'' اس نے یہ نہ پوچھا تھا کہ کبھی ہیجڑوں کا گھر ہوتا تھا۔ اس
نے اپنا سوال الفاظ کے لبادے میں لپیٹ کر انداز بدل لیا تھا۔ وہ بزرگ ہنستا ہوا بولا۔

''میں تم جیسا بڈھا بزرگ ہی ہوں۔ باؤ شاؤ نہیں ہوں۔'' بادشاہ اس کی بات سن کر ہنستا ہوا بولا۔

"اندھا ہوں جی! پہچان تو آنکھوں والے ہی کر سکتے ہیں۔ بڈھے اور جوان کی......" بزرگ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس میں کچھ روپے رکھے اور بولا۔

"لیکن تم ہیجڑوں کا کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس سوال نے بادشاہ کو چکرا دیا لیکن گھبرانے سے بات خراب بھی ہو سکتی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"میں پچیس سال پہلے حج کرنے گیا تھا۔ تب میرے ساتھ ایک ہیجڑہ بھی گروپ میں شامل تھا اس نے بتایا تھا کہ وہ اس شہر کی اس گلی میں رہتا ہے۔ محلہ بھی یہی تھا۔"

بزرگ ہنستا ہوا بولا۔ "وہ تمہارے ساتھ مذاق کر رہا ہوگا یا پھر وہ تمہیں پتہ نہیں بتانا چاہتا ہوگا۔ کیا تم نے اس سے نام پوچھا تھا؟" بادشاہ کو وہ بڈھا خاصا ذہین لگ رہا تھا۔

"ہاں جی! اس کا نام نیناں تھا......" بادشاہ نے گرو نہ کہا تھا کیونکہ یہ کوئی نام نہیں بلکہ عہدہ تھا۔

بزرگ اپنے ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "ہاں بھئی...... نیناں نام کا ایک ہیجڑہ اس گلی میں...... وہ آخری مکان میں رہتا تھا۔"

بزرگ نے انگلی کا اشارہ گلی کے آخری مکان کی طرف کیا تو بادشاہ نے بے ساختہ ہو کر اس کی انگلی کے اشارے پر گلی میں دیکھا لیکن بزرگ اس کو نہ دیکھ پایا تھا۔ ورنہ وہ مشکوک ہو جاتا۔

"لیکن اب تو پتہ نہیں وہ کہاں ہیں...... ان کا پورا ایک گروپ تھا۔ ان کا بڑا...... اور پھر دو عجیب سے کھسرے اس کے ساتھ ہوتے تھے۔" بزرگ بولا۔ وہ شاید ویہلا ہی تھا لیکن بادشاہ کے کام آ رہا تھا۔

"اچھا...... اس نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا۔ میں تو اس سے ملنے ہی آیا تھا اور اس کی بیٹی سے بھی ملنا چاہتا تھا۔"

بادشاہ نے بیٹی کا ذکر چھیڑ کر بات کو آگے بھی بڑھایا تھا اور بزرگ کے تاثرات بھی دیکھے تھے۔

"بیٹی؟" بزرگ ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔

"ہاں جی...... اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی ایک بیٹی بھی ہے۔" بادشاہ نے دیکھا تھا کہ بزرگ ایک دم چونکتا ہوا بولا۔

"ہاں...... یاد آ گیا...... بیٹی...... لیکن وہ ان کی بیٹی نہ تھی۔ تم خود سوچو کہ ہیجڑوں کے ہاں تو اولاد ہوتی ہی نہیں ہے۔"

"لیکن پھر وہ بیٹی کس کی تھی؟" بادشاہ تڑپ کر بولا تھا۔

"کوئی اپنا گناہ چھپانے کے لیے اپنی بچی کو ان کے گھر میں چھوڑ گیا تھا۔" بزرگ بولا تو ایک بارودی گولا بادشاہ کے دل کو گھائل اور ذہن کو مفلوج کرتا ہوا پھٹ گیا تھا۔ "گناہ؟" وہ زیر لب بڑبڑایا تھا۔ بزرگ پھر بولا۔

"اور پھر ان ہیجڑوں کو اس بچی کی وجہ سے ہی یہ گلی اور محلہ چھوڑنا پڑا تھا۔ کیونکہ لوگ طرح طرح کے سوالات ان سے پوچھتے تھے۔"

بادشاہ اُٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا......؟ پر اس نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔ میں تو بے ضرر سا فقیر ہوں۔"

"وہ لوگ نہیں چاہتے ہوں گے کہ ان کے صحیح پتہ سے کوئی واقف ہو۔ خیر...... ڈھونڈو ان کو اگر لازمی ہی ملنا ہے تو......؟" بزرگ نے یہ کہہ کر گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

بادشاہ نے اس کو سلام کیا اور گلی سے آہستہ آہستہ نکل کر بازار میں آ گیا تھا۔ اس کا کام ہو گیا تھا۔

وہ گرو کی گلی میں پہنچ گیا تھا اس نے اپنی صدا لگا دی لیکن اس کی آنکھیں گرو کے دروازے پر ہی لگی ہوئی تھیں۔ اس کو پوری امید تھی کہ اس کو کھانا دینے کے لیے چاندنی ہی آئے گی اور وہ پچیس سال بعد اپنی بیٹی کو دیکھ سکے گا۔ اس کو ساتھی نے بھی بتا دیا تھا کہ بند گلی کا آخری مکان ہیجڑوں کا تھا اور آج تو اس نے خود اپنی بات کی تصدیق کر لی تھی کہ ہیجڑوں کے گھر میں کوئی اس بچی کو چھوڑ گیا تھا جس کی وجہ سے ہیجڑے یہ گلی یہ محلہ ہی چھوڑ گئے تھے۔ اب اس کی نگاہیں اس بات کی منتظر تھیں کہ کب چاندنی دروازہ کھول کر اس کو "بابا" کہہ کر پکارے۔

لیکن کافی وقت گزر گیا تو اس کو پریشانی ہونے لگی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ اس نے اس بار قدرے اونچی آواز میں صدا لگائی۔ "بیٹی رحمت ہے......زحمت نہیں...... بیٹی...... بیٹی رحمت ہے۔" اس انداز ایسا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو پکار رہا ہو۔ اس بار اس کی کوشش کامیاب ہو گئی تھی۔ دروازہ ضرور کھلا تھا لیکن چاندنی تو نہ آئی گرو آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کھانا تھا۔ وہ خاصا اُداس اور پریشان لگ رہا تھا۔

بادشاہ نے اس کی صورت دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ گرو ہے۔ کیونکہ اس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو چکے تھے اور میک اپ سے عاری چہرہ اور اُداس آنکھیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ اس کو اپنی ڈھلتی عمر کے ساتھ ساتھ آنے والی موت کا بھی خوف ستانے لگا ہے۔

اس نے بادشاہ کو پکارا۔ "لو بابا جی کھانا کھا لیں۔" بادشاہ اس کی آواز کی سمت بڑھا اور اس کی تھڑی پر بیٹھ گیا اس نے اپنے ہاتھوں کو معمول کے مطابق آگے کیا تو گرو نے کھانا اس کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔ وہ کھانا لے کر بولا۔

"گرو"

"ہاں بابا جی!" اس کی بات کی تصدیق تو گرو کی آواز نے ہی کر دی تھی لیکن اب بادشاہ کے پکارنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ صحیح پتہ چل جائے کہ یہ نیناں ہے یا گرو ہے۔

"ایک بات پوچھوں گرو۔" گرو ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہاں بابا جی! پوچھیں۔"

"آج تمہاری آواز میں اُداسی اور لہجے میں نمی ہے۔ کوئی پریشانی ہے؟"

گرو نے غور سے بادشاہ کی طرف دیکھا اور پھر اُداس لہجے میں بولا۔ "میں اپنی بیٹی چاندنی کی وجہ سے پریشان ہوں بابا۔" بادشاہ کا چاندنی کے ذکر پر دل زور سے دھڑکا تھا۔

"چاندنی؟"

"ہاں بابا! وہ تو پریشان ہے ہی لیکن ہم اس کو اس حالت میں دیکھ کر زیادہ پریشان ہو گئے ہیں؟" گرو نے کہا تو بادشاہ کانپتے ہونٹوں سے بولا۔

"اگر تم بُرا نہ مانو تو مجھے بتا سکتے ہو کہ مسئلہ کیا ہے۔ تم سب گھر والے پریشان کیوں ہو؟"

بادشاہ تو چاہتا تھا کہ چاندنی کی زیادہ سے زیادہ باتیں کوئی اس کے ساتھ کرے اور خاص کر گرو۔ کیونکہ گرو نے اس کو گود کھلایا تھا۔ اس کو پالا پوسا تھا۔ اس کا بچپن اور جوانی گرو اور نیناں کی محبتوں کی مرہونِ منت تھی اور بادشاہ کی یہی خواہش تھی کہ وہ جان سکے کہ کیا یہ سب لوگ چاندنی کی وجہ سے پریشان ہیں؟

''لیکن آپ کیا کر سکتے ہو بابا؟'' گرو دُکھی ہو گیا تھا اور اس کا سوال سن کر خود بادشاہ بھی دُکھی ہو گیا تھا۔ ''میں دعا کر سکتا ہوں گرو اور مجھے یقین ہے کہ میرا پروردگار میری دعا کو رد نہیں کرے گا۔''

گرو نے محسوس کیا کہ بادشاہ دل سے کہہ رہا ہے وہ چاندنی کی وجہ سے کافی دُکھ محسوس کر رہے تھے۔ گرو نے گلی میں بات کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ وہ بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اوپر اُٹھاتا ہوا بولا۔

''اندر آ جاؤ بابا! ایسی باتیں گلیوں میں کرنا مناسب نہیں لگتا ہے۔'' وہ اپنی چھڑی کو پکڑتا ہوا گرو کے ساتھ اس کے ساتھ اس کے ہاتھ کے آسرے پر ان کے گھر میں گھس گیا تھا۔ اس نے کن کھیوں سے دیکھ لیا کہ صحن میں ایک تخت پوش بچھا ہوا ہے اور دیوار کے ساتھ ساتھ گملوں میں طرح طرح کے پودے لگے ہوئے ہیں۔

اس کو یہی اشتیاق تھا کہ کہیں سے چاندنی آ جائے اور وہ دیکھ لے کہ اس کی بیٹی کیسی ہو گئی ہے؟ اس سوال کو دل میں لیے گرو کے ساتھ تخت پوش تک پہنچا تو گرو نے اس کو بیٹھنے کو کہا۔ ''بیٹھو بابا!'' بادشاہ تو کمال کا فنکار تھا۔ اس نے گرو کے منہ سے سن کر جگہ کو ٹٹولتے ہوئے نیچے ہی بیٹھنے کو ترجیح اس طرح دی کہ اس کو بیٹھنے کے لیے زمین کے علاوہ کوئی اور چیز یہاں محسوس ہی نہیں ہوئی ہے۔

لیکن گرو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو تخت پوش پر بٹھا لیا۔ ''نیناں...... نیناں......'' گرو نے اندر کی جانب منہ کر کے آوازیں لگانا شروع کیں تو اندر سے نیناں بھی چلتا ہوا آ رہا تھا۔ بادشاہ نے دیکھ لیا تھا کہ جوانی میں یہ ہیجڑہ کافی خوبصورت ہو گا کیونکہ اس کے نین نقش بھی لڑکیوں جیسے ہی تھے اور ابھی تک اس نے اپنے آپ کو فٹ ہی رکھا تھا۔

''کیا بات ہے گرو؟'' نیناں کی آواز میں بھی اُداسی اور نمی نمایاں تھی۔ ''آج بادشاہ بابا کو اندر ہی بلا لیا ہے۔ خاص بات ہے کوئی؟'' نیناں بھی ایک موہڑہ لے کر ان کے سامنے بیٹھ گیا تو گرو نے بتایا کہ ''بابا چاہتا ہے کہ ہم اپنی پریشانی بتائیں تا کہ یہ اللہ سے دعا کر سکے اور ہماری پریشانی کم ہو جائے۔''

''ہاں گرو!'' نیناں نے ایک لمبی سانس فضا میں چھوڑی۔

''میں بابا کے لیے چائے بنا کر لاتا ہوں۔'' نیناں یہ کہہ کر اُٹھ کر چلا گیا تھا۔ گرو نے بتانا شروع کر دیا تھا کہ چاندنی کس طرح یونیورسٹی میں ہی ایک لڑکے سے پیار کرتی تھی۔ دونوں نے آپس میں عہد و پیمان کر لیے تھے لیکن جب اس کا امیر باپ ہمارے گھر رشتہ لینے آیا تو ہمارا جھگڑا ہو گیا اور اس لڑکے نے غصہ میں آ کر اپنی ماں کی توہین کا بدلہ لینے کے لیے گرو کے منہ پر تھپڑ دے مارا تھا۔ یہ بتا کر گرو فضا میں دیکھنے لگا تھا لیکن بادشاہ کے دل پر ایک گہرا زخم لگا تھا کہ اس کی چاندنی کو ایک امیرزادے نے ٹھکرا دیا تھا۔

گرو نے باقی داستان بھی سنانا شروع کر دی تھی اور جب وہ لوگ اُٹھ کر ان کے گھر سے چلے گئے تو پھر چاندنی کی جو حالت ہوئی تھی وہ لوگ چاندنی کی اس حالت سے زیادہ پریشان ہو گئے تھے۔

''گرو...... میں چاندنی بیٹی سے مل سکتا ہوں؟'' بادشاہ سے برداشت نہ ہو رہا تھا وہ دل پر قابو نہ رکھ سکا تھا لیکن

اس کی زبان بھی اس کا ساتھ دے کر دانتوں تلے دبی نہ رہ سکی تھی۔

''میرا مطلب ہے کہ تم چاندنی کو بھی یہاں بلا لو۔''

نیناں چائے لے کر آ گیا تھا۔ اس نے چائے کا پیالہ بادشاہ کو پکڑایا تھا۔ ''لو بابا جی! چائے پی لیں۔''

نیناں اُداسی کے عالم میں بولا تھا۔ بادشاہ نے پیالہ لے کر احتیاط سے اس کو تخت پوش پر رکھا اور بولا۔ ''نیناں! آپ چاندنی کو بلائیں۔''

گرو کا اشارہ پا کر نیناں اُٹھ کر اندر چلا گیا لیکن بادشاہ کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں اور اس کی بے چینی بڑھنے لگی تھی اور گرو اس کی بدلتی ہوئی کیفیت کو حیرانگی سے دیکھ رہا تھا۔

نیناں کے ساتھ چاندنی بادشاہ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ ''اسلام علیکم بابا'' یہ چاندنی تھی لیکن بادشاہ کے ہونٹ لرزنے لگے تھے اور اس کی آنکھوں نے ابھی چاندنی کے پاؤں کو ہی دیکھا تھا اور اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے چاندنی کے سر پر پیار دینے کے لیے اپنے کمزور اور ضعیف وجود کو اُٹھایا اور چاندنی کے چہرے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چاندنی کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں لیکن بادشاہ کی آنکھیں آنسوؤں کی شدت سے دھندلا گئی تھیں۔



موسیٰ نے سالار کو بتایا تو اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا کیونکہ سالار بھی ہیرا بدمعاش سے اچھی طرح واقف تھا اور اس بات پر بھی حیران تھا کہ حنا بیگم کا ہیرا سے کیا تعلق ہے۔ وہ اس کے ساتھ ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کیوں گئی تھیں۔ اس بات نے سالار کو جہاں چکرا کر رکھا تھا وہیں اس کے لیے خوشی کی بات بھی تھی کیونکہ وہ اپنے گھر پر اپنا آپ ثابت کرنے کی جو جنگ لڑ رہا تھا اس کے لیے تقدیر نے ایک راستہ مہیا کر دیا تھا۔

وہ اب حنا بیگم سے اپنی بات منوانے کی پوزیشن میں آتا جا رہا تھا لیکن موسیٰ کے کہنے پر ہی وہ حنا بیگم کو بلیک میل نہ کر سکتا تھا اس کو حنا بیگم اور ہیرا بدمعاش کی تصویریں یا ویڈیو فلم درکار تھی جس کو وہ حنا بیگم کو دکھا کر بلیک میل کر کے اس گھر سے بے دخل کر دیتا یا پھر وہاب میر کو وہ تصاویر یا ویڈیو دکھا کر اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیتا۔

اس نے شمع بی بی سے چاندنی کی بابت پوچھنے کا سوچا تھا اور وہ آج اپنے وقت پر ان کے گھر آ گیا تھا۔ دروازے پر مخصوص دستک سن کر شمع بی بی کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ ''سالار آیا ہو گا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو شرجیل کا منہ بن گیا تھا جبکہ مناہل روئے ہوئے چہرے اور سوجن زدہ آنکھوں سے کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ موسیٰ نے جا کر دروازہ کھولا تو سالار کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''ماں جی نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ سالار ہے۔'' سالار نے اندر داخل ہو کر سب کو سلام کیا تو شمع بی بی نے اس کے جھکے ہوئے سر پر پیار دیا اور پوچھا۔ ''کیسے ہو؟ کہاں رہے اتنے دن...... ماں کو بھول گئے تھے کیا؟''

سالار نے مناہل کے سر پر بھی پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیسی ہو بہنا!'' مناہل نے بھی مسکرانے کی کوشش میں آنسوؤں کو چھپایا اور نم آواز میں بولی۔ ''ٹھیک ہوں سالار بھائی!'' سالار چونک کر اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا اور ماں جی کے سوالوں کا جواب دیتا ہوا بولا۔

''آپ کی دعائیں جھولی میں ڈال کر گھوم پھر رہا ہوں ماں جی! سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ آج کچھ ٹھیک نہیں لگ رہیں۔'' سالار نے شمع بی بی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو بوسہ دیا تو وہ سوگوار سے مسکرائیں اور بولیں۔

''بس کچھ طبیعت خراب تھی لیکن اب میں کچھ ٹھیک ہوں۔'' اتنی دیر میں تحریم بھی کچن سے آ گئی اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی جس میں پانچ چھ کپ چائے کے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے سالار کو سلام کیا تو وہ بھی مسکرا کر جواب دیتا ہوا بولا۔

''کیسی ہو تحریم؟'' تحریم نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ٹھیک ہوں سالار بھائی! آپ کیسے ہیں؟'' سالار نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''کہاں دفع ہو گئے ہو۔'' شرجیل نے حسبِ عادت کہنا شروع کیا۔ ''اب یہ کلینی صورت دکھانے کیوں نہیں آتے ہو؟''

''ہوں...... تو شرجیل بھائی! آپ اُداس ہو گئے ہیں۔ میرے بغیر۔'' سالار مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

موسیٰ نے چائے کا ایک کپ اُٹھا کر اس کے سامنے رکھا تو وہ بولا۔ ''تمہیں تو معلوم ہے کہ میں رس کے بغیر چائے نہیں پیتا۔'' موسیٰ اور شمع کے ساتھ ساتھ تحریم بھی ہنس پڑی تھی لیکن شرجیل مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا۔

''کلینیا...... آ گیا نا اپنی اوقات پر...... مجھے طنز کر رہا ہے نا تُو؟'' سالار کھلکھلا کر ہنستا ہوا بولا۔

''شرجیل بھائی! آپ خوامخواہ ہی بُرا مان رہے ہیں۔ مجھے تو رس کھانے کی عادت ہی ہو گئی ہے۔''

موسیٰ کا اشارہ پا کر تحریم کچن میں گئی اور واپسی پر اس کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی جس میں رس رکھے ہوئے تھے۔ موسیٰ نے پلیٹ ہی اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ وہ مسکرانے لگا اور بولا۔

''لو بھئی اتنے سارے رس...... مجھے کیا ڈنگر سمجھ رکھا ہے؟''

''کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیشا...... کالی زبان والیا...... جب سے گئے ہو کوئی کام ہی نہیں مل رہا ہے مجھے۔'' شرجیل نے تو اپنا غصہ نکالا تھا لیکن سالار چونک گیا تھا کیونکہ وہ اپنا کام شرجیل کے ذریعے سے نکال سکتا تھا۔

''شرجیل بھائی! ایک کام ہے میرے پاس کیا آپ کرو گے؟''

''کیوں نئیں کروں گا...... تُو دس تو سہی۔'' شرجیل نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگایا۔

''بالکل آسان کام ہے۔ میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔'' موسیٰ بھی سالار کی بات سن کر حیران تھا کہ سالار کو شرجیل سے کون سا کام پڑ گیا تھا لیکن وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ وہ وہاب میر کے دل میں جگہ بنانے کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے اور شاید شرجیل کو بھی اس سلسلہ میں ہی کوئی کام سونپنا چاہتا ہے۔

''ماں جی! آپ نے میرا کام کیا؟'' سالار اب شمع بی بی سے مخاطب ہوا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولیں۔

''ان لوگوں نے کچھ وقت مانگا ہے۔'' مناہل اور تحریم بات کو پرائیویٹ سمجھتی ہوئی وہاں سے اپنی اپنی چائے لے کر کمرے کی جانب چلی گئیں تو شرجیل بھی بولا۔

''دیکھ وئی سجن! اب میں سریس ہوں کام کرنے کے لیے۔ جانے سے پہلے مجھے دس دینا...... اچھا؟'' شرجیل

بھی اُٹھ کر اندر چلا گیا تھا۔

سالار نے گھر کی فضا پراگندہ پراگندہ محسوس کی تھی۔ اس نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور شمع بی بی کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا۔ شمع بی بی نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں اور ان کی آنکھوں میں تیرنے والی نمی نے سجن کو دُکھی کر دیا تھا۔ وہ موسیٰ کی طرف دیکھنے لگا اور پھر شمع بی بی کے ہاتھ پکڑتا ہوا پوچھنے لگا۔

''کیا میں آپ کا بیٹا ہوں ماں جی!'' اس نے سوالیہ اور دُکھ بھرے انداز میں شمع بی بی کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بھی اس کی اُداس آنکھوں میں دیکھتی ہوئی اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''ہاں سالار! میں تمہیں موسیٰ اور شرجیل کی طرح اپنا بیٹا سمجھتی ہوں۔'' سالار کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا تھا۔ وہ دوبارہ گویا ہوا۔

''تو پھر مجھے بتائیں کہ کیا پریشانی ہے گھر میں سب لوگ پریشان کیوں دکھائی دے رہے ہیں؟'' سالار نے موسیٰ کی طرف بھی دیکھا تو وہ بھی نظریں جھکا گیا لیکن شمع بی بی بولیں۔

''مناہل کے زیورات گھر سے گم ہو گئے ہیں۔'' یہ بہت بڑی بات تھی جو سالار کو ہلا کر رکھ گئی تھی۔ وہ ناقابل یقین انداز میں کبھی موسیٰ اور کبھی شمع بی بی کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

''میرا اپنا ہی برتن جھوٹا ہے سالار!'' شمع بی بی کی آواز میں دُکھ نمایاں تھا۔ اب تو ان کی آواز بھی بھرا گئی تھی۔ وہ سالار کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی پھر کہنے لگیں۔

''کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اگر اللہ نے مجھے دو بیٹے ہی عطا کرنے تھے تو پھر موسیٰ اور سالار کیوں نہیں...... موسیٰ اور شرجیل ہی کیوں؟'' ان کی آواز پھٹ گئی تو موسیٰ نے ان کو دلاسہ دینے کے لیے ان کے کندھے دبانے شروع کر دیئے جبکہ سالار نے ان کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔

''وہ رب کائنات ہے ماں جی!'' سالار نے کچھ توقف کے بعد کہنا شروع کیا۔ ''اس میں بھی اللہ کی حکمت ہے۔ وہ بڑا ہی کارساز اور ہر شے پر قادر ہے۔'' سالار نے شمع بی بی کے آنسو پونچھتے ہوئے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر بولا۔

''میں ہوں نا آپ کا دوسرا بیٹا! موسیٰ کا بھائی۔''

شمع بی بی نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ موسیٰ آگے بڑھ کر ان کے سامنے آیا اور کہنے لگا۔ ''ماں جی! آپ فکر نہ کریں۔ اللہ سب ٹھیک کر دے گا۔'' شمع بی بی نے تشکر آمیز نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''میں شکیل احمد اور فائزہ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ وہ تو سمجھیں گے کہ میں نے چھوٹی بہو گھر میں لانے کے لیے بڑی بہو کے زیورات چرا لیے۔'' یہ وہ دُکھ تھا جو شمع بی بی کے آنسو بن کر آنکھوں اور زبان سے جاری ہونا شروع ہو گیا تھا اور دل پر کاری ضرب لگا گیا تھا۔

''خالہ اور خالو ایسے نہیں ہیں ماں جی! اور پھر...... تحریم بھی تو یہیں ہے۔ یہ سارا واقعہ اس کے سامنے ہی تو پیش آیا ہے۔'' موسیٰ نے ان کو تسلی دی اور پھر سالار سے بولا۔

''تم ہی سمجھاؤ ماں جی کو اس طرح اپنے آپ کو الزام دیں گی تو شرجیل بھائی کو اور بھی شہ ملے گی۔ آج زیورات

چرائے ہیں کل کو کوئی اور بھی بڑا گھٹیا کام کر سکتے ہیں۔"

سالار موسیٰ کی بات سے اتفاق کرتا ہوا شمع بی بی کو سمجھانے لگا۔

"آپ اس طرح محسوس کر کے خود کو مجرم کیوں سمجھ رہی ہیں۔ اللہ پر تمام معاملہ چھوڑ دیں۔ وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔" پھر وہ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہوا بولا۔ "مجھے حکم کریں کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ کے لیے میری جان بھی حاضر ہے۔" شمع بی بی نے اس کا خلوص جانتے اور سمجھتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"اللہ تمہیں لمبی زندگی دے...... سدا خوش رہو...... کوئی کام ہوا تو ضرور کہوں گی۔"

"مجھے بہت خوشی ہوگی ماں جی!" سالار مسکرایا تو موسیٰ نے بھی مسکرا کر شمع بی بی سے کہا۔

"اب آپ اس کا کام بھی کروا دیں ماں جی! بیچارہ چاندنی کے غم میں آدھا رہ گیا ہے۔" تینوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔ شمع بی بی بولیں۔

"میں آج دوپہر کو ہی جاؤں گی۔ تم فکر نہ کرو۔ نیت صاف ہو تو منزلیں خود بخود چل کر پاس آ جاتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے ماں جی! میں اپنے لیے دعا کروں گا۔" سالار نے ان کا موڈ کافی بہتر کر دیا تھا۔ اتنی دیر میں اندر سے شرجیل بھی آ گیا تھا۔ وہ ان کے پاس پہنچ کر تیکھے انداز میں بولا۔

"ہالے تک اِدھر ہی پڑے ہوئے ہو۔ کیا تمہیں لٹر والی چائے دی تھی جو ختم ہی نہیں ہوئی ابھی تک۔"

سالار نے کبھی بھی شرجیل کی بات کا بُرا نہ منایا تھا لیکن آج اس کو شرجیل پر بہت غصہ آ رہا تھا کہ اس نے مناہل کا زیور چرا لیا ہے اور یقیناً وہ ہیرا بدمعاش کی بیٹھک میں ہار کر آیا ہوگا۔ لیکن وہ کچھ بھی کہنے کی بجائے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا پلان بنا چکا تھا۔

"چلیں شرجیل بھائی۔" سالار نے بے تکلف انداز میں اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا اور اس کو باہر کی جانب لے جاتا ہوا بولا۔

"میں آپ کو کام بتاتا ہوں۔ بہت ہی معقول معاوضہ ملے گا۔" اس نے دروازے پر جا کر پیچھے مڑ کر شمع بی بی کو اپنا کام یاد دلانا ضروری سمجھا تھا۔

"ماں جی! آج دوپہر یاد سے...... مہربانی ہوگی۔" موسیٰ اور شمع بی بی ہنس کر اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے جبکہ شرجیل اور سالار گھر سے باہر نکل گئے۔

"ماں جی! کیا چاندنی کے گھر والے مان جائیں گے؟" موسیٰ نے شمع بی بی کا دھیان بٹانے کی غرض سے بات چھیڑ دی تو وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"میں نے جب بات کی تھی تو گرو اور نیناں تو مانے ہوئے تھے لیکن تم تو جانتے ہو کہ زندگی تو چاندنی نے گزارنا ہے۔ اس کے فیصلے تک ان لوگوں نے کوئی بھی بات نہیں کرنے کا کہا تھا۔"

"ہاں...... یہ بھی ٹھیک ہے۔ آخر زندگی تو چاندنی نے گزارنی ہے۔" موسیٰ بات کو سمجھتا ہوا کہنے لگا۔ "ویسے ایک بات ہے ماں جی! چاندنی اچھی لڑکی ہے۔ خوبصورت اور پیاری...... اور اگر رشتہ پکا ہو جائے تو سالار کے ساتھ اس کی جوڑی خوب سجے گی۔"

شمع بی بی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "تمہارا اپنا کیا خیال ہے۔ تحریم کے بارے میں۔" اس کو معلوم ہی نہ تھا کہ تحریم چپکے سے آ کر اس کے پیچھے کھڑی ہو گئی ہے۔ وہ ایک مخمور لہجے میں بولا۔

"تحریم؟ ہوں...... اچھی ہے۔" شمع بی بی نے حیرت اور مصنوعی غصے سے آنکھیں نکالیں تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"ماں جی! تحریم اچھی بھی ہے اور مجھے پسند بھی ہے۔" یہ کہہ کر وہ اچانک پیچھے مڑا تو تحریم سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔ وہ اس کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی اور زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔ موسیٰ کی آنکھیں اس کی آنکھوں میں اپنا گھر بناتی ہوئی دل کی گہرائیوں تک اتر گئی تھیں۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گیا اور تحریم کی نظریں اس کا تعاقب کرنے لگی تھیں۔



ہیرا بدمعاش گاڑی کی پچھلی سیٹ سے اُترا تھا۔ حنا بیگم نے گاڑی پارک کی اور ہیرا کے ساتھ چلتی ہوئی شاندار ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئیں۔ انہوں نے قدرے کونے میں ایک میز کو چنا تھا۔ وہ دونوں وہاں بیٹھ گئے تو شرجیل بھی ان کے تعاقب میں ان کے ساتھ والی میز پر پہنچ چکا تھا۔ اس کو سالار نے پیسے دے کر ایک موبائل بھی دے دیا تھا جس سے اس نے حنا بیگم اور ہیرا کے تعلقات کو فلمانا تھا اور کوشش کر کے ان کی آواز کو بھی ریکارڈ کرنا تھا۔ شرجیل کے لیے یہ کام مشکل ضرور تھا لیکن اس کو کام میں لطف آنے لگا تو وہ بخوشی راضی بھی ہو گیا اور موبائل کو سمجھتا ہوا سالار کو مطمئن کر کے ہی نکلا تھا۔ اس کی جیب میں اب اتنی رقم تھی کہ وہ اس ہوٹل میں اچھا کھانا کھا سکتا تھا لیکن اس نے ویٹر کو ہلکا پھلکا ہی کھانا لانے کا آرڈر کیا تھا۔

وہ حنا بیگم کے سامنے تھا لیکن اس کی کرسی کی پشت ہیرا بدمعاش کی کرسی کی پشت سے جڑی ہوئی تھی۔ وہ بآسانی ان کی باتیں سن اور ریکارڈ کر سکتا تھا۔ اس نے موبائل کی آڈیو ریکارڈنگ کو آن کر دیا تھا کیونکہ حنا بیگم نے گفتگو کا آغاز کر دیا تھا۔

"دیکھو ہیرا! تم میرے کزن ہو اس بات کا تو شاید کسی کو علم ہو لیکن تم میرے کیا ہو۔ اس بات کا علم کسی کو نہیں ہونا چاہیے۔" حنا بیگم کی بات سن کر شرجیل کے کان سرخ ہو گئے تھے۔ اس کو یہ بھی علم نہ تھا کہ حنا بیگم کون ہے۔ اگر اس کو علم ہو جاتا کہ حنا بیگم بہت تگڑی اسامی ہے تو وہ یقیناً سالار سے اس کام کی لاکھوں میں ڈیمانڈ کرتا۔ اور پھر شاید اتنی آسانی سے اس کام کو کرنے پر بھی راضی نہ ہوتا۔

"دیکھو بھئی جانِ من! ہم تو تمہارے عاشق ہیں بچپن سے۔ اب زمانے کی بات کر کے مجھے ڈراؤ تو نا۔" ہیرا کی آواز میں وہی دکھاوا تھا جو ایک ایسے عاشق کی آواز اور لہجے میں ہوتا ہے جو امیر لڑکی کی دولت ہتھیانے والا ہو۔

"بس اب رہنے بھی دو...... کیوں مجھے مسکہ لگا رہے ہو۔" حنا بیگم اک خاص ادا سے بولی تھیں۔ ویٹر نے شرجیل کے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے موبائل ساتھ والی کرسی پر رکھا اور خود کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔

"میں نے ایک کام کہا تھا لیکن تم اپنے آپ کو بہت تیس مار خان سمجھتے ہو۔ ابھی تک وہ کام نہیں کر سکے۔" حنا بیگم کی دلربا ادائیں ہیرا کو گھائل کر رہی تھیں۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا کہنے لگا۔

"میری جان! کیوں فکر کرتی ہو۔ وہ کام تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن وہاں کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ

اب وہ گھر چھوڑ گیا ہے۔ پتہ نہیں کہاں دفع ہو گیا ہے۔'' ہیرا کا آخری فقرہ خاصا غصیلا بھی تھا اور لہجہ بھی غصے سے بھرا ہوا تھا۔

''اچھا اب اس کو ڈھونڈ کر ختم کرنا تمہارا کام ہے۔ ورنہ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔'' حنا بیگم تو ایک جوان اور لا ابالی لڑکی کی طرح ہیرا سے نخرے کر کے باتیں کر رہی تھیں لیکن شرجیل کے کان کھڑے ہو گئے تھے کہ وہ کسی کو ہیرا سے مروانا چاہتی ہے۔ کس کو؟ اس بات کا شرجیل سے کوئی لینا دینا نہ تھا۔

''نہ گھبرا میری جان! اچھا یہ تو بتاؤ کہ اب کس دن آ جاؤں۔'' ہیرا نے اس کو تسلی دے کر اپنا سوال بھی کر دیا تھا وہ شاید رقم کی وصولی کے لیے حنا بیگم کے گھر جانا چاہتا تھا۔ حنا بیگم اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شرارت سے بولیں۔

''ابھی کوئی زیادہ دن بھی نہیں ہوئے ہیں۔ صبر بھی کیا کرو۔ ویسے بھی میرے خیال میں تمہارے پاس ابھی پچھلی رقم میں سے کافی پیسے بچے ہوں گے۔'' ہیرا ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔

''لو کر لو گل! پیسے کا کوئی پتہ چلتا ہے۔ اِدھر سے آیا اور اُدھر کو گیا۔ چل بتا دے نا اب کب آؤں؟''

ہیرا اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا تو حنا بیگم مسکرا کر کہنے لگیں۔ ''شرم کرو۔ گھر میں کیوں مجھے بچوں کے سامنے ذلیل کرواؤ گے میں تمہیں خود ہی کسی ہوٹل میں بلا لوں گی۔''

''یاہُو...... یہ ہوئی نا بات؟'' ہیرا خوشی سے بولا تھا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ اپنی بات منوائے جانے پر خوشی سے چلا ہی اُٹھتا لیکن یہ جگہ شریفوں اور امیروں کے ساتھ ساتھ میچور لوگوں کے لیے تھی۔ ان کی ٹیبل پر بھی ویٹر کھانا سجانے لگا تو شرجیل اپنا بل ادا کرتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا اس نے موبائل کی ریکارڈنگ آف کر دی تھی۔

اس نے اب حنا بیگم اور ہیرا کو ہوٹل سے نکلتے ہوئے فلم میں قید کرنا تھا۔ کیونکہ اس نے ان دونوں کو ہوٹل کے اندر جاتے ہوئے موبائل میں قید کر لیا تھا۔ اس نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں سے وہ بآسانی ہوٹل کے مین گیٹ پر نظر رکھ سکتا تھا۔

وہ اپنے آپ پر ہنس بھی رہا تھا کہ وہ اچھا بھلا ویہلا اور نکما تھا۔ جوا کھیل لیا اور دیہاڑی گزار لی لیکن سجن نے اس کو جاسوس بنا دیا تھا۔ اب اس کی جیب میں پیسے بھی بچ گئے تھے۔ وہ یہاں سے فارغ ہو کر سالار کو کال کر کے موبائل اس کو دے گا اور پھر شام کو جا کر ہیرا کی بیٹھک میں ہی ان پیسوں کا جوا کھیلے گا اور کوشش کرے گا کہ وہ بہت بڑی رقم جیت لے تا کہ ہیرا سے مناہل کے زیورات واپس لے کر مناہل کو دے سکے۔

قریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں ہوٹل سے باہر آتے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔ ہیرا نے موبائل کا ویڈیو آپشن آن کر کے ان کو ریکارڈ کرنا شروع کیا تھا۔ وہ دونوں ہی مسکراتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ کر شرجیل کے قریب سے گزرے تھے۔ اب شرجیل کا کام بھی ہو گیا تھا۔ اس نے کیمرہ آف کر کے اسی موبائل سے سجن کو کال کی اور مقررہ جگہ پر بلا لیا۔ وہ پندرہ بیس منٹ بعد اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

''لو بھئی...... مینوں تے اج پتہ چلیا اے توں بوہت ای وڈا کلینا ایں۔'' اس نے موبائل سالار کو پکڑایا تو وہ شرجیل کی بات لب ولہجہ سن کر قہقہہ لگا کر ہنسا اس کو تسلی ہو گئی تھی کہ شرجیل نے اپنا کام کر دیا ہو گا۔

''مزہ آیا یا نہیں شرجیل بھائی؟'' اس نے ہنس کر پوچھا تو شرجیل ایک شیطانی مسکراہٹ سے بولا۔

''مزہ تو تب آئے گا جب یہ میڈم، ہیرا کو کسی ہوٹل میں عیش کروانے آئے گی۔'' اتنا بڑا سچ سن کر سالار کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ شرجیل کی طرف دیکھ کر تھوک نگل کر اپنا حلق تر کر کے بولا۔

''کیا ایسی کوئی بات ہے شرجیل بھائی؟''

''کلینیا! بات تو تیری سمجھ سے بھی وڈی ہے۔ ویسے یہ میڈم ہے کون؟'' شرجیل کا سوال فطری تھا لیکن اس کو سب کچھ بتانے کا مطلب تھا کہ اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مار لی۔

''مجھے بھی یہ کام کسی نے دیا ہے۔ ہمیں اس سے کیا...... ہمیں تو اپنے پیسوں سے غرض ہے بس۔'' اس نے کچھ روپے جیب سے نکال کر شرجیل کی مٹھی میں دبائے اور پھر بولا۔

''اب اگر پتہ چل جائے کہ یہ دونوں کب اور کس ہوٹل میں مل رہے ہیں تو رقم اچھی خاصی مل سکتی ہے۔'' اس نے ایک پتہ پھینک کر شرجیل کو یہ دانہ ڈالا تھا کہ وہ اس کام میں مزید دلچسپی لے اور ہیرا سے معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ وہ کب اور کس ہوٹل میں حنا سے ملے گا۔

''اس کا پتہ تو لگانا پڑے گا سجن باؤ!'' شرجیل اس کی توقع کے عین مطابق بولا تھا۔

''ٹھیک ہے فیر میں اب چلتا ہوں۔ اب تو جسم بھی دُکھنے لگا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا تو سالار کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ رینگنے لگی تھی کیونکہ موبائل اس کے پاس تھا اور شرجیل نے اپنا کام کر دیا تھا اب سالار کو جلدی جلدی اس موبائل میں سے اپنا کام نکالنا تھا۔

اس کو وہاب میر اور حنا بیگم کے ساتھ رہتے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے تھے لیکن اس کو حنا بیگم کی حرکات مشکوک لگی تھیں۔ اور اس کے شک کی تصدیق کے لیے موسیٰ نے اپنے یقین کی مہر لگائی تو اس کو اپنا کام آسان لگنے لگا تھا وہ جیسے ہی مڑا تو چاندنی کو اپنے سامنے پا کر حیران رہ گیا تھا۔ چاندنی اس کے سامنے کھڑی تھی وہ پلکیں جھپکے بغیر ہی اس کو دیکھے جا رہا تھا۔ چاندنی نے اس کو پہچان لیا تھا تبھی تو وہ مسکرائی تھی لیکن یہ کیا جیسے ہی سالار نے آنکھیں جھپکیں تو وہ ہواؤں میں تحلیل ہو گئی تھی۔ سالار اس کو اس طرح ڈھونڈنے لگا تھا کہ جیسے وہ ابھی ابھی اس کے ہاتھوں سے ہاتھ چھڑا کر گئی ہو۔ وہ دائیں بائیں دیکھ کر خود ہی اپنی کیفیت پر مسکرانے لگا۔ اس نے مخمور انداز میں آنکھیں بند کیں تو چاندنی کی خوشبو اس کے وجود میں حلول کرنے لگی تھی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو وہیں اکیلے ہی پا کر وہ کھسیانا سا ہو کر مسکرانے لگا اور گھر کی جانب چل پڑا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے موبائل میں سے ہیرا اور حنا بیگم کی آڈیو ریکارڈنگ سننا شروع کی تو اس کی آنکھیں حیرت اور شرمندگی سے کبھی کھلتی اور کبھی بند ہونے لگتی تھیں۔ حنا بیگم ہیرا کے ذریعے سالار کو ختم کروانا چاہتی تھیں جبکہ ہیرا ان کے وجود سے کھیل کر روپیہ پیسہ بنا رہا تھا۔

سالار نے ان دونوں کی ہوٹل میں آنے اور جانے کی فلم بھی دیکھی تھی۔ اس نے بڑی احتیاط سے وہ فلم اپنے لیپ ٹاپ میں محفوظ کر لی تھی کیونکہ موبائل تو کبھی بھی چھن سکتا تھا یا گم ہو سکتا تھا۔

اب وہ حنا بیگم سے ایک ملاقات کرنا چاہتا تھا جو یقیناً اس کی پہلی ملاقات ہو گی جس میں وہ حنا بیگم کو یہ باور کرا

دے گا کہ وہ اس کے کالے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہے لیکن پھر اس نے سوچا کہ ابھی یہ ثبوت ناکافی ہوں گے پہلے وہ شرجیل کے ذریعے اس ہوٹل تک پہنچنا چاہتا تھا جہاں یہ دونوں اپنی عیاشی کو انجوائے کا نام دینے والے تھے۔ یہ کام خاصا مشکل تھا لیکن شرجیل کی صلاحیتوں پر اس کو مان تھا۔



موسیٰ کی آنکھ تو گھر کی چارپائی پر ہی لگی تھی لیکن اب وہ غارِ حرا جبل نور پر چڑھ رہا تھا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور پسینے کے ننھے منے قطرے اس کی پیشانی پر نمایاں تھے۔ اس کے پاؤں میں سوجن محسوس ہونے لگی تھی کیونکہ اس کی چپل اس کے وجود کا بوجھ برداشت کرنے سے قاصر محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے دھونکنی کی طرح چلنے والے اپنے سینے پر ایک نظر ڈالی اور سانس درست کرنے کے لیے ننھے منے نورانی کنکروں پر ہی بیٹھ گیا جو کہ جبل نور کے بڑے بڑے نورانیوں کا ہی خاندان تھے۔ وہ بے زبان کنکر ایک بار پھر اپنے درمیان ایک عاشق کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ (قارئین ''گیلے پتھر'' پڑھیں) لیکن ایک انجانا سا خوف بھی ان کو لرزا رہا تھا کہ کہیں پھر سے نہ کوئی ان کو اس مقدس جگہ سے جدا کر دے۔

موسیٰ نے اپنا سانس درست کیا اور سر اُٹھا کر جلتے ہوئے سورج کو دیکھا جو آگ برساتا ہوا اس پہاڑ پر اس عاشق کا ہر قسم کا امتحان لینے کے لیے اپنی جگہ پر ڈٹا کھڑا تھا۔ موسیٰ نے پیاس سے خشک ہوتے ہوئے گلے کو تھوک نگل کر کچھ تسکین پہنچانے کی کوشش کی تو قدرے سکون محسوس ہوا تھا۔

پاس ہی ایک ہلکا سا قہقہہ سن کر وہ خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔ ''محسوس کرو تو بالکل پاس ہوں۔ نہ محسوس کرو تو میرا وجود بھی نہیں ہے۔'' موسیٰ نے جانی پہچانی آواز سن کر ایک لمبی سانس لی اور ہنستا ہوا بولا۔

''اللہ کی راہ پر چلنے سے روکتے ہو اور خود کو عشق کہلاتے ہو۔ کیا یہ تمہارا دعویٰ اور تمہارا وجود دو متضاد چیزیں نہیں ہیں؟''

الفاظ کی جنگ چھڑنے والی تھی لیکن سچا کون تھا۔ جیتنے والا کون تھا۔ ہارنے والا کون تھا کس کو اپنے تیروں پر ناز تھا اور کس کو یہ مان تھا کہ اس کا نشانہ کبھی بھی ہدف سے چُوکا نہیں ہے۔ میدان بھی کھلا تھا آس پاس بھی کوئی نہ تھا وہ دونوں ہی تھے لیکن وجود صرف موسیٰ کا تھا۔ یا پھر اس خالق کائنات کی وہ نگاہِ کرم تھی جو ان دونوں کو دیکھ رہی تھی اور اس کی رحمت مسکرا رہی تھی کہ اس کا چنا ہوا انسان کس طرح اپنے اعزاز کا دفاع کرتا ہے۔

''میں بھی اللہ تعالیٰ کا ہی بنایا ہوا عنصر ہوں اور مجھے یہ بھی فخر ہے کہ خدا مجھے بنا کر مجھ سے ہی پوچھنے لگا کہ بتاؤ تم کس طرح سُرخرو ہو سکتے ہو۔ وہ اللہ خالق کائنات مالک کائنات کُن فیکون کہے تو اَن گنت جہان وجود میں آ جاتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ رحمٰن و رحیم مجھ سے کھیلنا چاہتا ہے۔ میں نے سر جھکا کر احتراماً عرض کی کہ اے پروردگار میں کائنات اور آسمانوں کی ہر چیز اور ہر ذرے کی طرح آپ کے حکم کا پابند اور محتاج ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

ربِّ دو جہاں نے فرمایا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تم بتاؤ اس بات میں تمہارا کیا کردار ہوگا۔ میں نے سر جھکا کر احتراماً عرض کی۔ اے میرے مولا! اپنے نور سے نور بنا کر اس کی زیارت فرمائیں۔'' عشق خاموش ہوا تو موسیٰ کانپتا

ہوا بولا۔

''تم نے اللہ کو حکم دیا کہ وہ ایسا کرے؟'' اس کی بات میں حیرت نمایاں تھی وہ خوفزدہ بھی لگنے لگا تھا۔

وہ افسردگی سے بولا۔ ''استغفر اللہ...... معاذ اللہ...... نعوذ باللہ...... میری اتنی مجال کہاں کہ میں ایسا سوچ بھی سکوں۔ تم انسان ہونا بہکی بہکی باتیں کرنا تمہاری فطرت ہے۔ جاہل بیوقوف انسان! میرا وجود بنانے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے ایک نور پیدا فرما دیا تھا۔ جو ستر ہزار سال سجدے میں رہتا اور ستر ہزار سال قیام کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنانے سے پہلے ہی نورانی نور کو پیدا فرما دیا تو پھر خود خدا کو بھی عشق ہوا کہ میں پہچانا جاؤں۔ اس نے اپنے نور سے پیدا فرمانے والے نورانی نور کو بشری لبادہ پہنایا اور کائنات میں ظہور پذیر فرما دیا۔ پھر جب میں عروج پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ بھی اس نور کی جدائی، ہجر کو سہہ نہ پایا اور ان صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلوا کر معراج کروایا۔ جانتے ہو وہ معراج کیا تھا؟ وہ معراجِ عشق تھا...... اور تب سے اب تک میری نس نس میں وہ معراج رچا ہوا ہے۔ وہ خوشبو حلول ہو چکی ہے جو مجھے بلندیوں سے بھی بلند عرش بریں پر لے گئی ہے۔ میں اب تم جیسے انسان کو اپنا لبادہ کیوں اوڑھنے دوں۔ تم جیسے انسان کو اپنا پیرہن کیوں دوں۔ کیونکہ میں نے وہ معراج دیکھا ہے جو کائنات کے پہلے عاشق اور پہلے معشوق کے درمیان سر لامکاں پر ہوا تھا۔ اور تم اب منہ اُٹھا کر عاشق ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو مجھے دُکھ ہوتا ہے کہ تم لوگ رنگ میں بھنگ ڈالنے آ جاتے ہو۔ مجھے ابھی تک وہ خمار نہیں بھولا۔ ابھی تک وہ خوشبو نہیں بھولی۔ ابھی تک محبّ اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہ ملاقات نہیں بھولی جس نے میرے بے جان وجود کو نام تو دیا ہی ہے لیکن مجھے زندگی بھی دی ہے۔ میں اب بھی کہتا ہوں لوٹ جاؤ۔ لوٹ جاؤ موسیٰ ورنہ میں اپنی آئی پر آ جاؤں تو......

کربلا کی تپتی ریت پر نواسہ رسول کو بھی لیٹنے پر مجبور کر دیتا ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی گردن پر چھری چلانے اور آگ میں کودنے پر مجبور کر دیتا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کو جلتا ہوا انگارہ منہ میں رکھنے پر مجبور کرنا بھی میرا ہی کارنامہ ہے۔

یونس علیہ السلام کی غلطی پر ان کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے پر میں نے ہی مجبور کیا تھا۔

وہ تو نبی تھے۔ نواسہ رسول تھے اور تم...... تم تمہاری اوقات ہی کیا ہے موسیٰ۔ میں نے تو سادات کو گھنگرو باندھ کر ایک آرائیں ذات کے سامنے ناچنے پر مجبور کیا ہے۔ منصور بن حلاج کو سولی پر لٹکا دیا ہے۔ مجنوں گلیوں میں گھومتا گھومتا اتنا دیوانہ ہو گیا کہ وہ لیلیٰ کی گلی سے آنے والے کتوں کے پیر چوما کرتا تھا۔ مجھے اوڑھنے سے پہلے ہزار بار سوچ لو موسیٰ! ہزار بار میں جان اور روح کو تڑپا دیتا ہوں۔ میں نے کائنات کے اعلیٰ ترین خاندانِ سادات سے ایسا امتحان لیا ہے کہ دنیا آج بھی میری مثالیں دیتی ہے۔ لوگ مجھے لفظوں میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

میں وہ ہوں جس نے ننھے علی اصغر رضی اللہ عنہ کے حلق میں تیر کھبوایا تھا۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ کے وجود پر تلواریں چلوائی تھیں۔ میں وہ ہوں جس نے عباس رضی اللہ عنہ کے بازو کٹوا دیئے تھے۔ میں وہ ہوں جس نے کربلا کو سجا دیا تھا۔ خوف کھاؤ مجھ سے...... لوٹ جاؤ...... لوٹ جاؤ موسیٰ...... میں اپنی آئی پر آ گیا تو تم لرز جاؤ گے۔ لرز جاؤ گے۔''

موسیٰ کے وجود نے پسینے سے شرابور ہو کر اس بات کی نشان دہی کی تھی کہ سہ حرفی عشق کی حشر سامانیاں سہنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ یا پھر موسیٰ جیسے کمزور اور عام انسان کے بس کی تو بالکل ہی بات نہیں ہے۔ موسیٰ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔

وہ رونے لگا تھا۔ اس کا وجود ہچکولے کھانے لگا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور اپنے دل اور ذہن کو یکسوئی دے کر درود ابراہیمی کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ وہ پہلے منہ ہی منہ میں پڑھتا رہا پھر اس نے اپنی کمزور اور نحیف آواز میں بولنا شروع کر دیا پھر اس کی آواز کی گونج مکہ کے اس پہاڑ سے دور دور تک پہنچنے لگی۔ وہ اس وقت سطح زمین سے پچیس سوفٹ بلندی پر جبل نور پر کھڑا تھا۔

اس کی آواز کی گونج اور ہیبت اتنی تھی کہ عشق لرز کر رہ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر موسیٰ کو پکارا تو موسیٰ کی آنکھیں کھلنے پر عشق بھی تھرا کر رہ گیا۔ آنکھیں جو چند لمحہ پہلے پانی برسا رہی تھیں اب یوں لگتا تھا کہ ان میں سے ایسی نورانی شعاعیں نکل رہی ہیں جو عشق کے وجود کو پگھلا کر رکھ دیں گی۔

موسیٰ نے لرزتے کانپتے عشق کو ایک زوردار قہقہہ لگا کر مخاطب کیا۔

”لبیک اے عشق! لبیک اے عشق! اے عشق میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ آؤ...... آؤ اور مجھ سے میری جان کو لرزا دینے والا امتحان لو۔ میں ہر امتحان دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن آنے سے پہلے اتنا یاد رکھنا کہ جس کربل کی زمین کو تم نے اپنے امتحان کے لیے سجایا تھا اس کو نواسہ رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیزہ پر قرآن سنا کر اس طرح سرخرو کیا ہے کہ وہ دھرتی آج بھی نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام سے تھر تھر کانپنے لگتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا جس عباس علمبردار کے بازو تم نے کٹوائے تھے انہوں نے پانی کا مشکیزہ اپنے دانتوں میں لے کر خیموں تک پانی پہنچانے کا جب بیڑہ اُٹھایا تو تمہیں اپنی شکست نظر آنے لگی تھی۔ وہ بھی سرخرو ہوئے اس طرح کہ مثال بن گئے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا اے عشق کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلا کر تمہیں کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ بلال حبشی کو تپتی ریت پر لٹا کر سزا دلوانے میں تم نے کمی نہ کی لیکن واہ! قربان ہو جاؤں اس عاشق کی اداؤں پر جو ”احد...... احد“ کہتا کہتا سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بن گیا اور اس عاشق کا درجہ تم بھی جانتے ہو کہ جس صبح انہوں نے اذان نہ دی تھی وہ صبح طلوع ہی نہ ہوئی تھی۔ تب تو تم بھی منہ چھپا کر کہیں سو رہے ہو گے۔“

موسیٰ کی آواز میں اتنی گونج تھی کہ یوں لگتا تھا کہ آج موسیٰ کے ساتھ ہوائیں اور فضائیں بھی بول رہی ہیں اور اس کی آواز کی ہیبت سے عشق گنگ کھڑا اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا اور اس کی دلیلوں کو سنتا جا رہا تھا جو کہ احادیث اور قرآن کریم سے ثابت ہو چکی تھیں اور رہتی دنیا تک ایک لازوال مثال بن گئی ہیں۔

عشق پر طاری ہونے والی کپکپی اور لرزہ دیکھ کر جبل نور کے پتھر بھی مسکرا رہے تھے کیونکہ ان پر ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشق خدا کھڑا تھا جو عشق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر رہا تھا۔

”عرش بریں پر جانے والے کائنات کے عظیم ترین انسان کو اگر اللہ رب العزت نے اپنا نور نہ بخشا ہوتا تو وہ

کبھی بھی اللہ کے سامنے بیٹھ کر راز و نیاز نہ کرتے۔ جبریل علیہ السلام کی طرح وہ بھی ایک مقام سے واپس آ جاتے لیکن کیوں نہیں آئے؟ آگے تک کس طرح پہنچے؟ سوچا ہے کبھی تم نے؟ صرف اور صرف تمہیں سرخرو کرنے کے لیے اور یاد رکھو کہ میں بھی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ سا امتی ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی بخشش منوائی ہے اور اب تم بھی دیکھنا کہ میں تمہیں کس طرح سرخرو کروں گا۔“

موسیٰ کی آواز میں گھن گرج سن کر عشق کو گویا سکتہ ہو گیا تھا۔ وہ موسیٰ کے خاموش ہونے پر کافی دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔ ”تو پھر ٹھیک ہے موسیٰ! آج سے میری اور تمہاری جنگ شروع۔“ عشق کا دبنگ لہجہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنی آئی پر آنے والا ہے۔ ”میں تم سے ایسا امتحان لوں گا کہ تمہاری روح تک کانپ اُٹھے گی۔ تم نے تو کیا کبھی کسی نے بھی نہ سوچا ہو گا کہ میں ایسا بھی کر سکتا ہوں۔ تیار ہو جاؤ موسیٰ...... تیار ہو جاؤ۔“

تیز آندھی نے ایک بگولے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ موسیٰ نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن اس کی آنکھیں جب کھلیں تو وہ اپنی چارپائی پر اپنے ہی گھر میں تھا۔

اس نے گھر میں کمرے کی چھت کو غور سے دیکھا اور پھر اس دیوار کو دیکھنے لگا جس پر خانہ کعبہ کا کیلنڈر لگا ہوا تھا۔ پھر اس نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی جانب نگاہ دوڑائی تو رات کا پچھلا پہر بیت رہا تھا۔ اندھیرے کو کھانے کے لیے دور کہیں مشرق سے سورج نکلنے کے لیے اپنا سفر شروع کر چکا ہو گا۔

موسیٰ نے اپنے خشک حلق کو تر کرنے کے لیے پانی کا جگ اُٹھا کر منہ کو لگایا اور غٹاغٹ پانی پینے لگا تھا۔ اس کا گریبان ہمیشہ کی طرح گیلا ہو گیا تھا۔ اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور پانی کا جگ ختم ہونے پر ہی سانس لیا اور پھر اس نے جائے نماز بچھا کر اپنے آپ کو سجدہ میں گرا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بغیر وضو ہی رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور التجائیں کرنے کے لیے شریعت نے ایسی کوئی بھی قید نہ رکھی تھی۔

”میری تڑپ کو اور نہ بڑھاؤ میرے مالک! میں تو حقیر ہوں۔ پُر تقصیر ہوں۔ گناہوں سے لتھڑا ہوا ایک عام انسان ہوں۔ میرے مولا! مجھ پر اپنا کرم اور رحم فرما میں کسی بھی امتحان کے قابل نہیں ہوں۔ تُو تو دلوں کے راز بہتر جانتا ہے۔ تُو یہ بھی جانتا ہے کہ میں کتنا بہادر اور کتنا بزدل ہوں۔ میرے اللہ! میں تیرے عشق میں...... بہت بڑی بڑی باتیں اور دعوے کر بیٹھا ہوں۔ میری رہنمائی فرمانا میرے مالک مجھے ہر امتحان میں باعزت سرخروئی عطا فرمانا۔“

اس کی ہچکیاں بڑھ گئیں تو اس کا وجود بھی ہولے ہولے لرزنے لگا تھا اور شمع بی بی کے آنسو بھی اپنے بیٹے کی بے بسی پر اللہ کے حضور نذرانہ پیش کرنے لگے تھے کیونکہ وہ موسیٰ کی آواز پر ہمیشہ کی طرح جاگ گئی تھیں۔



بادشاہ نے بڑے کرب اور دُکھ بھرے انداز میں چاندنی کو دیکھا تھا لیکن اس کی آنکھوں نے جھک جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی تھی کیونکہ چاندنی کی شکل پر صاف صاف تحریر تھا کہ اس کا کیا قصور تھا؟ اسی سوال کا جواب نہ دے پایا تھا اور گرو اور نیناں کو اسی حالت میں چھوڑ کر وہاں سے باہر نکل آیا تھا۔ گرو اس کے پیچھے لپکا تھا۔ اس نے بادشاہ کو گلی میں جا کر روک لیا تھا۔

"کیا بات ہے بابا؟ تم چاندنی کا چہرہ دیکھ کر پریشان کیوں ہو گئے ہو؟" گرو کو اس بات کی بھی تشویش لاحق ہو گئی تھی کہ شاید بادشاہ چہرے بھی پڑھ لیتا ہے لیکن اس کو اپنے سوال اور خیال پر خود ہی شرمندہ ہونا پڑا تھا کیونکہ بادشاہ تو ایک نابینا فقیر تھا۔ بادشاہ ایک نم سانس بھرتا ہوا بولا۔

"گرو! کیا تم اور نیناں! میرے گھر پر آ سکتے ہو؟" یہ عجیب سا سوال اور ایک فقیر کی انوکھی خواہش تھی لیکن اس سے پہلے کہ گرو انکار یا ہامی بھرتا تو بادشاہ نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور آنکھوں کا دریا رواں کرتا ہوا کہنے لگا۔

"گرو! یوں سمجھ لو کہ تم نے میرے گھر آ کر میرے کشکول میں دنیا بھر کی بھیک ڈالنی ہے۔" گرو نے تڑپ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے تھے وہ پھر بولا۔

"گرو! اگر تم میرا کشکول میری بات مان کر بھر دو تو خدا تم سے راضی ہو جائے گا۔ بس گرو یہ سمجھ لو کہ یہ تمہارے، چاندنی، نیناں اور میرے حق میں بہتر ہے۔"

بادشاہ نے روتے ہوئے اپنے گھر کا پتہ بتایا اور لاٹھی کے سہارے ان کی گلی سے نکل گیا تھا۔ گرو اس کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھر آ کر پریشان نیناں کو تمام گفتگو سنائی تو وہ بولا۔

"گرو! ہو سکتا ہے کہ چاندنی کی قسمت کا حال بادشاہ بتا سکتا ہو؟ یا پھر اس نے محسوس کیا ہو کہ چاندنی کسی آسیب کے حصار میں ہے۔" نیناں کی بات میں دم تھا لیکن بادشاہ تو نابینا تھا لیکن ایسے لوگ دل کی آنکھیں ضرور رکھتے ہیں۔ گرو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ہم بادشاہ کے گھر ضرور جائیں گے۔"

"گرو! کیا ہم ایسا نہ کریں کہ اپنے ساتھ چاندنی کو بھی لے چلیں؟" نینا کی بات میں دم تھا۔ گرو اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"تم کہتے تو ٹھیک ہو نیناں! اور میرے خیال میں بھی یہ ٹھیک ہے۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ چاندنی بھی دو تین بار بادشاہ کو کھانا دیتے وقت اپنا دکھ سکھ سنا رہی تھی اور بادشاہ بھی اس کی باتیں دھیان سے سنتا ہے۔"

نیناں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کیونکہ چاندنی اپنے کمرے سے باہر آ رہی تھی۔ وہ چلتی ہوئی ان دونوں کے پاس آئی اور ان کے ستے ہوئے چہرے دیکھ کر مسکرانے کی ناکام کوشش کی اور بولی۔ "بابا جان! میری قسمت ہی ایسی ہے کہ مجھے پیدا ہوتے ہی باپ نے قبول نہ کیا اور اب عبید رضا بھی ٹھکرا گیا ہے اور ماں...... ماں تو پتہ نہیں کہاں ہو گی؟"

چاندنی کی آواز بھرا گئی تو نیناں نے اس کا سر اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا اور عین اسی لمحے شمع بی بی مسکراتی ہوئی ان کے گھر میں داخل ہوئی تھیں۔

"اسلام علیکم! کیا بات ہے دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے؟" شمع بی بی کو اس طرح دیکھ کر گرو مسکراتا ہوا بولا۔

"وہ...... فقیر کو کھانا دیا تھا تو دروازہ بند کرنا ہی بھول گیا تھا۔ آپ آیئے شمع باجی!" گرو نے تخت پوش کی طرف اشارہ کیا تو شمع، چاندنی کی طرف دیکھتی ہوئی تخت پوش پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا چاندنی کیوں رو رہی ہے۔"

نیناں نے چاندنی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو شمع بی بی کے پاس بٹھا دیا تو شمع بی بی اس کا ماتھا چومتے ہوئے پوچھنے

لگیں۔

"کیا ہوا میری بیٹی کو کچھ مجھے نہیں بتاؤ گی۔" چاندنی نے شمع بی بی کے لہجے میں پیار اور خلوص دیکھا تو اپنا سر ان کی گود میں جھکا دیا اور پھر دل کی تڑپ ایسی بڑھی کہ چاندنی کے آنسوؤں نے شمع بی بی کی گود میں گرنا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ وہ اس کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچ رہی تھیں کہ اگر ان کی بیٹی بھی ان کے پاس ہوتی تو آج چاندنی جیسی ہی ہوتی۔ ان کی آنکھیں بھی چھلک پڑی تھیں اور دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئی تھیں۔

"شمع باجی! میں آپ کے لیے چائے لاتا ہوں۔" نیناں کچن کی جانب بڑھنے لگا تو شمع بی بی نے آواز دے کر روک لیا۔

"نہیں نیناں! آج چائے رہنے دو میں کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ تم تینوں سے۔" شمع بی بی کا لہجہ ایسا تھا کہ نیناں نے گرو کی طرف دیکھ کر اثبات میں ہی اشارہ کیا تو وہ بھی پاس ہی موہڑے پر بیٹھ گیا۔

"میں نے آپ لوگوں سے چاندنی بیٹی کا رشتہ مانگا تھا۔ کیا سوچا آپ نے؟" شمع بی بی نے بغیر کسی لگی لپٹی کے ہی کہا تو نیناں اور گرو نے مسکرانے کی کوشش کی۔ چاندنی ہنوز ان کی گود میں اپنا سر رکھے سکون اور آرام محسوس کر رہی تھی۔

"وہ کیا ہے شمع باجی کہ...... زندگی تو ہماری بیٹی چاندنی نے گزارنا ہے۔ فیصلہ بھی اسی کا ہوگا" گرو نے کہا تو چاندنی نے اُٹھ کر شمع کی طرف دیکھا اور آہستگی سے بولی۔

"اگر آپ کی بیٹی ہوتی تو آپ کیا کرتیں۔ جبکہ ابھی کچھ ہی دن پہلے میرا ایک رشتہ اس وجہ سے چلا گیا کہ میرا ماں باپ نہیں ہے بلکہ یہ لوگ میرے ماں باپ ہیں۔" اس نے گرو اور نیناں کی طرف اشارہ کیا تو ان کے سر بھی جھک گئے تھے۔

چاندنی پھر روتی ہوئی بولی۔ "شمع خالہ! یہ لوگ میرے ماں باپ سے بڑھ کر ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے جنم تو نہیں دیا لیکن اس طرح پالا ہے کہ شاید میرے سگے ماں باپ بھی مجھے نہ پال سکتے تھے۔ یہ لوگ میرا فخر ہیں۔ کیا ان لوگوں کو قبول کر کے کوئی مجھے اپنا جیون ساتھی بنانا چاہتا ہے؟" چاندنی کا سوال تو وزنی تھا لیکن وہ بھی کھل گیا تھا جو آج تک گرو اور نیناں نے شمع بی بی سے بھی چھپایا تھا کہ چاندنی ان کی گود میں کیسے آ گئی تھی۔

وہ حیرانگی اور پریشانی سے چاندنی اور گرو کے ساتھ ساتھ نیناں کی طرف بھی دیکھ رہی تھیں۔ چاندنی ان ہیجڑوں کی بیٹی نہ تھی تو پھر یہ کون تھی۔ ان کے پاس کیسے آ گئی تھی؟ یہ کس کی بیٹی تھی؟ کیا کوئی ہیجڑوں کا رشتہ دار اس کو ان کی گود میں ڈال گیا تھا؟ کیا یہ کسی کا گناہ ہے؟ یا پھر میری گود اجاڑنے والے ایک ظالم باپ کی طرح یہ بھی معصوم اور بے گناہ ہے؟

شمع بی بی کے دل و دماغ میں کئی سوال جنم لے چکے تھے لیکن ان کا جواب صرف اور صرف گرو اور نیناں ہی دے سکتے تھے اور وہ ان سے کیسے پوچھ سکتی ہیں۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ وہ بات کو بڑھاتی ہوئی بولیں۔

"سالار میرے بیٹے جیسا ہے اور وہ تمہیں دل و جان سے چاہتا ہے بیٹی! وہ تمہیں ان لوگوں سمیت قبول کرے گا اور تمہیں بہت خوش بھی رکھے گا اور رہ گئی رشتہ واپس ہونے کی بات تو بیٹی جس گھر میں بیری ہو وہاں پتھر تو آتے ہی

رہتے ہیں۔'' انہوں نے چاندنی کو پیار اور محبت سے سمجھا کر اپنی بات بھی الفاظ کے کپڑوں میں لپیٹ کر فیصلے کی گٹھڑی چاندنی کے سر پر رکھ دی تھی۔

''شمع باجی آپ چاندنی کو کچھ وقت دیں وہ بہتر فیصلہ کرلے گی۔'' نیناں نے کہا تو شمع بی بی اثبات میں سر ہلا کر چاندنی کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''میں تو سالار کے بارے میں اتنا ہی کہوں گی چاندنی! کہ جس طرح تم گرو اور نیناں کو اپنا بابا جان اور بابا جانی سمجھتی ہو۔ یہی سمجھ لو کہ میں تمہاری ماں ہوں۔'' یہ سن کر چاندنی کے دل کی دھڑکنیں یک دم بے ترتیب ہوگئی تھیں۔ وہ تڑپ کر ان کی طرف دیکھنے لگی تو اس کو شمع بی بی کے چہرے پر پیار اور سکون کے ساتھ ساتھ ممتا کی جھلک بھی نمایاں نظر آرہی تھی۔

''اور ایک ماں اپنی بیٹی کے لیے کبھی بھی غلط فیصلہ نہیں کرسکتی۔'' یہ کہہ کر شمع بی بی وہاں سے اُٹھیں تو گرو اور نیناں بھی اپنی اپنی جگہوں سے اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

''میں آپ کی طرف سے خوشخبری کی منتظر رہوں گی۔ کیونکہ یوں سمجھ لو کہ چاندنی میری بیٹی بھی ہے اور بہو بھی بنے گی۔''

شمع بی بی وہاں سے چلی گئیں تو گرو اور نیناں چاندنی کی طرف دیکھنے لگے۔

''بابا جانی! میں عبید کو بھول نہیں سکتی۔'' چاندنی کے لہجے میں درد تھا اور الفاظ میں نمی تھی۔ نیناں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور پیار سے بولا۔

''چاندنی! وہ کم ظرف باپ کا کم ظرف بیٹا تھا۔ اس نے گرو پر ہاتھ اُٹھا کر یہ ثابت کردیا کہ وہ لوگ صرف تمہیں ہی نہیں ہمیں بھی حقیر اور فقیر سمجھتے ہیں۔''

گرو نے آگے بڑھ کر اس کو حوصلہ دینا شروع کیا اور بولا۔ ''چاندنی! میری بیٹی! ہم تمہارے مجرم ہیں لیکن یہ سوچ کر ہمیں معاف کردو کہ میری بیٹی اگر ہم ایسے ہیں تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا بنایا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ہی ہوگی۔'' گرو کی آنکھیں چھم چھم برسنے لگی تھیں۔

''اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ لو چاندنی کہ...... اگر عبید رضا جیسے کم ظرف نے تمہیں ٹھکرا دیا ہے تو اس میں بھی اللہ کی کوئی بہت بڑی حکمت ہوگی۔ وہ کم ظرف اور کمینے لوگ تمہارے قابل ہی نہیں تھے۔ دفع دور...... لکھ دی لعنت۔'' نیناں نے ایک بار پھر اپنا غصہ ان پر نکال کر گویا چاندنی کو تو تسلی دی ہی تھی لیکن یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اللہ کے ہر کام میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔

اور چاندنی کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ گرو اور نیناں کی باتوں سے کافی حد تک مطمئن اور متفق بھی ہوگئی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں جانے لگی تو گرو نے اس کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھا اور پوچھا۔

''چاندنی! شمع باجی کی بات پر غور ضرور کرنا لیکن یہ مت سوچنا کہ ہم فیصلہ کریں گے۔ فیصلہ تمہارا ہی ہوگا بیٹی۔'' چاندنی نے ولے سے اثبات میں سر ہلا دیا اور بولی۔

''میں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار سالار سے ملنا چاہتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اندر کی جانب بڑھ گئی

لیکن گرو اور نیناں کے چہروں پر سکون اور اطمینان پھیل گیا تھا۔

وہ بھی چاہتے تھے کہ چاندنی اپنے گھر رخصت ہوجائے تاکہ وہ اللہ کے حضور خود کو سرخرو کرسکیں۔ کیونکہ چاندنی کے پہلے دن سے ان کی گود میں آنے کے بعد سے چاندنی کے باعزت طور پر اپنے گھر رخصت ہوجانے پر ہی وہ سمجھ سکتے تھے کہ انہوں نے اللہ کی رحمت کو جس طرح گود میں بھرا تھا وہ اس کو اللہ کی رحمت سے ہی اپنے گھر رخصت کرنے میں سرخرو ہوگئے ہیں۔

اگلی صبح گرو اور نیناں چاندنی کو منا کر بادشاہ کے گھر کی جانب چل پڑے تھے۔

''بابا جان! میں وہاں جا کر کیا کروں گی؟'' چاندنی نے گرو سے سوال کیا تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''لو...... میری بچی! اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے۔ ہم تو ویسے ہی بادشاہ کے کہنے پر جا رہے تھے سوچا کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہی چلو۔'' نیناں نے گرو کی بات کو پکڑتے ہوئے آگے بڑھایا اور بولا۔

''چاندنی! ہو نہ ہو مجھے بادشاہ میں کچھ خاص ہی نظر آیا ہے۔''

''کچھ خاص؟ میں سمجھی نہیں بابا جانی!'' چاندنی نہ سمجھنے والے انداز میں بولی تھی۔ وہ اپنے اردگرد آنے جانے والے کچھ مردوں کی گندی نظروں کو بھی زہریلے انداز میں محسوس کر رہی تھی کیونکہ وہ پہلی بار ہی گرو اور چاندنی کے ساتھ گھر سے نکلی تھی۔ اور لوگ اس کو نا معلوم کیا سمجھ رہے تھے۔ لیکن چاندنی کو ان باتوں کی پرواہ نہ تھی۔ وہ اپنے بابا جان اور بابا جانی کے ساتھ جا رہی تھی۔

''مجھے یوں لگتا ہے کہ بادشاہ کوئی بہت ہی پہنچا ہوا بزرگ ہے اور اس نے اپنے آپ کو چھپایا ہوا ہے۔'' نیناں چاندنی کو سمجھا رہا تھا۔ ''اور وہ بظاہر فقیر بن کر گلیوں میں بھیک مانگتا پھرتا ہے۔''

گرو بھی اس کی بات سن کر اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''میری دھی! ایسے لوگ اللہ کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں اشاروں کنایوں میں ہی ہوتی ہیں۔'' وہ اتنی دیر میں بادشاہ کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا مکان ہے جو کہ ایک ہی کمرے کا لگتا تھا۔ اس کو لکڑی کا دروازہ لگا ہوا تھا۔

گرو نے دروازے پر لگا ہوا سنگلی کا کنڈا بجایا تو تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا ساتھی تھا اس نے حیرانگی سے چاندنی کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور پیار کے ملے جلے تاثرات تھے۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ اس نے گرو اور نیناں کو بالکل بھی نہیں دیکھا۔ گرو نے گلا کھنکار کر اس کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

''ہمیں بادشاہ سے ملنا ہے۔ کیا وہ یہیں رہتا ہے؟'' ساتھی کھسیانا ہو کر دروازے سے ایک طرف ہٹتا ہوا کہنے لگا۔

''جی جی...... آپ صحیح جگہ پر آگئے ہیں۔ آیئے آیئے......'' وہ ان تینوں کو اندر بلاتا ہوا بادشاہ سے بولا۔

''بادشاہ بھائی تمہارے مہمان آئے یں۔'' وہ تینوں اندر داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ زمین پر بچھے ہوئے ایک فوم کے گدے پر بیٹھا ہے۔ گدے پر ایک صاف ستھری کاٹن کے کپڑے کی چادر بچھائی گئی تھی۔

چاندنی کو یک دم ایسا لگا کہ بادشاہ اس کو دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی نظریں چاندنی پر ہی گڑی ہوئی تھیں۔ گرو اور نیناں نے بھی اس بات کو محسوس کیا تھا لیکن پھر اچانک چاندنی ایک طرف کو ہٹ گئی تو بادشاہ کی نظریں اپنی جگہ پر

ہی ساکت دیکھ کر وہ اپنے خیالات کی خود ہی نفی کرنے لگے۔

''کون ہے ساتھی؟'' بادشاہ کی لرزتی آواز اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ اس نے چاندنی کو دیکھ کر بمشکل ہی اپنے آنسوؤں پر قابو پایا ہے اور رندھی ہوئی آواز نے دُکھ واضح کر دیا تھا

''ایک لڑکی ہے اور دو...... میرا مطلب ہے کہ گرو وغیرہ لوگ ہیں۔'' ساتھی بھی سمجھ گیا تھا کہ بادشاہ ابھی اپنے آپ کو بینا ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔

''گرو...... نیناں؟'' بادشاہ نے کہا تو گرو نے ''اسلام علیکم'' کہا تو بادشاہ اُٹھتا ہوا بولا۔

''آؤ آؤ گرو! نیناں...... آؤ بیٹھو۔'' بادشاہ نے گدے کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا۔ ''ساتھ کون ہے؟ کیا آپ کے ساتھ چاندنی بیٹی آئی ہے؟ ساتھی تو بتا رہا ہے کہ کوئی لڑکی بھی تمہارے ساتھ ہے۔'' بادشاہ کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کون سی بات کرے۔ کیونکہ اس کو توقع بھی نہ تھی کہ چاندنی بھی اس کے گھر آ سکتی ہے۔

''ہاں بادشاہ!'' نیناں بولا تھا۔ ''ہم چاندنی کو بھی اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔'' وہ تینوں گدے پر بیٹھ گئے تو ساتھی کہنے لگا۔ ''بادشاہ! میں مہمانوں کے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ لوگ ابھی بھیک مانگنے کے لیے نہ گئے تھے کیونکہ دن کا آغاز تھا اور بادشاہ نے دل کی بات مان کر آج دیر سے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ اس نے ساتھی کو ساری بات بتا دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ساتھی بھی دو ہیجڑوں کے ساتھ آنے والی چاندنی کو پہچان کر مسکرانے کی کوشش میں اپنی دلی خواہش کو دبا گیا تھا۔ کیونکہ اس کو بھی خوشی تھی کہ بادشاہ کی بیٹی اس کو مل رہی ہے۔ بادشاہ نے اس کو بتایا تھا کہ وہ گرو اور نیناں کے بارے میں اپنی پوری داستان سنائے گا اور یہ بھی بتا دے گا کہ اس کی بینائی کس طرح لوٹ آئی ہے۔

''کیسے ہو بابا؟'' چاندنی نے پہلی بار زبان کھولی تھی۔ اس نے بادشاہ سے پوچھا تو اس کی آنکھیں ایک بار پھر جلنے لگی تھیں۔ وہ چاندنی کی آواز کی سمت دیکھتا ہوا بولا۔ ''اچھا نہیں ہوں بیٹی......'' بادشاہ نے دل کی آواز پر لبیک کہہ کر سچائی بیان کی تھی۔ جو کہ تینوں کو ہی حیرت میں مبتلا کر گئی۔

''خیریت تو ہے بادشاہ بابا!'' گرو نے پوچھا۔ ''آپ کی طبیعت تو ٹھیک لگتی ہے۔ کیا پریشانی ہے ہمیں بتاؤ گے؟''

اس سے پہلے کہ بادشاہ کچھ کہتا ساتھی اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ڈسپوزیبل گلاس اور ایک بڑی کولڈ ڈرنک تھی۔ یہ ساتھی کی عقلمندی تھی کیونکہ ان کے ہاں تو چاندنی جیسے مہمانوں کے لیے برتن بھی نہ تھے۔

بادشاہ ساتھی کی اس عقل مندی پر اس کو داد دے کر رہ گیا تھا۔ ساتھی نے بوتل اور گلاس گرو کے سامنے رکھے اور بادشاہ سے بولا۔ ''میرا خیال ہے بادشاہ کہ آج تم دھندے پر نہیں جاؤ گے۔'' بادشاہ نے ان تینوں کی طرف اپنی اُنگلی سے اشارہ کر کے کہا۔

''کیسی بات کر رہے ہو ساتھی! میری بیٹی پہلی بار میرے گھر آئی ہے۔'' وہ بے خیالی اور جوش جذبات میں کہہ تو گیا تھا لیکن اس کو احساس ہوا تو بات کو سنبھالتا ہوا پھر بولا۔

''ساتھی! گرو اور نیناں کو میں نے خود بلایا تھا لیکن چاندنی کا [illegible] طرح میرے غریب خانہ پر آنا۔ میرے لیے

رحمت کی نشانی ہے کیونکہ بیٹی رحمت ہے۔ اور ساتھی میں اب مزید گناہگار نہیں ہو سکتا۔ تم ہی چلے جاؤ۔''

چاندنی بادشاہ کی دلیل اور گفتگو کے انداز سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ وہ زیرِ لب مسکرائی اور گرو اور نیناں نے بھی اس بات پر شکر کیا کہ بادشاہ نے چاندنی کا دل بھی رکھ لیا ہے اور ان دونوں کی عزت بھی کی ہے۔

''ٹھیک ہے بادشاہ! رب راکھا۔'' ساتھی یہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ یہ بھی بادشاہ اور ساتھی کی پلاننگ کا حصہ تھا۔ کہ جس دن بھی گرو اور نیناں آئیں گے تو ساتھی ان کو بادشاہ کے پاس اکیلے ہی چھوڑ جائے گا۔ لیکن اب تو چاندنی بھی آ گئی تھی اور سونے پر سہاگہ تھا کہ اب پورا دن ان کے پاس تھا اور ساتھی کو امید تھی کہ بادشاہ کے دل کی وہ تمام باتیں باہر نکل آئیں گی جو گزشتہ پچیس سالوں سے وہ دل و دماغ میں لیے اندھا ہو کر ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔

''گرو! آپ لوگ پانی پئیں۔'' بادشاہ نے کہا تو گرو مسکرا کر بوتل کھولتا ہوا گلاسوں میں اُنڈیلنے لگا۔ لیکن چاندنی چونک گئی تھی کیونکہ بادشاہ کو کیسے پتہ چلا تھا کہ ساتھی پانی ہی لے کر آیا ہے۔ وہ کوئی بسکٹ یا نمکو وغیرہ بھی لا سکتا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی پڑھ چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اندھے، گونگوں اور ایسے ہی معذور انسانوں کو بہت سی خصوصیات سے بھی نوازا ہوتا ہے۔ جن کو وہ استعمال کر کے سامنے والوں کو حیران کرتے رہتے ہیں۔

''ہمیں یہاں کیوں بلایا ہے بادشاہ؟'' نیناں نے گرو کا اشارہ پا کر بات شروع کی تو گرو بھی بات کو بڑھاتا ہوا کہنے لگا۔ ''ہاں گرو! اس دن آپ ہمارے گھر سے کچھ بتائے بغیر چلے آئے تھے۔ میں اسی لیے چاندنی دھی کو اپنے ساتھ ہی لے آیا ہوں۔''

بادشاہ مسکرانے لگا لیکن اس کی مسکراہٹ میں دُکھ اور کرب نمایاں تھا۔ چاندنی نے اس بات کو محسوس کیا تھا لیکن وہ بوتل والا گلاس ہونٹوں کو لگا کر بوتل پینے لگی تھی۔

''گرو! میں نے اس دن محسوس کیا تھا کہ تم لوگ اُداس اور پریشان لگ رہے ہو لیکن جب چاندنی بیٹی میرے سامنے آئی تو میں اس کی آنکھوں میں جو کرب اور تکلیف دیکھ پایا تھا وہ مجھ کو بھی دہلا گئی تھی۔

تینوں کے منہ حیرت و استعجاب سے کھل گئے تھے کہ بادشاہ دیکھ سکتا تھا کیونکہ اس نے ابھی ابھی بتایا تھا کہ وہ چاندنی کی آنکھوں میں اُداسی اور کرب کو دیکھ کر دہل گیا تھا۔

''بادشاہ بابا...... آپ دیکھ سکتے ہو؟'' گرو کی عجیب سے لہجے میں ڈوبی ہوئی آواز اُبھری تھی۔ ''مگر کب سے کیا...... آپ جان بوجھ کر اندھے بنے ہوئے تھے؟'' سوالات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ان تینوں کے ذہنوں میں طوفان برپا کرنے لگا تھا۔ چاندنی کو تو بادشاہ ایک فراڈیا اور ڈھونگی فقیر لگا تھا۔

''ہاں گرو! میں گزشتہ پچیس سالوں سے اندھا تھا۔ ایک ایکسیڈنٹ نے مجھ سے میری بینائی چھین لی تھی اور گزشتہ پندرہ دنوں سے پھر ایک ایکسیڈنٹ نے مجھے میری بینائی لوٹا دی ہے۔'' بادشاہ ان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''یہ جھوٹ ہے بابا جانی!'' چاندنی چلاتی ہوئی بولی تھی۔ ''یہ لازمی ایک ڈھونگی اور فراڈیا ہے۔ چلو چلیں...... مجھے نہیں رُکنا یہاں ایک پل بھی۔'' وہ اُٹھ کر غصے سے جانے لگی تو بادشاہ ہولے سے پکارا۔

''کیا اپنے باپ کے بارے میں جاننا چاہو گی بیٹی؟''

اس فقرے نے چاندنی کے پاؤں من من کے کر دیئے تھے جبکہ گرو اور نیناں بھی پریشان ہو کر بادشاہ اور کبھی

چاندنی کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ چاندنی واپس مڑی اور دوزانو بیٹھتی ہوئی بادشاہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

''کیا آپ میرے باپ کو جانتے ہیں بابا!'' چاندنی کا نم لہجہ بادشاہ کے ساتھ ساتھ ان دونوں کو بھی غمگین کر گیا تھا۔

بادشاہ نے اپنے سر سے صافہ اُتارا تو ایک سفید کپڑے کی پٹی اس کے ماتھے سے پیچھے پورے سر کے گرد لپٹی ہوئی تھی اور اس نے اپنا چہرہ گھما کر دکھایا تو سر کے پچھلی جانب یقیناً زخم تھا جہاں سے روئی کے ساتھ جگہ اُبھری ہوئی تھی۔ وہ تینوں ہی سمجھ گئے کہ بادشاہ اپنی بینا اور نابینا والی بات کا ثبوت ان کو دے رہا ہے۔

وہ چاندنی کی طرف دیکھ کر نظریں جھکاتا ہوا بولا۔ ''میرا نام بادشاہ ہے۔ میں پچیس سال قبل صرف نام کا ہی نہیں واقعی بادشاہ تھا۔'' اس نے اپنی داستان کہنا شروع کی تو چاندنی بول پڑی۔

''میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ کیا آپ میرے باپ کو جانتے ہیں؟'' بادشاہ نے اس کے لہجے کی تڑپ سے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بھی اپنے باپ سے ملنے کے لیے بیتاب و بے چین ہے۔

''میری مختصر سی داستان میں ہی تمہارا باپ آجائے گا بیٹی!'' بادشاہ نے عجیب سے لہجے میں کہا تو وہ تینوں ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگے۔

''میرے پاس لاکھوں کی جائیداد اور کاروبار تھا۔ میرا اپنا گھر اتنا بڑا تھا کہ اس کے کئی کمرے استعمال میں ہی نہ آتے تھے۔ میرا کاروبار دوبئی اور یورپی منڈیوں تک پھیلا ہوا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے بہت محبت کی تھی لیکن وہ میری ایک خواہش پر اکثر پریشان اور اُداس ہو جایا کرتی تھی۔

میں اتنی ساری جائیداد اور دولت کا وارث بیٹا چاہتا تھا لیکن وہ مجھے ہمیشہ قدرت کی رضا پر راضی رہنے کا سبق دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی گود ہری کی تو میں نے گھر کو ایسے کھلونوں سے بھر دیا جو کہ صرف لڑکوں کے لیے ہی مخصوص ہوتے ہیں۔ اور دوبئی سے لڑکے کے کپڑے بھی منگوا لیے۔ اسی طرح تین چار ماہ کا عرصہ گزر گیا تو میں نے سائنس کی ترقی کا فائدہ اُٹھانے کا سوچا اور چیک کروانے پر پتہ چلا کہ میری بیوی کی کوکھ میں پلنے والا بچہ بیٹا نہیں بلکہ بیٹی ہے۔ میں غرور طاقت اور تکبر کے نشے میں اندھا ہو چکا تھا میں نے بیوی کی منتیں اور واسطے بھی نہ دیکھے اور اس بچی کا قاتل بن کر اس کو ضائع کروا دیا۔''

بادشاہ کے بولتے بولتے چاندنی نے اندازہ لگایا تھا کہ بادشاہ اپنی بات کو کرنے کے لیے اپنی ندامت اور بھیگی ہوئی آواز کو کچھ سانس لے کر توقف سے ادا کر رہا ہے لیکن اس بار تو اس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ اس نے آنسوؤں کو بہنے دیا اور چھت کی جانب ایک لمبا سانس لیتا ہوا پھر کہنے لگا۔

''میری صابر و شاکر بیوی نے میری اس حرکت پر صبر کیا اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا میرے کاروبار میں میرا بھائی بھی شریک تھا لیکن وہ صرف شریک ہی تھا اس نے مجھے ہر موقع پر نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ مجھے ہر روز ڈھیروں رزق دیتا تھا میرے بھائی نے اپنی بیوی کے فوت ہو جانے پر اپنے تین سالہ بیٹے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے میرے کاروباری حریف کی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی قدرت پر صابر رہنے کے لیے ایک بار پھر مجھے اولاد جیسی نعمت سے نوازنے

کی ٹھانی اور میری بیوی کی گود ہری ہوگئی لیکن وہ ڈری ہوئی تھی میں نے اس کے ڈر اور خوف کی خاطر اس کو یہ مژدہ سنایا کہ اس بار ہم سائنس کی ترقی سے بہرہ مند ہونے کی بجائے بچے کی ڈلیوری پر ہی دیکھیں گے کہ بیٹی ہے یا بیٹا!

اس نے مجھ سے خوفزدہ اور سوگوار لہجے میں پوچھا اگر بیٹی پیدا ہوئی تو آپ اس کے ساتھ کیا کریں گے؟ اس کے اس سوال نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں۔ میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا لیکن فی الحال گھر میں ویرانی اور پریشانی نہ چاہتا تھا۔ (میری سوچ یہ تھی کہ میری یہ تمام جائیداد وہ غیر لے جائے گا جو میری بیٹی کو بیاہ کر لے جائے گا۔ اس طرح میں بیٹی کو رحمت کی بجائے زحمت سمجھنے لگا۔)

بیٹی کی پیدائش پر میں بجھ سا گیا تھا جبکہ تقدیر مجھ پر قہقہے لگا رہی تھی اور میری صابر و شاکر بیوی نے انجانے خوف اور خدشے کے تحت آنسو بہا بہا کر اپنی گالوں پر پانی کی لکیریں بنا لی تھیں۔ اس نے پانچ چھ دن بیٹی کو اپنے سینے سے چمٹا کر رکھا اس کو دودھ پلایا اور اس کا ہر طرح سے خیال رکھا تھا لیکن میرا داؤ چل گیا۔ میں نے قیمتی جھولے میں لپٹی ہوئی بچی کو بیدردی سے اُٹھایا تو بیوی کی آنکھ کھل گئی اور وہ میرے ہاتھ میں چھری دیکھ کر کانپنے لگی تھی۔ وہ منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

بادشاہ رو رہا تھا۔ اس کی بڑھی ہوئی شیو کے سفید اور سیاہ بال آنسوؤں کے پانی سے تر ہو گئے تھے۔ دلچسپ کہانی نے گرو اور نیناں کے ساتھ ساتھ چاندنی کو بھی مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔

''پھر بابا! پھر کیا کیا آپ نے؟ کیا اس کو چھری سے مار دیا۔؟'' چاندنی خاموش نہ رہ سکی تو بول ہی پڑی تھی۔ لیکن اس کی آواز پھٹ ضرور گئی تھی۔ بادشاہ نے اس کی طرف سرخ آنکھوں سے دیکھا اور نفی میں سر ہلاتا ہوا کہنے لگا۔

''میری بیوی نے میرے ہاتھ سے چھری چھین لی لیکن میں بچی کو لے کر کمرے سے نیچے آنے لگا تو اس نے میرے پاؤں پکڑ لیے میں پُرغرور بادشاہ اس کو اپنے ساتھ ہی زور زور سے گھسیٹتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے لانے لگا تھا۔ وہ ڈر کر روئے جا رہی تھی جبکہ بچی میری گود میں سوئی ہوئی تھی۔ اس کو تو یہی معلوم تھا کہ وہ اپنے باپ کے سینے سے لگی ہوئی ہے۔ لیکن یہ نہ پتہ تھا کہ وہ ایک دجال اور ظالم کی بربریت کا نشانہ بننے والی ہے۔

میری بیوی نے میری منتیں کیں مجھے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دیئے لیکن میں نے اس کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ اب اس کو کچرے کے ڈھیر پر ہی پھینک کر آؤں گا لیکن وہ صابر عورت رونے کے سوا صرف اتنا بولی۔ اگر میری بیٹی کو مجھ سے جدا کرنا ہے تو پہلے مجھے مار دو بادشاہ!

میں نے اس کو غرور اور تکبر میں غصے کی شدت سے گلا پھاڑ پھاڑ کر طلاق دے دی۔ یک دم یوں لگا کہ تقدیر مجھ سے ناراض ہو گئی ہے وہ چیختی چلاتی بولی۔ بادشاہ! تم نے میری آنکھوں کی ٹھنڈک چھینی ہے۔ خدا کرے کہ تمہاری آنکھوں کی روشنی چھن جائے۔ تم نے مجھے طلاق دے کر میرا سکھ چین اور گھر بار چھینا ہے اللہ کرے تمہارا سکھ چین اور گھر بار چھن جائے۔ تم در در گلیوں کی خاک چھانتے ہوئے بھیک مانگتے پھرو۔ اتنی بددعائیں دے کر وہ نیم بیہوش ہو کر گر پڑی تھی۔''

بادشاہ خاموش ہو گیا تھا لیکن آنسوؤں کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ اس کی قمیص کے گریبان کو بھگو رہے تھے اور چاندنی کی سانسیں بھی دھونکنی کی طرح چلنے لگی تھیں۔ کیونکہ بادشاہ کی داستان ایک ایسے موڑ پر پہنچی تھی جہاں پر

Pakistanipoint Waqar Azeem

تجسس اور سسپنس کی گنجائش نہ تھی لیکن بادشاہ کو اپنا سانس بھی درست کرنا تھا اور آنسوؤں کو بھی دلاسہ دینا تھا۔ وہ حلق تر کرتا ہوا پھر چاندنی کی طرف دیکھتے ہوئے نظریں جھکا گیا اور کہنے لگا۔

''میں اس بچی کو لے کر گھر سے نکل آیا تھا۔ مجھے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ میں کیا کروں۔ اس کو اگر کچرے کے ڈھیر پر پھینکا تو کہیں آوارہ جانور ہی نہ نقصان پہنچائیں۔ تو پھر کیا کروں۔ اسی کشمش و پیچ میں مبتلا میں نے ایک دکان سے پلاسٹک کی بچہ رکھنے والی ٹوکری خریدی اور اس کو اس میں لٹا کر دیکھا تو بچی نے آنکھیں کھول کر مسکرا کر میری طرف دیکھا لیکن میں نے اس سے منہ پھیر کر اپنے دل کو پتھر کر لیا اور رات گہری ہونے پر ایک گلی میں جا گھسا۔ گلی کے بالکل دوسرے کونے پر جا کر مجھے پتہ چلا کہ گلی تو آگے سے بند ہے۔''

گرو، نیناں اور چاندنی بےچینی سے پہلو بدل کر رہ گئے تھے تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو تینوں کی آنکھیں ہی رم جھم برسانے لگی تھیں۔

''پھر میں نے گلی کے آخری گھر کا دروازہ کھلا ہوا دیکھا تو مجھے لگا کہ یا تو گھر والے دروازہ لگانا بھول گئے ہیں یا پھر کوئی فرد اس وقت گھر سے کوئی ضروری چیز لینے نکلا ہے اور دروازہ ادھ کھلا چھوڑ گیا ہے۔ میں نے خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس گھر میں ہی بچی کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور ڈرتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ صحن میں ساٹھ واٹ کے بلب کی روشنی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا تو ایک تخت پوش بھی صحن میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے قدرے اندھیرے کونے میں بچی والی ٹوکری کو رکھا اور واپس آنے لگا تو میری چادر ٹوکری میں اڑ گئی۔ میں جیسے ہی چادر چھڑانے کے لیے جھکا تو معلوم ہوا کہ چادر ٹوکری میں نہیں اڑی بلکہ بچی کے ننھے منے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

میں نے دھیرے سے اس کے ہاتھ سے چادر چھڑائی اور تیزی سے اس گھر سے باہر نکل آیا۔''

بادشاہ تو خاموش ہو گیا تھا لیکن ان تینوں کو سکتہ ہو گیا تھا۔ چاندنی کی پتھرائی ہوئی آنکھیں بادشاہ کے آنسوؤں بھرے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔ وہ کوئی بھی حرکت کرنے سے خود کو معذور سمجھتی ہوئی گرو کی گود میں بیہوش ہو کر گر پڑی تھی۔

''چاندنی..... چاندنی..... میری بیٹی..... آنکھیں کھولو۔'' گرو اس کے گال تھپتھپانے لگا تھا جبکہ نیناں نے اس کے ہاتھوں کو مالش کرنا شروع کر دیا تھا۔ بادشاہ کو کچھ نہ سوجھا تو وہ چاندنی کے چہرے پر جھکتا ہوا بولا۔

''پچیس سالوں سے جو سزا کاٹ رہا ہوں۔ آج اس کی معافی کا دن ہے میری بیٹی! مجھے معاف کر دے۔'' بادشاہ کے آنسو چاندنی کے چہرے پر ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

''میری بچی! میں تیرا مجرم باپ ہوں۔ تمہاری عدالت میں آ گیا ہوں۔ اُٹھ جا..... اُٹھ جا میری بچی مجھے معاف کر دے۔''

بادشاہ کے آنسوؤں نے گرو اور نیناں کو دہلا دیا تھا۔ جبکہ چاندنی کے چہرے پر گرنے کی وجہ سے نمکین اور گرم پانی نے جذبات اور خون کو جھنجھوڑا تو چاندنی بھی ہوش میں آ گئی تھی۔ وہ بڑے دُکھ اور کرب سے باپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میرا قصور کیا تھا بابا؟'' وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ پھر آنسوؤں کی برسات لگ گئی تھی۔

گرو اور نیناں چاندنی کی طرف اس انداز سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کائنات کی خوش قسمت ترین لڑکی ہے۔ جس کو پچیس سال بعد اس کا بچھڑا ہوا باپ مل گیا ہے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ بادشاہ ہی چاندنی کا اصل باپ ہو گا لیکن حقیقت کھل کر سامنے آ گئی تھی۔

''قصور وار اور گناہگار تو میں ہوں۔'' بادشاہ نے چاندنی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تو وہ تڑپ گئی۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ ''نہیں بابا! میں آپ کو معاف نہیں کروں گی۔'' چاندنی کا لہجہ کمزور تھا اور الفاظ آنسوؤں میں بھیگے ہوئے تھے۔ ''میں نے آپ سے کون سا محل مینارے مانگنے تھے۔'' چاندنی اس بار بادشاہ کے جڑے ہوئے ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔ ''وہی گڑیا اور گڈا..... جو ہر بیٹی اپنے باپ سے مانگتی ہے۔ آپ لاکھوں کے مالک ہو کر بھی مجھے وہ نہ دے سکے۔ آپ میرے مجرم ہیں بابا! میری ماں کے مجرم ہیں.....'' وہ روئے جا رہی تھی جبکہ زیادہ رونے سے بادشاہ کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر اپنا سر ندامت اور شرمندگی سے چاندنی کے سامنے جھکایا ہوا تھا۔

تقدیر نے مجھ سے بہت بڑا تاوان وصول کیا ہے چاندنی! میں تمہاری ماں کی بددعاؤں سے اندھا ہو گیا۔ میرا گھر بار جل کر راکھ ہو گیا۔ میں سڑکوں، گلیوں میں بھیک مانگنے لگا۔ میرا چھوٹا بھائی ہی مجھے دھوکا دے گیا۔ وہ سب کچھ لوٹ کر نئے سسرال والوں کی گود میں جا بیٹھا۔'' بادشاہ نے یہ کہہ کر اس بار چاندنی کے پاؤں پکڑ کر اپنا صافہ اس پر رکھ دیا تو گرو اور نیناں سے یہ منظر دیکھا نہ جا سکا تھا۔ وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے تھے۔

''اب میری دھی! مجھے کوئی اور بددعا نہ دینا۔ اگر کوئی دعا دینی ہے تو صرف یہ دعا دے دو کہ پروردگار مجھے اُٹھا لے۔ میں نے مرنے سے پہلے کم از کم ایک بار تو اپنی بیٹی کو دیکھ لیا ہے۔'' بادشاہ کے الفاظ تیر بن کر چاندنی کے دل کو گھائل کر رہے تھے۔

چاندنی! مجھے اپنا باپ سمجھ کر نہ سہی۔ میری بیٹی ایک اندھا فقیر سمجھ کر ہی معاف کر دے۔ میں تمہارے سامنے سوالی بن کر اپنی جھولی کو کشکول بنا کر التجا کر رہا ہوں۔'' بادشاہ نے قمیص کی جھولی چاندنی کے سامنے پھیلا دی تھی۔ آسمان بھی تڑپ رہا تھا۔ زمین بھی کانپ رہی تھی۔

''میری اس جھولی میں معافی ڈال دے میری بیٹی! میں قسم کھاتا ہوں کہ آج کے بعد تمہیں اپنی منحوس صورت نہیں دکھاؤں گا۔ بہت دور..... بہت دور چلا جاؤں گا۔'' بادشاہ نے ایک بار پھر چاندنی کے پاؤں پکڑے تو گرو نے چاندنی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور بولا۔

''چاندنی! میری دھی! اس نمانے کو معاف کر دے۔ یہ ضمیر کی عدالت میں پچیس سال تک کٹہرے میں کھڑا رہا ہے۔ اس کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کا احساس ہو گیا ہے میری دھی! اس کو معاف کر دے۔'' گرو اپنی آواز پھٹنے پر خاموش ہوا تو نیناں بول پڑا۔ ''چاندنی! معافی کو تو سوہنا رب بھی پسند کرتا ہے۔ بڑے بڑے دشمنوں کو معاف کرنا پڑتا ہے۔ میری بچی! یہ تو تیرا باپ ہے۔ دیکھ اس نے تیرے قدموں میں سر رکھ کر اپنی زندگی کا فیصلہ تمہاری خوشی اور مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔''

بادشاہ نے چاندنی کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا اور ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔

''میں تمہاری زندگی سے بہت دور چلا جاؤں گا میری بیٹی! بس تم سے معافی کا طلبگار ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اگر تم معاف کر دو گی تو میں رب کے حضور آسانی سے سجدہ ریز ہو کر اس کو بھی منالوں گا۔''

بادشاہ نے ایک بار پھر چاندنی کے پاؤں پکڑے تو وہ تڑپتی ہوئی بادشاہ کے سینے کے ساتھ لگ گئی پچیس سالوں کی جدائی، ہجر اور تڑپ کو وصل اور سکون ملنے لگا تھا۔

چاندنی کے آنسو بادشاہ کے سینے میں جذب ہو رہے تھے۔

''اب میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔ میں نے اپنی پوری زندگی بعد آپ کو پایا ہے بابا! میں کہیں نہیں جانے دوں گی۔'' چاندنی روئے جا رہی تھی ہچکیوں سے اس کا وجود ہولے ہولے ہل رہا تھا۔

بادشاہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اس کی پیشانی پر محبت سے بوسہ دیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب تمہاری ماں کو بھی ڈھونڈ لوں گا۔ میں اس کا بھی مجرم ہوں۔ بس مرنے سے پہلے میں اپنی زندگی کی اس غلطی اور گناہ کو دھونا چاہتا ہوں۔ وہ بہت صابر اور شاکر عورت تھی۔''

''ہم سب مل کر اس کو ڈھونڈیں گے بادشاہ بابا!'' نیناں نے مسکراتے ہوئے کہا تو چاندنی نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا اور گرو نے تو باقاعدہ ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا شروع کر دی تھیں۔

''بابا! میری ماں کا نام کیا تھا؟'' چاندنی نے بیٹی بن کر پہلا سوال بادشاہ سے پوچھا تو وہ دور دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ وہ اندھیروں میں جلنے والی شمع تھی میری بیٹی...... اس کی روشنی میرے گھر میں اس طرح اجالا کیا کرتی تھی کہ یہ عارضی روشنیاں مدھم ہو جاتی تھیں۔ اس کا نام شمع تھا۔''

گرو نیناں اور چاندنی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

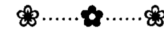
لیکن گرو نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے خود ہی کہا۔ ''وہ تو رحیم بخش کی بیوہ ہے اور اس کے دو بیٹے ہیں۔''

''کون...... اور کس کی بات کر رہے ہو گرو!'' بادشاہ بھی اس کی بات سن کر چونک کر بولا۔

''ہماری ہمسائی ہے بادشاہ! ہم جب چاندنی کو اس محلّہ میں لے کر آئے تھے تو وہ پہلے سے اس گلی میں رہ رہی تھی لیکن اس کا خاوند تو ہمارے سامنے ہی اللہ کو پیارا ہوا تھا۔ وہ نہیں ہو سکتی۔ نام ہی شمع ہو گا۔''

''ہاں...... ناموں سے ہی اکثر انسان دھوکا کھا جاتا ہے لیکن میں اب دیکھ سکتا ہوں۔ اس کو ڈھونڈ لوں گا۔''

بادشاہ کا پُرعزم لہجہ سن کر چاندنی نے ایک بار پھر اپنا سر اس کے سینے سے لگا لیا تھا۔



حناز بوتیک پر رش معمول سے قدرے زیادہ ہی تھا اور اس بات سے ستارہ کافی خوش تھی کیونکہ اس کے بنائے ہوئے ڈیزائننگ والے سوٹ دھڑا دھڑ فروخت ہو رہے تھے۔ اس نے آج ایک بار پھر لنچ کے لیے موسیٰ کو اپنے آفس میں بلوایا تھا اور وہ موسیٰ پر فریفتہ ہوتی ہوئی اس کے ساتھ گاڑی میں اپنے فیورٹ ریستوران پر پہنچی تھی۔ موسیٰ نے اس ریستوران سے شرجیل کو بھی نکلتے دیکھ لیا تھا اس کو حیرت تو ضرور ہوتی اگر سالار تمام بات اس کو نہ بتا چکا ہوتا۔ شہر میں قائم یہ اپنی نوعیت کا واحد ہوٹل تھا جس میں بیرون ملک سے آنے والے مسافروں کے لیے ہر وہ چیز ہر وہ سہولت میسر تھی جس کی وہ ڈیمانڈ کرتے تھے۔

اس ریستوران کو دو حصوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا تھا کہ ایک حصہ ہوٹلنگ کے لیے مخصوص تھا جبکہ ایک حصہ میں کھانے پینے کا ہال بنا ہوا تھا۔ جو صاحبِ ثروت مقامی لوگ تھے وہ اپنے منہ کو کرارا کرنے کے لیے لنچ یا ڈنر اس ہوٹل میں کرنا ثواب کا کام سمجھتے تھے۔

موسیٰ ستارہ کے ساتھ چلتا ہوا ایک میز کے گرد رکھی ہوئی کرسیوں میں ایک پر بیٹھ گیا اور ستارہ اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''موسیٰ! کیا کھاؤ گے؟'' ستارہ اس کی طرف محبت سے دیکھنے کے لیے دونوں کہنیاں میز پر ٹکا چکی تھی اور اپنے ہاتھوں کو اسٹینڈ بنا کر ٹھوڑی کے نیچے رکھتی ہوئی موسیٰ کو محبت سے تکنے لگی تھی۔

''جو آپ کو پسند ہے وہی مجھے بھی پسند ہے میڈم ستارہ۔'' موسیٰ ہولے سے مسکرایا تھا۔

''مجھے تو تم پسند ہو موسیٰ!'' پہلی بار ستارہ نے برملا اظہار کیا تھا اور موسیٰ ہونق بن کر گلا کھنکار کر بولا۔

''تو پھر مجھے ہی کھا جائیں۔'' دونوں ہی ہنسنے لگے تھے۔

''میں اگر آدم خور ہوتی تو ضرور کھا جاتی۔'' ستارہ اس کی آنکھوں کے راستے دل میں اتر گئی تھی لیکن موسیٰ کے دل میں جو فریم تھا اس پر تحریم کی تصویر سج چکی تھی اور موسیٰ جیسا ایماندار بندہ اس میں بے ایمانی نہ کر سکتا تھا۔ لیکن نوکری تو نوکری ہوتی ہے وہ اس مسکراہٹ اور باتوں کو بھی نوکری کا ہی حصہ سمجھ کر مسکرانے لگا تھا۔

ویٹر کو آرڈر دیا گیا تو موسیٰ کے موبائل پر بیل ہونے لگی تھی اس نے حیرانگی سے دیکھا تھا تو سالار کا نمبر تھا اب وہ ستارہ کی موجودگی میں سالار سے بات نہ کرنا چاہتا تھا کیونکہ سالار جیسے بندے سے کوئی توقع نہ تھی کہ وہ کب کیا کہہ دے۔ بار بار بیل ہونے پر ستارہ نے ہی کہہ دیا۔

"سن لونا...... پتہ نہیں کوئی ضروری کال ہی ہو۔" موسیٰ نے کھسیا کر کال اٹینڈ کی تو دوسری جانب سے سالار کی چہکتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ "کیوں بھئی شہزادے! بڑی بتیسی نکل رہی ہے میری بہن کے ساتھ۔"

"اچھا......" موسیٰ نے یہ کہہ کر ارد گرد دیکھنا شروع کیا تو سالار غصے سے بولا۔ "پاگل مت بنو......اور پینڈوؤں کی طرح اِدھر اُدھر مت دیکھو۔ میں بھی اس ہوٹل میں موجود ہوں اور تمہارے باس کی جان میڈم حنا بھی ہیرا بدمعاش کے ساتھ ہے۔ میں انتہائی خطرناک مشن پر ہوں۔"

"تو مجھے کیوں کال کی ہے؟" موسیٰ اتنا ہی کہہ پایا تھا لیکن دوسری جانب سے سالار کا بلند قہقہہ اس کے کان پھاڑنے لگا۔

"انجوائے کر شہزادے انجوائے۔" کال منقطع ہوگئی تھی۔ اس کو سالار کی اس بے تکی کال پر غصہ تو آیا تھا لیکن وہ ظاہر نہ کرتا ہوا ستارہ کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا تو وہ بولی۔ "کوئی دوست تھا۔"

"جی......میرے دشمن بہت کم ہیں۔ بلکہ ہیں ہی نہیں۔" موسیٰ مسکرایا تھا تو ستارہ بھی کھلکھلاتی ہوئی بولی۔

"موسیٰ! جس انسان کے دشمن نہ ہوں۔ وہ بہت اچھا ہوتا ہے اور میں ایسے ہی کسی اچھے انسان کی تلاش میں ہوں۔"

"یہ اظہار تھا یا پھر اس بات کا کوئی اور مقصد تھا موسیٰ سمجھ نہ پایا تھا۔ وہ استفہامیہ انداز میں اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

"تو پھر......آپ کو مل گیا یا ابھی نہیں؟"

"مل گیا۔" وہ دو لفظ ادا کر کے موسیٰ کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ "مل تو گیا ہے لیکن مل جانے اور پا لینے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بعض اوقات جن لوگوں کو ہم ملنا چاہتے ہیں وہ ملتے نہیں اور جب مل جاتے ہیں تو پھر ان کو پانے کی خواہش دل میں شدت اختیار کرتی جاتی ہے لیکن ان کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔"

موسیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اس کی روح تک کو گھائل کر دیا تو وہ مخمور انداز میں آنکھیں بند کر کے رہ گئی تو موسیٰ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ "تو کیا پرابلم ہے کہ وہ لوگ حاصل نہیں کیے جا سکتے؟"

"دیوار!" وہ مختصراً بولی اور آنکھیں کھول کر موسیٰ کے چہرے کا طواف کرنے لگی۔ "اس معاشرے نے سٹیٹس نامی ایک دیوار ایسی کھڑی کر دی ہے کہ اس کو پار کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"بظاہر ایسا لگتا ہے یا پھر آپ ہمت ہار بیٹھی ہیں؟" موسیٰ بھی اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"موسیٰ! کیا تمہیں نہیں لگتا کہ جو والدین ہمیں پالتے پوستے ہیں۔ ہمارے پہلے دن سے لے کر شادی والے دن تک ہماری ہر ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کا ہم پر بہت حق ہے؟"

موسیٰ نے ایک پُرسکون سانس خارج کی تھی کیونکہ ستارہ کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ موسیٰ کو محض تنگ کرنے کے لیے ہی محبت محبت کی چھیڑ خانی کر رہی تھی اور اب وہ اس کھیل سے بور ہونے لگی تھی اور وہ محبت کے میدان سے باہر جانے کے لیے راستہ ڈھونڈ رہی تھی۔

"ماں باپ کے حقوق تو بہت سے ہوتے ہیں ستارہ! صرف شادی ان کی مرضی سے کر کے ہم ان پر کوئی احسان

نہیں کرتے بلکہ یہ ایک چھوٹی سی کوشش ہوتی ہے کہ ہم ان کے دل کو سکون بخش سکیں اور ان کی نظروں میں سرخرو ہو سکیں۔"

"موسیٰ ایک بات تو بتاؤ۔" ویٹر کھانا لگانے لگا تو وہ خاموش ہوگئی تھی۔ موسیٰ بھی سمجھ گیا کہ کوئی خاص ہی بات ہو گی ورنہ ستارہ خاموش رہنے والی نہ تھی۔ ویٹر کے جانے کے بعد ان دونوں نے اپنا اپنا کھانا اپنی پلیٹوں میں نکالا تو ستارہ پھر بول پڑی۔

"پیار، محبت اور عشق میں سے ڈاڈھا کون ہوتا ہے؟" یہ سوال موقع کی مناسبت سے بالکل نہ تھا لیکن وہ نامعلوم کب سے اس سوال کو دل میں لیے پھر رہی تھی۔ موسیٰ نے ایک نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے اس کی بات کا جواب دینے کے لیے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

"انسان زندگی میں اپنا پہلا پیار یا پہلی محبت کبھی نہیں بھولتا۔"

"اور عشق؟" ستارہ نے ایک نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا تو موسیٰ مسکراتا ہوا بولا۔ "عشق جس کو لگ جائے اس کو اپنا آپ بھولنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ عاشق کو خبر نہیں ہوتی کہ وہ کون ہے۔ کیوں ہے۔ کہاں ہے اور کیسا ہے؟"
وہ ساتھ ساتھ کھانا بھی کھا رہے تھے اور باتیں بھی جاری تھیں۔

"اچھا......؟" ستارہ حیرت سے بولی۔ "اس کا مطلب ہے کہ عشق ڈاھڈا ہوتا ہے۔"

"ہاں......عشق تو خود ہی اپنے متعلق کہتا ہے کہ

راہ عشق تے ٹرنا بڑا اوکھا
جے ٹریئے تے یار ملا دیندا
لا کے تخت اتوں تاجاں والیاں نوں
خاک رُوہاں دے نال رُلا دیندا

ستارہ کے لیے موسیٰ کا یہ کردار انوکھا اور حیران کن بھی تھا۔ وہ حیران ہو کر موسیٰ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"اگر میں کہوں کہ عشق کو ایک کوزے میں بند کرنے کی کوشش کرو تو کیا کہو گے موسیٰ؟"

"عشق بک جانے کا نام ہے۔" موسیٰ نے صرف چھ لفظوں میں عشق کو سرخرو کر دیا تھا۔ ستارہ خوشگوار حیرت سے اس کو دیکھنے لگی۔ "کیا تمہیں بھی عشق ہوا ہے موسیٰ؟"

یہ سوال سن کر موسیٰ کو عشق کی دھمکیاں اور کارستانیاں سنائی دینے لگیں۔ اس کی سماعتوں میں عشق اپنی تباہیاں اور اپنے تاوان بیان کرنے لگا تو ستارہ حیران ہوگئی۔ وہ موسیٰ کی بدلتی ہوئی رنگت پر پریشان بھی ہو رہی تھی موسیٰ نے ٹھنڈے پانی کا گلاس غٹا غٹ پیا اور چہرے پر آنے والے پسینے کو ٹشو سے صاف کیا اور خود کو کافی حد تک پُرسکون کرتا ہوا بولا۔

"میرا عشق بہت ہی مختلف قسم کا ہے۔" موسیٰ نے یہ کہہ کر کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔
"کیا عشق کی قسمیں بھی ہوتی ہیں؟" ستارہ آج نہ جانے کیوں عشق کی کھال اُتارنے پر تلی ہوئی تھی۔
موسیٰ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "ستارہ! کیا تم مجھ سے دل سے محبت کرتی ہو؟ سچ بتانا ستارہ۔" یہ کہہ کر

موسیٰ نے ہمت کر کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا جو کہ ستارہ کی خواہش بھی تھی لیکن اس وقت موسیٰ کیا کرنے والا تھا وہ نہ جانتی تھی۔ وہ موسیٰ کی دیدہ دلیری پر حیران تھی۔ وہ اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی جو کہ ابھی تک موسیٰ کے ہاتھ میں تھا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے ستارہ۔'' موسیٰ نے سوال دہرایا تو وہ دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو قابو کرنے کی کوشش میں بولی۔ ''ہاں موسیٰ! میں تمہیں دل سے چاہتی ہوں۔''

''اگر میں تمہیں نہ ملا تو کیا کرو گی ستارہ؟'' اب موسیٰ نے کیسے کیسے سوال اس سے کرنا شروع کر دیئے تھے۔ وہ بھی حیران اور پریشان تھی۔ سوال دوبارہ دہرایا گیا تو وہ نظریں جھکاتی ہوئی بولی۔

''میں تمہیں پانے کی خاطر ہر کوشش کروں گی موسیٰ!''

''چاہے کچھ بھی کرنا پڑے؟'' موسیٰ کا سوال تو مختصر تھا لیکن وزنی تھا۔ اب ستارہ کو سوچ سمجھ کر جواب دینا تھا۔

''ہاں موسیٰ! چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔ میں تمہیں حاصل کرنے کی پوری کوشش کروں گی۔'' ستارہ کا لہجہ وزنی اور الفاظ محبت کی شیرینی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''لیکن تم ایسا کیوں کرو گی ستارہ! میں تو تمہارا اسٹیٹس نہیں ہوں۔''

''تم میری محبت ہو موسیٰ۔''

''کیا تم یہی چاہتی ہو کہ تمہاری محبت صرف محبت ہی رہے۔ عشق نہ بنے؟'' موسیٰ نے ایک بار پھر اس کو چونکا دیا تھا۔

''میں سمجھی نہیں موسیٰ!''

''محبت میں مطلوب کو پانا ہی محبت نہیں ہے ستارہ! بلکہ محبت کی معراج کو بلند رکھنے کے لیے رسم و رواج، ثقافت اور خاندان کے وقار کو پہلی ترجیح دینا محبت کی آخری قسم ہے اور یہ قسم عشق کی پہلی قسم ہے۔ اور عشق کی لاتعداد قسمیں ہیں نہ تم سمجھ سکتی ہو نہ میں جانتا ہوں۔''

وہ دوبارہ پُرسکون انداز میں کھانا کھانے لگا تھا۔ ستارہ اس کی ذہانت کی قائل ہوگئی تھی کہ اس نے کس طرح ستارہ کو ہی مثال بنانے کے لیے اس کا ہاتھ تھام کر اس سے ہی آغاز کر دیا تھا۔ اور عشق کی اقسام تو واقعی بہت ہوں گی لیکن موسیٰ نے جس طرح اس کو پیار اور محبت سے عشق کا سفر طے کرنا سمجھایا تھا وہ یقیناً قابلِ تعریف بات تھی۔

وہ کھانا کھا کر ہوٹل سے باہر نکلے اور گاڑی کو پارکنگ سے نکالنے کے لیے ستارہ نے گاڑی ریورس کی تو اس کی نظریں ہوٹل کے مین گیٹ پر گئیں جہاں سے حنا بیگم کسی لفنڈر قسم کے آدمی کے ساتھ باہر نکل رہی تھیں۔

ایسے شاندار ہوٹل میں حنا بیگم کی موجودگی کوئی حیرت نہ رکھتی تھی لیکن وہ اس وقت جس آدمی کے ساتھ تھیں وہ بات اور انداز چونکا دینے والا ضرور تھا۔ موسیٰ نے اس کی نظروں کے زاویے میں دیکھا تو وہ بھی سالار کا کام آسان ہوتا دیکھ کر مسکرایا اور ستارہ کو ہلانے والے انداز میں بولا۔

''ستارہ! کیا تم اس آدمی کو دیکھ رہی ہو جو ایک بیوٹی فل لیڈی کے ساتھ ہوٹل سے باہر آرہا ہے۔'' ستارہ نے موسیٰ کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''وہ عورت میری مما ہیں۔''

''وہاٹ؟'' موسیٰ کی اداکاری عروج پر تھی۔ اس کے اس طرح چیخنے والے انداز سے ستارہ نے اس کی طرف

استعجاب سے دیکھا۔ وہ بولا۔ ''میرا مطلب تھا کہ...... آپ کی مما...... ایک میچور فیملی سے ہیں اور وہ آدمی جواری ہے۔ بدمعاش ہے۔ اس کا نام ہیرا بدمعاش ہے۔ اور یہ ہمارے محلہ میں ہی رہتا ہے۔ جوئے کا اڈہ چلاتا ہے یہ تو۔''

موسیٰ نے ہیرا کی تمام ورائٹی بیان کی اور ساتھ ہی ساتھ کن انکھیوں سے وہ ستارہ کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ پھر بولا۔ ''سوری ستارہ! یہ آدمی...... غلط ہی نہیں بلکہ بہت ہی غلط اور مکروہ دھندے کرتا ہے۔ یہ امیر کبیر عورتوں کے ساتھ تعلقات بنا کر ان کو پھر انہی کے فوٹو گرافس سے بلیک میل کر کے بڑی بڑی رقوم اینٹھتا ہے۔'' موسیٰ نے جلتی آگ میں چار ''لکھ'' اور ڈال دیئے تھے۔

ستارہ کے دل و دماغ میں موسیٰ کی باتیں بارود بھر رہی تھیں۔ اس نے حنا بیگم کو بہت خوش دیکھا تھا۔ موسیٰ بھی اس کی کیفیت سمجھ سکتا تھا لیکن وہ اس معاملہ میں کچھ بول نہ سکتا تھا۔ حنا بیگم اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے جا چکی تھیں۔ اور ستارہ نے بھی اپنی گاڑی بوتیک کی جانب دوڑا دی تھی۔ بوتیک پہنچ کر بھی وہ خاصی پریشان تھی۔

وہ حنا بیگم کو ایک بدمعاش کے ساتھ دیکھ کر کافی ڈسٹربنس محسوس کر رہی تھی۔ اس کو سمجھ نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کس طرح حنا بیگم سے اس ہیرا کے بارے میں پوچھے۔ اسی اثناء میں دروازے پر دستک سن کر اس نے ٹی وی سکرین پر دیکھا تو سالار کھڑا تھا۔ اس نے اپنا موڈ ٹھیک کیا اور ''کم آن'' بولی تو سالار مسکراتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔

''ہیلو سسٹر۔'' وہ حسبِ عادت مسکرا رہا تھا اور اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق اس نے دو لفظوں میں ہی ستارہ کو سمجھا دیا تھا کہ وہ اس کا دکھ بانٹ سکتا ہے۔

''جی سالار بھائی! کیسے ہیں آپ؟'' ستارہ بھی مسکراتی ہوئی بولی اور اس نے خود بھی کرسی پر بیٹھ کر سالار کو بھی ایک خالی کرسی کی جانب اشارہ کر کے بیٹھنے کا کہا تو وہ ''تھینک یو'' کہتا ہوا بیٹھ گیا اور غور سے کسی ماہر آئی سپیشلسٹ کی طرح ستارہ کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تو وہ جھینپتی ہوئی بولی۔

''کیا دیکھ رہے ہیں سالار بھائی!''

''پریشان ہو؟'' سالار نے نظریں اس کی آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں تو۔'' ستارہ خود کو نارمل کر چکی تھی لیکن دل میں چبھنے والا کانٹا ہلکی سی کسک ضرور محسوس کروا رہا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ''چائے یا کافی؟''

''کافی۔'' سالار مختصراً بولا تو ستارہ نے دو کافی کا آرڈر دے کر کارڈلیس کا ریسیور رکھا ہی تھا کہ سالار پھر بولا۔

''کاروبار کی پریشانی ہے یا...... گھر کے کسی فرد کی؟'' اس بار ستارہ اس کی طرف غور سے دیکھنے لگی۔

''کیا آپ ماہر نفسیات ہو؟'' وہ ستارہ کی بات سن کر ہنس پڑا تھا۔

''تکے لگاتا ہوں اور اکثر نشانے پر لگتے ہیں۔'' دونوں ہی ہنس پڑے تھے۔

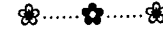
''ویسے ستارہ! ایک بات پوچھوں۔ سچ بتانا؟'' سالار یک دم سنجیدہ ہوگیا تھا اور ستارہ کے لیے اس کا یہ انداز انوکھا رنگ لیے ہوئے تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''جی سالار بھائی! کہیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''ستارہ! کیا تم مجھے عبید رضا کی طرح بھائی سمجھتی ہو؟'' یہ کیسا انوکھا سوال تھا جس نے ستارہ کو بھی سنجیدہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ ''میں سمجھی نہیں سالار بھائی......؟''

"ستارہ! اگر میں کہوں کہ میں تمہارا ہی بھائی ہوں اور سیٹھ وہاب میر کی اولاد ہوں تو...... تم کیا سمجھو گی۔ کہ میں نے جھوٹ بولا یا میں سچ کہہ رہا ہوں؟" بہت بڑی بات تھی جو لفظوں کا گولہ بن کر سنجیدگی کی توپ سے ستارہ کی جانب بڑھی تھی۔ وہ سالار کی بات پر غور کرتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی کیونکہ سالار کا لہجہ سنجیدہ بھی تھا اور دبنگ بھی تھا اور ستارہ محسوس کر رہی تھی کہ ایسے لوگ جھوٹ نہیں بولا کرتے۔

"سالار بھائی! اگر آپ پہیلیاں نہ بجھوائیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ میں اتنا سسپنس اور تجسس برداشت نہیں کر سکتی۔" بالآخر ستارہ کو یہی کہنا پڑا تھا۔ وہ یک دم پھر سے قہقہہ لگا کر ہنسا اور بولا۔

"کیا وہاب میر جیسا رئیس دو دو شادیاں نہیں کر سکتا یار؟" ستارہ نے ایک لمبی مگر پُرسکون سانس خارج کی تھی کیونکہ وہ اب سمجھی تھی کہ سالار احمد بہت ہی کمال کا اداکار ہے۔ وہ بھی مسکرانے لگی تھی اور کچھ بھی نہ بولی تھی کیونکہ کافی آ گئی تھی۔



سالار احمد کافی عرصہ بعد ملز کے آفس میں آیا تھا اور اس کو دیکھ کر وہاب میر کی بھنویں سکڑ گئی تھیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سالار احمد کا اس طرح آنا ان کے لیے کوئی نہ کوئی پریشانی اور مصیبت ہی برپا کرے گا۔

"کہو...... کیسے آئے ہو؟"

"ٹیکسی پر آیا ہوں۔" لیکن یہ بات سالار احمد ہونٹوں سے نہ بول سکا بلکہ کہنے لگا۔ "کیا مطلب ابو جی! میری مل ہے میں کبھی بھی آ سکتا ہوں۔" سیٹھ وہاب میر یک دم غصے سے لال ہوتے ہوئے اپنی کرسی سے اُٹھ گئے اور اس کی طرف دیکھ کر پھنکارتے ہوئے بولے۔

"ناخن جب بڑھ جاتے ہیں تو ان کو کاٹنا ضروری ہوتا ہے...... ورنہ وہ آپ کا چہرہ زخمی کر دیتے ہیں۔"

وہ ہولے سے مسکرایا تو وہاب میر کو اور بھی زہر لگا تھا لیکن وہ جو کہہ رہا تھا وہ سننا بھی ضروری تھا۔

"ابو جی! میں اپنے گھر تک پہنچ گیا ہوں اپنے کمرے میں میں نے اپنی امی جان کی تصویر بھی لگا دی ہے۔ میں اور میری امی جان تنہائی میں اکثر باتیں کیا کرتے ہیں...... اور......" لیکن اس کی بات کاٹتے ہوئے وہاب میر بولے۔

"مجھے ان فضول باتوں سے کچھ بھی لینا دینا نہیں ہے۔ تمہاری ماں کینسر کی مریضہ تھی اور مر گئی۔ جتنا اس کا اور میرا ساتھ تھا میں نے نبھایا اور تم...... تم اب مجھے اس کا نام لے لے کر جذباتی طور پر بلیک میل نہیں کر سکتے سمجھے؟" وہ بھی مسکراتا ہوا اپنی کرسی سے اُٹھا اور ان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"سیٹھ وہاب میر! مجھے ایک چھوٹی سی محبت کی کہانی یاد آ گئی ہے۔" وہاب میر کو اس کا لہجہ اور الفاظ بہت ہی نامناسب لگے تھے لیکن وہ اس وقت ان کی ناک کا بال بن کر ان کو تنگ کر رہا تھا۔

ایک طوطا اور مینا میں بہت محبت تھی۔ دونوں ایک ہی درخت پر ایک ہی گھونسلے میں کافی عرصہ سے رہ رہے تھے۔ ایک دن طوفان کی آمد آمد تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ درختوں کی طوفان کے آگے ایک نہ چلے گی اور بہت سے درخت جڑوں سے ہی اُکھڑ جائیں گے۔ مینا نے طوطے کی طرف بڑی محبت سے دیکھا اور بولی۔ تم یہاں سے چلے

جاؤ۔ طوفان کے آثار بتا رہے ہیں کہ بہت نقصان ہو گا۔ میں اس گھونسلے میں رہوں گی اور جب طوفان آ کر گزر جائے تو پھر آ جانا۔ مجھے یہیں اپنا منتظر پاؤ گے۔ طوطے نے اس کی طرف دیکھا اور پھر آنے والے طوفان کی سمت دور تک دیکھا اور مینا کو خدا حافظ کہہ کر گھونسلے سے اڑ کر کسی محفوظ مقام کی جانب اڑ گیا۔ اسی شام بہت زوروں کا طوفان آیا درخت جڑوں سے اُکھڑ گئے اور بہت سے پرندے اور جانور اپنے گھونسلوں اور کھچاؤں میں مر گئے اور جب طوفان گزر گیا تو طوطا واپس آیا۔ اس نے اپنے درخت کو ڈھونڈا اور گھونسلے میں مینا کو مردہ پا کر دیکھا تو لکھا تھا کہ کاش کہ ایک بار طوطا یہ کہتا کہ مینا میں تمہیں اکیلے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ تو میں طوفان کے آنے سے پہلے ہی نہ مرتی۔"

وہاب میر کو اس کی کہانی اسی کی طرح زہر لگی تھی تبھی تو وہ زہریلے انداز میں پھنکارے۔

"کیا تم اب بھی مجھے اس کی موت کا ذمہ دار سمجھتے ہو؟"

"آپ کی بے حسی اور لاپروائی نے موت کو امی کے اور بھی قریب کر دیا تھا۔ صرف ایک بار آپ ان سے اتنا ہی کہہ دیتے کہ تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں موت سے بھی لڑ جاؤں گا۔" سالار کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ آنسوؤں کو پیتا ہوا بولا۔

"لیکن...... افسوس آپ کو تو اپنے نئے سسرالیوں کا مال اور نئی بیوی کی سنگت بُری طرح ستا رہی تھی۔"

"سالار!" وہاب میر زور سے چیخے تھے لیکن سالار نے اپنی انگلی کھڑی کر کے ان کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔

"سالار کو جن بننے کے لیے آپ نے صرف تین سال کی عمر میں ہی ملازموں اور پھر کچھ سمجھدار ہونے پر اس دنیا کے جدید اور ماڈرن یتیم خانوں میں چھوڑ دیا جنہیں لوگ...... بلکہ آپ جیسے لوگ بورڈنگ سکول کہتے ہیں۔" سچائی سن کر وہاب میر کی دھاڑ بھی ٹھنڈی ہو گئی اور ان کی نظریں بھی جھک گئی تھیں۔

"کچھ اور سمجھدار ہونے پر آپ نے مجھے ایک الگ سے مکان لے دیا اور مجھے میرے ہی گھر سے نکال باہر کیا۔"

"نوکر چاکر اور ہر سہولت تمہیں میسر تھی۔" وہاب میر کی کمزور دلیل پر سالار طنز سے مسکرایا تھا۔

"نوکر چاکر کبھی بھی والدین نہیں بن سکتے۔ وہ تنخواہ دار ملازم ہوتے ہیں۔ اپنے اپنے کام اور حکم کی تعمیل ان کا کام ہوتا ہے۔ جذبات احساسات اور خلوص نام کی کوئی بھی جنس ان میں نہیں پائی جاتی۔ اور وہ سال میں نے کس طرح گزارے ہیں جب مجھے ماں کے آنچل اور باپ کی شفقت کی بے حد ضرورت تھی۔" اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں تو وہ حلق کو تر کرتا ہوا بولا۔

"سخت بخار میں جب میں پھنک رہا ہوتا تھا تو میری ماں...... میری ماں جنت سے آ کر میرا سر دباتی تو مجھے سکون محسوس ہونے لگتا تھا لیکن دن چڑھنے پر جب مجھے باپ کی شفقت کی ضرورت ہوتی تو میں دیواروں کو پکڑ پکڑ کر رویا کرتا تھا۔ تب کہاں تھے آپ...... ظالم ہیں آپ ظالم۔"

وہاب میر اس کی باتیں سن کر اپنے تنتے ہوئے اعصاب پر قابو رکھتے ہوئے بولے۔

"اب تم گھر میں رہ تو رہے ہو اور کیا چاہیے تمہیں۔"

"آپ کا نام۔"

"وہ میں نہیں دے سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر ان کاغذات کو غور سے پڑھ لیجیے گا۔" اس نے جیکٹ کی زپ کھول کر سینے سے لگی ہوئی ایک فائل نکال کر وہاب میر کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تو وہ چونک کر بولے۔

"کاغذات؟ کیسے کاغذات؟" انہوں نے فائل سالار کے ہاتھ سے لی اور بولے۔ "کیا ہے ان میں؟ کیسے کاغذات ہیں یہ؟"

"جس گھر میں آپ اپنی عیاش بیوی کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ یہ اس گھر کے کاغذات ہیں۔ اور ان کاغذات کی رُو سے وہ گھر آج بھی میرے نام ہے۔" سارے کے سارے الفاظ زہر میں بھرے ہوئے تو تھے ہی لیکن ان میں سے آگ نکل کر وہاب میر کے جسم کو جھلسا گئے تھے۔

"عیاش بیوی......؟" وہاب میر کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی سالار کو گولی مار دیں۔ وہ ان دو لفظوں کو چبا کر بولے تھے۔ باقی باتیں وہ بعد میں کرنے والے تھے۔

"یہ بھی میں ثابت کروں گا......لیکن ابھی نہیں......بس تھوڑی ہی دیر آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔ چند دن یا پھر چند ہفتے......" وہ واپس جانے کے لیے مڑا اور پھر ایڑھیوں کے بل گھوما اور پھر وہاب میر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اپنی فیملی کے لیے......کوئی گھر ڈھونڈنا شروع کر دیں......ابو جی۔"

وہ وہاب میر کے دماغ کی تمام تاروں کو شارٹ کرتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ لیکن وہاب میر دل پکڑ کر اپنی کرسی پر نڈھال ہو کر گر پڑے تھے۔

ان کو یاد آنے لگا تھا کہ انہوں نے حنا بیگم سے شادی کے بعد سالار سے یکسر نظریں پھیر لی تھیں۔ اور گھر میں شرارتیں کرتے رہنے پر اس کو بورڈنگ سکول میں بھجوانے کا فیصلہ بھی حنا بیگم کا تھا۔ بارہ سال کی عمر کا ہونے پر اس کو الگ گھر لے کر دے دیا گیا تھا۔ وہ دو ملازموں کے ساتھ وہاں رہنے لگا لیکن جب اس نے کالج میں قدم رکھا تو ملازموں کو فارغ کر دیا اور اکیلا ہی اس گھر میں رہنے لگا تھا۔

وہاب میر اپنی جوانی انجوائے کرنے کے چکر میں یہ بھی بھول گئے تھے کہ یہ گھر ان کی پہلی بیوی کا تھا اور ان دونوں کی رضامندی سے ہی سالار احمد کے نام کیا گیا تھا۔ بعد میں وہ اس بات سے غافل ہو گئے تھے اور آج سالار احمد نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

انہوں نے چونک کر کاغذات کو دیکھنا شروع کر دیا تھا ان میں سالار احمد کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ اور کالج کی سند سمیت وہ تمام کاغذات بھی موجود تھے جو سالار احمد کو وہاب میر کا بیٹا ثابت کر رہے تھے اور پھر گھر کے کاغذات پر ان کی مرحومہ بیوی اور ان کے اپنے دستخط اور شناختی کارڈز اور وہ بیانات بھی موجود تھے جو ان دونوں نے عدالت میں مجسٹریٹ صاحب کے روبرو دیئے تھے۔

وہاب میر کے لیے بھاگنے کی کوئی بھی راہ نہ تھی۔ وہ آج اور ابھی نیا گھر خرید سکتے تھے۔ لیکن اس گھر سے جانا تھا تو عبید رضا اور ستارہ کو تمام ماضی بھی بتانا ضروری تھا۔ لیکن وہ ایک اور بات پر چونک گئے تھے کہ سالار نے ان کی بیوی یعنی حنا بیگم کو عیاش کہہ کر پکارا تھا اور یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس بات کو ثابت کر سکتا ہے۔ ایسا اس نے کیوں کہا تھا۔

یہ بات تو سالار ہی بتا سکتا تھا یا پھر خود حنا بیگم۔

وہاب میر عجیب سی اُلجھن میں پھنس گئے تھے۔ سالار ان کے گلے کی ہڈی بن کر رہ گیا تھا۔ وہ اس ہڈی کو اگل اور نگل نہ سکتے تھے۔ وہ سر پکڑ کر نڈھال ہو کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے لگے تھے۔



شرجیل اور ہوٹل منیجر کی ملی بھگت اور پیسہ کام دکھا گیا تھا۔ انہوں نے ہیرا بدمعاش اور حنا بیگم کی عیاشیوں پر مبنی ویڈیو فلم بنالی تھی اور اب وہ فلم سالار کے پاس محفوظ تھی۔ اب شرجیل ہیرا کی بیٹھک میں بازیاں ہارتا جا رہا تھا اور شراب کے نشے میں دھت ہو کر اس نے بیوی کو بھی داؤ پر لگا دیا تھا۔

ایک بار تو پوری بیٹھک میں سناٹا چھا گیا تھا کیونکہ ایسا اس جگہ پر پہلی بار ہوا تھا۔ اس سے پہلے لوگ زیورات اور گھر کے برتن و دیگر اشیاء تو داؤ پر لگاتے دیکھا اور سنا تھا لیکن آج تو شرجیل نے بہت بڑی گیم کھیلی تھی کہ اس نے اپنی بیوی مناہل کو ہی داؤ پر لگا دیا تھا۔

"سوچ لو شرجیل!" ہیرا نے اس کو وارننگ دیتے ہوئے پتے بانٹنے شروع کیے تو شرجیل نشے میں دھت ہو کر مخمور انداز میں بولا۔ "میں نے تو سوچ لیا ہے ہیرا پہلوان! تُو اپنی خیر منا۔" ہیرا کا قہقہہ بلند ہوا اور پتے بانٹے گئے تھے اور پھر بازی شروع ہو گئی۔

پتوں کی بازی کبھی شرجیل اور کبھی ہیرا کو بھاری ثابت کر رہی تھی۔ دونوں کے ماتھے پسینے سے شرابور ہو گئے تھے لیکن ان دونوں کی بازی نے دوسرے جواریوں کو بھی ہوش میں آنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ بھی سانسیں روکے ہوئے دو بڑوں کی گیم کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

اس گیم میں دلچسپی اس لیے بھی بڑھ گئی تھی کہ شرجیل اگر ہار جاتا تو اس کو چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر رقم یا داؤ پر لگی ہوئی چیز جیتنے والے کو لازمی حوالہ کرنا تھی۔ اگر ہیرا بدمعاش ہار جاتا تو اس کو پانچ لاکھ روپیہ موقع پر ہی شرجیل کو ادا کرنا تھا۔

بازی ہیرا پہلوان کے ہاتھ میں جاتی جاتی اسی کی ہو گئی تو ایک طوفانِ بدتمیزی بلند ہوا اور شرجیل کا سارا ہی نشہ ہوا ہو گیا۔ اس نے خشک ہونٹوں، کانٹے بنے حلق اور مدقوق آنکھوں سے ہیرا کی طرف دیکھا جو قہقہے لگا رہا تھا اور شرجیل کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ اس کو کچھ نہ سوجھا تو وہ ہیرا بدمعاش کو اپنے ساتھ بیٹھک سے باہر لے گیا۔

"اب بتا شرجیل باؤ! کب آؤں اپنا مال لینے کے لیے۔"

شرجیل نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اور بولا۔ "پلوان جی! مجھے ایک ہفتہ کا وقت دے دو......قسم کھاتا ہوں کہ سارا ای روپیہ واپس کر دوں گا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ ہیرا پہلوان ان مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور اس کے کندھے پر تھپکی دیتا ہوا بولا۔

"تُو ہمارا پرانا کسٹمر ہے شرجیل باؤ! تیری منت سماجت مجھے چنگی لگی ہے۔ جا تجھے ایک ہفتے کا ٹائم دیتا ہوں پیسوں کا بندوبست کر لے......نہیں تو......" وہ بے غیرتی سے مسکرایا تو شرجیل نے اس کے پاؤں پکڑ لیے اور روتا ہوا بولا۔

"میں جانتا ہوں پلوان! تُو فکر کیوں کرتا ہے۔ بس سمجھ لے کہ پیسے ہو جائیں گے۔" ہیرا نے اس کو کندھوں سے پکڑ کر اُٹھایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"شرجیل باؤ! ویسے زنانی تیری ہے بڑی مست۔" اس نے انگلی اور انگوٹھے کے اشارے سے گڈ کا نشان بنایا تو شرجیل کا خون کھولنے لگا تھا لیکن ہیرا پہلوان آگے بڑھ گیا اور شرجیل دانت پیستا ہوا گھر کی جانب چل پڑا تھا۔

اس نے آج بہت بڑی گیم کھیلی تھی۔ وہ جواری تھا لیکن آج جو جوا وہ کھیلا تھا وہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا جوا اور سب سے بڑی گیم تھی۔ اس نے کبھی اسی جواء سے رقم جیت کر اپنی شادی کے لیے شمع بی بی اور موسیٰ کو خوشخبری دی تھی اور آج اسی بیوی کو ہار گیا تھا جس کو اس حرام کی کمائی سے پایا تھا۔ لیکن اس سارے معاملے میں داؤ پر لگنے والی مناہل کا کوئی قصور نہ تھا اور اس کو علم بھی نہ تھا کہ اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے والا اس کے سر کا تاج ہی ہے۔ جو فیصلہ کرنے کا اختیار تو رکھتا ہے لیکن اس کی عزت کو داؤ پر لگانے کا اس کو کوئی حق نہیں ہے۔

سورج ڈھلتے ہی وہ گھر پہنچا تھا۔ چائے کی میز پر مناہل اور موسیٰ خوش گپیوں میں مصروف تھے اور شمع بی بی ان کے پاس تخت پوش پر بیٹھی تھیں۔ جبکہ تحریم واپس جا چکی تھی۔ شرجیل گھر میں داخل ہوا تو اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ لیکن اس نے جب مناہل اور موسیٰ کو خوش گپیوں میں مصروف دیکھا تو اس کے ہاتھ ایک ایسا جواز آ گیا جس کا کوئی سر پیر نہ تھا۔

وہ ہتھے سے اُکھڑتا ہوا بولا۔ "اچھا......؟ تو یہاں گل چھرّے اُڑائے جا رہے ہیں۔" اس کا انداز اور الفاظ موسیٰ، مناہل اور شمع بی بی کو بھی لرزا گئے تھے۔ مناہل حیرت سے اپنی جگہ سے اُٹھی اور آگے بڑھتی ہوئی شرجیل کے پاس پہنچی تو شراب کی بدبو کا ایک تیز بھبوکا اس کے نتھنوں سے ٹکرا گیا تو اس کو متلی سی ہونے لگی۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولی۔ "کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"شرجیل صاب کو کب تک اُلو بناتی رہو گی بیگم صاحبہ! اج تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اور......"

وہ شمع بی بی کی طرف دیکھتا ہوا لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھا اور شمع بی بی کو مخاطب کرتا ہوا بولا۔

"والدہ محترمہ! آپ بھی کمال کرتی ہو۔ ایک بہو گھر میں لا کر دو دو بیٹوں کو اس کے ساتھ بہلانے کا موقع دے رہی ہو۔"

شمع بی بی آگے بڑھ گئیں لیکن ان کا زرد رنگ یہ بتا رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی گرنے والی ہیں موسیٰ نے آگے بڑھ کر ان کو دلاسہ دیا اور سہارا دیتا ہوا بولا۔

"شرجیل بھائی! آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ بھابی اور میں تو آپ کے آنے والے بچے کی باتیں کر کے مسکرا رہے تھے۔"

"بچہ......؟" وہ نشے میں تھا یا محض اداکاری کر رہا تھا۔ "میرا بچہ...... کیا ڈرامہ ہے یار۔"

شمع بی بی نے ایک زوردار تھپڑ شرجیل کے منہ پر مارا اور بولیں۔ "میرا خون اتنا گندہ تو نہ تھا شرجیل!" ان کے آنسو نکل پڑے اور آواز بھی پھٹ گئی تھی۔ "تم نے شراب پی کر اور بکواس کر کے مجھے میری ہی نظروں میں گرانے کی کوشش کی ہے۔" وہ باقاعدہ رونے لگی تھیں۔

اتنی دیر میں دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو موسیٰ نے جا کر دروازہ کھولا تو ہیرا بدمعاش اپنے حواریوں سمیت موسیٰ کو ایک طرف دھکیلتا ہوا اندر آن دھمکا تھا۔ مناہل اور شمع بی بی ان بدمعاشوں کو دیکھ کر ایک بار پھر خوفزدہ ہو گئی تھیں۔

"تم...... تم نے جرأت کیسے کی میرے گھر میں آنے کی۔"

شمع بی بی چلاّنے لگیں تو ہیرا بدمعاش شرجیل کی طرف منہ کر کے اور پھر مناہل کو گھورتا ہوا کہنے لگا۔

"دیکھ مائی! میری تیرے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ تیرا پتر شرجیل جوئے میں اج اپنی اس بیوی کو ہار گیا ہے۔" ہیرا اس وقت دشمن فوج کا کوئی ماہر نشانہ باز فوجی لگ رہا تھا جو تاک کر گولہ پھینکتا ہوا بولا تھا۔ موسیٰ، شمع بی بی اور مناہل کو اپنا اپنا وجود چیتھڑوں میں اُڑتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

"اور میں اپنا مال وصول کرنے کے لیے آٹھ دن کی زبان اس کو دے چکا ہوں۔" ایک اور بم اس گھر پر آن گرا تھا۔ اس بار شرجیل نے ہیرا پہلوان کو آگے بڑھ کر گریبان سے پکڑا اور غصے میں پھنکارتا ہوا بولا۔

"ہیرا پہلوان! میں نے کہا تھا نا کہ میرے گھر تک نہ آنا۔" لیکن اس کو فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اس نے کتنا بڑا قدم اُٹھا لیا ہے۔ اس نے شرمندگی سے ہیرا کا گریبان چھوڑ دیا اور آہستگی سے بولا۔

"تمہارے پیسے تمہیں مل جائیں گے۔"

"دیکھ بھئی شرجیل باؤ! تینوں تے علم ہی ہے کہ جواری اپنا مال کبھی نہیں چھوڑتے...... اگر اگلے ہفتے تک پیسے نہ ملے تو یاد رکھنا......" وہ اس بار مناہل کو دیکھ کر لبوں پر زبان پھیرتا ہوا آہستگی سے بولا۔ "ہیرا اپنا مال وصول کر لے گا۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے حواریوں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تو موسیٰ نے دروازے کو کنڈی لگا لی۔

"جوئے میں تم اس قدر کھو جاؤ گے کہ بیوی کے زیورات بیچ کر بھی تمہیں سکون نہیں ملا تھا تو بیوی ہی داؤ پر لگا دی۔" شمع بی بی نے ایک زوردار تھپڑ شرجیل کے منہ پر مارا۔ "تم مر کیوں نہیں گئے شرجیل! تمہیں موت کیوں نہیں آ گئی ایسا کام کرتے ہوئے۔ یا اللہ......" اس سے پہلے کہ وہ جھولی اُٹھا کر بددعا دیتیں موسیٰ نے اپنے آگے بڑھ کر شمع بی بی کو سنبھال لیا اور ان کے دوسری طرف مناہل بھی آ کر کھڑی ہو گئی تو شمع بی بی نے اس کا سر اپنے سینے سے لگایا اور بولیں۔

"یہ بھی نہ سوچا کہ اس کا کیا قصور ہے۔ اس کی کوکھ میں پلنے والے بچے کا کیا قصور ہے۔" شمع بی بی اپنا سر پیٹنے لگیں تو روتی ہوئی مناہل نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ایسا مت کریں خالہ جی! مت کریں۔" شمع بی بی نے سرخ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے ہاتھ جوڑتی ہوئی بولیں۔ "مناہل! میری بچی! میں تمہاری مجرم ہوں۔ مجھے معاف کر دے میری بچی!" وہ جھک کر مناہل کے پاؤں پڑنا چاہتی تھیں کہ ان کو مناہل نے یکدم بازوؤں سے پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"کیوں مجھے گناہگار کر رہی ہیں آپ...... آپ تو میری ماں ہیں...... ایسا مت کریں۔" دونوں ساس بہو روئے جا رہی تھیں۔

"آپ کو ذرا بھی شرم نہ آئی شرجیل بھائی!" موسیٰ اس بار آگے بڑھا اور شرجیل کے سامنے کھڑا ہو گیا تو وہ اس کی طرف غصے اور نفرت سے گھورتا ہوا بولا۔

"جوا کھیلتے ہوئے شرم کیسی اور گناہ کیسا؟"

"اچھا...... جوا کھیلنا گناہ نہیں...... کیا ماں بہن بیٹی اور بیوی کو جوئے میں ہار جانا بھی گناہ نہیں ہے شرجیل بھائی۔"

موسیٰ چلا چلا کر اس کو غیرت دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن وہ آج کسی اور ہی موڈ میں تھا۔

"خبردار جو مجھے بھائی کہا تو میں تمہارا بھائی نہیں ہوں۔ سمجھے تم...... تم...... تم صرف تمہی اس عورت کے بیٹے ہو۔ جو صرف تمہیں دیسی گھی کے پراٹھے بنا بنا کر دیتی ہے۔ جو تمہارے رہن سہن اور کپڑوں کا خیال رکھتی ہے۔ جو میری ماں نہیں ہے۔ صرف اور صرف تمہاری ہی ماں ہے۔ بس...... تمہاری ماں۔"

شرجیل کا سارا غصہ اس کے چہرے پر آنے والے پسینے کی صورت میں اس کے ماتھے پر چمکنے لگا تھا۔ اس کی رگیں پھول گئی تھیں۔ شمع بی بی سنبھلتی ہوئی آگے بڑھیں اور اس کو نفرت سے دیکھتی ہوئی بولیں۔

"کاش کہ تم میری کوکھ سے پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے۔ کسی کو بیٹی زحمت لگتی تھی لیکن آج وہ عقل اور آنکھوں کا اندھا اگر یہاں ہوتا تو دیکھتا کہ بیٹی تو رحمت ہوتی ہے۔ اس جیسا نافرمان بیٹا ہی زحمت ہوتا ہے زحمت۔"

"ٹھیک ہے مائی! ٹھیک ہے۔ رکھ اپنے اس بیٹے کو اپنے پاس......" شرجیل کی غصیلی آواز نے شمع بی بی کی بات کی وہ خفیہ کہانی کسی کی سمجھ میں نہ آنے دی تھی جو وہ جذباتی انداز میں بول گئی تھیں۔

"میں اب اس گھر میں نہیں رہوں گا مائی...... رکھ اپنے اس چن اور تارے کو اپنی آنکھ کا آنسو بنا کر۔" وہ غصے سے جانے کے لیے مڑا تو موسیٰ نے آگے بڑھ کر اس کو روک لیا۔

"نہیں شرجیل بھائی! ہم یہ معاملہ بیٹھ کر سلجھا لیں گے۔" وہ پھر شمع بی بی کی طرف مڑا اور بولا۔ "اس کو روکیں ماں جی۔" وہ پھر مناہل کی طرف بڑھا۔ "بھابی! بھابی آپ ہی روکیں بھائی کو۔ روکیں بھابی......" لیکن مناہل تو پتھر کے بت میں تبدیل ہوئی ان کو دیکھے جا رہی تھی۔

"یہ کیوں روکے گی مجھے...... یہ تو خوش ہو رہی ہے کہ میں جا رہا ہوں۔" شرجیل نے طنز کے پتھر مناہل کے کردار پر برسائے تو موسیٰ نہ سمجھتے ہوئے شرجیل کے پاس آیا اور التجائیہ انداز میں بولا۔

"خوش...... لیکن بھائی...... مناہل بھابی کیوں خوش ہوں گی۔"

"اس کو میرے بعد کھل کر تمہارے ساتھ عیش کرنے کا موقع......" شرجیل کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی موسیٰ نے ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر مارا اور اس کا گریبان پکڑ کر پریشان اور حیران شرجیل کو جھنجوڑتا ہوا کہنے لگا۔

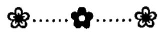
"شرجیل! تم گھٹیا اور کمینے تو تھے ہی۔ مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے ذلیل اور بے غیرت بھی ہو...... تھو ہے تم پر...... مجھے شرم آ رہی ہے کہ میں تمہارا بھائی ہوں......"

اس نے ایک جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑایا اور غصے میں پھنکارتا ہوا زہر اُگلنے لگا۔

"میں اب اس گھر میں کبھی نہیں آؤں گا۔ کبھی بھی نہیں۔" وہ دروازے تک پہنچا تو موسیٰ اور مناہل اس کے پیچھے لپکے لیکن شمع بی بی کی آواز نے ان کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

"اس گھر کو اور ماں کو چھوڑ کر تو جا رہے ہو شرجیل! لیکن اتنا یاد رکھنا کہ دنیا کی کسی بھی منڈی سے ماں نہیں ملتی۔"

شمع بی بی یہ کہہ کر بیہوش ہو کر دھڑام سے گر گئیں تو مناہل اور موسیٰ ان کی جانب لپکے تو شرجیل غصے سے پھنکارتا ہوا گھر کی دہلیز پار کر گیا۔



چاندنی کالج سے باہر نکلی اور گھر کی جانب چل پڑی۔ ابھی اس نے ایک سڑک ہی کراس کی تھی کہ اس کو سامنے سے سالار آتا دکھائی دیا۔ وہ اس کو دیکھ کر اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی جبکہ سالار نے بھی اس کو دیکھ لیا تھا۔ وہ چلتا ہوا اس کے پاس پہنچا تو وہ خاصی نروس لگنے لگی تھی۔ اور ویسے بھی وہ آج کل کافی سوگوار بھی تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے سالار!" چاندنی نے ہمت کر کے کہہ دیا تھا لیکن اردگرد دکاندار اور گزرنے والے لوگ ان کو عجیب عجیب نظروں سے گھور رہے تھے۔ سالار نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا اور چاندنی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "لیکن یہ جگہ اور ماحول ٹھیک نہیں ہے کہیں بیٹھتے ہیں۔"

چاندنی اس بات سن کر اس کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگی تو سالار کو بہت ہی اچھا لگنے لگا تھا۔

"میں اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھوں یا محض اتفاق؟" سالار نے چاندنی سے پوچھا تو اس کے چہرے پر سوگواریت کی ایک اور تہہ مزید گہری ہو گئی۔ اس نے سالار کی طرف دیکھے بغیر ہی سامنے دیکھا اور بولی۔

"خوش قسمتی کا کوئی بھی وقت مقرر نہیں ہوتا سالار!" وہ ساتھ ساتھ چلتی بھی جا رہی تھی۔ "لیکن بدقسمتی اور غم کبھی بھی یک دم نہیں آتے یہ آپ کا دروازہ مسلسل کھٹکھٹاتے رہتے ہیں اور تب تک واپس نہیں جاتے جب تک آپ دروازہ کھول نہ دیں۔"

"چاندنی! میں تمہاری طرح پڑھا لکھا تو نہیں ہوں لیکن میں نے تھوڑی ہی عمر میں بہت سی دنیا دیکھ لی ہے۔" وہ چلتے چلتے ایک پارک میں آ گئے تھے۔ سالار نے پارک میں بنے فاسٹ فوڈ سنٹر کا رخ کیا تو چاندنی کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ وہ خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ ویسے بھی اس فوڈ سنٹر میں شام کو رش زیادہ ہوتا تھا۔ اب تو وہ تھے یا پھر کالج سے بھاگے ہوئے دو تین جوڑے اور تھے۔

"آپ نے مجھے پرپوز کیا ہے؟" چاندنی نے اپنا بیگ میز پر رکھتے ہوئے سالار کی طرف دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔

"چاندنی! سچ بتاؤں تو...... میں نے تمہیں پہلی بار شرجیل کی شادی پر دیکھا تھا۔ اور تب سے میری حالت عجیب سی ہو گئی ہے۔" چاندنی نے اس کی طرف دیکھا اور ہولے سے بولی۔

"تو کیا آپ اپنی عجیب سی حالت کو تسکین دینے کے لیے مجھے پرپوز کر رہے ہیں۔"

اس کا سوال بہت گہرا تھا لیکن سالار کو کافی دُکھ ہوا تھا کہ وہ اس کو غلط سمجھ رہی ہے۔ وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

"نہیں چاندنی! جس مریض کو ڈاکٹرز موت کا عندیہ دے دیں۔ لیکن ساتھ ایک دوائی بھی تجویز کر دیں تو کیا وہ مریض موت کو گلے لگانے سے پہلے دوائی کو ترجیح نہیں دے گا۔"

اس کا جواب بھی عجیب اور گہرا تھا چاندنی نہ سمجھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"اگر ہم سیدھی سیدھی بات کر لیں تو بہتر ہو گا سالار احمد۔"

''کیوں نہیں چاندنی! پلیز......تم میرے بارے میں جو بھی پوچھنا چاہتی ہو بلا جھجک پوچھ سکتی ہو۔'' سالار احمد نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اپنے دل کی دھڑکنوں کو ترتیب دینے کی کوشش کی تھی۔

''آپ کے بارے میں ہمیں جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ شمع آنٹی میری ماں جیسی ہیں اور مجھے ان پر اعتماد ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ میں آپ کو اپنے بارے میں مکمل تفصیل بتا دوں۔'' ویٹر کو آتا دیکھ کر سالار احمد نے چاندنی سے پوچھا۔

''کیا لو گی چاندنی؟''

''کچھ بھی جو آپ کو پسند ہو۔''

''مجھے تو......تم......'' چاندنی نے اس کے خاموش ہونے پر بات کی گہرائی سمجھتی ہوئی نظریں اُٹھا کر جھکا کر رہ گئی۔

ویٹر کو آرڈر کرنے کے بعد چاندنی نے سالار احمد کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

''میں ہیجڑوں کے پاس پلی بڑھی ہوں سالار۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''میں ان کی بیٹی نہیں ہوں...... بلکہ مجھے پیدا ہونے پر ہی کوئی ان کی چوکھٹ پر پھینک گیا تھا۔''

چاندنی نے کہا تو سالار احمد بے اختیار پہلو بدل کر رہ گیا۔

''ان لوگوں نے مجھے ماں اور باپ بن کر پالا ہے اور پڑھایا لکھایا ہے اور میری ہر ضرورت کا اس طرح خیال رکھا ہے کہ جیسے میں ان کی اپنی ہی اولاد ہوں......شاید اتنا کچھ میرے ماں باپ بھی میرے لیے نہ کرتے۔''

''میں نے تمہیں دل سے چاہا ہے چاندنی اور ایسی باتیں میرے پیار اور محبت کی راہ میں کوئی بھی دیوار کھڑی نہیں کر سکتیں۔'' سالار اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میرے باپ کا ملاپ مجھ سے ایک ڈرامائی انداز میں پچھلے دنوں ہو گیا ہے۔ جو کہ پچیس سال بعد مجھے ملے ہیں۔'' سالار احمد کے لیے یہ خبر حیران کن تھی۔ وہ خوشگوار انداز میں بولا۔

''ارے واہ! یہ تو اچھی بات اور ایک معجزہ ہے۔''

''کرامات اور معجزے تو ولیوں اور پیغمبروں کی میراث ہیں سالار احمد! ہم تو عام سے گناہگار انسان ہیں۔'' وہ سوگواری سے بولی تھی۔

''گلیوں میں گھوم پھر کر در در سے بھیک مانگنے والا اندھا فقیر جو کہ بیٹی رحمت ہے۔ بیٹی زحمت نہیں ہے کی صدائیں لگایا کرتا تھا۔ وہ میرا باپ ہے۔''

یہ بات واقعی حیران کن تھی۔ کیونکہ سالار احمد نے کئی بار بادشاہ کو ان گلیوں میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھا تھا۔

''لیکن اب وہ دیکھ سکتے ہیں اور مجھے مل بھی گئے ہیں۔''

چاندنی نے پھر ہیجڑوں اور بادشاہ کی زبانی جو کچھ بھی سنا تھا وہ آہستہ آہستہ سالار احمد کو سنا دیا تو وہ حیرانی اور دکھ سے چاندنی کی طرف دیکھنے لگا۔ چاندنی کی آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں نے سالار احمد کو تڑپا کر دیا تھا۔ اس نے

ہمت کر کے چاندنی کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ اور بھی غمگین ہو گئی اور آنسوؤں کو بہنے دیا۔ سالار احمد اس کا ہاتھ سہلا رہا تھا۔ وہ اس کو تسلی دیتا ہوا بولا۔

''چاندنی! کیا مجھ سے شادی کرو گی؟'' چاندنی نے روئی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔

''ایک بات اور میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں......'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننا بس......کیا مجھ سے شادی کرو گی؟'' سالار احمد نے پھر پوچھا تو چاندنی اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ ''میرا ایک رشتہ ریجیکٹ بھی ہو چکا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں؟'' وہ چاندنی کی بات نہ سمجھا تو چاندنی نے عبید رضا اور اپنی لوسٹوری کی تمام باتیں اس کو سنانا شروع کیں تو حیرت و استعجاب سے سالار احمد کی آنکھیں کبھی کھلتی اور کبھی بند ہو رہی تھیں۔

اس نے پوری بات سن کر چاندنی کا ہاتھ چھوڑ دیا تو وہ اُداس ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ بولا۔

''چاندنی! کیا تم سچ کہہ رہی ہو کہ تم اس عبید رضا سے محبت کرتی ہو۔ جو وہاب میر کا بیٹا ہے جو کہ ٹیکسٹائل ملز کے مالک ہیں۔'' چاندنی ایک لمبی سانس فضا میں چھوڑتی ہوئی بولی۔

''میں عبید رضا سے محبت کرتی تھی......لیکن اب......''

''لیکن اب؟'' وہ اس کی بات اُچکتے ہوئے بولا۔

''لیکن اب اس سے محبت کروں گی۔ جو مجھے دل سے چاہے گا اور میری تمام مصیبتوں سمیت مجھے اپنا جیون ساتھی مانے گا۔''

سالار احمد مسکراتا ہوا بولا۔ ''چاندنی! اگر تمہیں پھر وہاب میر کی ہی بہو بننا پڑے تو......؟''

چاندنی کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے تھے وہ اُداس اور پریشان تو پہلے ہی تھی لیکن اب غمزدہ بھی لگنے لگی تھی۔ وہ ہمت اور الفاظ مجتمع کرتی ہوئی بولی۔

''تو پھر میں زہر کھا لوں گی۔ لیکن وہاب میر کی بہو نہیں بنوں گی۔''

''چاندنی! اب تم میری ہو اور تمہاری زندگی بھی میری ہے۔ تمہارا ہر دُکھ درد، غم، سوگ اور خوشی، میری ہے لیکن اب غم، آنسو اور سوگ والی کوئی بھی بات نہیں ہوگی۔'' اس نے ایک بار پھر چاندنی کا ہاتھ پکڑا اور بولا۔

''اب تم میرے بارے میں وہ سچ سنو جو ماں جی! یعنی شمع ماں جی کو بھی علم نہیں ہے۔ صرف موسیٰ ہی اس سچائی کو جانتا ہے کیونکہ وہ میرا سچا دوست ہے۔ بتاؤں؟'' سالار احمد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور ہولے سے بولا۔

''میں وہاب میر کا بیٹا ہوں......لیکن حنا بیگم میری ماں نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو کر اپنی بات کا ردِعمل دیکھنے کے لیے چاندنی کے چہرے پر تاثرات دیکھتا رہا تو چاندنی نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑانا چاہا لیکن سالار کے ہاتھ کی گرفت مضبوط تھی۔

''میری پوری بات سن لو چاندنی۔'' سالار احمد نے اپنی داستان سنانا شروع کی تو چاندنی کے تاثرات بھی وہی ہو رہے تھے جو کہ سالار احمد کے تھے چاندنی کی کہانی سن کر۔

سالار احمد نے اپنی تمام داستان بیان کر کے چاندنی کو بتا دیا کہ ''اب تم اسی گھر کی بہو بنو گی اور ایک دھڑلے سے اس گھر میں راج کرنا کیونکہ اب وہ لوگ اس گھر سے جانے ہی والے ہیں۔'' چاندنی اور سالار کی کہانی تقریباً ایک جیسی ہی تھی۔

''لیکن میری شادی...... میرا مطلب ہے کہ ہماری شادی تبھی ہو گی جب ہم ماں جی! یعنی میری ماں کو ڈھونڈ لیں گے۔'' چاندنی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''میں تمہارا ساتھ دوں گا...... ہم مل کر ماں جی کو ڈھونڈیں گے۔''

''بابا نے بتایا ہے کہ وہ ایک بار ان کو ہماری گلی میں مل چکی ہیں۔ اس کا مطلب ہے سالار کہ وہ زندہ بھی ہیں اور ٹھیک بھی ہیں۔'' چاندنی کا لہجہ پُرجوش تھا اور اب اس کو سالار کی محبت پر بھی اعتماد تھا۔ کیونکہ وہ اب کھل کر سب کچھ بتا چکا تھا اور پھر شمع بی بی بھی اس کی ضمانت دے رہی تھیں لیکن اب تو چاندنی کا دل بھی ضمانت دے رہا تھا۔

اس نے دل کو ضامن بنا کر سالار کا ہاتھ پکڑا اور بولی۔

''ایک وعدہ اور کرو سالار!''

''کیا؟'' وہ اس پر قربان ہوتا ہوا بولا۔

''میں اس گھر میں جب دلہن بن کر جاؤں تو عبید رضا اس گھر میں موجود ہونا چاہیے۔''

''اس کو جلانا چاہتی ہو؟'' سالار ہنستا ہوا کہنے لگا تو وہ سنجیدگی سے بولی۔

''نہیں...... میں اس کو بتانا چاہتی ہوں کہ تم نے مجھے نہیں ٹھکرایا بلکہ میری تقدیر نے ہی تمہیں میرے لیے قبول نہیں کیا۔''

''ٹھیک ہے چاندنی! جیسا تم کہو گی ویسا ہی ہو گا۔'' دونوں ہی مسکرانے لگے تو ویٹر سالار کا اشارہ پا کر ان کا آرڈر تیار کرنے لگا۔

سالار اور چاندنی کی پہلی ہی ملاقات ان کے لیے لکی ثابت ہوئی تھی۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے اور ان کی خواہش کے مطابق ان کی خوشگوار زندگی ان کی منتظر تھی۔



بادشاہ نے پانچ چھ لاکھ روپے کی بھاری رقم گرو اور نیناں کی موجودگی میں چاندنی کے ہاتھوں پر رکھی تو وہ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ تو بادشاہ ہونٹوں پر مسکان سجاتا ہوا بولا۔

''بیٹی! یہ ایک اندھے باپ کی کمائی ہے۔ اس سے زیادہ کی کوشش اب کروں گا لیکن فی الحال یہ رکھ لو۔''

''لیکن بابا......'' چاندنی نے کچھ کہنے کے لیے الفاظ کا سہارا لیا تو گرو بول پڑا۔

''بادشاہ! ہمیں ذلیل تو نہ کرو...... ہم نے تو چاندنی کے جہیز کی اک اک چیز پوری کر کے رکھی ہوئی ہے۔'' نیناں بھی پیسے پکڑ کر بادشاہ کو پکڑاتا ہوا بولا۔

''بادشاہ! میرا کہا مانیں تو آپ اس سے کوئی کاروبار کر لیں۔ اللہ برکت ڈال دے گا۔''

بادشاہ نے دونوں ہاتھوں کو نفی والے اشارے میں ہلایا اور کہنے لگا۔ ''نہ گرو، نیناں مجھے گناہگار نہ کرو۔ میں تو

اپنی دھی کی اس ایک رات کا بھی آپ کا احسان نہیں دے سکتا جس رات یہ اپنی ماں کو ڈھونڈ رہی ہو گی تو آپ لوگوں نے اس کو اپنے سینے سے لگایا ہو گا۔ آپ نے تو میرے گناہ پر اس طرح پردہ ڈالا ہے کہ میں آپ ہی اپنی نظروں سے گر گیا ہوں۔'' چاندنی نے آگے بڑھ کر بادشاہ کے ہاتھ تھام لیے اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''بابا! آپ مجھے معاف کر دیں۔'' لیکن اس کے اس فقرے نے بادشاہ کو تڑپا دیا تھا۔

''مجھے گناہگار کرنے کے ساتھ ساتھ تم بہت شرمندہ بھی کر رہی ہو۔'' بادشاہ نے چاندنی کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ اگر میں چاندنی کو پڑھاتا لکھاتا اور اس کی پرورش و تربیت کرتا تو یہ رقم تو بہت ہی ناکافی ہے۔ گرو یہ معاوضہ نہیں بس وہ کفارہ ہے جو میں ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

گرو نے اشارہ کیا تو نیناں نے پیسے رکھ لیے۔ چاندنی گرو کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''مجھے کل سالار ملا تھا۔'' گرو اور نیناں خوشگوار انداز میں اس کی بات جانب دیکھنے لگے تھے کیونکہ شمع بی بی کے کہنے پر انہوں نے چاندنی کی رضامندی کو ترجیح دی تھی اور چاندنی نے ہاں کرنے سے پہلے ایک بار سالار سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور وہ اس کو اس طرح اچانک مل گیا تھا تو یہ خوشی ہی کی بات تھی۔

''پھر......؟'' گرو تجسس سے بولا۔ ''کیا تم نے اس سے ملاقات کی؟''

چاندنی نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور حیا سے نظریں جھکاتی ہوئی بولی۔ ''ہاں...... کافی تفصیل سے باتیں ہوئی ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ...... تم اور سالار ایک دوسرے کو سمجھ گئے ہو؟'' نیناں بھی بولا تو بادشاہ استعجاب سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ چاندنی نے نظریں اُٹھا کر بادشاہ اور پھر باری باری دونوں کی طرف دیکھا اور پھر شرم سے سرخ ہوتی ہوئی بولی۔ ''ہاں...... مجھے سالار اچھا لگا ہے۔''

''ہُرے'' چنبیلی اور الائچی بھی ان کی گفتگو سن رہے تھے انہوں نے نعرہ لگایا تو بادشاہ حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ گرو نے ان کا تعارف بھی کروایا تو چنبیلی اور الائچی بھی بادشاہ کو خوش نصیب تصور کرنے لگے تھے۔

''گرو! اگر تم کہو تو میں شمع باجی کو خوشخبری سنا دوں کہ چاندنی نے ہاں کر دی ہے۔'' شمع کا نام سن کر بادشاہ کا دل ضرور دھڑکا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ شمع اسی کی شمع ہے۔ ''ہاں ہاں نیناں کیوں نہیں میری بچی! جا بلکہ ابھی کے ابھی جا...... آج تو میں بہت ہی خوش ہوں۔'' گرو نے تالی بجائی تو بادشاہ بھی کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''نیناں! اگر ہو سکے تو باجی کو اپنے ساتھ ہی لے آنا ہم ان کو چاندنی کی پوری کہانی بھی سنا دیں گے اور بادشاہ سے بھی ملوا دیں گے۔ آخر اب انہوں نے بادشاہ کی سمدھن بھی تو بننا ہے۔''

گرو خاصا پُرجوش ہو رہا تھا۔ بادشاہ مسکراتا ہوا بولا۔ ''مجھے شرمسار تو نہ کریں۔ اصل میں ان کے سمدھی تو آپ ہی ہوں گے نا۔''

سبھی مسکرا پڑے تو گرو نے دوپٹے کے پلو سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر الائچی کو پکڑایا۔ ''یہ لو ابھی کے ابھی مٹھائی لے کر آؤ۔ دونوں ہی چلے جاؤ۔''

چنبیلی خوش ہو کر بولا۔ ''اکیلے گلاب جامن ہی لے آتے ہیں گرو۔''

''وے جاوے...... تیرے مونہہ چوں گلاب وی نکلے تے لگدا اے توں جامن ای کہیا ہونا ایں۔ دفع کمینہ۔''

گرو نے تالی بجائی تو بادشاہ پھر مسکرانے لگا تھا۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرنے لگا تھا کہ اس نے چاندنی کو ان ہیجڑوں کے گھر پھینکا تھا اگر وہ کسی کچرے پر پھینک دیتا تو کوئی بھی آوارہ جانور اس بچی کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔ وہ یہ سوچ کر ہی کانپ گیا تھا۔ اس نے تشکر آمیز انداز میں آسمان کی جانب ہاتھ اُٹھا دیئے اور بولا۔

''میرے مالک تُو بہت بے نیاز اور کارساز ہے۔ میرے اللہ تیرا لاتعداد شکر ہے کہ تُو نے میری غلطی اور گناہ کو اپنی رحمت سے اس طرح چھپایا کہ میں تیرا یہ احسان ساری زندگی نہیں اُتار سکتا اور نہ ہی یہ جرأت کر سکتا ہوں۔''

چاندنی نے اپنا سر بادشاہ کی گود میں رکھا تو اس کے آنسو نکل کر چاندنی کے چہرے پر گر گئے۔

چاندنی نے اپنی انگلیوں کے پوروں سے بادشاہ کے آنسو پونچھے تو ضبط کے بندھن ہی ٹوٹ گئے تھے۔ بادشاہ نے اس کے ہاتھ پکڑ کر چوم لیے تھے۔ گرو بھی نم آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ چنبیلی اور الائچی کے جانے کے بعد سے اُٹھا اور رقم کو اندر محفوظ جگہ پر رکھنے کے لیے چلا گیا۔ وہ بھی چاہتا تھا کہ باپ اور بیٹی ملنے کے بعد پہلی ملاقات میں ایک دوسرے سے جو بھی باتیں اور گلے شکوے کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔

''میں بھول گیا تھا کہ...... اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ خوش قسمت ہے وہ ماں جس کی پہلی اولاد بیٹی ہوگی اور جو باپ دو بیٹیوں کی پرورش اور تربیت اسلامی طریقے سے کرے گا وہ قیامت والے دن جنت میں میرا ہمسایہ ہوگا۔'' بادشاہ کو شریعت بھی یاد تھی اور اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان بھی یاد تھے۔

''آپ فکر نہیں کریں بابا جان! اب آپ مجھے مل گئے ہیں نا...... اللہ تعالیٰ سب کچھ بہتر کر دے گا۔'' چاندنی نے اس کو مزید دلاسہ دیا تو وہ آنسو پونچھتا ہوا بولا۔ ''ہاں میری بچی! لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ میں نے جتنی بھی تکلیف سہی ہے۔ وہ سب اللہ کی نافرمانی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی عدولی پر ہی سہی ہے۔ میں اسی قابل تھا۔'' چاندنی نے اس کے لہجے اور الفاظ پر تڑپ کر اس کی طرف دیکھنے لگی اور بولی۔

''بابا! کیا آپ نے ماں کو ان گلیوں میں ہی دیکھا تھا؟''

وہ اس کی بات سن کر کرب سے ہنسنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ''تب میں دیکھ کہاں سکتا تھا میری بیٹی!'' یہ سن کر چاندنی کو بھی اپنے سوال میں الفاظ کی غلط ادائیگی کا احساس ہوا تو وہ شرمندگی محسوس کرتی ہوئی بولی۔ ''میرا مطلب تھا کہ انہوں نے آپ سے جب آخری بار بات کی تھی تو آپ کہاں تھے؟''

بادشاہ چاندنی کے جذبات سمجھ سکتا تھا اس کو باپ مل گیا تھا تو وہ چاہتی تھی کہ ماں بھی مل جائے۔ وہ دُکھ سے بولا۔ ''ہاں میری بیٹی! میں اس گھر سے خیرات لے کر نکلا تھا تو ابھی چند قدم ہی گیا ہوں گا کہ مجھے شمع کی آواز اپنے انتہائی قریب سے آئی۔''

بادشاہ اس کے کہے ہوئے الفاظ سوچنے لگا تھا۔ وہ پھر بولا۔ ''ہاں...... ہاں یاد آ گیا اس نے مجھے خیرات میں کچھ پیسے دیئے اور بولی تھی کہ بادشاہ ابھی تمہاری سزا باقی ہے۔ تم نے اسی طرح مرنا ہے در در کی بھیک مانگتے ہوئے۔ اسی طرح اندھے ہی رہو گے۔'' بادشاہ کی آواز پھٹ گئی تھی۔

وہ خود پر قابو پاتا ہوا بولا۔ ''وہ غصے میں تھی اور مجھے دُکھ نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کا غصہ اور اس کے الفاظ کی تلخی اس کا حق تھا۔''

چاندنی نے بادشاہ کے لہجے میں کرب کو محسوس کر لیا تھا۔ ''بابا! اگر ہم ماں کو ڈھونڈ لیتے ہیں تو پھر...... پھر کیا ہو گا۔ میں سوچتی ہوں۔ وہ مجھے پہچانیں گی بھی یا نہیں...... بابا! وہ مجھے پہچان لیں گی نا؟'' چاندنی کا دردناک لہجہ بادشاہ کو لرزا گیا تھا وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتا ہوا کہنے لگا۔

''وہ تمہاری ماں ہے۔ جب بھی تمہیں ملے گی۔ تم دیکھنا کہ اس کے دل کی تڑپ اور خون کی کشش اس کے چہرے سے ہی عیاں ہو گی۔ وہ تمہیں اس طرح بھینچے گی کہ یوں لگے گا کہ وہ تمہیں اپنے وجود میں ہی دوبارہ سما لے گی۔''

''کیا ماں ایسی ہوتی ہے بابا؟'' چاندنی کا معصوم سوال اس کے ذہن اور دل و دماغ کی عکاسی کرنے لگا تھا۔ اس نے تو ماں کو دیکھا بھی تھا تو صرف چھ دن کی تھی۔ اس کو کیا پتہ تھا کہ ماں کیسی ہوتی ہے۔ ماں کی گود، اس کی ممتا، اس کا پیار اس کی لوریاں، اس کی محبت، اس کا وہ خلوص جو دوسرے رشتوں کی بہ نسبت سچا اور بالکل خالص ہی ہوتا ہے۔ ماں کے احساسات اور جذبات میں دکھاوا نہیں ہوتا۔ وہ ان باتوں کو سمجھ نہ سکتی تھی اور نہ ہی جان سکتی تھی۔ کیونکہ اس نے ماں کی گود میں آنکھ ضرور کھولی تھی لیکن اس کی ممتا کا لمس محسوس کر کے اس کو دل و دماغ میں نہ رچا بسا سکی تھی۔ اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ماں ایسا رشتہ ہے کہ فرشتے بھی ترستے ہیں کہ اللہ نے اگر ان کو بنایا ہے تو ان کو اتنا عظیم اور پُرخلوص رشتہ بھی نوازا ہوتا۔

''ماں تو بہت عظیم ہستی ہوتی ہے میری بیٹی!'' بادشاہ نے کہنا شروع کیا تو وہ ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگی۔ ''ماں کی عظمت اور بڑائی کا تم اندازہ اس بات سے بھی لگا سکتی ہو کہ میں جب بھی اُداس اور پریشان ہوتا ہوں تو اس قبرستان میں چلا جاتا ہوں جس میں میری ماں دفن ہے۔'' بادشاہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

''اماں حلیمہ سعدیہ نے ہمارے پیارے آقا کو پالا تھا اور جب اماں سعدیہ آیا کرتی تھیں تو آقائے مدینہ تاجدار کائنات اپنی کالی کملی ان کے قدموں تلے بچھا دیا کرتے تھے۔ اور آپ فرماتے تھے کہ اگر میں نماز بھی پڑھ رہا ہوں اور میری ماں مجھ کو ''محمد'' کہہ کر پکاریں تو میں اپنی نماز توڑ کر ان کو فوراً کہوں۔ ''جی ماں جی......''

چاندنی نے بھیگی آنکھوں سے بادشاہ کی طرف دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''میں اپنی ماں کو یاد کر کے اکثر کیوں رویا کرتا ہوں۔ صرف اس لیے کہ وہ بھی ہمیں بچپن میں ہی چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور یہی وجہ ہے کہ میری تربیت اور پرورش میں بہت سی خامیاں رہ گئی ہیں۔''

بادشاہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا برملا اعتراف کر کے چاندنی کو ماں کی عظمت سمجھا رہا تھا کہ نیناں مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا اور آتے ہی بولا۔ ''بادشاہ بابا! مبارک ہو آپ کو شمع باجی ابھی مٹھائی لے کر ہم سب کا منہ میٹھا کروانے کے لیے آ رہی ہیں۔ ساتھ میں ان کا بیٹا موسیٰ بھی آئے گا۔''

''اچھا، تمہیں بھی مبارک ہو نیناں! اور میری دھی چاندنی کو تو بہت ہی مبارک ہو۔'' بادشاہ نے چاندنی کے ماتھے پر بوسہ دیا تو وہ شمع بی بی کی جانب سے مٹھائی لانے کا سن کر شرم سے پانی پانی ہونے لگی تھی۔ گرو بھی آیا تو نیناں

نے اس کو بھی خوشخبری سنا دی۔ وہ بھی تالیاں بجانے لگا تھا۔

''میں منہ ہاتھ دھولوں ذرا۔'' بادشاہ وہاں سے اُٹھ کر واش بیسن کی طرف بڑھا تو چنبیلی اور الائچی مٹھائی کا ڈبہ لے کر اندر داخل ہو گئیں۔ ''کلموہی! جلدی آ جا۔ شمع باجی بھی مٹھائی لے کر آنے والی ہے۔'' گرو نے اس کے ہاتھ سے ڈبہ پکڑ کر کچن میں رکھا اور جھاڑو لے کر الائچی کو پکڑا دیا۔ ''جلدی جلدی پھیر دے۔ میری بچی کی ساس آنے والی ہے۔''

چنبیلی اور الائچی نے جلدی جلدی صفائی کرنا شروع کر دی تھی۔

بادشاہ کمرے میں چلا گیا تھا اور نیناں اور گرو آکھیاں بچھائے دروازے کی جانب دیکھ رہے تھے کہ دستک سن کر گرو خوش ہوتا ہوا اُٹھا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تو شمع بی بی اور موسیٰ کو مسکراتے ہوئے پایا تھا۔ لیکن گرو کی جہاندیدہ نظروں نے بھانپ لیا تھا کہ شمع بی بی گزشتہ دو ایک روز میں کافی پریشان رہی ہیں یا پھر بیمار رہ چکی ہیں لیکن یہ موقع نہ تھا کہ وہ دروازے پر کھڑے کھڑے ہی ان سے پوچھنا شروع کر دیتا۔

''بسم اللہ! جی آیاں نوں۔ ست بسم اللہ۔'' گرو کو دلی خوشی ہو رہی تھی اور موسیٰ اس کے انداز دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور شمع بی بی مسکراتی ہوئی اندر آئیں تو موسیٰ کو بھی ان کی تقلید کرنا پڑی۔ وہ پہلی بار اس گھر میں آیا تھا۔ اب تو سالار کی ان سے رشتہ داری ہو جانا تھی اور پھر سالار نے ہی آیا کرنا تھا۔

''بہت مبارک ہو شمع باجی!'' نیناں نے آگے بڑھ کر شمع کو مبارک دی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے مٹھائی کا ڈبہ گرو کو پکڑاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو بھی بہت مبارک ہو گرو، نیناں۔''

گرو ان کو لے کر تخت پوش تک آیا تھا لیکن چنبیلی اور الائچی نے اپنی مینجمنٹ کا رعب جمانے کے لیے پلاسٹک کی کرسیاں رکھ دی تھیں۔ موسیٰ ان کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

''باجی! اچھا ہوا کہ سالار اور چاندنی نے ایک دوسرے کو اچھی طرح جان لیا ہے۔'' نیناں نے مسکرا کر شمع سے کہا تو وہ بھی مسکراتی ہوئی بولیں۔ ''ہاں نیناں! میں بھی یہی چاہتی تھی کہ چاندنی اور سالار ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔''

''چلیں اب تو یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔'' گرو بولا۔ ''باجی شمع! آپ کو نیناں نے بتا دیا ہوگا کہ چاندنی ہماری سگی بیٹی نہیں ہے۔ ہم نے اس کو پالا ہے لیکن اس طرح کہ جیسے اس نے ہماری کوکھ سے جنم لیا ہو۔''

شمع بی بی یہ سن کر دُکھی ہو گئی تھیں ان کو اپنی بیٹی یاد آ گئی تھی۔ وہ کربناک مسکان ہونٹوں پر سجاتی ہوئی بولیں۔

''مجھے نیناں نے بتایا ہے کہ چاندنی کا باپ واپس مل گیا ہے۔'' شمع بی بی کی خواہش تھی کہ وہ چاندنی کے باپ کو دیکھ لیں کیونکہ ان کو جو کہانی سنائی گئی تھی۔ اس میں تو یہی لگتا تھا کہ چاندنی کو ہیجڑوں نے پالا ہے تو اس کی بیٹی کی داستان بھی کچھ اس سے الگ نہ ہو گی۔

''جی جی باجی! یہ تو اللہ نے بہت ہی اچھا کیا ہے کہ اب بیٹی باپ کی دعاؤں کے سائے میں ہی رخصت ہو گی۔''

گرو نے کہا اور پھر نیناں سے بولا۔ ''جاؤ چاندنی کو لے آؤ۔ اب شمع باجی اور موسیٰ سے شرمانا کیسا؟''

موسیٰ اور شمع مسکرانے لگے تو چاندنی کچن سے چائے کی ٹرے کے ساتھ برآمد ہو چکی تھی۔ نیناں نے اس کے سرخ اور یاقوتی ہونٹوں کو کانپتے دیکھ کر اس کے کان میں کہا۔ ''کیوں نروس ہو رہی ہو چاندنی! خوش ہو کر جاؤ مسکراتے ہوئے۔''

چاندنی نے شمع اور موسیٰ کو سلام کیا تو موسیٰ نے پہلی بار غور سے چاندنی کو دیکھا تھا وہ واقعی سالار کے لیے ہی بنی ہو گی جو عبید رضا کی قسمت میں نہ تھی۔ سالار احمد نے موسیٰ کو ساری بات بتا دی تھی کہ چاندنی کو اس نے کس طرح راضی کیا ہے۔ اب سالار خود ہی آ کر اپنی حقیقت سے پردہ اُٹھانے کا کہہ کر موسیٰ کو منع کر کے گیا تھا۔ اس میں کیا مصلحت تھی یہ سالار ہی جانتا تھا۔

شمع نے اُٹھ کر چاندنی کو پیار دیا اور اس کی پیشانی پر محبت کی مہر ثبت کرتی ہوئی بولی

''اللہ تمہیں سدا خوش رکھے میری بیٹی!'' میری بیٹی کے کہتے ہوئے ان کے الفاظ لڑکھڑائے ضرور تھے لیکن انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ نیناں نے چنبیلی اور الائچی کو اشارہ کیا تو وہ پلیٹوں میں مٹھائی ڈال کر لے آئے اور پھر جب مٹھائی چاندنی کے منہ میں ڈالی جانے لگی تو وہ بولی۔

''شمع آنٹی! بابا کو بھی آنے دیں ابھی۔'' شمع بی بی کا ہاتھ رُک گیا اور وہ مسکرانے لگی تھیں۔ موسیٰ کو بھی چونکہ ساری بات کا علم سالار کی بابت ہو چکا تھا تو وہ جانتا تھا کہ چاندنی کا باپ وہی بادشاہ فقیر ہے جو گلیوں میں بھیک مانگتا پھرتا تھا۔ لیکن شمع بی بی کے لیے وہ ایک بہت بڑا جھٹکا تھا جب گرو نے بادشاہ کو اندر سے آتا دیکھ کر مسکرا کر کہا۔ ''لو جی! چاندنی کے ابا بھی آ گئے......آؤ آؤ بادشاہ بابا!''

بادشاہ تو سر جھکائے ہوئے آ رہا تھا جبکہ شمع بی بی اس کو آتا دیکھ کر پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ ''اسلام علیکم!'' بادشاہ نے پاس پہنچ کر سلام کیا تو وہ بھی پچیس سالوں بعد شمع کو دیکھ کر یک دم ہونق بن گیا تھا۔ اس کا منہ بھی کھلا رہ گیا تھا۔ چاندنی اور دوسرے لوگ ان دونوں کی کیفیت سے حیرانی اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ شمع بی بی نے اُٹھ کر جانا چاہا تو بادشاہ تڑپ کر بولا۔

''شمع!'' یہ بہت بڑا بم دھماکہ تھا جو شمع بی بی کے چاندنی جیسے بالوں کو راکھ کا ڈھیر بنا گیا تھا۔ وہ واپس مڑ کر بادشاہ کو دیکھنے لگی تھیں کہ اس کی نظر ٹھیک ہو گئی ہے؟

بادشاہ آگے بڑھ کر شمع کے بالکل سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور نظریں جھکا کر بولا۔

''شمع! میں اب ٹھیک سے دیکھ سکتا ہوں۔ لیکن تم سے نظریں نہیں ملا سکتا۔ کیونکہ خدا سے پہلے اس کائنات پر اگر میں کسی انسان کا مجرم بنا ہوں تو وہ تم ہو شمع۔''

بادشاہ کے الفاظ نے چاندنی کے دل و دماغ میں دھماکے کرنا شروع کر دیئے تھے۔ گرو، نیناں، چنبیلی اور الائچی حیران اور پریشان تھے جبکہ موسیٰ کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا لیکن وہ اپنے آپ پر قابو پائے خاموش کھڑا تھا۔

''میری بیٹی کہاں ہے بادشاہ؟'' شمع بی بی نے لرزتے ہونٹوں سے یہ فقرہ ادا کیا تو بادشاہ نے ان کے قدموں پر اپنا سر گرا دیا اور دو زانو ہو کر ان کے قدم پکڑ لیے۔ ''شمع! یہ چاندنی ہی تمہاری بیٹی ہے۔'' شمع بی بی نے انگارہ بنی آنکھوں سے چاندنی کی طرف دیکھا جو بے ترتیب دھڑکنوں اور پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ماں کی طرف ہی دیکھ رہی

تھی۔ شمع بی بی کے آنسوؤں کی قطاریں ان کے گالوں پر لکیریں بنانے لگی تھیں۔

ان کی قسمت میں شاید آنسو ہی آنسو لکھے گئے تھے۔ پہلے شرجیل نے ان کو ذلیل کیا اور گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اس کے فوراً بعد ہی بادشاہ کا اس طرح مل جانا اور چھ دن کی دیکھی ہوئی بچی کو آج پچیس سال بعد اس طرح ملنا کہ وہ کئی بار اس سے ملی تھی لیکن پہچان نہ پائی تھیں۔ ان کو خود پر ہی افسوس ہو رہا تھا اور اسی افسوس پر آنسو نکل رہے تھے۔ بادشاہ ان کے قدموں میں گرا ہوا تھا۔

''تمہارے قدم تو میں نے بھی پکڑے تھے بادشاہ!'' وہ دوبارہ بولیں اور اپنے قدم آگے بڑھائے تھے لیکن بادشاہ بھی گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا آگے کی جانب بڑھ گیا۔ ''تمہیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں شمع! میری غلطی کو معاف کر دو۔'' وہ اپنے حلق کو تر کرتی ہوئی آنسوؤں کو پیتی ہوئی بولیں۔

''کیا اسی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے رہے ہو جو کبھی میں نے بھی دیا تھا یا پھر...... تم جیسے دولت مند نے کوئی اور خدا اور رسول بنا لیا ہے۔'' شمع بی بی کی باتیں ان سب کے لیے دکھ کا باعث ضرور تھیں لیکن بادشاہ کا جرم معاف کرنے کا اختیار اس وقت صرف اور صرف شمع کو ہی تھا۔ اس لیے سبھی اپنی اپنی آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو بہنے سے نہ روک سکتے تھے اور نہ ہی ان دو بڑوں کے جھگڑے میں کوئی تصفیہ کروا سکتے تھے۔

''میں مانتا ہوں شمع کہ میں تمہارا مجرم ہوں۔'' بادشاہ گڑگڑانے لگا تھا۔ ''لیکن میں نے اپنے گناہ اور جرم کی بہت سزا کاٹی ہے۔ میں جس بیٹی کو زحمت سمجھ کر تمہاری گود سے چھین کر لے گیا تھا۔ اسی بیٹی کی آہیں اور سسکیاں مجھ سے میری نیندیں اور سکون لے گئی تھیں۔ تمہاری بددعاؤں نے مجھ سے میری آنکھوں کی روشنی چھین لی۔ میں بادشاہ سے فقیر بن کر گلی گلی بازار بازار صدا لگانے لگا۔'' بادشاہ کی گریہ زاری بڑھنے لگی تو موسیٰ آگے بڑھا اور اس نے جھک کر بادشاہ کو اوپر اٹھایا تو بادشاہ شمع کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رونے لگا۔

''شمع...... شمع...... لوگ مجھے کتا سمجھ کر دھتکارتے رہے۔ میں لوگوں کا جھوٹا کھانا کھاتا رہا۔ ان کی اترن پہنتا رہا۔ میں نے صرف تمہیں اور چاندنی کو ڈھونڈنے کے لیے پچیس سال تک ان گلیوں کی خاک چھانی ہے۔ اب اگر تقدیر نے تمہیں مجھ سے ملا ہی دیا ہے تو تمہیں تمہاری اس بیٹی کی قسم...... مجھے معاف کر دو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ تم لوگوں کی خوشیوں بھری زندگی سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ اتنا دور کہ کبھی اپنی یہ منحوس شکل بھی نہیں دکھاؤں گا۔ بس اک بار...... اک بار کہہ دو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔''

بادشاہ کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ چاندنی آگے بڑھی اور شمع کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تو دونوں ماں بیٹی کی آپس میں نگاہیں ملیں تو پچیس سالوں کا ٹھنڈا خون یک دم جوش میں آ گیا۔ شمع بی بی تڑپ گئیں اور ایسی ہی کیفیت چاندنی کی بھی تھی۔ شمع نے اپنے بازو وا کر دیئے تو چاندنی تڑپتی اور سسکتی ہوئی ان کے سینے سے جا لگی۔

کائنات کا پورا نظام حرکت میں تھا لیکن یوں لگ رہا تھا کہ اس گھر کی ہر چیز اپنی جگہ پر ساکت ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ موجودہ نفوس کے سانس لینے کی آوازیں ہی سنائی دینے لگیں۔ دلوں کی دھڑکنیں اس قدر شور کر رہی تھیں کہ ماں بیٹی کا رونا اور سسکیاں بھی سنائی نہ دے رہی تھیں۔

''آپ بابا کو معاف کر دیں امی جی!'' پہلی بار کسی کو امی جی کہنے پر چاندنی کے منہ میں مٹھاس گھل گئی تھی جبکہ شمع

بی بی نے بھی زندگی میں پہلی بار اپنی سگی بیٹی کے منہ سے امی کا لفظ سنا تو اس کی سماعتیں بھی عش عش کرنے لگی تھیں۔

''کیا کہا میری بیٹی ذرا ایک بار پھر سے کہنا۔'' وہ چاندنی کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں تو روتی ہوئی چاندنی پھر بولی۔

''امی جی...... امی جی!'' چاندنی کی اگلی بات اس کے منہ سے نکلنے سے پہلے ہی شمع نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا اور پیار سے بھینچتی ہوئی بولیں۔ ''پچیس سال بعد تم نے اپنی ماں سے مانگا بھی تو کیا مانگا۔'' وہ چاندنی کو چھوڑ کر بادشاہ کی جانب بڑھیں اور اس کی طرف ترس کھانے والی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولیں۔

''بادشاہ! جب چاندنی نے میری گود میں آنکھ کھولی تھی تو میں نے اپنے رب سے وعدہ کیا تھا کہ اس بچی کی ہر خواہش پوری کروں گی۔ چاہے یہ میری جان بھی مانگ لے تو میں اس پر ہنس کر نچھاور کر دوں گی۔'' آنسوؤں کی جھڑی ایک بار پھر لگ گئی تھی۔ ''سنو بادشاہ! میں نے اللہ کو حاضر ناظر جان کر تمہیں اس بچی کے صدقہ دل سے معاف کیا۔ میں نے تمہیں معاف کیا بادشاہ!''

بادشاہ نے آگے بڑھ کر چاندنی کو سینے سے لگا لیا اور آنسوؤں کے نذرانے اس کے سر اور چہرے پر نچھاور کرنے لگا۔ گرو اور نیناں کے ساتھ ساتھ موسیٰ، چنبیلی اور الائچی بھی اس دردناک کہانی کا ڈراپ سین اچھے انداز میں ہونے پر خوش دکھائی دے رہے تھے۔

چند منٹوں بعد ہی اس گھر میں دوبارہ خوشیاں لوٹ آئی تھیں۔ موسیٰ نے فون کر کے سالار کو بھی بلا لیا تھا اور وہ بھی حیرت اور خوشگواریت میں مبتلا ہو کر شمع بی بی کے قدموں میں ہی بیٹھ گیا تھا۔

''میں تو کنفیوز ہو گیا ہوں کہ اب میری ماں کون سی ہے اور ساس کون سی ہے؟'' سالار کی بات پر ہلکا سا قہقہہ لگا تھا تو گرو بولا۔

''ہم تمہارے سسرال ہیں اور شمع باجی تمہاری ماں ہیں۔''

''اور میں تمہارا سالا ہوں۔'' موسیٰ نے مسکرا کر کہا تو سالار احمد نے اُٹھ کر اس کو گلے لگا لیا اور جب وہ اس سے الگ ہوا تو اس کی آنکھیں جھلمل کر رہی تھیں۔ ''کاش کہ اس خوشی کے موقع پر میری ماں بھی زندہ ہوتی اور آج آپ سب کی طرح ہی خوش ہوتی۔'' ماحول یک دم سنجیدہ ہونے لگا تھا۔ شمع بی بی نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور بولیں۔

''کیا میں تمہاری ماں نہیں ہوں سالار!'' سالار نے ان کے ہاتھ چوم لیے اور آنسوؤں سے ان ہاتھوں کو دھوتا ہوا بولا۔

''ماں جی! خدا کی پاک ذات کے بعد آپ ہی نے تو مجھے اپنا سمجھا ہے اور بالکل اسی طرح خیال رکھا ہے جس طرح آپ نے موسیٰ کا رکھا ہے۔ بے شک آپ عظیم ماں ہیں۔''

سالار نے ماحول کو سنجیدہ اور آبدیدہ کر دیا تھا لیکن بادشاہ نے اُٹھ کر اس کو گلے سے لگایا اور بولا۔

''سالار احمد! میں تم سے پہلی بار مل رہا ہوں۔ لیکن مجھے کیوں لگتا ہے کہ تمہارا خون بھی وہی خوشبو رکھتا ہے جو میرے خون سے آ رہی ہے۔'' سالار احمد نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور ایک لمبی سانس لیتا ہوا بولا۔

"انکل! میں نہیں جانتا کہ میرا آج سے پہلے آپ سے کوئی رشتہ ہے بھی یا نہیں تھا۔ لیکن آج جو آپ سے رشتہ جڑا ہے تو دل نے اتنی تیزی سے دھڑکنا شروع کر دیا ہے کہ اس کی بے ترتیب دھڑکنوں کو اعتدال پر لانے کے لیے مجھے اپنا آپ صاف صاف سب کو بتانا ہوگا۔"

اس نے سب کے چہروں کی طرف بار بار غور سے دیکھا اور بولا۔ "میں ٹیکسٹائل ملز آنر وہاب میر کا بڑا بیٹا ہوں۔" یہ سن کر بادشاہ اور شمع نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو بادشاہ کے چہرے کا رنگ سرخ ہونے لگا۔ سالار اپنی داستان سنانے لگا تھا۔ شمع بی بی کی کیفیت بھی کچھ مختلف نہ ہو رہی تھی۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ بادشاہ کے چھوٹے بھائی کا نام وہاب میر ہی تھا اور سالار کی داستان نے تو سب کچھ واضح کر کے رکھ دیا تھا کہ وہ بادشاہ کا بھتیجا اور وہاب میر کا بیٹا ہے۔

سالار کی آنکھیں چھم چھم برس رہی تھیں۔ چاندنی پچیس سال ماں باپ کی گود اور پیار کو ترسی اور تڑپی تھی تو وہ بھی ماں کی گود میں سر رکھ کر نہ سو سکا تھا۔ اس کو باپ نے کبھی بھی سینے سے نہ لگایا تھا۔ ان دونوں کی کہانی ایک جیسی ہی تھی۔ تبھی تو چاندنی کی آنکھیں بھی سالار کے دکھ میں شریک ہونے کے لیے اپنا کردار ادا کر رہی تھیں اور چاندنی کے معصوم چہرے پر اٹھکیلیاں کرنے والے آنسو اس کے حُسن کو مزید نکھار رہے تھے۔

"میں نے اپنا گھر واپس لینے کے لیے وہاب میر اور ان کی بیوی کو نوٹس بھجوا دیئے ہیں۔ وہ گھر میرا ہے اور میں اس گھر میں آپ سب کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ آپ سب لوگوں کے ساتھ۔" سالار احمد نے اپنی کہانی ختم کی تو بادشاہ نے اس کو گلے لگایا اور بولا۔

"سالار احمد تم نہیں جانتے کہ وہاب میر میرا چھوٹا بھائی ہے۔ اور تم میرے سگے بھتیجے ہو۔" سالار احمد اور باقی سب کا منہ کھلا ہی رہ گیا تھا۔ شمع بی بی اس حقیقت سے آشنا تھیں لیکن ان کو معلوم نہ تھا کہ سالار احمد ان کے دیور کا بیٹا ہے۔ لیکن انہوں نے پھر بھی اس کو اپنے بچوں کی طرح ہی رکھا ہوا تھا۔

"تایا ابو!" سالار احمد نے بادشاہ کے سینے سے لگ کر ان کی آنکھوں میں دیکھا تو سرخ سرخ آنکھوں کا خون اور سینوں میں دھڑکنے والا دل پُر جوش ہو گیا تھا۔ "ہاں میرے بیٹے! تم سالار احمد! میرے بھتیجے ہو۔" سالار احمد نے بادشاہ کو سینے سے لگا کر بھینچ لیا تھا گویا کہ وہ وہاب میر کی کسر نکالنا چاہتا تھا۔ اس کو بادشاہ کے وجود سے وہاب میر کی خوشبو آ رہی تھی لیکن وہ تڑپتا اور تڑپتا ہی رہتا تھا کہ کبھی وہاب میر بھی اس کو اپنے سینے سے لگاتے۔ لیکن اس کی یہ خواہش کبھی بھی پوری نہ ہو سکی تھی کیونکہ حنا بیگم کا جال اتنا مضبوط اور گہرا تھا کہ وہاب میر چاہ کر بھی اس سے نہ نکل سکتے تھے۔

"ہم سب کتنے خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے گھر کو خوشیوں سے بھر دیا ہے۔" گرو نے کہا تو سبھی اللہ کا شکر ادا کرنے لگے۔ اور پھر مٹھائیوں کے ساتھ ساتھ چائے کا دور چلا اور سالار احمد نے چاندنی کو سونے کی انگوٹھی پہنا کر اپنا لیا تھا۔ ان کی منگنی یقیناً تاریخ کی انوکھی منگنی تھی۔



وہاب میر اور حنا بیگم اس وقت گھر کے لان میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ستارہ بوتیک پر جبکہ عبید رضا آوارگی میں مگن ہو کر کہیں گم تھا۔ اس وقت گھر میں وہ دونوں ہی اکیلے تھے لیکن سالار اس وقت اپنے کمرے میں

موجود تھا۔ اس کو اب اپنے کام کی ابتدا حنا بیگم سے کرنا تھی۔ اس نے ستارہ کا نمبر ملایا تو دوسری جانب سے کال ریسیو کرنے پر وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"ہیلو سسٹر! کیسی ہو؟"

"خیریت ہے سالار بھائی!" ستارہ کی آواز میں حیرت اور خوشگواریت کا عنصر نمایاں تھا۔ "آج تو بہت خوش لگ رہے ہیں آپ؟" سالار مسکراتا ہوا بولا۔

"ستارہ! میں نے ایک بار مذاق میں تمہیں کہا تھا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ اگر سگا بھائی ہوتا تو تم کیا کرتیں۔"

"میں سمجھی نہیں سالار بھائی!" ستارہ واقعی نہ سمجھی تھی۔

"ستارہ آج شام کو تم ذرا جلدی آ جانا۔ میرا نکاح ہے اور تم اس گھر کے کسی بھی فرد کو نہیں بتاؤ گی کہ تم کہاں جا رہی ہو۔" سالار نے ہنستے ہوئے کہا تو دوسری طرف سے ستارہ بھی مسکرانے لگی اور بولی۔

"ویسے سالار بھائی! ایک بات کہوں۔"

"سو باتیں کہو۔ میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔" وہ آج بہت خوش تھا۔

"مجھے آپ کی سمجھ نہیں آئی۔ آپ کیا ہیں؟ کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ آپ ہمارے بہت ہی قریبی اور خاص عزیز ہیں اور کبھی کبھی لگتا ہے کہ آپ بہت ہی خاص اجنبی ہیں۔ یہ راز کیا ہے آخر؟" ستارہ کی بات درست تھی۔

"تم اس ٹائم کہاں ہو؟"

"میں بوتیک میں ہوں۔"

"کیا میں تم سے ملنے آ سکتا ہوں۔"

"وائے ناٹ...... سالار بھائی!" ستارہ نے کہا تو سالار مسکراتا ہوا بولا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔ ہم تمہارے آفس میں ہی کافی پئیں گے اور بہت ہی ضروری باتیں میں تم سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"ویلکم بھائی! میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" ستارہ نے یہ کہا تو سالار نے کال منقطع کر دی اور پھر موسیٰ کا نمبر ملا کر اس کو بھی بتا دیا کہ وہ ابھی بوتیک میں آ رہا ہے۔ موسیٰ سمجھ گیا کہ آج وہ حنا بیگم کے کردار کا پردہ فاش کرنے والا ہے۔

آدھے گھنٹے بعد وہ فریش ہو کر گھر سے نکلنے لگا تو حنا بیگم سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہاب میر شاید چلے گئے تھے۔

"ہیلو...... آنٹی!" اس نے حنا بیگم کو طنز سے پکارا تو وہ حقارت سے اس کی طرف دیکھ کر آگے بڑھ گئیں تو سالار نے ان کو پکارا۔

"غیروں کی بانہوں میں جھولنے کا شوق ہو تو کم از کم اپنا سٹیٹس تو برقرار رکھا کریں۔"

حنا بیگم پر بجلی گر پڑی تھی وہ تڑپ کر مڑیں اور خوفزدہ نظروں سے سالار کی طرف دیکھنے لگیں۔ جیسے کہ سالار نے ان کی بہت بڑی چوری پکڑ لی ہو۔ وہ اپنے مان مرتبے کو مدِنظر رکھتے ہوئے آگے بڑھیں اور سالار کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈالتی ہوئی پوچھنے لگیں۔

''تمہاری زبان نے جو کیچڑ اُچھالا ہے۔ کیا وہ میرے کردار پر اپنے چھینٹے چھوڑتے ہوئے تمہاری اوقات اور ذہنیت کی عکاسی بھی نہیں کرتا؟'' سالار طنزیہ انداز میں ہنسا اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہوا بولا۔

''حنا بیگم!'' انہوں نے اپنا موبائل دوسرے ہاتھ میں پکڑا۔

''مائنڈ یور لینگویج؟'' وہ گرجتی ہوئی بولیں۔ ''اپنی حد میں رہو اور یہ بھی یاد رکھو کہ میں وہاب میر کی بیوی ہوں جو کہ تمہارے باپ کے دوست ہیں۔'' ان کی شہادت والی انگلی کھڑی تھی اور اس بات کی وارننگ دے رہی تھی کہ سالار اپنی زبان بند رکھے لیکن وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''یہ بات تو میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا کہ آپ وہاب میر کی بیوی ہیں۔'' ان الفاظ کی گہرائی سے حنا بیگم نابلد تھیں۔ ''اور آپ کو بھی یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ آپ جس گھر میں ان کی بیوی بن کر آئی ہیں وہ گھر کسی اور کا ہے۔ وہاب میر! یا تمہارا نہیں۔'' سالار نے ان کے ہاتھ سے ان کا موبائل لیا اور پھر اپنا موبائل بھی نکال کر حیران و پریشان کھڑی حنا بیگم کے لیے دلچسپی بڑھاتا ہوا دونوں موبائلز کے مختلف بٹن دبانے لگا اور پھر مسکرا کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''آج شام کو اس گھر کا اصلی وارث آ رہا ہے حنا بیگم! تمہارے لیے بہتر یہی ہو گا کہ اپنے شوہر وہاب میر یا اپنے عاشق ہیرا بدمعاش سے کہہ کر نیا گھر تلاش کر لو۔'' اس نے موبائل دیکھ کر حنا بیگم کا ہاتھ کھول کر ان کا سیٹ ان کے ہاتھ پر رکھا اور بولا۔ ''ابھی کے ابھی اس فلم کو ضرور دیکھ لینا۔''

وہ باوقار انداز میں چلتا ہوا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

حنا بیگم کا سر گھومنے لگا تھا کیونکہ وہ ہیرا بدمعاش کا نام لے کر اس کو خبردار کر گیا تھا اور پھر نہ معلوم اس فلم میں کیا تھا جو وہ اتنی گارنٹی کے ساتھ کہہ کر گیا تھا۔

یہ کون تھا اور اس کے گھر میں کیا کرنے آیا تھا۔ یہ اس گھر کے وارث کی بات کر رہا تھا وہ بھی جانتی تھیں کہ اس گھر کا اصلی وارث سالار احمد ہے جو کہ وہاب میر کا پہلا بیٹا ہے لیکن یہ کون تھا؟ اور اس کو اس گھر کے اہم ترین راز کیسے پتہ چلے؟ کیا یہی سالار احمد ہے؟

ان کی سوئی اسی تان پر آ کر اٹک گئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہاب میر نے ان کو دھوکا دیا ہے اور دوست کا بیٹا بنا کر سالار احمد کو اس گھر میں لایا ہے۔ وہ ہیرا بدمعاش کو بھی جانتا ہے اور اس کی باتیں بتا رہی تھیں کہ وہ ہیرا اور حنا بیگم کے تعلقات کو بھی جانتا ہے اگر وہاب میر اور عبید رضا کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہیرا بدمعاش کی بانہوں میں جھولتی رہی ہے اور اس کی کزن ہے اور سابقہ منگیتر بھی ہے تو پھر یقیناً وہاب میر اس کو گھر سے نکال دیں گے یا پھر عبید رضا غیرت کھا کر ان کو گولی مار دے گا۔ ان کی جوان بیٹی ستارہ ان کے بارے میں کیا سوچے گی؟

حنا بیگم کو مختلف منفی سوچوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ اپنے موبائل کی گھنٹی بجنے پر چونک گئیں تو انہوں نے نمبر دیکھا جو کہ اجنبی تھا۔ انہوں نے کال ریسیو کی تو دوسری جانب سے سالار احمد کی زہریلی آواز نے ان کے کانوں کو جھلسا دیا۔

''امی جان! فلم دیکھ لیں۔ میں اب جا رہا ہوں۔'' حنا بیگم نے رابطہ منقطع ہونے پر برآمدے کے کونے پر دیکھا

تو سالار احمد ان کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ ابھی تک وہیں کھڑا ان کی حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا اور اس کا حنا بیگم کو طنزیہ انداز میں امی جان کہنا بھی ثابت کرتا تھا کہ یہی سالار احمد وہ ہے جو وہاب میر کا بیٹا ہے۔

حنا بیگم کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنی اذیت ناک شکست پر ابھی کے ابھی خود کو گولی مار لیں لیکن انہوں نے خود کو قابو میں رکھتے ہوئے نفرت سے سالار احمد کی طرف دیکھا جو وسیع لان عبور کرتا ہوا اب گیٹ کراس کر چکا تھا۔

حنا بیگم نے موبائل پر وہ فلم دیکھنا شروع کی جو ابھی ابھی سالار احمد نے ان کے موبائل پر سینڈ کی تھی۔ لیکن یہ کیا پہلا ہی سین سکرین پر چلا تھا تو حنا بیگم کا کلیجہ منہ کو آ گیا اور یوں محسوس ہوا کہ دل کی دھڑکنیں یک دم ساکت ہو گئی ہوں اور اس عمارت کا پورا ہی ملبہ ان کے سر پر آن گرا ہو۔ زمین گھومنے لگی اور آسمان گرنے کو بے تاب دکھائی دے رہا تھا۔ بینائی کم اور سماعتیں انتہائی مدھم ہونے لگی تھیں۔ ہاتھ اور پاؤں لرزنے لگے تھے اور پیشانی پر آنے والے پسینے کے قطرے اس بات کی علامت تھے کہ سالار احمد اس وقت اس کمرے میں موجود تھا جب حنا بیگم ہیرا کے ساتھ عیاشی کر رہی تھیں۔ حنا بیگم نیم بے ہوشی کے عالم میں صوفے پر ہی ڈھیر ہو گئی تھیں۔

سالار احمد مسکراتا ہوا بوتیک میں داخل ہوا تھا۔ وہ اپنا کام بخوبی انجام دے آیا تھا اس کو معلوم تھا کہ جب حنا بیگم اس فلم کو دیکھیں گی تو سب کچھ ان کو پتہ چل جائے گا کہ سالار احمد نے ان کی شہہ رگ پر اپنا انگوٹھا رکھ دیا ہے اور اب وہ اس انگوٹھے کو آہستہ آہستہ تب تک دباتا رہے گا جب تک حنا بیگم کی آنکھیں اُبل کر باہر نہیں آ جاتیں۔

اس کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ چاندنی، عبید رضا سے بہت محبت کرتی تھی لیکن اب وہ صرف اسی کی تھی کیونکہ یہ اب صرف چاندنی اور سالار احمد کا فیصلہ نہ تھا بلکہ خاندان کے بڑے بھی اس فیصلہ میں شامل اور خوش تھے اور آج شام کو چاندنی اس کی دلہن بن کر اس کے گھر میں آنے والی تھی۔

سالار احمد اس تمام معاملے میں ستارہ کو معصوم اور بے گناہ سمجھتا تھا تبھی تو وہ ساری بات اس کو بتانا چاہتا تھا اور شام کو وہ چاہتا تھا کہ ستارہ خود اپنے ہاتھوں سے دلہن بنا کر چاندنی کو اس گھر میں لے کر جائے۔ تاکہ چاندنی کی دوستی بھی اس سے ہو سکے اور وہ ستارہ کی نظروں میں بھی سرخرو ہو سکے۔

''السلام علیکم!'' سالار احمد نے آفس کا دروازہ کھولا اور ستارہ کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ بھی مسکرانے لگا۔

''آئیے سالار بھائی!'' ستارہ نے اس کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ تھینک یو کہتا ہوا بیٹھ گیا اور بولا۔

''ذرا جلدی سے موسیٰ کو بھی بلوانا پلیز؟'' ستارہ حیران تو تھی ہی لیکن سالار احمد کا انداز بتا رہا تھا کہ بات موسیٰ کے بغیر نہیں ہو گی۔ اس نے ریسیور اُٹھا کر موسیٰ کو اپنے آفس میں آنے کا کہا اور پھر ایک اور نمبر ملا کر تین کپ کافی لانے کا کہا۔

موسیٰ آفس میں داخل ہوا تو ستارہ کے اشارہ کرنے پر وہ سالار کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ خاصا سنجیدہ لگ رہا تھا۔ ''جی...... مجھے بلایا تھا آپ نے؟'' موسیٰ نے کہا تو ستارہ نے سالار احمد کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''بوتیک کا تو کوئی کام نہیں ہے۔ سالار بھائی نے آپ کو بلایا ہے۔''

''اب تم میرے سالے ہو اور میں تمہیں نہیں بلا سکتا کیا؟'' سالار خوشگوار موڈ میں بولا تو ستارہ کو حیرت کا جھٹکا لگا

تھا وہ منہ کھولے ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی جو دونوں ہی اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں پر مار کر کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔

''یار اس بیچاری کو بھی بتا دو۔ دیکھو کیسی شکل ہو رہی ہے اس کی۔'' موسیٰ کا پہلی بار اتنا فری انداز دیکھ کر ستارہ اور بھی حیران تھی۔ اس نے سالار احمد کی طرف دیکھا تو وہ ہنسنا بند کر کے بولا۔

''سیریس...... ستارہ! تم میری بہن ہو لیکن میرے باپ کی بیٹی ہو اور میں تمہاری ماں کا بیٹا نہیں ہوں۔''

ستارہ کچھ بھی نہ سمجھی تھی۔

''سالار بھائی! پلیز...... اگر آپ دونوں مجھ سے کوئی بھونڈا مذاق کرنا چاہتے ہیں تو میں ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی۔'' وہ سنجیدہ ہو گئی تھی موسیٰ اور سالار نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو سالار احمد کہنے لگا۔

''ستارہ! میں وہاب میر کے دوست کا بیٹا نہیں ہوں بلکہ ان کا سگا بیٹا ہوں۔'' پھر اس نے اپنی کہانی بیان کرنا شروع کر دی تو ستارہ حیرانگی سے کبھی اس کو اور کبھی موسیٰ کو دیکھتی اور کبھی تو شرمندگی سے اپنا منہ چھپا لیتی۔ موسیٰ اور سالار اس کو چاندنی، عبید رضا اور بادشاہ سمیت شمع بی بی کی بھی تمام داستان سنانے لگے۔

کئی الفاظ بیان کرتے وقت تو موسیٰ اور سالار احمد رونے بھی لگے تھے اور کئی الفاظ سن کر ستارہ شرمندگی سے اپنا سر جھکا کر رونے لگتی۔ ملازم کب کا کافی رکھ کر جا چکا تھا۔ کافی ٹھنڈی ہو گئی تھی لیکن سالار احمد نے دُکھ بھرے انداز میں چاندنی اور عبید رضا کی بات سنائی تو ستارہ کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔

پھر سالار نے بتایا کہ آج رات کو اس کا چاندنی کے ساتھ نکاح ہے اور ستارہ اس کو بھابی بنا کر گھر لے کر جائے گی تو وہ دُکھی انداز میں سالار کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کیا تم میرے ساتھ اس گھر میں رہنا چاہو گی ستارہ؟'' سالار نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تو وہ آنسوؤں کو بہاتی ہوئی بولی۔ ''سالار بھائی! میں ماما پاپا کے بغیر نہیں رہ سکتی لیکن آپ کو بھی نہیں چھوڑ سکتی۔''

سالار نے اُٹھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور بولا۔

''ستارہ! میرے گھر کے دروازے میرے دل کی طرح تمہارے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔'' ستارہ نے روتے ہوئے سر جھکا لیا تھا۔ اس کو حنا بیگم کے کردار سے نفرت ہونے لگی تھی۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ اس کی ماں اس کے باپ کو دھوکا دے رہی ہے اور وہ بھی اپنے تھرڈ کلاس کزن کے ساتھ گندا کھیل کھیل کر۔

چاندنی یقیناً خوش قسمت تھی جو ماں اور باپ کی محبتوں اور دعاؤں کے سائے میں رخصت ہو رہی تھی۔ سادگی سے نکاح تو ہو گیا تھا لیکن گرو اور نیناں نے اس کے لیے جو لہنگا بنوایا تھا وہ کامدار بھی تھا اور کافی قیمتی بھی تھا۔ انہوں نے چاندنی کو رخصت کیا تو ہر آنکھ اشک بار ہو گئی تھی۔ ستارہ بھی بھائی کی شادی میں شامل تھی۔

بادشاہ اور شمع بھی رو رہے تھے لیکن ان دونوں کو ہی سکون تھا کہ چاندنی غیر کے گھر نہیں بلکہ سالار کے گھر جا رہی ہے اور سالار ان کا اپنا تھا۔ چاندنی نے بھی رخصتی کے وقت ان سب سے معافی مانگی تھی گرو نے اس کو سینے سے لگا کر پیار کیا تھا اور نیناں نے تو باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تھا۔

''چاندنی! ہم نے تمہیں جس طرح رکھا اور جس طرح پرورش کی اور آج جس ماحول میں جس طرح تمہاری

رخصتی کر رہے ہیں۔ اگر کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا۔'' لیکن چاندنی نے اس کو سینے سے لگایا اور پھر نیناں کے ہاتھ چومتے ہوئے ان کو آنکھوں سے لگایا اور بولی۔

''ان ہاتھوں نے تو مجھے کھانا کھلایا ہے۔ انگلی پکڑ کر پاؤں پاؤں چلنا سکھایا ہے۔ یہ ہاتھ اگر میرے سر پر ہوتے تو نہ جانے میں کہاں کہاں خوار اور ذلیل ہو رہی ہوتی۔'' چاندنی نے سب کو رُلا دیا تھا لیکن موسیٰ نے اس کو ہنسا دیا۔

''باجی! بڑی میسنی نکلی ہو۔ سالار جیسا دلہا پسند کر لیا ہے۔'' اس کا انداز گرو جیسا تھا سبھی کھل کھلا کر ہنس پڑے تھے۔ شمع اور بادشاہ نے اس کو رخصت کر کے سالار کو پیار دیا اور سدا خوش رہنے کی دعائیں دیں۔

گاڑی سالار احمد اور چاندنی کو لے کر چلی گئی تو موسیٰ نے ستارہ کا سب سے تعارف کروایا وہ بھی اپنے باپ کے رشتہ داروں کو مل کر خوش ہو گئی تھی۔ پھر وہ بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر گھر کی جانب چل دی کیونکہ اب جو تماشہ اس کے گھر میں ہونے والا تھا وہ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار تھی۔

سالار اور چاندنی راستے میں آئسکریم کھانے کے لیے رُک گئے تھے اسی لیے وہ اور ستارہ اکٹھے ہی گھر میں داخل ہوئے تھے۔ سالار والی گاڑی چونکہ پھولوں سے سجائی گئی تھی اس لیے حنا بیگم اور وہاب میر حیرانگی سے اس گاڑی کو دیکھ رہے تھے جبکہ عبید رضا بھی لان میں ٹہلتا ہوا پورچ میں پہنچ گیا تھا۔ پچھلی گاڑی سے ستارہ نے نکل کر آ کر سالار والی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا تو سالار احمد باہر آیا وہ دلہے کے لباس میں تھا جبکہ چاندنی کو اُتارا گیا تو سب کے دلوں پر بجلیاں گر گئیں۔

کیونکہ اس نے ایک شان سے وہاب میر اور حنا بیگم کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس کی نظریں عبید رضا پر جم گئیں تو وہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھاتا ہوا چاندنی اور سالار کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''میں نے شادی کر لی ہے ابو جی! اور چاندنی میری بیوی ہے۔'' اس گھر میں آنے کے بعد پہلی بار سالار نے وہاب میر کو ان کی فیملی کے درمیان ابو جی کہا تھا۔ عبید رضا حیران تھا۔ جبکہ وہاب میر شرمسار تھے۔

''تمہیں یہی لڑکی ملی تھی۔ شادی کے لیے...... ہیجڑوں کی گود میں پلنے والی گندے اور نیچ خاندان کی۔''

وہاب میر غصے کی شدت سے تھر تھر کانپ رہے تھے ان کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ سالار آگے بڑھنے لگا تو چاندنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور خود دو قدم چلتی ہوئی سیٹھ وہاب میر کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

''آپ نے اور آپ کے بیٹے نے میری محبت کا جتنا مذاق اُڑانا تھا اُڑا لیا اور مجھے ٹھکرا کر آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ میں اس گھر اور آپ کے قابل ہی نہ تھی۔ کیونکہ میرا خاندان نیچ اور گھٹیا ہے۔''

''اس میں شک بھی نہیں ہے لڑکی! اور ویسے بھی میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔'' وہاب میر گرجے تھے۔ عبید رضا کا سر ندامت سے جھکا ہوا تھا۔

''آپ فکر نہیں کریں۔ میرا نیچ اور گھٹیا خاندان میرے ساتھ ہی آیا ہے۔ آپ کو ابھی پتہ چل جائے گا کہ سب سے زیادہ نیچ اور گھٹیا آپ ہیں......'' وہاب میر چاندنی کی گھن گرج سن کر دم بخود رہ گئے۔ وہ اپنی توہین کے احساس سے لال سرخ ہو گئے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر چاندنی پر ہاتھ اُٹھانا چاہا لیکن ان کے بازو کو سالار نے فضا میں ہی پکڑ لیا تھا۔

"سالار! یہ کیا ڈرامہ ہے سالار بھائی۔" پہلی بار عبید رضا نے زبان کھولی تو چاندنی اس کی طرف دیکھتی ہوئی پھنکاری۔ "ڈرامہ...... ڈرامہ تو تم نے میرے ساتھ کیا تھا عبید رضا۔" عبید رضا ہونق بنا ہوا خاموش ہو گیا تھا۔

"تم نے مجھے ٹھکرا کر کوئی تیر نہیں مارا تھا بلکہ ذرا یہ سوچو کہ میری تقدیر لکھنے والے نے تمہیں...... تم جیسے کم ظرف اور گھٹیا انسان کو میری تقدیر میں نہ لکھ کر ثابت کر دیا کہ تقدیر کے فیصلوں پر وقتی طور پر افسوس کرنے والو...... وہ ہمیشہ بہتر اور اچھا ہی فیصلہ کرتا ہے۔ تم جیسا ذلیل شخص میرے قابل ہی نہ تھا۔" عبید رضا ندامت سے پانی پانی ہو رہا تھا۔

سالار نے بھی چاندنی کو فری ہینڈ دیا ہوا تھا۔ وہ اس کو لے کر کمرے میں پہنچا تو اپنی ماں کی فوٹو کو سلام کر کے چاندنی کا تعارف کروانے لگا۔ چاندنی نے مسکرا کر وہ فوٹو سینے اور آنکھوں سے لگائی تو سالار بھی اس کو ممنون نظروں سے دیکھنے لگا۔ سالار کے موبائل پر بیل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ موسیٰ کی کال تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ سب لوگ نیچے پہنچ گئے ہیں۔

چاندنی اور سالار نیچے پہنچے تو ڈرائنگ روم میں بادشاہ اور وہاب میر آمنے سامنے کھڑے تھے۔ چاندنی بادشاہ کے پاس آئی تو بادشاہ نے اس کو سینے سے لگایا اور بولا۔ "مجھے پہچانتے ہو وہاب میر!" وہاب میر کو مرنے کے لیے زمین نہ مل رہی تھی۔ وہ مرمر کر مٹی ہو رہے تھے۔

"یہ میری بیٹی چاندنی ہے۔" بم پھٹ گیا۔ "یہ گندے اور نیچ خاندان کی بیٹی ہے اور گندے خاندان میں ہی آ گئی ہے۔"

بادشاہ چھوٹے بھائی کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ بیٹی والا تھا لیکن اس کا سینہ فخر اور غرور سے اکڑا ہوا تھا۔

"میری دولت اور جاگیر پر قابض ہو کر تم نے میرے ہی کاروباری شریکوں کی بیٹی سے شادی رچا کر مجھے تو جیتے جی مار دیا تھا۔" بادشاہ کہہ رہا تھا اور عبید رضا اس کو پہچان گیا تھا کہ چند ماہ پہلے اس کی گاڑی سے زخمی ہونے والا یہ فقیر تھا جس کی بینائی جانے کے خدشے سے وہ ہسپتال سے بھاگ آیا تھا۔ وہ بادشاہ سے نظریں چرا گیا حالانکہ بادشاہ تو اس کو پہچان ہی نہ سکتا تھا وہ تو اس وقت اندھا تھا اور عبید رضا کی گاڑی کی ٹکر نے تو اس کی بینائی جیسی نعمت لوٹا دی تھی۔

گرو، نیناں، شمع بی بی، موسیٰ، چنبیلی اور الائچی اس وقت وہاں جمع تھے اور بادشاہ بول رہا تھا۔

"وہاب میر! تم میرے چھوٹے بھائی ہو...... لیکن تم نے میری پیٹھ میں جو چھرا گھونپا ہے مجھے اس کی تم سے امید نہ تھی۔ بھائی تو بھائیوں کا سایہ ہوتے ہیں لیکن شاید کسی نے تم جیسے کم ظرف اور دھوکے باز بھائی کے لیے کیا خوب کہا ہے کہ:

حسرتوں کے جنازے کندھوں پہ اُٹھائے چلتے رہے ہم
خود ہی آگے کبھی پیچھے کندھا بدلتے رہے ہیں
مضطرب ہمارا ہی سایہ تھا ہم سے لپٹنے کے لیے
جس کے دامن میں خنجر دیکھ کر ڈرتے رہے ہم

بادشاہ کے آنسو بہہ نکلے تھے۔ چاندنی نے اپنے ہاتھ سے آنسوؤں کو صاف کیا تو بادشاہ پھر کڑاکے دار آواز میں بولا۔ "وہاب میر! صبح جب میری بیٹی نئی زندگی کی صبح کا سورج دیکھے تو تم اس کو اس گھر میں نظر مت آنا۔ نہیں تو یاد

رکھنا ساری زندگی دھوکہ دہی کے جرم میں جیل میں چکی پیستے ہوئے گزر جائے گی۔"

بادشاہ نے اتنا کہہ کر چاندنی کے ماتھے پر بوسہ دیا اور بولا۔

"سدا خوش رہو...... اللہ تمہیں گرم ہوا بھی نہ لگنے دے۔"

چاندنی، شمع کی جانب بڑھی تو اس نے بھی روئی ہوئی آنکھوں سے چاندنی کا ماتھا چوما اور بولی۔

"تم اس وقت دشمنوں کے گھر میں ہو...... اپنا خیال رکھنا۔"

وہ سب لوگ باری باری چاندنی کو پیار بھری نصیحتیں کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوئے تو موسیٰ نے سالار حمد کو سینے سے لگایا اور کان میں سرگوشی کی۔ "عبید رضا کی کسی بھی قسم کی چالاکی سے ہوشیار رہنا سالار!" سالار نے ثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ سبھی مسکراتے ہوئے وہاں سے چلے گئے تو ستارہ نے آگے بڑھ کر چاندنی کا ہاتھ پکڑا اور اس کو کمرے تک لے گئی۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا سالار۔" وہاب میر شکست خوردہ لہجے میں بولے تھے۔

"دولت، طاقت اور جوانی کے نشے میں انسان اگر عیاشی کرے یا گناہ کرے تو لوگ کہتے ہیں کہ ماں باپ کی کمائی ہے ایسے ہی اجڑے گی لیکن اگر انسان بڑھاپے میں جوان اولاد کے سامنے یا اولاد کے موجود ہوتے بھی گندگی کھائے تو پھر اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔"

اس نے آخری الفاظ حنا بیگم کو دیکھتے ہوئے کہے تو اس کا رنگ خوف سے فق ہو گیا تھا۔

"تم نے بھی مجھے دھوکا دیا ہے سالار!" وہاب میر اس سے نظریں نہ ملا پا رہے تھے۔

"میں آپ کا بیٹا ہوں ابو جی! میں چاہوں گا کہ آپ میرے ساتھ رہیں ہمیشہ کے لیے...... لیکن اس عورت کے بغیر۔"

"سورج اگر کہے کہ میں مغرب سے نکلوں گا تو بھی حنا بیگم کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ صبح تک جیسا کہ تایا ابو نے کہا ہے آپ لوگ اس گھر کو چھوڑ جائیں۔ وہ آپ کے ساتھ کیا کریں گے وہ آپ کو بتا گئے ہیں اور......" وہ حنا بیگم کی طرف مڑا اور ان کے سامنے کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"جو میں آپ کے ساتھ کروں گا۔ وہ بتاؤں گا نہیں۔ بلکہ اگلے دن کے اخبارات اور ٹی وی چینلز بتائیں گے۔"

حنا بیگم سرتاپا لرز کر رہ گئی تھیں جبکہ عبید رضا کو مرنے کے لیے چلو بھر پانی نہ مل رہا تھا۔ وہ سالار سے نظریں نہ ملا پا رہا تھا۔ کیونکہ سالار اب اس کی طرف مڑا تھا۔

"تقدیر کا ایک اصول اپنا لو تو زندگی کامیاب گزرے گی۔ کسی کو بھی مذہب کے نام پر دھوکا مت دینا۔"

"مذہب؟" عبید رضا مردہ آواز میں اتنا ہی کہہ پایا تھا۔

"ہاں عبید رضا! محبت بھی مذہب ہے۔ اور یہ وہ مذہب ہے جس کی بنیاد ہمارے دین میں شامل ہے اور میرا دین یہ کہتا ہے کہ نماز اور روزہ توڑنے کا تو کفارہ ہو سکتا ہے لیکن دل توڑنے کا کوئی کفارہ نہیں ہوتا۔" سالار واپس جانے کے لیے مڑا اور پھر رک گیا۔

''اگر تم اپنی بھابی سے ملنا چاہو تو آخری ملاقات کر سکتے ہو کیونکہ اس کے بعد تم لوگ اس گھر میں نہیں رہو گے۔''

عبید رضا تڑپ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ جبکہ سالار احمد طنزیہ انداز میں حنا بیگم کو ہتھیلی کی گھڑی کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''آپ کا ٹائم سٹارٹ ہوتا ہے اب......'' یہ کہہ کر وہ اوپر جانے والی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا تو ستارہ چاندنی سے باتوں میں مصروف تھی۔

وہ سالار احمد کو دیکھ کر فوراً کھڑی ہو گئی تو وہ بولا۔ ''ستارہ! شکریہ بیٹا!'' وہ حیرانگی سے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''شکریہ کیوں سالار بھائی؟'' سالار نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔

''تم نے ابو اور امی کی مخالفت میں مجھے سپورٹ کیا۔''

''میں نے آپ کو نہیں سچ کو ووٹ دیا ہے بھائی! اور سچائی ہمیشہ ہی سے جیتتی آئی ہے۔''

''ستارہ! میں چاہوں گا کہ تم ہمارے ساتھ رہو۔ اس گھر میں...... میں تمہاری شادی کروں گا۔ ایک بھائی اور باپ بن کر۔'' ستارہ کو سالار کے محبت بھرے لہجے اور پُر خلوص الفاظ پر یقین تھا۔ وہ اُٹھی اور اس کے ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ''آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں سالار بھائی!''

''حکم کرو۔'' وہ پھر پیار سے بولا تھا۔

''آپ...... آپ وہ فلم...... میرا مطلب ہے کہ...... ہیرا والی فلم...... اپنے تک ہی رکھیں گے۔ پاپا کو کبھی بھی علم نہ ہو گا۔''

ستارہ سمجھدار اور باشعور لڑکی تھی۔ اس نے ماں کا راز راز ہی رکھنے کی درخواست کی تھی۔

سالار احمد مسکراتا ہوا بولا۔ ''وعدہ کرتا ہوں کہ وہ راز میرے سینے میں آج اور ابھی سے دفن ہو گیا ہے۔'' ستارہ نے تشکر آمیز نگاہوں سے سالار کی طرف دیکھا اور آنسوؤں کی زبان میں اس نے چاندنی اور سالار کو خدا حافظ کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

سالار احمد چاندنی کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور چاندنی نے بھی شرم سے نظریں جھکا لیں تو وہ بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ''چاندنی! مجھے آج سے کئی سال پہلے اسی کمرہ سے نکالا گیا تھا۔''

چاندنی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ اس کو سہلاتا ہوا بول رہا تھا۔ ''میں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے تم جیسا جیون ساتھی ملے گا۔ کیا تم نے کبھی سوچا تھا چاندنی؟''

چاندنی نے نظریں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ قربان ہوتا ہوا لیٹ گیا تو وہ بولی۔

''سالار! میں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ آپ جیسا محبت کرنے والا اور پُر خلوص پیار دل میں رکھنے والا میرا جیون ساتھی بن سکتا ہے۔ سالار! ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔'' چاندنی کا انداز سوالیہ تھا اور الفاظ بتا رہے تھے۔ کہ لہجہ کچھ ڈرا ڈرا اور خوفزدہ بھی ہے۔ سالار نے اس کے ہاتھ پر ایک محبت کی مہر ثبت کی تو وہ حیاء اور شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

''چاندنی! آج جو بھی دل میں ہے اس کو نکال باہر کرو۔ آج میں ہوں اور تم ہو بس۔''

''آپ کو وعدہ کرنا ہو گا سالار!'' چاندنی نے پھر بھی اپنی بات کر دی تھی وہ اس کی نگاہوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''کہو میری جان!'' چاندنی اس کی اس ادا پر قربان ہو گئی اور بولی۔

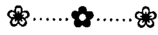
''سالار! عبید رضا نے مجھے ٹھکرا دیا۔ آپ نے مجھے اپنا لیا۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ میں اس سے محبت کرتی تھی۔'' سالار نے اس کو دلاسا دیا۔ ''لیکن اب تو نہیں کرتی ہو نا اور دوسری سب سے بڑی بات یہ کہ میں تمہیں دل سے چاہتا ہوں چاندنی! تمہیں محبت سے جیتنا ہی میرا خواب تھا اور دیکھو کہ میری محبت بھی میرے خواب کی طرح سچی نکلی اور آج تم میری جان بن کر میرے دل پر راج کرنے کے لیے میرے سامنے بیٹھی ہو۔''

''آپ وعدہ کریں کہ زندگی میں کبھی بھی مجھے عبید رضا کے نام کا طعنہ نہیں دیں گے۔'' چاندنی نے اس کے بالوں میں اپنی نرم اور مخروطی انگلیاں پھیریں تو وہ ایک دکھ سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''چاندنی! میں کم ظرف نہیں ہوں۔ میرا ظرف سمندر سے بھی وسیع ہے۔ مجھ پر اعتماد کرو چاندنی۔''

چاندنی نے اپنا آپ اس کے چہرے پر جھکا لیا تو وہ بولا۔ ''ارے یار! ایک کام تو رہ ہی گیا۔'' اس نے اٹھ کر چاندنی کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھا اور کوٹ کی جیب سے ایک نیکلس نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے اپنا ہاتھ ہٹایا تو چاندنی کھل کھلا کر ہنستی ہوئی بولی۔ ''یہ کیا سالار؟''

''ارے یار! لیٹ ہو گیا ہوں۔ منہ دکھائی ہے یہ......'' دونوں ہی کھل کھلا کر ہنس پڑے تھے۔ جبکہ عبید رضا کے دل پر آج کی رات چھریاں چل رہی تھیں لیکن اپنے قتل میں اسی کا ہاتھ ہی ملوث تھا۔



شمع بی بی نے مناہل کا سامان ایک بیگ میں ڈالتے ہوئے اس کو سمجھانا شروع کیا۔ ''تم فائزہ اور شکیل احمد کو کوئی بھی بات نہ بتانا۔ جیسے ہی شرجیل والا معاملہ ٹھنڈا ہوتا ہے تمہیں لے آؤں گی۔'' مناہل نے ان کے ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

''خالہ! میں جانا نہیں چاہتی۔'' شمع بی بی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو خود ہی اپنی آنکھیں شرم سے جھکاتی ہوئی بولیں۔

''میری بچی! ہیرا بدمعاش ایک چھٹا ہوا غنڈہ ہے اور میں نہیں چاہتی کہ وہ اس گھر میں دوبارہ آ کر تم سے بدتمیزی کرے۔''

''لیکن آپ بھی تو اکیلی ہیں خالہ! میں آپ کے پاس رہوں گی۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولی تھی۔

''میری بچی! تم ماں بننے والی ہو اور ایسی حالت میں، میں نہیں چاہتی کہ کوئی بھی دُکھ اور صدمہ تمہیں چھوئے۔ بس کچھ ہی دنوں کی بات ہے پھر میں خود تمہیں لینے آؤں گی۔''

انہوں نے ایک بار پھر مناہل کی منت کی تھی کہ وہ اپنے ماں باپ کو شرجیل کی کوئی بھی بُری حرکت کا نہ بتانا۔ مناہل نے ان باتوں کو غور سے سنا تھا اور پھر اندر سے موسیٰ آیا تو شمع بی بی نے اس کو بیگ پکڑا دیا اور کہا۔ ''لو بھئی موسیٰ! مناہل کو گھر کے اندر چھوڑ کر آنا۔ فائزہ اور شکیل کو میرا اسلام کہنا۔'' شمع بی بی کی آواز بھرا گئی تھی۔

موسیٰ نے بھی ایک طویل سانس لیتے ہوئے مناہل کا بیگ پکڑا اور مناہل کی طرف شرمندہ نظروں سے دیکھا تو

وہ شمع بی بی کی جانب بڑھی تو بولی۔ ''خالہ جان! اگر میری کوئی غلطی ہے تو مجھے معاف کر دینا۔'' اس نے شمع بی بی کے سامنے ہاتھ جوڑے تو انہوں نے تڑپ کر اس کو سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بولیں۔

''مجھے شرمندہ تو نہ کرو مناہل! میں اپنے بیٹے کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ قصور میرا ہی تھا۔ بس تم دعا کرنا کہ سب کچھ بہتر ہی ہو۔'' وہ جلدی سے جلدی مناہل کو اس گھر سے بھیجنا چاہتی تھی کیونکہ ہیرا بدمعاش کبھی بھی آ سکتا تھا۔

مناہل موسیٰ کے ساتھ باہر نکلی اور پھر اپنے گھر کے لیے ٹیکسی میں روانہ ہوگئی۔

دروازے پر دستک سن کر شمع بی بی کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گئیں کہ ہیرا آ گیا ہے۔ انہوں نے دروازے کے پاس جا کر پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''میں ہوں رضیہ بہن! علی حیدر کونسلر۔'' شمع بی بی نے ایک پُرسکون سانس خارج کی تھی کیونکہ علی حیدر بھلکڑ تھا وہ آج کئی مہینوں بعد ادھر کا راستہ بھول گیا ہوگا۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور اس کو اندر آنے کا کہا تو وہ مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

''کیا بات ہے سلطانہ بہن! آج بہت خاموشی ہے۔ رضوان اور اکبر کہاں گئے ہیں۔''

وہ یقیناً موسیٰ اور شرجیل کا پوچھ رہا ہوگا۔ شمع بی بی نے مسکراتے ہوئے ایک موہڑا اس کو بیٹھنے کے لیے پیش کیا اور خود کچن میں چلی گئیں انہوں نے مٹھائی کی پلیٹ بھری اور لا کر علی حیدر کونسلر کے سامنے رکھ دی تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''واہ واہ بہن! لگتا ہے کہ اشرف کی منگنی کر دی ہے آپ نے؟'' وہ مسکراتی ہوئی بولیں۔ ''ہاں...... بھائی علی حیدر! میں نے موسیٰ کی منگنی کر دی ہے۔'' وہ رس گلا منہ میں رکھ کر اس کا رس نگلتا ہوا بمشکل بولا۔

''بھئی انوری بہن آپ کو مبارک ہو۔ اللہ ایسی نیک اولاد سب کو دے۔'' اس نے ابھی یہ الفاظ ادا کیے ہی تھے کہ دروازہ ایک دھماکے سے بجا۔ ہیرا اپنے حواریوں کے ساتھ آن دھمکا تھا۔ علی حیدر کونسلر نے بھی اس کو خوف سے دیکھا اور پھر اس نے خوفزدہ شمع بی بی کو دیکھا تو بولا۔ ''ابے ہیرا بدمعاش! تمہارا اس شریف گھر میں کیا کام بھئی۔''

ہیرا اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرانے لگا اور پھر مٹھائی کی پلیٹ دیکھ کر اس کی جانب لپکا اور مٹھائی منہ میں رکھتا ہوا بولا۔

''کونسلر صاحب! ہیرا کا جہاں حساب کتاب ہو وہاں اس کا آنا جانا تو رہتا ہی ہے۔''

''تمہیں اس طرح یہاں نہیں آنا چاہیے تھا ہیرا۔'' شمع بی بی خوفزدہ آواز میں بولیں تو وہ اپنے حواری سے کہنے لگا۔

''جا او مکھن! اندر جا کر اپنا مال لے آؤ۔ ہماری اس بڑھیا سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔''

مکھن اندر کی جانب بڑھ گیا تو شمع بی بی نے سکون کی سانس لی کیونکہ وہ ابھی ابھی مناہل کو بھیج چکی تھیں۔

''لیکن ارشد بدمعاش! یہ تو بتاؤ اس گھر میں پولیس والوں کی طرح بغیر ہی پچھے دسے چھاپہ کیوں مارا ہے تم نے؟''

علی حیدر آگے ہوتا ہوا بولا تو ہیرا قہقہہ لگا کر بولا۔ ''کونسلر! اس مائی کے بیٹے نے جوئے میں اپنی بیوی ہاری ہے

اور آج اس کا وعدہ تھا کہ وہ پیسے دے گا یا پھر اپنی بیوی کی بانہہ میرے ہاتھ میں پکڑائے گا۔''

''کچھ تو شرم کرو۔'' شمع بی بی آگے بڑھتی ہوئی بولیں۔ ''کیا تمہارے گھر میں ماں بہن نہیں ہے۔''

''مائی! جواریوں کی کوئی ماں بہن نہیں ہوتی۔'' ہیرا غرایا تو علی حیدر ہنستا ہوا بولا۔

''تمہیں پھر علم ہی نہیں ہے جتنی جواریوں کی ماں بہن ہوتی ہے اتنی کسی کی نہیں ہوتی۔'' ہیرا نے گھور کر اس کی طرف دیکھا تو وہ سہم گیا۔ اندر سے مکھن نے آ کر خبر سنائی۔ ''پلوان جی! پورے گھر میں صرف یہ مائی ہی مائی ہے...... بس۔''

ہیرا کا خون کھولنے لگا تھا وہ کھا جانے والی نظروں سے شمع بی بی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''مائی! کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہوئی ہو۔ میں یہاں بیٹھا ہوں بس......'' وہ ایک موہڑے کو لات مارتا ہوا تخت پوش پر براجمان ہو گیا تو شمع بی بی خوفزدہ ہو کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوئی بولیں۔

''میں...... میں دوں گی تمہارے پیسے...... تم مجھ سے آ کر لے جانا پیسے......''

''کب......؟'' وہ اس بار خلاف توقع تحمل سے بولا تو شمع بی بی حوصلہ کرتی ہوئی بولیں۔

''اگلے...... اگلے ہفتے......''

''ضمانت دیتی ہو۔'' ہیرا ان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''ہاں...... ہاں ہیرا پہلوان! آپ مجھ سے پیسے لے جانا۔'' شمع بی بی چاہتی تھیں کہ وہ ابھی یہاں سے چلا جائے۔

''دیکھ لو اور سوچ لو مائی کہ اگر ہمیں مال نہ ملا تو ہم ضمانتی کو لے جاتے ہیں۔'' ہیرا تخت پوش سے اُٹھتا ہوا بولا تھا۔

''ہاں ہاں ٹھیک ہے ہیرا پہلوان! ٹھیک ہے۔'' ہیرا نے علی حیدر کی طرف دیکھا اور بولا۔

''تم گواہ رہنا کونسلر! اس مائی نے ضمانت دی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے حواریوں کو اشارہ کرتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔

''شمع بہن! آپ نے یہ اچھا نہیں کیا۔'' علی حیدر نے پہلی بار ان کا صحیح نام لیا تھا۔ ''یہ لوگ بہت گندے ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی عزت تو ہوتی نہیں لیکن یہ دوسروں کی عزت کو بھی عزت نہیں سمجھتے۔''

''میں کیا کرتی بھائی!'' وہ رونے لگی تھیں۔ ''اس کا زیادہ دیر میرے گھر میں ٹھہرنا مجھے بدنام کر سکتا تھا۔ وہ تو ہے ہی برا اور بدنام، لیکن میں بھی بدنام ہو جاتی تو اس بڑھاپے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔''

علی حیدر کی سمجھ میں بات آ گئی تھی۔ وہ پہلی بار شمع بی بی کے سر پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ مجھ سے جتنا بھی ہوا میں ضرور کروں گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر ہی کرے گا۔'' یہ کہہ کر علی حیدر ان کے گھر سے نکل گیا لیکن شمع بی بی رو رو کر شرجیل کو بددعائیں دینے لگی تھیں۔

''اللہ کرے کہ تُو میرا مری کا ہی منہ دیکھے۔ تجھے نصیب ہی نہ ہو کہ تم مجھے زندگی میں آ کر ملو۔'' وہ شرجیل کو بددعائیں دے رہی تھیں اور ان کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ پھر ان کو چکر آنے لگے تو وہ تیورا کر گر پڑیں اور دنیا و

مافیہا سے بے خبر ہو گئیں۔

موسیٰ مناہل کے ساتھ فائزہ کے گھر میں داخل ہوا تو اس کو پتہ چلا کہ شکیل اور فائزہ مناہل کے بچے کے لیے کچھ خریداری کرنے بازار تک گئے ہیں۔ یہ اطلاع دینے والی تحریم تھی وہ جو موسیٰ کو دیکھ کر مہک اُٹھی تھی لیکن مناہل کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ غمگین ہو گئی تھی۔

اس نے مناہل کو بیٹھنے کے لیے کرسی دی تو موسیٰ نے خود کو صوفے پر گرا لیا تھا۔

"خیریت تو ہے آپی!" وہ مناہل سے پوچھتی ہوئی موسیٰ کی طرف دیکھنے لگی تو موسیٰ کی نظریں جھک گئیں۔

"موسیٰ تم بتاؤ...... کیا بات ہے...... آپی تو پریشان لگ رہی ہیں۔"

موسیٰ مسکرانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "یار ابھی تو آئے ہی ہیں۔ نہ پانی نہ چائے بڑی کنجوس ہو تم تو۔"

"موسیٰ! تم اچھے اداکار نہیں ہو۔" تحریم بولتی ہوئی وہاں سے دوسرے کمرے میں چلی گئی تو مناہل نے موسیٰ سے کہا۔

"خالہ جان نے منع کیا ہے کہ کسی کو بھی شرجیل کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتانا۔"

موسیٰ اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے بھابی! آپ فکر نہیں کریں۔" مناہل اُٹھ کر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی تو تحریم آن دھمکی۔ وہ موسیٰ کے سامنے آکر بیٹھ گئی اس کے ہاتھ میں سیب تھے اور دوسرے ہاتھ میں خالی پلیٹیں اور چھری تھی۔

"کیسے ہو؟ کیسی گزر رہی ہے زندگی۔" تحریم موسیٰ کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی تو وہ پُرسوگ مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔ "زندگی ایسا بوجھ ہے تحریم! جس کو نہ چاہتے ہوئے بھی اُٹھانا پڑتا ہے اور بغیر رُکے اور بغیر سانس درست کیے منزل کی جانب بڑھتے رہنا ہی زندگی کے ہونے کی دلیل ہے۔"

تحریم سیب چھیلتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی اور بولی۔ "مجھے تو نیند نہیں آتی موسیٰ! ہر رات تمہارا ہی خواب اور تمہارا ہی چہرہ آنکھوں میں بسا کر سونے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"بس تم دعا کرتے رہنا تحریم کہ اللہ تعالیٰ بہتر کرے۔" موسیٰ کی پُرسوز آواز نے تحریم کو پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ "مجھے بھی نہیں بتاؤ گے موسیٰ؟"

موسیٰ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تو اس کو خلوص اور محبت ہی نظر آئی تھی۔ اس نے تھوڑی سی بات بتا دی تھی کہ شرجیل کا ماں جی سے جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ جیسے ہی وہ آتا ہے تو ماں جی خود بھابی کو لینے آئیں گی۔

اس نے سیب کی ایک قاش منہ میں رکھی ہی تھی کہ اس کے موبائل پر بیل ہونے لگی تھی۔ اس نے دیکھا تو اجنبی نمبر تھا۔ پھر بھی اس نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف سے بولنے والا الا بچی ہیجڑہ تھا۔

"ہیلو موسیٰ بھائی! آپ فوراً گھر آجائیں۔ شمع باجی کی طبیعت بہت خراب ہے۔" موسیٰ نے یہ سنا اور تحریم کو بتایا کہ وہ خالو اور خالہ کو مناہل اور شرجیل کے بارے میں کچھ نہ بتائے۔ وہ بھاگنے والے انداز میں وہاں سے نکلنے لگا تو تحریم بولی۔ "لیکن فون کس کا تھا کیا ہوا ہے۔ کچھ تو بتاؤ۔"

"الا بچی ہیجڑہ تھا کہہ رہا تھا کہ فوراً گھر پہنچو ماں جی کی طبیعت خراب ہے۔" موسیٰ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو تحریم کی آواز نے اس کا تعاقب کیا۔ "مجھے کال کرنا۔"

وہ ٹیکسی کے ذریعے گھر پہنچا تو شمع کو چارپائی پر لٹا دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر ان کو چیک کر رہا تھا جبکہ نیناں اور گرو ماں جی کے سر اور پاؤں کی طرف بیٹھے ان کو دبا رہے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب! کیا ہوا ماں جی کو؟" وہ بوکھلایا ہوا تھا لیکن ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد اس کو اپنے ساتھ باہر بلایا تو وہ دونوں ہی صحن میں آ گئے تھے۔ ڈاکٹر نے پرچی پر کچھ لکھ کر موسیٰ کو پکڑائی اور بولے۔

"آپ جتنی بھی جلدی ہو ان کے یہ ٹیسٹ کروائیں۔"

"ڈاکٹر صاحب! پریشانی کی تو کوئی بات نہیں ہے نا؟" موسیٰ انجانے خدشے کے تحت پوچھ بیٹھا تو ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھا اور بولے۔ "مجھے شک ہے کہ ان کی بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی ہے لیکن...... اصل صورتِ حال رپورٹس آنے پر ہی معلوم ہو سکتی ہے۔"

موسیٰ نے جیب سے پیسے نکال کر ڈاکٹر کو دیئے تو وہ بولے۔ "میں نے انجکشن لگا دیئے ہیں اور دوائیاں بھی لکھ دی ہیں۔ آپ کو کافی احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر نہ چاہتے ہوئے بھی موسیٰ کے لیے خطرے کی گھنٹی بجا گیا تھا۔ وہ اندر کمرے کی جانب بڑھا تو گرو اُٹھتا ہوا موسیٰ سے مخاطب ہوا۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟"

"گرو! آپ بتائیں کہ کیا ہوا تھا؟ میں تو ان کو اچھا بھلا چھوڑ کر گیا تھا۔" موسیٰ نے گرو کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اس سے سوال کر دیا تو وہ ایک ٹھنڈی آہ بھرتا ہوا بولا۔

"ہم تو گھر میں موجود تھے لیکن چنبیلی نے تمہارے گھر سے ہیرا کو نکلتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اندر آکر ہمیں بتایا لیکن ہم جیسے ہی یہاں آئے تو باجی بیہوش پڑی تھیں۔ نیناں نے اسی وقت ڈاکٹر کو فون کر کے بلا لیا تھا۔"

گرو نے پوری تفصیل بیان کی تو موسیٰ ہیرا کی آمد کا سن کر پریشان ہو گیا تھا۔ اس کو شرجیل کی کرتوت پر غصہ آنے لگا تھا۔ وہ گرو کی طرف دیکھنے لگا اور اس نے گرو کو شرجیل کی تمام بات بتا دی اور خود دوائیاں لینے چلا گیا تھا

گرو حیران اور پریشان تھا کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی شمع بی بی نے بادشاہ کے ساتھ کھلے دل والا معاملہ کیا تھا اور پھر چاندنی کی شادی میں بھی اپنے ماتھے پر بل لائے بغیر اس طرح شرکت کی تھی کہ جیسے کچھ بھی نہیں ہوا ہو۔ واقعی شمع بی بی بڑی اعلیٰ ظرف اور نفیس خاتون تھیں۔

اس نے نیناں کو باہر بلا کر تمام بات سنائی تو وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔ "گرو! کیا ہم چاندنی کو اطلاع کر دیں کہ شمع باجی بیمار ہیں؟" گرو نے نفی میں سر ہلایا اور کہنے لگا۔

"نہیں...... وہ بیچاری تو مر کر خوشیوں کو حاصل کر سکی ہے۔ اس کے رنگ میں بھنگ ضرور ڈالنا ہے۔" گرو نے اندر کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "باجی ٹیکوں کے نشے میں ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ آدھے گھنٹے تک ہوش آ جائے گا۔" نیناں اس کی بات سن کر اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

موسیٰ گھر میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں دوائیاں تھیں۔ وہ اندر جا کر ماں کے جی کے پاؤں کی جانب بیٹھ گیا تھا۔ گرو نے اس کو بلا کر سمجھایا اور کہا کہ اگر کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو وہ ان کو بلا جھجک آواز دے لے۔

موسیٰ نے اثبات میں سر ہلایا اور ان کے چلے جانے کے بعد دروازے کو کنڈی لگا لی۔

وہ شمع بی بی کے پاؤں دبانے لگا تھا۔ وہ ماں کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگا تھا کہ اس کی ماں کتنی اعلیٰ ظرف اور کھلے دل والی عورت ہے۔ اگر وہ موسیٰ کو اپنی تمام داستان نہ سنا چکی ہوتیں تو موسیٰ بادشاہ کے ملنے اور چاندنی کے اس طرح ملاپ پر بڑھاپے میں اپنی ماں کی عظمت سے بدظن ہو سکتا تھا۔

لیکن انہوں نے اپنے دکھوں اور غموں کے باوجود بھی ہنسی اور اعلیٰ ظرفی کا ایسا لبادہ اوڑھا تھا کہ کوئی بھی یہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ شمع کو کوئی دُکھ بھی ہو سکتے ہیں جو اندر ہی اندر ان کو گھائل کر رہے ہیں اور یہ بہادر عورت نہ جانے کتنے سالوں سے ان غموں سے اندر ہی اندر لڑ رہی تھی۔

ان کو ہوش آنے پر موسیٰ نے سہارا دے کر ان کو تکیے کو ٹیک لگا دی تو وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔ ''پریشان نہ ہو موسیٰ! میں ٹھیک ہوں۔'' موسیٰ نے ان کے ہاتھ پکڑ لیے اور بولا۔

''میں پریشان کیوں ہوں گا ماں جی! آپ کی دعاؤں سے تو میں اچھا بھلا اور خوش باش ہوں۔'' اس نے لفافے سے دوائی نکال کر ماں جی کو کھلائی تو وہ بولیں۔

''چاندنی کو تو میری بیماری کی اطلاع نہیں کی نا۔'' موسیٰ نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''نہیں......آپ فکر نہ کریں اور سو جائیں۔ میں دیکھ لوں گا سب معاملات کو۔'' وہ موسیٰ کی طرف دیکھ کر ہولے سے مسکرائیں اور پھر لیٹ گئیں۔ موسیٰ ان کے پاؤں دبانے لگا تھا اور پھر چند منٹوں بعد ہی دوائی کے اثر سے شمع بی بی دوبارہ سو چکی تھیں۔



چاندنی اور سالار بھی شمع بی بی کی عیادت کے لیے آئے تھے اور بادشاہ نے بھی گرو اور نیناں کے ذریعے ان کی تیمارداری کی تھی۔ شمع بی بی اب کافی بہتر محسوس کر رہی تھیں۔ سالار نے بتایا کہ اب گھر ان کے پاس ہے اور وہاب میر اپنی فیملی کو لے کر جا چکے ہیں۔

شمع بی بی کو چاندنی کے چہرے پر اطمینان اور سکھ کی جھلک نے سکھ بخش دیا تھا۔ سالار نے ان سے اور پھر بادشاہ سے اجازت لے کر ہنی مون پر جانا چاہا تو بادشاہ نے حیران کن طور پر ان کو صرف ایک ہفتہ تک رک جانے کا کہہ دیا۔ ان کی سمجھ میں بادشاہ کی یہ منطق نہ آ سکی تھی لیکن گرو اور نیناں نے ان کو سمجھایا کہ ابھی ابھی تم لوگوں نے گھر کا قبضہ لیا ہے اور وہاب میر جیسا شاطر بندہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ان کی سمجھ میں بات آ گئی تھی۔

شمع بی بی کی رپورٹس آ گئی تھیں لیکن اب ڈاکٹر لندن کے دورے پر چلا گیا تھا۔ موسیٰ نے بھی شمع بی بی کو تندرست اور خوش دیکھ کر رپورٹس کو احتیاط سے سنبھال لیا تھا لیکن شمع بی بی کو دوائیوں کا استعمال جاری رکھا تھا۔ بادشاہ اب گرو اور نیناں کے ساتھ ہی رہتا تھا لیکن چاندنی اور سالار اس کو اپنے ساتھ لے جانے پر بضد تھے۔ بادشاہ نے اس بات پر حامی بھری کہ وہ چند دن چاندنی کے ساتھ رہ کر پھر ادھر ہی آ جائے گا۔ اس بات پر دونوں ہی راضی ہو گئے

تھے۔

آج بادشاہ کی آنکھ حسبِ معمول فجر کی اذان کے وقت ہی کھل گئی تھی۔ اس نے گرم بستر کو چھوڑا اور واش روم میں گھس گیا۔ جب وہ باہر نکلا تو غسل اور وضو کر چکا تھا۔ اس نے اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑے ہو کر ستاروں بھری صبح کو دیکھا ابھی بھی دور دور سے اذان کی آوازیں اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس کے مصرف میں وہی کمرہ تھا جو کبھی وہاب میر اور حنا بیگم کے استعمال میں ہوتا تھا۔ اس نے کمرے میں بچھے ہوئے کارپٹ پر جائے نماز بچھائی اور رب کریم کی حمد و ثناء بیان کرتے ہوئے رکوع و سجود کا سلسلہ شروع کیا اور بڑے ہی خشوع کے ساتھ نماز ادا کی اور دعا کے لیے اپنے ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں بلند کر دیئے۔

''میرے مالک! رحمٰن و رحیم اللہ اپنی پیاری بارگاہ میں میری حاضری قبول و منظور فرما۔

یا باری تعالیٰ! بے شک تُو نے مجھ پر اپنا انعام بخشا۔ مجھے میری بیٹی سے ملا دیا اور بیٹی کو ماں سے بھی ملا دیا۔ تُو ہر چیز پر قادر ہے۔

میرے مالک! میں نے بہت سے گناہ کیے ہیں۔ غلطیاں اور کوتاہیاں کی ہیں۔ لیکن تیری رحمت نے ہمیشہ ہی میری مدد اور رہنمائی فرمائی ہے۔ میرے اللہ! اب بھی میری التجا ہے کہ میری بیٹی کو اپنے فضل و کرم سے نوازنا۔ میرے مالک! میری بیٹی چاندنی کو ہر وہ سکھ دینا جو میں بدنصیب باپ نہیں دے سکا۔''

اس کے آنسو نکل کر اس کی داڑھی کو تر کرنے لگے تھے۔ اس نے ہاتھ گرا دیئے اور اپنے آپ کو سجدہ میں گرا لیا۔ اس کے آنسو آنکھوں کی جھولیوں سے نکل نکل کر جائے نماز پر سجدہ ریز ہونے لگے تھے۔ اس کا وجود ہولے ہولے ہلنے لگا تھا۔ وہ دوبارہ رب رحیم سے عرض کرتا ہوا کہنے لگا۔

''رحمٰن و رحیم اللہ......تُو نے مجھ پر بہت کرم کیا ہے۔ مجھ پر اپنا اور بھی انعام فرما دے میرے مولا! میری بیٹی کو پہلی اولاد بیٹی ہی عطا کرنا۔ کیونکہ تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ خوش قسمت ہے وہ عورت جس کی پہلی اولاد بیٹی ہوتی ہے۔

میرے پروردگار! میری بیٹی چاندنی کی خوش قسمتی میں اضافہ فرما۔

میرے اللہ! میں بہت سیاہ کار اور خطا کار ہوں......میرے اللہ! مجھ پر مزید رحم فرما۔

میرے اللہ! اب مجھے زندگی کا کوئی دُکھ نہیں دیکھنا۔ مجھے انسانی محتاجی سے محفوظ فرما دے۔ میرے مالک! میں تیری بارگاہ میں جھکا ہوا تجھ سے التجا کرتا ہوں۔ میرے گناہوں کی معافی فرما دے۔

میرے اللہ مجھے سمجھ آ گئی ہے کہ بیٹی رحمت ہے۔ مجھ جیسے گناہگاروں نے بیٹی کو زحمت سمجھا تھا۔

میرے اللہ! میری بیٹی کو سدا خوش رکھنا۔ مجھے اپنی پیاری بارگاہ میں ہمیشہ ہی جھکا رہنے کی توفیق عطا فرما۔

میرے اللہ! میرا سر ہمیشہ ہی تیری بارگاہ میں اسی طرح جھکا رہے......''

ہوا کا ایک تیز اور ٹھنڈا مسحور کن جھونکا کمرے میں داخل ہو کر بادشاہ کے ہنستے ہوئے وجود کو یک دم ساکت و جامد کر گیا۔ بادشاہ کا وجود ہلنا بند ہو گیا تھا۔ اس کے الفاظ رک گئے تھے۔ آنسو پلکوں پر ہی ٹھہر چکے تھے۔ چہرے پر صبح کا اُجالا پھیلنے لگا تھا۔ اس کی دعا کے آخری الفاظ اتنی جلدی قبول ہو جائیں گے یہ تو خود دعا نے بھی نہ سوچا ہوگا۔ اس

کا سر رب کریم کی بارگاہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہی جھکا رہ گیا تھا۔ عبادت کرنے والی سانسیں رُک گئی تھیں اور کھلی ہوئی آنکھیں آنسوؤں کے بوجھ سے بند ہوگئی تھیں۔

دھوپ نکلنے پر چاندنی اس کمرے میں داخل ہوئی تو اس کی چیخ نے سالار احمد کو بھی لرزا دیا تھا۔ وہ بھی بھاگا ہوا بادشاہ کے کمرے میں پہنچا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بادشاہ سجدے میں بے حس و بے حرکت پڑا ہوا ہے۔ اس نے روتی ہوئی چاندنی کو دیکھا اور بادشاہ کو ہلایا جلایا تو وہ ایک طرف کو لڑھک گیا تھا۔

سالار احمد نے اس کو اُٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور کمبل ان کے اوپر دیتا ہوا چاندنی کا سر اپنے سینے سے ٹکاتا ہوا بولا۔
''ان کی اور ہماری اتنی ہی رفاقت تھی چاندنی! اللہ نے تایا ابو کو اپنے پاس بلا لیا ہے۔''

چاندنی میت سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔ سالار نے اس کو رونے دیا کیونکہ پچپیس سالوں کی جدائی پچیس دنوں کی رفاقت برداشت نہ کرتے ہوئے وصل پر حاوی ہوگئی تھی۔ اور سالار چاہتا تھا کہ وہ کھل کر رو لے۔ اس نے موبائل پر موسیٰ، گرو اور باقی سب کو بھی اطلاع کر دی تھی۔ اس نے وہاب میر کو بھی فون کر دیا تھا کہ ان کا باپ جیسا بڑا بھائی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔

سبھی رشتہ دار سالار کے گھر میں جمع ہو گئے تھے۔ شمع بی بی بھی بادشاہ کی رفاقت اور ہجر میں گزارا جانے والا وقت یاد کر کے رو رہی تھیں۔ آج ان کی بیٹی کا باپ مر گیا تھا لیکن اگر وہ سوچتی تھیں تو اب ان کا بادشاہ کے ساتھ تو کوئی رشتہ نہ تھا لیکن وہ چاندنی کو پچھاڑیں کھاتا دیکھ کر آنسوؤں کو نہ روک سکی تھیں۔

چاندنی بادشاہ کی میت سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھی۔ گرو اور نیناں نے اس کو سنبھالا دے کر شمع بی بی کی گود میں لٹا دیا تھا۔ انہوں نے چاندنی کو دلاسہ دینا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ اس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کر رہی تھیں لیکن ان کے اپنے آنسو چاندنی کے چہرے پر گرتے جا رہے تھے گرو اور نیناں بھی بادشاہ کو لاش میں بدلا دیکھ کر زار و زار رو رہے تھے۔

چنبیلی اور الائچی نے بادشاہ کے فقیر ساتھی کو بھی اطلاع کر دی تھی۔ وہ بھی اپنے دوست کی میت سے لپٹ کر ایسا رویا تھا کہ سبھی کے دل دہلا دیئے تھے۔ اس کی آہوں نے سب کو رُلا دیا تھا۔ ساتھی نے اپنے ساتھ گزرا ہوا وقت یاد کر کے ان کو باتیں بتانا شروع کیں تو سب کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

موسیٰ نے بھی چاندنی اور سالار احمد کو دلاسہ دیا تھا۔ وہاب میر تو نہ آئے تھے لیکن ستارہ ضرور آ گئی تھی۔ بادشاہ تو اس کا بھی تایا ابو ہی تھا۔ اس کو بھی بادشاہ کی موت کا گہرا دکھ ہو رہا تھا۔

''ستارہ! ابو کیوں نہیں آئے؟'' سالار نے ستارہ سے پوچھا تو وہ نظریں جھکاتی ہوئی بولی۔

''سالار بھائی! پاپا کہتے ہیں کہ ان کا آپ سے یا تایا ابو بادشاہ سے کوئی تعلق اور کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' سالار کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری ہوگئی تو ستارہ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''لیکن سالار بھائی! میں آپ کی بہن ہوں...... آپ کے دکھ سکھ میں آپ کے ساتھ کھڑی ہوں۔'' سالار احمد نے اس کا سر اپنے سینے سے ٹکایا اور سر پر محبت سے بوسہ دیتا ہوا بولا۔ ''میرے لیے یہی کافی ہے۔ سدا خوش رہو۔ ستارہ سدا خوش رہو۔''

بادشاہ کا جنازہ اُٹھایا گیا تو حشر بر پا ہو گیا تھا کیونکہ چاندنی کے بین سب کو ہی رُلا رہے تھے۔ گرو اور نیناں کے ساتھ ساتھ شمع بی بی بھی اس کو تسلیاں اور دلاسے دے رہی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے کربلا کے واقعے سے بڑا کوئی بھی سانحہ نہیں بنایا لیکن اس عظیم گھرانے کی قربانیاں اگر بے مثال ہیں تو ان کا صبر بھی بے مثال ہے اور رہتی دنیا تک ان کے صبر کی مثالیں اس کائنات کے پُرسوز واقعہ اور سانحہ کے لیے ایسی عظیم اور ابدی مثال ہے کہ انہی کے صبر سے آج سب مسلمانوں اور غیر مسلموں کو جو بھی صبر کے تحفے ملے ہیں وہ یقیناً سرمایہ حیات ہے اور اب چاندنی کو بھی صابر گھرانے کی عظیم مثالیں دے کر گرو اور نیناں نے سمجھایا تھا اور چاندنی پر بھی اللہ نے رحم فرما کر اس کو صبر عطا کر دیا تھا۔

موسیٰ اور شمع بی بی سمیت سبھی لوگ اس رات چاندنی کے پاس ہی رُک گئے تھے اور بادشاہ ہی کی باتوں میں رات گزر گئی تھی۔



بادشاہ کی وفات کو ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ چاندنی اور سالار نے اس ایک ہفتہ میں شمع بی بی کے گھر کے دو چکر لگا لیے تھے وہ اپنے گھر میں خوش تھی اور اس بات کی خوشی گرو اور نیناں کے چہروں سے بھی عیاں ہوتی تھی۔ ان لوگوں نے پہلے دن سے لے کر آج تک جس کام کا بیڑہ اُٹھایا تھا وہ اللہ کے فضل و کرم سے اس میں باعزت سرخرو ہوئے تھے۔

لیکن ان کو چاندنی کی عادت ہوگئی تھی وہ گھر کو خالی خالی محسوس کرتے تھے لیکن پھر خود ہی ان کے ہاتھ بارگاہ الٰہی میں شکرانے کے طور پر اُٹھ جاتے تو آنکھیں سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے آنسوؤں کے نذرانے رب کریم کی بارگاہ میں پیش کرنے لگتی تھیں۔

آج وعدہ کے مطابق علی حیدر نے گھر آ کر شمع بی بی کو ایک لاکھ روپے کی رقم دی تھی وہ نہ لے رہی تھیں لیکن وہ بضد تھا۔ ''آمنہ بہن! آپ کو بہن کہا ہے تو اب بھائی کا اتنا حق تو بنتا ہی ہے کہ میں بہن کی خدمت کر سکوں۔'' شمع بی بی اس کے خلوص سے انکاری نہ تھیں لیکن ان کو یہ بھی ڈر تھا کہ اگر موسیٰ کو علم ہو گیا کہ شمع بی بی نے کونسلر علی حیدر سے پیسے لیے ہیں تو وہ سخت ناراض ہوگا۔

''دیکھو بھئی ایمان بہن ایمان سے کہتا ہوں کہ اس جاہل ہیزا کو یہ پیسے دے کر دفع دور کر دیں گی تو مجھے بھی سکون مل جائے گا۔'' وہ پھر بولا اور ان کا نام بھولا تھا۔

شمع بی بی نے کربناک مسکان ہونٹوں پر سجاتے ہوئے ایک لاکھ روپے کی رقم رکھ لی تھی۔ وہ بولیں۔ ''بھائی علی حیدر! میں آپ کا یہ احسان کیسے اتاروں گی۔''

''بہت ہی آسان ہے بہن! بس میرے لیے دعا کر دیا کریں۔'' وہ اُٹھ کر جاتے ہوئے پھر بولا ''ثمرہ بہن! گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی قسم اگر میرے بس میں ہوتا یا میرے پاس اور بھی ہوتے تو میں اپنی بہن کی عزت پر نچھاور کر دیتا۔ یہ روپیہ تو کاغذ ہے۔ بس...... کاغذ!'' یہ کہہ کر وہ روتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا تھا لیکن شمع بی بی کو بھی آبدیدہ کر گیا تھا۔ وہ کتنا عظیم انسان تھا۔ شمع بی بی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔

آج موسیٰ تین چار دن بعد بوتیک گیا تھا۔ صبح کی عام روٹین کے مطابق وہ ناشتہ کر کے چلا گیا تھا لیکن شمع بی بی کو شرجیل یاد آ گیا تھا۔ ''پتہ نہیں وہ کہاں دھکے کھا رہا ہوگا۔ اس نے کھانا بھی کھایا ہوگا یا ابھی تک بھوکا ہی ہوگا؟'' شمع بی بی کی آنکھیں بیٹے کو یاد کر کے بھیگ گئی تھیں۔

''اللہ! میرے بچے کو محفوظ رکھنا۔'' انہوں نے دعا کی ہی تھی کہ ہیرا بدمعاش اپنے حواری مکھن کے ساتھ آدھمکا تھا اس کے ہاتھ میں پستول تھا جس کو دیکھ کر شمع بی بی خوفزدہ ہوگئی تھیں۔ لیکن ہیرا مسکرا رہا تھا۔ اس نے مکھن کو اشارہ کیا کہ وہ گھر میں ''مال'' کی تلاشی لے۔ مکھن اندر کمروں میں گھس گیا تھا۔

''ہاں اماں جی!'' ہیرا نے تخت پوش پر بیٹھی ہوئی شمع بی بی کے پاس جھک کر کہا۔ ''میرا پانچ لاکھ یا مال...... یا پھر ضمانتی......'' ہیرا کا لہجہ زہریلا تھا۔

شمع بی بی خوفزدہ انداز میں اس کی طرف دیکھتی ہوئی تھوک نگلتے ہوئے بولیں۔ ''پانچ لاکھ......''

''ہاں مائی! پانچ لاکھ روپیہ۔ تمہارا شرجیل اس پیسے سے عیش کر گیا ہے۔ شراب اور شباب اور جواء اور پتہ نہیں کیا کیا کیا ہے اس نے...... پر آج وعدہ ہے...... میرے پیسے مجھے دے دو بس۔''

شمع بی بی نے ایک لاکھ روپیہ کی رقم تکیے کے نیچے سے نکال کر اس کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

''ہیرا پہلوان! میرے پاس یہی ہیں۔ میرا بیٹا یہی رکھ لو۔ میں تمہاری ماں جیسی ہوں۔ یہ ایک ماں کی التجا ہے۔'' ہیرا نے لاکھ روپیہ پکڑا اور غصے سے پھنکارتا ہوا بولا۔

''مائی...... میرا پیسہ حرام کا نہیں ہے۔ چپ چاپ باقی رقم بھی دے دو ورنہ میرے ساتھ چلو۔'' ہیرا پہلوان نے شمع بی بی کے سر سے چادر کھینچی ہی تھی کہ ایک زوردار تھپڑ نے اس کو منہ دوسری طرف کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ شمع بی بی خوف سے کانپ رہی تھیں لیکن انہوں نے سر کو ننگا کرنے کی پاداش میں ہیرا کو تھپڑ پورے غصے اور پوری طاقت سے مارا تھا۔ ''شام کا سورج بھی تمہیں دیکھنا نصیب نہ ہو ہیرا...... تم نے ایک ماں کا سر ننگا کیا ہے۔ تیرا بیڑہ غرق ہو جائے۔'' شمع بی بی نے اس کے منہ پر تھوک دیا تھا۔

لیکن ہیرا نے اپنی توہین کے احساس سے شمع بی بی کو بازو سے پکڑ کر کھینچا تو وہ زمین پر گر گئیں لیکن وہ دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کرنے لگیں تو ان کا بدن کانپنے لگا تھا۔ ان کا چہرہ خوف اور غصے کی شدت سے تھر تھر کانپ رہا تھا ان کے جسم کا بایاں حصہ کانپنے لگا تو ہیرا کو خوف محسوس ہوا تھا۔

''اوئے مکھن! اوئے کتیا...... چل چل بھاگ...... یہ مائی...... لگی گئی تو پھر سمجھو کہ ہم بھی لگے گئے۔ چل اوئے نس ایتھوں۔'' ہیرا اور مکھن شمع بی بی کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر بھاگ نکلے تھے۔ اور شمع بی بی وہیں گر کر کانپتی ہوئی بیہوش ہوگئی تھیں۔

ہیرا پہلوان خوفزدہ انداز میں بھاگتے بھاگتے مین روڈ پر آ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں آندھیاں چلنے لگی تھیں اس نے شمع بی بی کی جو حالت دیکھی تھی وہ اگر مر گئیں تو ہیرا ذمہ دار ہوگا اس کو پھانسی کی سزا بھی ہو سکتی ہے اور پھانسی کا مطلب ہے موت...... صرف موت......

ہیرا یہ سوچتا ہوا سڑک پار کرتا ہوا پیچھے سے آنے والے ٹرک کو بھول گیا تھا جو سریے سے لوڈ تھا۔ اس کی بریک

بروقت لگنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھی اور وہ ہیرا کو کچلتا ہوا کئی میٹر دور جا کر رک سکا تھا۔ آن کی آن میں لوگ سڑک پر جمع ہو گئے تھے اور ہیرا کا عبرتناک انجام دیکھ کر توبہ توبہ کرنے لگے تھے۔

مکھن نے آگے بڑھ کر بین کرنا شروع کر دیئے تھے اس نے سب کی آنکھ بچا کر ہیرا کی جیب سے لاکھ روپیہ نکال لیا تھا اور موقع پا کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

ہیرا کو شمع بی بی کے گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر نیناں نے موسیٰ کو کال کر دی تھی وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تو شمع بی بی کو زمین پر گرے دیکھ کر وہ تڑپ اُٹھا تھا۔

گو کہ اس سے پہلے نیناں اور گرو پہنچ چکے تھے لیکن موسیٰ نے شمع بی بی کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور ان کو پکارنے لگا۔

''ماں جی...... ماں جی...... آنکھیں کھولیں۔ آنکھیں کھولیں ماں جی! ڈاکٹر...... ڈاکٹر......'' وہ ڈاکٹر کو اس طرح پکارنے لگا کہ کوئی ڈاکٹر کو بلائے۔ بس تھوڑی ہی دیر بعد ایمبولینس کے ہوٹرز نے علاقہ کو جگا دیا تھا۔ کیونکہ ایک زبردست حادثہ گلی کے باہر مین روڈ پر ہو گیا تھا اور اب شمع بی بی کو بھی ایمبولینس میں ڈال کر ہسپتال لے جایا جا رہا تھا۔

موسیٰ ان کے ساتھ ایمبولینس میں تھا۔ اس نے سالار کو فون کر کے ہسپتال پہنچنے کا کہہ دیا تھا اور فی الحال چاندنی کو کچھ بھی نہ بتانے کا بھی کہہ دیا تھا۔

ہسپتال کی ایمرجنسی میں رش زیادہ تھا لیکن پھر بھی شمع بی بی کو فوراً ایمرجنسی میں لے جایا گیا۔ موسیٰ کو باہر ہی روک دیا گیا تھا۔ وہ تڑپنے اور سسکنے والے انداز میں برآمدے میں ٹہل رہا تھا کہ سالار بھی پہنچ گیا۔

''کیا ہوا اماں جی کو۔'' وہ موسیٰ کی کیفیت سے خاصا پریشان ہو گیا تھا۔ موسیٰ اس کو بتانے لگا کہ ہیرا نے گھر میں گھس کر بدتمیزی کی تھی جس کے صدمے سے ان کی یہ حالت ہوگئی ہے۔

''اب ہیرا تو جہنم واصل ہو چکا ہے موسیٰ۔'' موسیٰ نے سالار کے منہ سے اتنا سنا تو حیرانگی سے دیکھنے لگا۔ اس کی نظروں میں استفسار تھا کہ سالار پوری خبر جلدی سے سنائے۔

''میں آ رہا تھا کہ روڈ بلاک ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے گھر کی طرف سے آنا پڑا۔ میں نے سڑک پر بہت سے لوگ جمع دیکھے تو پوچھ بیٹھا۔ لوگوں نے بتایا کہ ہیرا جوار یا سریے کے لوڈ ٹرک تلے آ کر کچلا گیا ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو جائے وقوعہ پر اس کا دماغ بکھرا پڑا تھا اور اس کی لاش خون میں لت پت تھی۔''

''خس کم جہاں پاک۔'' موسیٰ نے کہا تو ان دونوں کی نظریں ایمرجنسی پر لگ گئیں۔

شرجیل نے آج ان کو کہاں تک پہنچا دیا تھا۔ شمع بی بی تو ہشاش بشاش رہتی تھیں۔ وہ تو کبھی بھی بیمار نہ ہوئی تھیں جب سے شرجیل نے جوا کھیلنا اور ان کے ساتھ بدتمیزی کرنا شروع کی تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھل رہی تھیں لیکن انہوں نے کسی کو بھی اپنی بیماری کا نہ بتایا تھا۔ اور ان کا بار بار اس طرح بیہوش ہو جانا اس بات کی علامت تھی کہ انہوں نے اندر ہی اندر کوئی بہت بڑا روگ پال لیا تھا۔

ایمرجنسی سے نکلنے والے ڈاکٹر نے موسیٰ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''شمع بی بی کے ساتھ آپ ہیں۔'' دونوں ہی آگے بڑھے۔

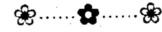
''جی ڈاکٹر صاحب! کیسی طبیعت ہے ان کی؟'' موسیٰ بے چین و بے قرار تھا۔

''آپ کا ان سے رشتہ کیا ہے؟'' ڈاکٹر کے پوچھنے پر موسیٰ نے کہا۔

''وہ میری ماں ہیں ڈاکٹر صاحب!''

''ان کو فالج کا اٹیک ہوا ہے۔ اب وہ کبھی بھی چل پھر نہیں سکتیں۔'' ڈاکٹر ان پر فالج کا بم برسا کر آگے بڑھ گیا تھا۔

''فالج......؟'' موسیٰ آہستگی سے بڑبڑا کر سالار کے کندھے پر اپنا سر رکھ کر رونے لگا۔



شمع بی بی فالج کی مریضہ بن کر وہیل چیئر پر بیٹھ گئی تھیں۔ ڈاکٹرز کے مطابق اب یہ کبھی بھی بول نہیں سکیں گی اور نہ ہی کبھی چل پھر سکیں گی۔ ان کی گردن ایک طرف کو ڈھلکی ہوئی تھی جبکہ ان کی بائیں طرف بھی فالج کا شکار ہو گئی تھی اور ان کا پاؤں بھی مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

موسیٰ، چاندنی، سالار، گرو، نیناں اور دیگر ان کے سامنے بیٹھے ہوئے ان کی حالت پر افسوس کر رہے تھے۔ فائزہ اور شکیل احمد بھی ابھی ابھی اندر داخل ہوئے تھے۔ فائزہ تو بڑی بہن کی حالت دیکھ کر رونے لگی تھی جبکہ شکیل احمد بھی پریشان ہو گئے تھے۔

وہ تو اپنے ہی گلے شکوے کرنے آئے تھے لیکن شمع بی بی کی حالت ایسی تھی کہ شکیل احمد کو ان پر ترس آنے لگا تھا۔ فائزہ ان کے ہاتھ کو پکڑ کر بار بار چوم رہی تھی اور آنسوؤں سے دھو رہی تھی۔ لیکن شمع بی بی آنکھوں میں آنسو لیے ان سب کو ایک ٹک دیکھے جا رہی تھیں۔ وہ ان کو تسلی اور دلاسہ میں بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن وہ آنسوؤں کی زبان ہی بول سکتی تھیں۔

''خالہ! چاندنی مل گئی ہے۔'' موسیٰ نے چاندنی کی طرف اشارہ کر کے فائزہ کو بتایا تو وہ ناقابل یقین انداز میں چاندنی اور موسیٰ کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ ''ہاں خالہ جان! مجھے ماں جی نے اپنی تمام کہانی سنا دی تھی۔''

فائزہ نے اُٹھ کر چاندنی کو سینے سے لگا لیا اور پھر اس کے منہ کو چومنے لگی۔

''خالہ جان! کیا امی مجھ سے بات نہیں کریں گی۔'' چاندنی کا معصوم سوال ان سب کو رُلا گیا تھا۔

''کیوں نہیں میری بچی! آپا ضرور بولیں گی۔ تم سے ضرور بات کریں گی۔'' وہ شمع کی طرف مڑی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی۔ ''آپا! کچھ بولیں نا دیکھیں بچے پریشان ہو رہے ہیں۔'' لیکن شمع بی بی نے آنسوؤں کی زبان سے انکار کر دیا تو فائزہ بھی رونے لگی تھی۔

شکیل احمد چونکہ صحن میں کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اشارے سے موسیٰ کو پاس بلا کر پوچھا۔

''کیا شرجیل کو اپنی ماں کی طبیعت اور حالت کا پتہ ہے؟''

موسیٰ نے ان کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''نہیں خالو جی! شرجیل بھائی کا کچھ علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں؟'' موسیٰ نے سچ اگل کر شکیل احمد کو پریشان کر دیا تھا۔ وہ بڑے تحمل سے بولے۔

''اگر وہ گھر لوٹ آئے تو اس کو میرے گھر تک مت بھیجنا۔'' شکیل احمد کا لہجہ دھیما مگر الفاظ زہریلے تھے۔ موسیٰ

ان کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔ ''کیکر پر کبھی انگور نہیں اگتے موسیٰ! اگر ان کو کیکر پر چڑھانے کی کوشش بھی کی جائے تو انگوروں کا ہر گچھا اور ہر دانہ زخمی ہو جاتا ہے۔ اور زخمی انگوروں کا کوئی بھی خریدار نہیں ہوتا۔''

موسیٰ ان کی باتوں سے اندازہ لگا چکا تھا کہ مناہل بھابی نے ساری باتیں اپنے گھر والوں کو بتا دی ہوں گی۔ تبھی تو خالو شکیل کا رویہ خاصہ تلخ تھا۔ موسیٰ اس وقت کسی بھی پوزیشن میں نہ تھا کہ وہ شرجیل کی وکالت کر کے خالو سے بحث کرتا۔ وہ خاموش ہی رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شکیل احمد اور فائزہ چلے گئے تھے فائزہ نے موسیٰ اور چاندنی کو کافی تسلیاں دی تھیں لیکن موسیٰ سمجھتا تھا کہ الفاظ اور رویے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ہی ہیں۔ ڈاکٹر نے جو کچھ کہا تھا اور جو حالت شمع بی بی کی نظر آ رہی تھی وہ بھی سب کو معلوم تھا۔

ایک ایک کر کے سبھی جا چکے تھے۔ چاندنی کو موسیٰ نے زبردستی سالار احمد کے ساتھ بھیجا تھا۔ وہ روتی ہوئی شمع بی بی کے قدموں کو بوسہ دے کر سالار احمد کے ساتھ گئی تھی۔ اب موسیٰ اور شمع بی بی اکیلے ہی رہ گئے تھے۔ موسیٰ نے ان کی وہیل چیئر پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے صحن میں کر دی تھی۔ وہ ان کے ہاتھ اور پاؤں گرم پانی سے دھونے لگا تھا۔ اس نے کپڑے کو گیلا کر کے شمع بی بی کے چہرے پر پھیرا۔ ان کے بالوں کو کنگھی کی تو شمع بی بی کے آنسوؤں نے قطاروں کی صورت میں بہنا شروع کر دیا تھا۔

''آپ کیوں رو رہی ہیں ماں جی!'' موسیٰ نے ان کے آنسو پونچھے۔ حالانکہ وہ خود بھی ہلکان ہو رہا تھا لیکن وہ صابر ماں کا صابر بیٹا تھا۔ اس نے آنسوؤں کی سازش ناکام بنا کر ان کو اندر ہی اندر پی کر ان کا وجود ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ شمع بی بی کوئی بھی جواب نہ دے سکی تھیں۔ وہ بس موسیٰ کو دیکھتی ہی رہیں اور روتی رہیں رات کو موسیٰ نے ماں جی کو گود میں اُٹھا کر بستر پر لٹایا اور ان پر کمبل ڈالتے ہوئے ہوا پوچھا۔

''کھانا کھلاؤں ماں جی؟'' شمع بی بی نے دایاں ہاتھ ہلا کر کھانا کھانے کا اشارہ کیا تو موسیٰ نے ڈبل روٹی کو دودھ میں بھگو کر لذیذ کھانا تیار کیا اور ماں جی کے لیے اندر لے کر پہنچا۔ ان کو ٹیک دے کر اُٹھایا اور تکیے کا سہارا دیا۔ موسیٰ نے ایک رومال ان کے گلے سے نیچے باندھا۔ اور ان کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلانے لگا۔ شمع بی بی بالکل تھوڑا سا منہ کھول سکتی تھیں۔

موسیٰ ان کے منہ میں ڈبل روٹی کے چھوٹے چھوٹے نوالے ڈالتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چباتی اور ان کو حلق سے اتارتیں تو پھر روتی ہوئی آنکھوں سے موسیٰ کی طرف دیکھتیں تو موسیٰ اپنے آنسو چھپاتا ہوا مسکرا کر ان کی طرف دیکھتا اور پھر نوالہ ان کے منہ میں ڈال دیتا تھا۔

شمع بی بی نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ کھا چکی ہیں تو موسیٰ نے رومال سے ان کا منہ صاف کیا کیونکہ کچھ کھانا ان کے ہونٹوں اور ٹھوڑی پر بھی لگ گیا تھا۔ موسیٰ نے ان کو احتیاط سے لٹا دیا اور کمبل ان پر ڈال کر کمرے کی لائٹ آف کر دی اور پھر اپنے کمرے میں آ کر اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔

وہ دھاڑیں مار مار کر رونا چاہتا تھا لیکن اس کو یہ بھی احتیاط کرنا تھی کہ کہیں اس کے رونے کا سن کر شمع بی بی اور نہ پریشان ہو جائیں۔ موسیٰ خالی خالی گھر کو دیکھنے لگا تھا اس گھر کے صحن میں وہ سالار، شرجیل اور ماں جی کے ساتھ بیٹھ کر

ناشتہ کیا کرتا تھا اور کھانا کھایا کرتا تھا۔ وہ چلتا ہوا تخت پوش پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ ماں جی نے اس تخت پوش پر اپنی زندگی گزار دی تھی لیکن آج بستر سے جا لگی تھیں۔ اور اپنے وجود کو حرکت دینے سے بھی قاصر تھیں۔ موسیٰ کو اس بات نے ایک بار پھر رُلا دیا تھا۔

اب اس کو ماں جی کا آسرا بننا تھا اور ان کی خدمت کرنا تھی کیونکہ اب ماں جی کو اس کی ضرورت تھی اور اب اس کو ماں جی کی بیٹی اور بیٹا بھی بننا تھا۔ اس نے آسمان کی جانب دیکھا تو ستاروں بھرا آسمان اللہ کی بے شمار نعمتوں کی طرح چاند کو اپنے وسیع سینے پر لٹائے موسیٰ کو دیکھ رہا تھا۔

موسیٰ نے وضو کیا اور جائے نماز کو صحن میں بچھا لیا اور اس پر سجدہ ریز ہو گیا۔ اس کا وجود کانپنے لگا تھا اس کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ ایک ایسا مسافر ہے جس کے ساتھ اس کا اونٹ بھی ہے اور وہ سفر کرتا کرتا ایک ایسے ریگستان میں پہنچ گیا ہے۔ جہاں دور دور تک پانی تو کیا انسان اور چرند پرند کا بھی نام ونشان تک نہ تھا۔ اور اس نے صحرا میں ہی سجدہ کیا ہے۔

اس کے ہونٹ متحرک ہو گئے تھے وہ دل کی طاقت استعمال کرتا ہوا رب رحیم سے ملتمس ہونے لگا۔

''پروردگار! کل کائنات کے مالک! زمینوں اور آسمانوں پر بسنے اور رہنے والے ہر ایک مخلوق کے خالق و مالک! یہ کیسا امتحان مجھ پر ڈال دیا ہے۔ میں تو تیرا کمزور اور ناتواں حقیر سا بندہ ہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت اور عقل نہیں ہے کہ میں ان مشکلات سے نپٹ سکوں۔'' اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ وجود لرزنے لگا تھا لیکن اس نے مانوس آواز سن کر گھبرا کر اپنا سر سجدے سے اٹھایا تو عشق کے نورانی نور کے ہیولے کو اپنے سامنے پایا اور روتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔

''بس ہار گئے ہو اے انسان؟'' عشق کا پہلا ہی وار اتنا تیز تھا کہ موسیٰ اس کی طرف دیکھ کر التجائیہ انداز میں کہنے لگا۔ ''مجھ سے لڑو میری ماں کو تکلیف مت دو۔ میں نے تمہیں لبیک کہا ہے۔ مجھ سے لڑائی ہے تو پھر اپنے اوچھے وار بھی مجھ پر ہی کرو۔'' موسیٰ کی التجائیں سن کر وہ طنز سے ہنسا اور بولا۔

''بیٹے کو تکلیف ہو تو ماں تڑپ جاتی ہے۔ لیکن کیا کائنات میں ایسے بھی بیٹے ہیں جو ماں کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ بھی جاتے ہیں اور آنسو بھی بہاتے ہیں۔''

''کیا چاہتے ہو تم...... مجھ سے؟'' موسیٰ کے الفاظ بتا رہے تھے کہ وہ شکست تسلیم کر چکا ہے۔

''سودے بازی کرنا چاہتے ہو مجھ سے؟'' عشق بولا تھا۔

''نہیں...... میں تمہارا مقابلہ کر کے ہی تمہیں چت کروں گا۔ لیکن مجھ سے لڑو میری ماں کو ہماری لڑائی میں نہ لاؤ'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور کہنے لگا۔ ''تم اپنا زور لگانے کے لیے اپنے ہتھیار استعمال کرو۔ میں اپنا کام کرنے کے لیے اپنے داؤ پیچ آزماتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ ہیولا غائب ہو گیا تو موسیٰ کتنی ہی دیر اسی طرح ساکت رہا لیکن پھر بھی اس نے اپنے آپ کو سجدہ ریز کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگنا شروع کر دی۔

''میری مدد اور رہنمائی فرما میرے مالک! میرا ساتھ دے میرے مولا! میرا ساتھ دے میرے مولا۔'' وہ اس

سے آگے کچھ نہ کہہ سکا اور آنسوؤں کی زبان بولنے لگی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے اس کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے پورے گھر میں ایسی بھینی بھینی خوشبو محسوس کی کہ آج سے پہلے وہ ایسی خوشبو سے نابلد اور ناشناس تھا۔ اس نے گھر میں ایسے نگاہ دوڑانا شروع کر دی کہ جیسے کوئی آیا ہو لیکن وہ کسی کو نہ دیکھ سکا تھا۔ اس نے جائے نماز اُٹھا کر صحن کی بتیاں بجھائیں اور کمرے میں جا کر ماں جی کو دیکھا جو گہری نیند سو رہی تھیں۔ وہ بھی اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کو سارے دن اور پھر ہفتے اور مہینے اور سال یاد آنے لگے تھے۔ ماں جی نے ان دونوں بھائیوں کی ہر خوشی پوری کی تھی۔ لیکن اب ان کو ان دونوں کی ضرورت تھی تو شرجیل موجود نہ تھا لیکن ماں جی کی بیماری کا ذمہ دار ہی شرجیل تھا۔

رات جیسے تیسے کر کے گزر گئی تھی۔ اس نے ماں جی کو گود میں اُٹھا کر واش روم تک پہنچایا۔ ان کو پھر وضو کروایا اور ناشتہ کروانے کے لیے اس نے دودھ میں ڈبل روٹی گوندھ کر اس کا ملیدہ بنایا اور ماں جی کو تھوڑا تھوڑا کھلانے لگا تھا۔ شمع بی بی محبت سے موسیٰ کی طرف دیکھ رہی تھیں اور موسیٰ کا یہی قیمتی انعام تھا کہ اس کی ماں اس کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

موسیٰ نے دروازے پر دستک سن کر دروازہ کھولا تو سامنے ہی ڈاکٹر صاحب کو کھڑے دیکھ کر مسکراتے ہوئے ایک طرف ہٹ گیا۔ ڈاکٹر صاحب ماں جی کو وہیل چیئر پر دیکھ کر حیران رہ گئے تھے انہوں نے دکھ سے موسیٰ کی طرف دیکھا اور پھر شمع بی بی کی طرف دیکھ کر بولا۔

''موسیٰ بھائی! یہ سب کیسے ہو گیا؟'' موسیٰ نے ایک موہڑا ان کو پیش کیا اور اس پر بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا خود بھی تخت پوش پر بیٹھ گیا۔ اس نے ماں جی کے فالج ہونے کی تمام داستان ڈاکٹر کو سنائی تو وہ افسوس کرنے لگا اور بولا۔

''میں آج ہی بیرون ملک سے آیا تھا۔ مجھے سٹاف نے بتایا کہ آپ ماں جی کی رپورٹس لے کر آئے تھے۔ میں سب سے پہلے ادھر ہی آیا ہوں۔ لیکن مجھے بہت دُکھ ہوا موسیٰ! آپ مجھے ماں جی کی رپورٹس تو دکھائیں۔''

موسیٰ اثبات میں سر ہلاتا ہوا کمرے میں چلا گیا تو ڈاکٹر شمع بی بی کا چیک اپ کرنے لگا۔ اس نے اسٹیتھی سکوپ لگا کر ماں جی کا چیک اپ کیا۔ ان کی آنکھوں کی پتلیوں کو دیکھا تو خاصا پریشان ہو گیا تھا۔

موسیٰ رپورٹس لے کر ان کے پاس کھڑا تھا۔ ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لے کر موسیٰ کی طرف دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ سے رپورٹس لے کر وہ دوبارہ تخت پوش تک آ گئے۔

رپورٹس دیکھتے دیکھتے موسیٰ نے ڈاکٹر کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا اور پریشانی سے پوچھا۔

''ڈاکٹر صاحب! خیریت تو ہے نا؟ رپورٹس کیا کہتی ہیں؟'' ڈاکٹر نے رپورٹس خاکی لفافے میں ڈال کر تخت پوش پر رکھ دیں اور موسیٰ کو لے کر گھر سے باہر چلا گیا۔ موسیٰ کے لیے ڈاکٹر کا رویہ عجیب وغریب تھا۔ باہر آ کر ڈاکٹر نے موسیٰ کی طرف غور سے دیکھا اور کافی دکھ سے بولا۔

''موسیٰ! ماں جی کے پاس وقت بہت کم ہے۔ ان کی خدمت کر لو۔'' ڈاکٹر کی زبانی سن کر موسیٰ کا کھلا ہوا منہ مزید کھل گیا تھا۔ ''میرے خیال میں اور سائنس کی ان رپورٹس کے مطابق آج سے ایک ماہ بعد تک کا وقت ہے۔ ماں

جی کے پاس ان کو دعاؤں کی ضرورت ہے موسیٰ بھائی! دوائیں مت دو۔ ان کی خدمت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے کہ آپ اپنی ماں کی خدمت کرلیں۔'' ڈاکٹر یہ خبر سنا کر واپس اپنے کلینک کی جانب چل دیا تھا لیکن موسیٰ کو قدم منوں بھاری محسوس ہو رہے تھے۔ وہ افسردہ ہو کر گھر کی تھڑی پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے آنسوؤں کا نہ رُکنے والا سلسلہ چل نکلا تھا۔

اچانک اس کے ذہن میں قاری صاحب کا خیال آ گیا۔ وہ ان کے پاس جائے گا اور ماں جی کی تمام صورتحال بتائے گا۔ اس نے آنسو پونچھ کر گرو کا دروازہ کھٹکھٹایا تو نیناں باہر آ گیا۔

''موسیٰ بھائی! شمع باجی تو ٹھیک ہیں نا؟'' نیناں کا سوال بتا رہا تھا کہ ان کو بھی شمع کی طبیعت اور بگڑی ہوئی حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ موسیٰ آبدیدہ آواز میں بولا۔

''ہاں نیناں! ماں جی ٹھیک ہیں۔'' لفظ ٹھیک پر اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

''میں ذرا قاری صاحب کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو کوئی زحمت نہ ہو تو مہربانی کر کے......'' موسیٰ کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ نیناں بول پڑا۔ ''ارے موسیٰ بھائی! کیسی بیگانوں جیسی باتیں کر رہے ہیں آپ...... باجی تو ہماری جان ہیں۔ میں ابھی آیا...... بلکہ چلو......'' نیناں ننگے پاؤں ہی موسیٰ کے ساتھ چلا آیا تھا۔ موسیٰ ان کے خلوص کا دل سے قائل ہو گیا تھا۔

وہ شمع بی بی کے پاس آیا اور ان کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ ''ماں جی! میں قاری صاحب کے پاس جاؤں؟'' اس نے اس انداز میں اجازت طلب کی کہ نیناں بھی موسیٰ کی فرمانبرداری پر قربان ہو گیا تھا۔ وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ وہ قاری صاحب سے ملنے جا رہا ہے لیکن الفاظ کا صحیح استعمال موسیٰ نے اپنی ماں سے ہی سیکھا تھا۔ انہوں نے ہاتھ دبا کر موسیٰ کو جانے کی اجازت دے دی۔

وہ نیناں کو گھر میں چھوڑ کر تیزی سے باہر نکلا اور جیسے ہی ڈاکٹر صاحب کے کلینک پر پہنچا تو وہ بھی کلینک سے باہر نکل رہے تھے وہ موسیٰ کو اتنی تیزی سے جاتا دیکھ کر کچھ گھبرا گئے۔ ''خیریت موسیٰ بھائی!'' موسیٰ ان کو دیکھ کر اور ان کی آواز سن کر رُک گیا۔ ''جی ڈاکٹر صاحب! ذرا قاری صاحب کو سلام کرنے جا رہا ہوں۔'' یہ سن کر ڈاکٹر بھی مسکراتا ہوا بولا۔

''اتفاق ہے بھئی میں بھی اُدھر ہی جا رہا ہوں۔ قاری صاحب نے لگتا ہے کہ میرے بیٹے کی شکایات کرنا ہوں گی جو مجھے متواتر پیغام بھیج رہے ہیں۔''

''جی چلیے پلیز......'' موسیٰ نے بھی کہا تو وہ دونوں چلتے ہوئے قاری صاحب کے حجرے میں پہنچ گئے۔ قاری صاحب ان دونوں کو دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔ سلام دعا کے بعد وہ بولے۔ ''ہاں بھئی موسیٰ! بھول گئے تھے ہمیں؟''

موسیٰ پریشانی کے عالم میں ان کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''نہیں قاری صاحب! بس گزشتہ کچھ ماہ سے بیماریوں اور پریشانیوں نے گھیر لیا ہے۔ ماں جی کو فالج ہو گیا ہے۔'' قاری صاحب کو یہ سن کر شدید جھٹکا لگا تھا۔ وہ تاسف سے بولے۔

''خدا خیر کرے۔ مجھے کیوں نہیں بتایا تم نے......اور یہ کیا ہوا؟'' موسیٰ ان کو تمام داستان سنانے لگا۔

قاری صاحب تمام بات سن کر ڈاکٹر سے مخاطب ہوئے۔ ''آپ کیسے کسی کی موت کا وقت مقرر کر سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب!''

ڈاکٹر صاحب بھی جانتے تھے کہ قاری صاحب بھی صاحبِ علم ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی بھی بات دلیل اور پورے وزن کے ساتھ ہی کرنا پڑے گی۔ وہ بولے۔

''قاری صاحب! نعوذ باللہ...... میری اتنی مجال اور جرأت کہاں کہ میں کسی کی زندگی یا موت کا وقت مقرر کروں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اگر ہمیں کسی شرعی شعبے کی ضرورت ہو تو ہم آپ جیسے جید عالم دین سے رجوع کرتے ہیں۔ اور آپ لوگوں نے جو کتابوں سے پڑھا ہو یا قرآن کریم سے حاصل کیا ہو آپ اس کی روشنی میں ہمیں بتا کر ہمارا مسئلہ حل فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح میں نے بھی جو کتابیں اور سائنس پڑھی ہے۔ اس کی روشنی میں، مَیں نے وہ کچھ بتایا ہے جو رپورٹس کہہ رہی ہیں۔''

موسیٰ بھی اس مدلل گفتگو اور جواب کو سن کر ڈاکٹر کی ذہانت کا قائل ہو گیا تھا لیکن قاری صاحب گلا کھنکھارتے ہوئے بولے۔ ''لیکن ڈاکٹر صاحب! سائنس غلط بھی تو ہو سکتی ہے۔ یہ کوئی قرآن اور حدیث تو نہیں ہے۔''

قاری صاحب کا سوال بھی خاصا وزنی تھا لیکن ڈاکٹر بھی علم رکھتا تھا۔ ''جی ہاں قاری صاحب! یہ کوئی قرآن اور حدیث نہیں ہے لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ سائنس قرآن حکیم سے ہی نکلی ہے اور قرآن حکیم ایک مکمل اور جامع کتاب ہے جس میں ہر بیماری کا علاج ہے۔ اسی لیے تو اس کو قرآن حکیم کہا گیا ہے۔''

قاری صاحب ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر بولے۔ ''سائنس انسانوں کی تخلیق ہے لیکن قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ سائنس بھی قرآن کریم کی مرہونِ منت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو قرآن کریم کا واسطہ دیا جائے تو وہ اپنے فیصلے بدل بھی سکتا ہے۔''

''بے شک قاری صاحب! اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ میں نے تو جو پڑھا ہے وہ بتایا ہے۔ قدرت کے فیصلوں پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ ہم قدرت کے فیصلوں میں دخل اندازی نہیں کر سکتے۔'' ابھی باتیں ہی ہو رہی تھیں کہ موسیٰ کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے نمبر دیکھا تو ستارہ کی کال تھی۔ اس نے قاری صاحب کی طرف دیکھا تو وہ اشارہ کر کے بولے۔ ''سن لو موسیٰ! کوئی ضروری بات ہو گی۔''

''جی!'' موسیٰ نے کال ریسیو کی اور اتنا ہی بولا تھا۔ دوسری طرف سے ستارہ کی آواز سنائی دی۔

''موسیٰ! آج پاپا کی ملز میں سالانہ حج کی قرعہ اندازی تھی۔ میں بھی پہلی بار گئی تھی۔ اور تمہیں مبارک ہو کہ آج کی قرعہ اندازی میں تمہارا حج کا ٹکٹ نکلا ہے۔ تم کہاں ہو؟''

موسیٰ کی سانسیں اور دھڑکنیں رُکنے والی ہو گئی تھیں۔ وہ آنکھیں پھاڑے موبائل کو دیکھے جا رہا تھا اور شاید نیٹ ورک پرابلم کی وجہ سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔

''پانی...... پپ...... پانی۔'' اس نے کہا تو قاری صاحب نے پاس پڑے ہوئے جگ سے ایک گلاس میں پانی بھرا اور موسیٰ کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے گلاس منہ کو لگایا اور غٹا غٹ پی گیا۔ قاری صاحب اور ڈاکٹر نے اندازہ لگایا

کہ موسیٰ کی والدہ کے انتقال کی اطلاع ہوگی جو اس کا یہ حال ہو گیا ہے۔

''خیریت ہے موسیٰ!'' قاری صاحب نے پوچھا تو وہ ان کی طرف دیکھتا ہوا آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

''ملز میں قرعہ اندازی ہونے پر اس بار میرا حج کا ٹکٹ نکل آیا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر قاری صاحب کی گود میں اپنے سر کو جھکا کر رونے لگا تو ڈاکٹر اور قاری صاحب اس کو مسکرا کر مبارک دینے لگے تھے۔ قاری صاحب اس کی کمر کو اپنے ہاتھ سے سہلاتے ہوئے بولے۔

''موسیٰ! بہت ہی مقدر والے ہو۔ گھر میں اپنی ماں کو جس پیار اور محبت سے دیکھ رہے ہو۔ اس کے عوض بھی اللہ تعالیٰ تمہیں ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرما رہا ہے۔ اور اب تو اس نے تم پر اپنا کرم کیا ہے تم کو اپنے گھر بلا رہا ہے۔ واہ کیا شان ہے اس پروردگارِ بے نیاز کی۔''

''جاؤ موسیٰ! جا کر یہ خوشخبری ماں جی کو سناؤ۔'' ڈاکٹر نے بھی اس کی کمر کو سہلایا تو وہ سرخ آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتا ہوا اُٹھا اور قاری صاحب سے اجازت لے کر گھر کی جانب چل پڑا۔

وہ ابھی گھر سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ پھر ستارہ کی کال آنے لگی اس نے ریسیو کی اور بولا۔ ''ستارہ تم سچ کہہ رہی ہو؟'' اس کو یقین ہی نہ آ رہا تھا۔ دوسری طرف سے ستارہ کی سنجیدہ آواز اُبھری۔

''موسیٰ! ایسے حالات میں میں تم سے جھوٹ کہنا تو درکنار...... مذاق بھی نہیں کر سکتی۔ یہ سچ ہے کہ ایک ماہ تک تم حج کرنے جاؤ گے۔''

وہ مسکراتا ہوا رونے لگا۔

''ستارہ! شکریہ...... میں گھر جا کر ماں جی کو بتاتا ہوں۔ وہ بہت خوش ہوں گی۔''

''ہاں موسیٰ! ان کو خوش رکھنے کی کوشش کیا کرو۔ مجھے سالار بھائی نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ تم شام کو اپنا پاسپورٹ وغیرہ بھجوا دینا۔ باقی کام میں کروا دوں گی۔'' ستارہ نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

اس کی برسوں کی خواہش پوری ہونے والی تھی۔ اللہ کریم کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے گھر بلوا لیا تھا۔ وہ آنکھوں میں شکر کے آنسو لے کر گھر میں داخل ہوا تو نیناں ماں جی کے پاؤں کی مالش کر رہا تھا۔ وہ موسیٰ کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ موسیٰ ماں جی کے قدموں میں بیٹھ کر جھکتا ہوا قدموں کو بوسہ دے کر بولا۔

''ماں جی! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے قدموں کا صدقہ...... حج کے لیے چن لیا ہے۔'' اتنا کہنا اور سننا تھا کہ موسیٰ اور شمع بی بی کے آنسوؤں کی موجیں لگ گئیں۔ نیناں بھی خوش ہو رہا تھا۔ وہ بھی جانتا تھا کہ موسیٰ کو کئی سالوں سے حج کرتے ہوئے خود کو خواب آ رہے تھے۔ اب اس کی خواہش کیسے پوری ہوئی تھی موسیٰ بتا رہا تھا۔

''ہر سال قرعہ اندازی کے ذریعے ملز میں ایک ملازم کو حج کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اس سال کے لیے آج جو قرعہ اندازی ہوئی ہے۔ اس میں میرا نام نکل آیا ہے۔'' اس نے ماں جی کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا تو نیناں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''مبارک ہو موسیٰ بھائی! میں یہ خبر گرو کو سناتا ہوں۔ وہ بھی بہت خوش ہوں گے۔'' نیناں اپنے گھر چلا گیا تھا۔

موسیٰ نے ماں جی کی روئی ہوئی آنکھوں کو صاف کیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ محبت سے ماں جی کو دیکھنے

لگا۔

''کیا دیکھ رہے ہو موسیٰ؟'' ماں جی کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ اس نے ماں جی کو دیکھا جو گردن ایک طرف ڈھلکائے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ لیکن خاموش اور بے حس و بے حرکت تھیں۔ موسیٰ نے کہا۔

''قاری صاحب کہتے ہیں کہ جو اپنی ماں کے چہرے کی ایک بار محبت سے زیارت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔''

اس نے ماں جی کی طرف دیکھنا شروع کیا تھا اور آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں نے ماں جی کا چہرہ دھندلا دیا اس نے آنسو صاف کیے اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

خانہ کعبہ کی تصویر کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سے التجائیں اور گلے کرنے لگا۔

''رحمٰن و رحیم مولا! ہر چیز پر قادر مالک مطلق! تُو تو کہتا ہے کہ اپنے بندے سے ستر ماؤں جتنا پیار کرتا ہے لیکن مجھ سے تو میری ایک ہی ماں کو بھی اپنے پاس بلا کر دور کر رہا ہے۔ کم از کم میری ایک ماں کا پیار تو مجھے لے لینے دے۔ کن فیکون کہے تو کئی جہان تخلیق ہو جاتے ہیں لیکن میری ماں کی تندرستی اور زندگی بھی میرے لیے ایک جہان تخلیق کرنے والی بات ہے۔ تیرے لیے تو کوئی مشکل نہیں ہے مالک! میری ماں کو بولنے کی طاقت لوٹا دے۔ وہ مجھ سے باتیں کرنا چاہتی ہے۔ وہ مجھے بہت کچھ کہنا چاہتی ہے۔ رحمٰن و رحیم مالک! مجھ پر اور میری ماں پر رحم فرما۔'' وہ رونے لگا تھا لیکن گھٹ گھٹ کر رو رہا تھا مبادا کہ شمع بی بی اس کا رونا سن کر مزید دُکھی نہ ہو جائیں۔ اس نے دیوار کے ساتھ اپنا ماتھا ٹکا دیا تھا اور آنسوؤں کو بہنے دیا تھا۔

سالار اور چاندنی مسلسل ماں جی کی تیمارداری کے لیے آ رہے تھے۔ سالار نے اسی دن موسیٰ کا پاسپورٹ ستارہ کو پہنچا دیا تھا اور آج پندرہ دن بعد اس کو حج کا ویزہ لگا پاسپورٹ مل گیا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا وہ ماں جی کے پاس بیٹھا ان کے پاؤں دھو رہا تھا۔ موسیٰ نے پاؤں دھو کر وہ پانی پی لیا تو شمع بی بی کی آنکھیں برسنے لگیں لیکن موسیٰ کو سکون محسوس ہوا تھا۔ اس نے ماں جی کے آنسو پونچھے اور ان کو کھانا کھلانے لگا۔ دروازہ یک دم کھلا تو مفلوک الحال شرجیل گرتا پڑتا اندر داخل ہوا۔

شمع بی بی کے منہ سے ''اللہ'' کا لفظ نکلا تو موسیٰ نے آگے بڑھ کر شرجیل کو اُٹھایا۔ اس کے پھٹے ہوئے کپڑے، بڑھی ہوئی شیو اور بھوک سے چہرے کا جو حال تھا اس حال نے وہ تمام داستان سنا دی تھی جو شرجیل کے ساتھ گھر سے باہر ہوا تھا۔

''شرجیل بھائی! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے آپ نے کیا ہو گیا ہے آپ کو؟'' موسیٰ اس کو لے کر ماں جی تک پہنچا تھا۔ وہ ماں جی کو اس حالت میں دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا تو نیناں اور گرو اپنے گھر سے بھاگے بھاگے ہوئے آئے تھے۔ شرجیل نے اپنا سر ماں جی کے قدموں پر جھکایا ہوا تھا اور روئے جا رہا تھا۔

''باہر...... باہر بڑی تیز اور سخت دھوپ ہے ماں جی!'' وہ یہ کہہ رہا تھا اور چھم چھم برسات برساتی آنکھیں ہر ایک کو پگھلا رہی تھیں۔ ''میں اس کڑکتی دھوپ میں سڑ کر سوا ہو گیا ہوں ماں جی!'' شمع بی بی کے دل میں تڑپ اور درد پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر تڑپ رہی تھیں لیکن ان کو اپنی بے بسی پر ہی ترس آنے لگا تھا۔

''مجھے اپنے ٹھنڈے آنچل تلے پناہ دے دے ماں! میں سڑ گیا ہوں۔صرف ایک بار......صرف ایک بار مجھے معاف کر دے۔ تجھے خدا کا واسطہ نہیں نہیں...... تجھے خدا کا نہیں...... تجھے...... تیری ممتا کا واسطہ۔ تیری ممتا کا واسطہ مجھے ایک بار معاف کر دے۔معاف کر دے۔'' شرجیل نے اپنا سر ماں جی کے قدموں پر رکھ دیا تھا۔ گرو، نیناں اور موسیٰ بھی بلک بلک کر رو رہے تھے۔موسیٰ نے آگے بڑھ کر ماں جی کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''اس کو معاف کر دے ماں اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ میرا ایک ہی تو بھائی ہے۔ معاف کر دے اس کو...... یہ اب لوٹ آیا ہے۔لوٹ آیا ہے۔'' موسیٰ کی تڑپتی ہوئی آواز نے جادو کا کام کیا تھا۔ ماں جی کی آنکھوں کے سامنے وہ پوری فلم چلنے لگی تھی جب یہ گھر چھوڑ کر گیا تھا اور پھر اس گھر پر ہیرا نے کیا کیا مظالم ڈھائے تھے۔

''میں مر جاؤں گا۔مرنے سے پہلے ایک بار اس آنچل کا سایہ میرے سر پر رکھ دے۔تتی اور کڑاکی دھپ نے مجھے ساڑ دیا ہے۔'' شرجیل کی آواز نے شمع بی بی کی مامتا کو تڑپا دیا تھا۔وہ آنسوؤں کے ان قطروں کو پیتی ہوئی نظریں گھما کر شرجیل کی طرف دیکھنے لگیں اور انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا تو شرجیل کو یک دم محسوس ہوا کہ وہ جیسے کڑکتی اور جھلسا دینے والی دھوپ سے نکل کر یک دم گھنی چھاں تلے آ گیا ہے۔اس نے دوزانو ہو کر ماں جی کا وہ ہاتھ پکڑ کر اس کو بوسے دینے شروع کر دیئے تھے۔ وہ ہاتھ کو کبھی آنکھوں اور کبھی ہونٹوں سے لگا رہا تھا۔ موسیٰ نے شرجیل کو اٹھایا اور بولا۔

''آپ اب مناہل بھابی کو بھی منا کر لائیں گے۔'' ماں جی نے موسیٰ کی بات سن کر آنکھیں جھپک کر اس پر مہر ثبت کر دی تھی نیناں اور گرو مسکراتے ہوئے اپنے گھر کو چلے گئے تھے۔

شرجیل ماں جی کے قدموں میں بیٹھا ہوا تھا۔اس نے رو رو کر آنکھیں سرخ کر لی تھیں۔موسیٰ نے دیکھا کہ وہ وہیں زمین پر ہی سو گیا تھا۔اس کا سر ماں جی کے قدموں پہ تھا۔اور وہ بالکل معصوم اور بے قصور بچے کی مانند پُرسکون نیند سو رہا تھا۔موسیٰ نے اس کو بے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

اگلے دن چاندنی اور سالار شرجیل کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے اور یہی حالت شرجیل کی بھی تھی۔موسیٰ نے ان کو باری باری ان کی ہی داستانیں سنائی تھیں۔شرجیل نے اُٹھ کر چاندنی کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور سالار سے بولا۔

''اب تُو میرا بہنوئی ہے......اب تجھے کبھی بھی نیش اور کلینا نہیں کہوں گا۔'' وہ بھی ہنس پڑے تھے۔لیکن سالار بولا۔

''شرجیل بھائی! آپ کے ان الفاظ میں جو پیار ہے وہ کہیں اور نہیں ہے۔''

''چل فیر ٹھیک ہے۔کدی کدی کہہ لیا کروں گا۔تیری تسلی کے لیے۔'' شرجیل نے کہا تو چاندنی کھل کر ہنسی تھی۔

''اب بھابی کو کب لائیں گے شرجیل بھائی!'' چاندنی نے پوچھا تو موسیٰ بولا۔'' آج اور ابھی اُدھر ہی جا رہے ہیں۔''

''یار موسیٰ! اگر چاندنی اور سالار میرے ساتھ چلیں تو خالہ اور خالو جلدی مان جائیں گے یار۔''

سالار بھی اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔''چل ٹھیک ہے شرجیل بھائی! آپ بھی کیا یاد کرو گے کہ آپ کا گھر بسانے میں میرا اور میری بیگم صاحبہ کا کیا کردار ہے چلیں۔'' وہ ماں جی کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے تھے۔موسیٰ نے ان کو بتایا تو وہ خوش ہو گئیں۔شرجیل نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور چاندنی اور سالار کے ساتھ گھر سے نکل گیا۔

موسیٰ کو حج کی خوشخبری کے بعد یہ بھی اچھی خبر ملی تھی کہ شرجیل سدھر گیا ہے۔اس کو باہر کی ہوا کھا کر اندازہ ہو گیا تھا کہ باہر واقعی بدن اور کردار کو جھلسا دینے والی کڑاکی دھوپ ہے۔تبھی تو وہ ماں کے ٹھنڈے آنچل کی طرف بھاگا تھا اور خوش قسمت تھا کہ اس کو وقت مل گیا تھا کہ اس نے ماں کی زندگی میں ہی ان سے معافی مانگ لی تھی۔

شکیل احمد نے اپنی جہاندیدہ نظروں سے بھانپ لیا تھا کہ اب شرجیل سدھر گیا ہے۔انہوں نے بھی اس کو معاف کر دیا تھا۔لیکن انہوں نے یہ کہا تھا کہ مناہل بچے کو اس گھر میں ہی جنم دے گی۔کیونکہ یہاں فائزہ اور تحریم اس کی دیکھ بھال اچھے طریقے سے کر سکتی ہیں۔سالار اور چاندنی ان کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے وہاں سے آ گئے تھے۔جبکہ شرجیل کو مناہل سے معذرت کرنے کے لیے وہیں چھوڑ آئے تھے۔

گھر آ کر چاندنی نے ماں جی کو خوشخبری سنا دی تھی کہ مناہل کے گھر والوں نے شرجیل کو معاف کر کے سینے سے لگا لیا ہے۔ماں جی خوش ہو گئی تھیں۔سالار احمد اور چاندنی پھر آنے کا کہہ کر اپنے گھر چلے گئے تھے۔موسیٰ نے ان کا ہر طرح سے خیال رکھا تھا۔

جوں جوں دن گزرتے جاتے تھے موسیٰ کی حالت بھی خراب ہوتی جاتی تھی کیونکہ اس نے ڈاکٹر کی بات کو ذہن میں بٹھا لیا تھا کہ اس کی ماں کے پاس صرف ایک مہینہ رہ گیا ہے اور اس بات کو بھی پچیس دن ہو گئے تھے۔حج کی تاریخ میں بھی پانچ دن باقی تھے اور سائنس نے بھی ماں جی کی زندگی کے باقی پانچ دن ہی مقرر کیے تھے۔اور بالآخر حج پر جانے کا دن آن پہنچا تھا موسیٰ نے صبح حج پر جانا تھا۔چاندنی اور سالار احمد نے پوری تیاری کر کے اس کا بیگ باندھ دیا تھا۔وہ آخری رات تھی صبح اس نے حج پر جانا تھا اور سائنس بھی یہی کہہ رہی تھی کہ ماں جی کے پاس آج ہی کی آخرت رات ہے۔

وہ ماں جی کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔اس نے حلق میں آنسوؤں کا بننے والا گولہ نگلا اور بولا۔

''کیا کروں؟ کیسے جاؤں؟ آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر کیسے جاؤں؟''

پاس ہی سے مانوس قہقہہ گونجا۔''ساری زندگی کی خواہش صبح پوری ہونے والی ہے موسیٰ! اب کیوں رو رہے ہو؟'' موسیٰ نے آواز کی سمت دیکھا اور بولا۔

''میں اپنی ماں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

''خدا کی نعمت کا شکر ادا کرنے اس کے گھر نہیں جائے گا تو وہ ناراض ہو جائے گا۔''

''اگر اس حالت میں ماں کو چھوڑ کر جاؤں گا تو وہ ناراض ہو جائے گی۔'' وہ تڑپ کر بولا تھا۔

''عبادت اور عشق میں سے کس کا انتخاب کرو گے۔'' عشق بولا تو وہ طنزیہ انداز میں ہنستا ہوا کہنے لگا۔

''تمہیں صبح پتہ چل جائے گا کہ میں کیسا حج کرتا ہوں۔میرے حج کی قبولیت کی گواہی تم بھی دو گے۔میرا خدا

بھی دے گا۔ یہ ماں بھی دے گی۔ یہ چاند تارے آسمان چرند پرند بھی میرے مقبول حج کی گواہی دیں گے۔تم بھی دیکھنا کہ میں عبادت، شریعت، محبت اور عشق کو کس طرح سرخرو کرتا ہوں......"

موسیٰ بول رہا تھا اور شمع بی بی خاموشی سے سن رہی تھیں اور پھر صبح موسیٰ نے وہ کیا جو اس کو شریعت نے کہا تھا۔ اس نے چاندنی، سالار، گرو اور نیناں اور ان سب کے سامنے حج بیت اللہ پر جانے سے انکار کر دیا۔ وہ سب دم بخود کھڑے تھے۔ وہ اندر گیا۔ جب واپس آیا تو اس نے احرام باندھا ہوا تھا۔

اس نے آ کر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر ماں جی کے قدموں کو بوسہ دیا۔ پھر ان قدموں کو آنکھوں سے چوما اور پھر ان کی وہیل چیئر کو لے کر گھر کے صحن میں طواف کی صورت میں گھمانے لگا۔ عشق دور کھڑا اس کی کارستانی کو دیکھ کر خوفزدہ ہو رہا تھا۔ موسیٰ نے گھر کے صحن میں ماں جی کی وہیل چیئر کو گھمایا اور ماں جی کی صورت دیکھ کر پھر اونچی آواز میں بولا۔

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْك، لَاشَرِيْكَ لَكَ"

اس کی آواز ہواؤں فضاؤں اور خلاؤں کو چیرتی ہوئی خانہ کعبہ کے غلاف سے ٹکرانے لگی تھی۔ اور پھر گھر میں موجود ہر شخص نے دیکھا اور سنا کہ پورے گھر سے "لبیك اللهم لبیك" کی صدائیں بلند ہو گئی تھیں۔ موسیٰ نے دور کھڑے عشق کو دیکھا جو اس کے انوکھے طریقہ حج پر حیران اور پریشان تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ آج پھر ایک بار امتی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے انوکھے سجدے سے مسخر کر لیا ہے۔ کیونکہ اس کے ذہن میں اللہ کے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گونج رہا تھا۔

"جس نے ایک بار اپنی ماں کو محبت سے دیکھا...... اللہ اس کو ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔"

موسیٰ نے فرض حج کو چھوڑ کر نفع کا سودا کیا تھا۔ کیونکہ اگر وہ ماں کو بیماری کی اس حالت میں چھوڑ کر جاتا تو شاید اس سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا اور اس کا حج بھی قبول نہ ہوتا۔ اس نے وہ انداز اپنایا تھا کہ شریعت عبادت اور عشق ایک ہی طواف سے سرخرو ہو گئے تھے۔

گھر کے سبھی مکینوں نے اس لمحہ محسوس کیا کہ ان کا گھر خوشبو سے بھر گیا ہے۔ اور یہ خوشبو کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ تیز اور بھینی بھینی تھی۔ کیونکہ موسیٰ کے ساتھ ساتھ اس گھر کے در و دیوار بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے لگے تھے اور اس خوشبو کو مسحور کن انداز میں ماں جی نے بھی محسوس کرتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند لی تھیں۔

❀......ختم شد......❀